ما شاء الله لا قوة الا بالله

وما اٰتٰكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا

رسول اللہؐ جو کچھ تم کو دیں، اُس کو لے لو، اور جس سے منع کریں، اُس سے باز آجاؤ!

مسند

امام اعظمؒ مترجم اُردو

۵۲۳ احادیث نبویؐ کا ایمان افروز خزانہ

جسے فقہ حنفی کے بانی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے مرتب فرما کر
مسلمانانِ عالم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے!

ترجمہ و فوائد

مولانا سعد حسن صاحب!

ناشر: محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

Marfat.com

DATA ENTERED

جملہ حقوق بحق ناشران محفوظ ہیں!

ناشران

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب

قرآن محل مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

(طابع)

مطبع سعیدی، قرآن محل، کراچی

Marfat.com

DATA ENTERED
۲۹۷۶۲
۱۵۵۱
۲۶۶
Replaced by B8359

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریبِ سعید

مسلمان اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن و حدیث دین کا ستون ہیں۔ اور دین کی اصل یہی دو چیزیں ہیں۔ نیز ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن اگر جسم ہے تو حدیث اس کی روح۔ کتاب اللہ اگر متن ہے تو احادیث نبویہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اس کی شرح ہیں۔

قرآن کو سب سے زیادہ جس نے سمجھا، وہ اس کے لانے والے نے سمجھا۔ اور ان کے بعد ان لوگوں نے سمجھا جنہوں نے براہِ راست شمع نبوت سے کسب فیض حاصل کیا۔ پس ظاہر ہے کہ ان کے اقوال و اعمال ان کی پاکیزہ سیرتیں، قرآن کے دائرہ کے اندر ہی ہوں گی۔ اس لئے کلام ربانی یعنی قرآن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، اور صحابہؓ و تابعین کے اعمال و اخلاق کو اسلام میں اہم ستون کی حیثیت حاصل ہے، اور ان کا مطالعہ اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنے کے لئے ضروری ہے

زیرِ نظر کتاب یعنی **مسند امام اعظمؒ** کی اہمیت واضح ہے۔ اور یہ ان حضرات کیلئے ایک چیلنج ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے متعلق اس زعم باطل میں مبتلا ہیں، کہ انہیں حدیث کی واقفیت بہت کم تھی۔ اور اس سلسلہ میں ان کا مبلغ علم محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن وہ یہ بات ہی بے فراموش کر جاتے ہیں، کہ استخراج مسائل بغیر واقفیت حدیث کے ممکن ہی نہیں۔ پھر جن اساتذہ سے انہیں شرف تلمذ حاصل ہوا۔ ان میں کثرت سے اکابر محدثین کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کتاب احناف کے لئے بہت ہی افادیت کی حامل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے اجتہاد کی بنیاد صرف قیاس اور رائے پر نہ تھی۔ جیسا کہ ایک جماعت خیال کرتی ہے، بلکہ ان کے اجتہاد کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت نبویہ دونوں ہیں۔

اُردو دان عوام کے لئے جو دینی ذوق اور شرعی مسائل کے علم کا شوق رکھتے ہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب معہ ترجمہ اردو اور شرح پیش کرتے ہوئے ہم ایک مسرت محسوس کر رہے ہیں، کہ یہ کتاب مسائل کے سمجھنے میں بے حد ممد و معاون ہوگی۔ اور خواص کے لئے بھی یہ کتاب افادیت سے پُر ہے۔ اس لئے کہ احادیث کی روشنی میں اخذ کئے ہوئے ائمہ مجتہدین کے مسائل کو بیان کر کے ان کا اختلاف

واضح کرتے ہوئے مسلک احناف کی وضاحت دلیلوں کے ذریعے کی گئی ہے۔ اس طرح اگر یہ کتاب ایک طرف احادیث نبویؐ کا مجموعہ ہے تو دوسری طرف مسائل فقہیہ کا ایک بے مثل ذخیرہ ہے، بصورت تعارض احادیث وجوہ ترجیح و تطبیق و تاویل وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں اور مسلکِ احناف کے ترجیح کے وجوہ بہ احسن اسلوب بامحاورہ اُردو میں آسان طرز پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے اُردو زبان میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک بے مثل کتاب ہے۔

اُمید ہے کہ ناظرین ہماری اس کوشش کو بنظر استحسان دیکھیں گے، اور عمل کرکے اپنی دنیوی و اُخروی زندگی سنوار کر دعاءِ خیر کے ساتھ یاد فرمائیں گے۔

محمد سعید عفی عنہ

۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ

Marfat.com

فہرست مضامین مسند امام اعظم مترجم اردو

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تقریب سعید	۳
	مقدمہ از مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی	
	سوانح امام ابوحنیفہؒ از علامہ قاری احمد	
۱	اعمال کا دارومدار تمام تر نیتوں پر ہے	۳۳
	کتاب الایمان والاسلام والقدر والشفاعۃ	
۲	ارکان اسلام کا بیان اور قدریہ کی مذمت	۳۴
۳	توحید و رسالت کا بیان ؛	۳۹
۴	مشرکین کی اولاد کے بارے میں کوئی فیصلہ دینے سے توقف کرنا ؛	۴۱
۵	اسلام کی بنیاد توحید کی شہادت ہے ؛	۴۲
۶	گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ؛	۴۳
۷	مسلمان ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے	۴۵
۸	تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے ؛	۵۲
۹	عمل کی ترغیب ؛	۵۳
۱۰	منکرین تقدیر کی مذمت ؛	۵۴
۱۱	شفاعت کا بیان ؛	۵۶
	کتاب العلم	
۱۲	طلب علم کی فرضیت کے بیان میں	۶۷
۱۳	تحصیل فقہ کی فضیلت کا بیان	۶۸
۱۴	اہل ذکر کی فضیلت کا بیان ؛	۶۹
۱۵	رسول اللہ صلعم کی طرف قصداً جھوٹی بات کی نسبت کرنے پر سنگین دھمکی ؛	۷۱
	کتاب الطہارت	
۱۶	اس بات کی ممانعت میں کہ کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے ؛	۷۵
۱۷	بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے میں	۷۷
۱۸	کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا بیان ؛	۷۸
۱۹	دودھ پی کر وضو نہ کرنے کے بیان میں	۷۹
۲۰	گوشت کھا کر وضو نہ کرنے کے بیان میں	〃
۲۱	مسواک کی تاکید میں ؛	۸۰
۲۲	وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونے کا بیان ؛	۸[illegible]
۲۳	ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کے بیان میں ؛	۸۵
۲۴	وضو کے بچے ہوئے پانی کو اپنی رومالی پر چھڑکنے کا بیان ؛	〃
۲۵	موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں ؛	[illegible]
۲۶	مسح کی مدت مقرر کرنے کا بیان ؛	۹۲
۲۷	اس ناپاک کے بیان میں جو بحالت ناپاکی ہی جماع کرنا چاہے ؛	۹۴
۲۸	ناپاک نہ سوئے جب تک وضو نہ کرلے ؛	۹۵
۲۹	اس امر کے بیان میں کہ مومن نجس نہیں ہوتا ؛	۹۶
۳۰	اس امر کے بیان میں کہ عورت کو خواب میں [illegible] احتلام ہوتا ہے جس طرح مرد کو ؛	۹۷
۳۱	اس بیان میں کہ تمام تر پاک ہے ؛	۹۸
۳۲	کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کا بیان ؛	〃
۳۳	اس بیان میں کہ جو کھال دباغت کر لی گئی وہ پاک ہوئی ؛	۱۰۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کتابُ الصلوٰۃ	
۳۴	اس بیان میں کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان ستر ہے ۔	۱۰۲
۳۵	ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بیان میں	۱۰۳
۳۶	نماز اپنے وقت پر پڑھنے کے بیان میں	۱۰۴
۳۷	باب اسفار کی فضیلت میں ۔	۱۰۵
۳۸	نماز عصر کے قضا ہو جانے پر وعید کے بیان میں ۔	۱۰۶
۳۹	اذان اور اقامت کے بیان میں ۔	۱۰۷
۴۰	اس شخص کے اجر کے بیان میں جو اللہ کے لئے مسجد بنائے ۔	۱۱۵
۴۱	مسجد میں گمی ہوئی چیزوں کے ڈھونڈنے سے ممانعت میں ۔	۱۱۶
۴۲	نماز شروع کرنے کے بیان میں ۔	۱۱۷
۴۳	نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی جائز نہیں ۔	۱۲۱
۴۴	اس بیان میں کہ امام کی قرارت مقتدی کی قرأت میں ہے ۔	۱۲۳
۴۵	باب تطبیق کے منسوخ ہونیکے بیان میں ۔	۱۴۱
۴۶	اس بیان میں کہ امام کو سمع اللہ لمن حمدہ کے ساتھ ربنا لک الحمد بھی کہنا چاہیئے یا نہیں ؟	۱۴۲
۴۷	سجدہ کی کیفیت کا بیان ۔	۱۴۳
۴۸	صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کا بیان ۔	۱۴۵
۴۹	تشہد میں بیٹھنے کی ہیئت شرعی ۔	۱۴۸
۵۰	باب تشہد کے بیان میں ۔	۱۴۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۱	امام کا نماز کو ہلکی پڑھنے کا بیان ۔	۱۵۱
۵۲	بوریئے پر نماز پڑھنے کے بیان میں ۔	۱۵۲
۵۳	مریض کی نماز کے بیان میں ۔	۱۵۳
۵۴	ولد الزنا غلام اور دیہاتیوں کی امامت کے بیان میں ۔	۱۵۶
۵۵	اس بیان میں کہ دو کی بھی جماعت ہے ۔	۱۵۷
۵۶	صفوں کے ملانے کی فضیلت میں ۔	″
۵۷	فجر اور عشاء کی جماعتوں میں شرکت کرنے کی فضیلت میں ۔	۱۵۸
۵۸	اس بیان میں کہ جب نماز عشاء کا وقت آجائے اور ادھر کھانا حاضر ہو تو انسان کیا کرے ؟ کھانا پہلے کھائے یا نماز پڑھے ؟	۱۶۰
۵۹	اس بیان میں کہ اگر کوئی تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر مسجد میں آئے تو جماعت ہوتی ہو تو وہ کیا کرے ؟	″
۶۰	جمعہ کے دن غسل کرنے کا بیان ۔	۱۶۲
۶۱	خطبہ کے بیان میں ۔	۱۶۳
۶۲	جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے ؟	۱۶۵
۶۳	جمعہ کی شب کی فضیلت میں اور اس شخص کی برتری میں جو اس میں مرے ۔	″
۶۴	عورتوں کو رخصت دیئے جانے میں کہ جو مقامات خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونے کے لئے نکلیں ۔	۱۶۶
۶۵	نماز نہ عید سے پہلے ہے نہ اسکے بعد ۔	۱۶۷
۶۶	سفر میں نماز کو چھوٹا کرنے کے بیان میں ۔	۱۶۸
۶۷	سواری پر نماز پڑھنے کے بیان میں ۔	۱۷۲
۶۸	وتر کے بیان میں ۔	۱۷۳

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۹	دو سجدہ سہو کے بیان میں	۱۷۸
۷۰	سجدہ تلاوت کے بیان میں	۱۷۹
۷۱	نماز میں بات چیت منع ہونے کا بیان	״
۷۲	نماز میں مردوں کو تسبیح کہنا چاہیئے اور عورتوں کو تصفیق کرنا مناسب ہے	۱۸۰
۷۳	کونسی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کونسی نہیں	۱۸۱
۷۴	نماز کسوف کے بیان میں	۱۸۲
۷۵	استخارہ کی نماز کے بارے میں	۱۸۴
۷۶	چاشت کی نماز کے بیان میں	۱۸۵
۷۷	اعتکاف کے بیان میں	۱۸۶
۷۸	تہجد کے بیان میں	״
۷۹	سنت فجر کے بیان میں	۱۸۷
۸۰	بعد نماز عشاء مسجد میں چار رکعات نفل پڑھنے کے بیان میں	۱۸۹
۸۱	نماز ظہر کے بعد دو رکعت ادا کرنے کا بیان	۱۹۰
۸۲	گھروں میں نفل نمازیں پڑھنے کا بیان	״
۸۳	کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھنے کا بیان	۱۹۱
۸۴	جنازے کے بیان میں	۱۹۲
۸۵	قبر کے سوال و جواب کے بیان میں	۱۹۷
۸۶	قبرستان میں جانے اور مُردوں پر سلام کہنے کے بیان میں	۲۰۰
	کتاب الزکوٰۃ	
۸۷	رکاز کا حکم	۲۰۱
۸۸	بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے	۲۰۲
۸۹	فقیر صدقہ کا مال دوسرے کو ہدیہ کے طور پر دے سکتا ہے	۲۰۳
	کتاب الصوم	
۹۰	روزے کی فضیلت کا بیان	۲۰۳
۹۱	پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم منسوخ ہے	۲۰۶
۹۲	جنابت کی حالت میں صائم کا صبح کرنا	۲۰۷
۹۳	روزہ کی حالت میں بوسہ لینے کے بیان میں	۲۰۸
۹۴	سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت ہے	۲۰۹
۹۵	صوم وصال اور صوم صمت کا روزہ منع ہے	۲۱۰
۹۶	ایام تشریق اور شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے	۲۱۱
۹۷	اعتکاف اور اپنی نذر پوری کرنے کے بیان میں	۲۱۲
	کتاب الحج	
۹۸	حج میں جلدی کرنے کے بیان میں	۲۱۲
۹۹	حاجی کی بخشش کے بیان میں	۲۱۳
۱۰۰	حج زور سے لبیک کہنے اور قربانی کا نام ہے	״
۱۰۱	احرام باندھنے کی جگہوں کی نشاندہی میں	״
۱۰۲	محرم کے کیا پہننے کا بیان	۲۱۴
۱۰۳	محرم کے لئے خوشبو کے استعمال کے بیان میں	۲۱۵
۱۰۴	تمتع کے بیان میں	۲۱۶

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۰۵	محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا کیسا ہے؟	۲۱۸
۱۰۶	کس قسم کا قتل محرم کے لئے جائز ہے؟	۲۱۹
۱۰۷	محرم کے نکاح کے بیان میں ÷	۲۲۰
۱۰۸	محرم کے لئے پچھنے لگانا کیسا ہے؟	۲۲۲
۱۰۹	رکن اور حجر اسود کے بوسہ دینے کا بیان ÷	″
۱۱۰	عرفہ میں دو نمازوں کا جمع کرنا ÷	۲۲۵
۱۱۱	کنکری پھینکنے کے بیان میں ÷	۲۲۶
۱۱۲	اپنی قربانی کے جانور پر سواری لینا کیسا ہے؟	۲۲۸
۱۱۳	تمتع اور قران کے بیان میں ÷	″
۱۱۴	رمضان میں عمرہ کی فضیلت کے بیان میں ÷	۲۳۴
۱۱۵	حضرت محمد صلعم کی قبر شریف کی زیارت کے بیان میں ÷	۲۳۵
	کتاب النکاح	
۱۱۶	خطبہ نکاح کے بیان میں ÷	۲۳۵
۱۱۷	نکاح کے حکم میں ÷	۲۳۶
۱۱۸	کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دلانے کے بارے میں	۲۳۷
۱۱۹	بوڑھی اور رانڈ مطلقہ بچہ والی عورتوں کے نکاح سے اجتناب کیا جائے	۲۳۸
۱۲۰	بانجھ عورت سے نکاح کرنے سے اجتناب کے بیان میں ÷	۲۳۹
۱۲۱	عورت کے منحوس ہونے کے بیان میں ÷	″

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲۲	کنواری اور بیوہ عورت سے اجازت لینے کے بیان میں ÷	۲۴۱
۱۳۲	باکرہ کی رضامندی لی جائے اور ثیبہ سے اجازت ÷	۲۴۲
۱۲۴	بغیر رضامندی عورت سے نکاح جائز نہیں ÷	۲۴۳
۱۲۵	ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا ÷	۲۴۴
۱۲۶	متعہ کی حرمت کا بیان ÷	۲۴۶
۱۲۷	عزل کے بیان میں ÷	۲۴۹
۱۲۸	عورتوں کے پاس جس طرف سے بھی چاہیں، آنا ÷	۲۵۰
۱۲۹	دبر میں عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے ÷	۲۵۱
۱۳۰	نسب صاحب فراش کا ہے ÷	۲۵۳
	کتاب الاستبراء	
۱۳۱	رحم کو صاف اور بری کرنے کے بیان میں ÷	۲۵۴
	کتاب الرضاع	
۱۳۲	دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے، جو نسب کے رشتہ سے ÷	۲۵۵
	کتاب الطلاق	
۱۳۳	طلاق میں مسخری کے بیان میں ÷	۲۵۶

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۴	عدّت کے بیان میں ۔	۲۵۷
۱۳۵	حیض میں طلاق دینے کے بیان میں	۲۵۸
۱۳۶	طلاق کے ساتھ کھیل کرنے کے حرام ہونے میں ۔	۲۵۹
۱۳۷	مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی ۔	۲۶۰
۱۳۸	عورت کو صرف اختیار دینے سے اس کو طلاق نہیں ہوتی ۔	۲۶۰
۱۳۹	منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرے یا علیحدگی اختیار کرلے ۔	〃
۱۴۰	باندی کی طلاق کے بیان میں ۔	۲۶۱
۱۴۱	تین طلاق دی ہوئی عورت کے لئے مکان بھی ہے اور نفقہ بھی ۔	۲۶۳
۱۴۲	اس عورت کی عدت کے بیان میں جس کا خاوند مرگیا ہو ۔	۲۶۵
۱۴۳	سورۂ بقرہ میں وفات کی جو عدت ہے، اس کے نسخ کے بیان میں ۔	۲۶۶
۱۴۴	اُس عورت کے بیان میں جس کا شوہر مرگیا ہو، نہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو اور نہ اُس کے شوہر نے اُسکے ساتھ خلوت صحیحہ کی ہو ۔	۲۶۷
۱۴۵	ایلا، بالکلام کے بیان میں ۔	۲۶۷
۱۴۶	باب خلع کے بیان میں ۔	۲۶۸
	کتاب النفقات	
۱۴۷	نفقوں کے بیان میں ۔	۲۶۹
	کتاب التدبیر	
۱۴۸	تدبیر کی بیع کے بیان میں ۔	۲۷۰
۱۴۹	باب ولا کے بیان میں ۔	۲۷۱
۱۵۰	بیچنے اور ہبہ کرنے کی ممانعت کے بیان میں ۔	〃
	کتاب الایمان	
۱۵۱	جھوٹی قسم کی ممانعت میں ۔	۲۷۲
۱۵۲	باب گناہ پر نذر ماننے میں اور اس میں کفارہ ہے اور اس کا پورا نہ کرنا ۔	۲۷۳
۱۵۳	باب یمین لغو کے بیان میں ۔	۲۷۵
۱۵۴	قسم میں جملہ استثناء لانا اس کو باطل کردیتا ہے ۔	۲۷۶
	کتاب الحدود	
۱۵۵	شراب، جوئے اور دوسری چیزوں کی حرمت کے بیان میں ۔	۲۷۷
۱۵۶	شراب نوشی اور چوری کی سزا کے بیان میں ۔	〃
۱۵۷	اُس مقدار مالیت کے بیان میں جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے ۔	۲۸۰
۱۵۸	حدود کو رد اور دفع کرنے کے بیان میں ۔	۲۸۲
۱۵۹	شادی شدہ زناکار کے رجم کے بیان میں ۔	۲۸۲
۱۶۰	ذمی کے قتل پر مسلمان سے قصاص لیا جائے ۔	۲۸۸

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کتاب الجھاد	
۱۶۱	مجاہدین کی عورتوں میں جہاد میں نہ جانے والوں کی طرف سے خیانت سرزد ہونا حرام ہے ۔	۲۸۹
۱۶۲	اس وصیت کے بیان میں جو شکر وغیرہ بھیجتے وقت کی جاتی ہے ۔	〃
۱۶۳	مثلہ سے مخالفت کے بیان میں ۔	۲۹۱
۱۶۴	اس کی ممانعت میں کہ خمس قبل تقسیم بیچا جائے ۔	۲۹۲
	کتاب البیوع	
۱۶۵	مشتبہ چیزوں سے بچنا ۔	۲۹۳
۱۶۶	شراب پر اور اس سے تعلق رکھنے والوں پر لعنت ۔	〃
۱۶۷	سود خور پر لعنت کے بیان میں ۔	۲۹۴
۱۶۸	اس بیان میں کہ سود اُدھار میں ہے ۔	۲۹۵
۱۶۹	اس بیان میں کہ چھ چیزوں میں زیادتی سے سود ہوتا ہے ۔	〃
۱۷۰	دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض میں خریدنا ۔	۲۹۸
۱۷۱	دھوکے کی بیع کی ممانعت میں ۔	۲۹۹
۱۷۲	بیع مزابنۃ و محاقلۃ سے ممانعت کے بیان میں ۔	〃
۱۷۳	اس امر کی ممانعت میں کہ میوہ کو سرخ یا زرد ہونے سے پہلے خریدا جائے ۔	۳۰۰
۱۷۴	مشتری کی طرف سے شرط کرلینے کے بیان میں ۔	〃
۱۷۵	بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے ممانعت کے بیان میں ۔	۳۰۱
۱۷۶	شکاری کتے کی قیمت پر رخصت لینے کے بیان میں ۔	۳۰۲
۱۷۷	تنگ دست کو مہلت دینے کے بیان میں ۔	۳۰۵
۱۷۸	خرید و فروخت میں دھوکے بازی ممنوع ہونے کا بیان ۔	۳۰۶
	کتاب الرّھن	
۱۷۹	رہن کے بیان میں ۔	۳۰۷
	کتاب الشّفعۃ	
۱۸۰	شفعہ کے بیان میں ۔	۳۰۸
	کتاب المزارعۃ	
۱۸۱	کھیتی باڑی کے بیان میں ۔	۳۱۲
	کتاب الفضائل	
۱۸۲	آنحضرت صلعم کی فضیلتوں کے بیان میں ۔	۳۱۳
۱۸۳	حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلتوں کے بیان میں ۔	۳۱۷
۱۸۴	حضرت عمارؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلتوں کے بیان میں ۔	۳۱۸
۱۸۵	حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۱۹
۱۸۶	حضرت علیؓ کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۲۰

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸۷	حضرت حمزہ رض کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۲۱
۱۸۸	حضرت زبیر رض کی فضیلت کے بیان میں ۔	〃
۱۸۹	حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۲۲
۱۹۰	حضرت خزیمہ رض کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۲۶
۱۹۱	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۲۷
۱۹۲	حضرت عائشہ صدیقہ رض کی فضیلت کا بیان ۔	۳۲۸
۱۹۳	حضرت شعبی رح کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۳۴
۱۹۴	حضرت ابراہیم علقمہ رح اور عبداللہ کی فضیلتوں کے بیان میں ۔	〃
۱۹۵	حضرت امام ابو حنیفہ رح کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۳۵
	کتاب فضل امۃ صلی اللہ علیہ وسلم	
۱۹۶ (الف)	حضرت صلعم کی امت کی فضیلت میں	۳۳۵
	کتاب الاطعمۃ والاشربۃ والضحایا والصید والذبائح	
۱۹۶ (ب)	ہر پنجہ دار جانور کے کھانے سے ممانعت کے بیان میں	۳۳۹
۱۹۷	گھریلو گدھوں کے کھانے سے ممانعت کے بیان میں ۔	〃
۱۹۸	حشرات الارض کے کھانے سے ممانعت کے بیان میں ۔	〃
۱۹۹	گوہ کے کھانے کے حکم میں ۔	۳۴۰
۲۰۰	سدھائے ہوئے کتوں کے شکار کے بیان میں ۔	۳۴۲
۲۰۱	ٹڈی کے کھانے میں اختیار دینے کے بیان میں ۔	۳۴۳
۲۰۲	مجثمۃ سے ممانعت کے بیان میں ۔	۳۴۵
۲۰۳	پتھر سے ذبح کرنے کے جواز میں ۔	〃
۲۰۴	ذی الحجہ کے عشرہ کی فضیلت کے بیان میں ۔	۳۴۶
۲۰۵	سرکہ کی فضیلت کا بیان ۔	۳۴۸
۲۰۶	اس بیان میں کہ ٹیک لگا کر کھانا منع ہے ۔	۳۴۹
۲۰۷	اس بیان میں کہ سونے چاندی کے برتن میں پینا منع ہے ۔	〃
۲۰۸	نبیذ کے پینے کے بیان میں ۔	۳۵۲
۲۰۹	اس بیان میں کہ خمر کی قیمت کا کھانا حرام ہے ۔	۳۵۶
	کتاب اللباس والزینۃ	
۲۱۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی کے بارے میں ۔	۳۵۶
۲۱۱	سدل کے بیان میں ۔	۳۵۷
۲۱۱	اس بیان میں کہ ریشم اور دیباج کا پہننا منع ہے ۔	〃
۲۱۳	تصاویر کے بیان میں ۔	〃
۲۱۴	مہندی سے بالوں کو خضاب کرنے کے بیان میں ۔	۳۵۸
۲۱۵	کتم کے ساتھ خضاب کرنے کے بیان میں ۔	〃

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱۶	داڑھی کے اطراف، وجوانب کے کٹوانے اور چھٹوانے کے بیان میں ÷	۳۵۹
	كتاب الطب وفضل المرض والرقى والدعوات	
۲۱۷	طب، مرض کی فضیلت، منتر اور دعاؤں کے بیان میں ÷	۳۶۰
	كتاب الأدب	
۲۱۸	باب ادب کے بیان میں ÷	۳۶۶
۲۱۹	باب نرمی اور خوش اخلاقی کے بیان میں ÷	۳۶۸
۲۲۰	باب اس بیان میں کہ علم نجوم میں نظر کرنا منع ہے ÷	۳۷۲
۲۲۱	باب اس بیان میں کہ زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت ہے ÷	۳۸۰
۲۲۲	باب اس بیان میں کہ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا منع ہے ÷	۳۸۱
	كتاب الرقاق	
۲۲۳	دل گداز باتوں کے بیان میں ÷	۳۸۱
	كتاب الجنايات	
۲۲۴	جنایات کے بیان میں ÷	۳۸۳
	كتاب الأحكام	
۲۲۵	احکام کے بیان میں ÷	۳۸۶
	كتاب الفتن	
۲۲۶	فتنوں کے بیان میں ÷	۳۹۵
	كتاب التفسير	
۲۲۷	تفسیر قرآن کے بارے میں ÷	۳۹۷
	كتاب الوصايا والفرائض	
۲۲۸	وصایا اور فرائض کا بیان ÷	۴۰۷
	كتاب القيمة وصفة الجنة	
۲۲۹	قیامت کے بیان، اور جنت کی صفت میں ÷	۴۱۱

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب و مالکان مطبع سعیدی
قرآن محل بالمقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

مسند امام اعظمؒ

از

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو علم حدیث میں جو رتبہ حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئیں، کسی کی نہیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں میں روایت حدیث کو جو ترقی ہوئی، دنیا میں اس کی نظیر موجود نہیں۔ صحاح، سنن، مستخرجات، جوامع، مسانید، معاجیم، اجزاء، طرق، وغیرہ مختلف عنوانات قائم ہوئے اور ہر عنوان کے تحت اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ لیکن خاص کسی ایک ہی شخص کی روایات کو ایک مستقل مجموعہ میں علیحدہ قلمبند کرنے کا رواج زیادہ نہیں ہو سکا۔ محدثین اور حفاظ میں بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں کہ جن کی حدیثیں مستقل تصانیف میں جداگانہ مدون کی گئیں۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ایک ایسے شخص ہیں جن کی احادیث و روایات کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئیں۔ اور ان ائمہ وقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مسانید لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہمسر ہو سکتا ہے تو صرف امام مالک (رحمہ اللہ) ہیں۔

امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کی احادیث و روایات کو جن محدثین نے مستقل طور پر علیحدہ تصنیفات میں مدون کیا۔ ان میں سے جن حضرات کے متعلق ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں[1]۔

(۱) حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوری ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور وطن کی نسبت سے شہرت ہے دور بغداد کے آخری سرے پر شرقی جانب میں شہر کے بالائی مقام پر ایک محلہ تھا۔ یہ اسی کی طرف منسوب ہیں۔ ۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ ۳۳۱ھ میں نوے

---

[1] واضح رہے کہ یہ سب مسانید کتاب الآثار کے علاوہ ہیں جو علم حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کی مشہور تصنیف ہے۔ کتاب [illegible] علم حدیث میں کیا پایہ ہے اور اس کے راوی کس شان کے ہیں۔ اور اس کے نسخے کس کثرت سے [illegible] ان سب امور پر ہم کتاب الآثار میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں جو اسی سال میں کتاب الآثار مترجم کے ساتھ محمد سعید اینڈ سنز نے شائع کیا ہے۔

Marfat.com

سال کی عمر میں وفات پائی۔ فن حدیث کی تحصیل یعقوب دورقی، زبیر بن بکار، حسن بن عرفہ اور امام مسلم بن حجاج وغیرہ سے کی، اور ان سے دارقطنی، ابن عقدہ اور ابن المظفر جیسے اکابر حفاظ نے اس فن کو حاصل کیا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے "الامام المفید الثقۃ مسند بغداد" آگے چل کر لکھتے ہیں :-

کان معروفا بالثقۃ والصلاح و الاجتھاد بالطلب۔ | یہ ثقاہت میں، نیکی میں اور طلب حدیث کے لئے جدوجہد کرنے میں مشہور ہیں۔

محدث دارقطنی سے ایک بار ان کے بارے میں سوال ہوا تو فرمانے لگے ثقۃ مامون، تذکرۃ الحفاظ میں ان کے والد کا نام مخلد کی بجائے احمد غلط چھپ گیا ہے، اس کی تصحیح کر لی جائے۔ حافظ ابن الجوزی کی المنتظم فی تاریخ الملوک والامم اور یاقوت حموی کی معجم البلدان اور رجال کی دوسری کتابوں میں ان کے والد کا نام مخلد ہی مذکور ہے حافظ ابن مخلد نے امام ابوحنیفہ کی روایات کو ایک مستقل تالیف میں علیحدہ جمع کیا ہے جس کا ذکر محدث خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد میں متعدد جگہ آیا ہے۔ چنانچہ محمد بن الحسن بن الوازع ابو داؤد الجمال کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :-

روی عنہ محمد بن مخلد الدوری فی جمعہ حدیث ابی حنیفۃ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۸ طبع مصر) | ان سے محمد بن مخلد دوری نے اپنی کتاب "جمع حدیث ابی حنیفہ" میں روایت کی ہے۔

(۲) حافظ عصر ابن عقدہ

ابو العباس احمد بن محمد بن سعید الکوفی، عقدہ ان کے والد کا لقب تھا جو ایک نہایت صالح شخص تھے اور نحو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے ابن عقدۃ حافظ العصر والمحدث البحر پھر ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

الیہ المنتھی فی قوۃ الحفظ وکثرۃ الحدیث وصنف وجمع والف فی الابواب والتراجم۔ | قوت حافظہ اور کثرت حدیث کی ان پر انتہا ہوگئی۔ انہوں نے ابواب و تراجم دونوں عنوانوں کے تحت تصنیف و تالیف کی اور حدیثیں جمع کیں۔

حافظ ابن الجوزی، المنتظم میں لکھتے ہیں کہ :-

"یہ خود اکابر حفاظ میں سے تھے۔ اور ان سے اکابر حفاظ ابوبکر بن الجعابی، عبد اللہ بن عدی، طبرانی، ابن المظفر، دارقطنی، اور ابن شاہین نے حدیثیں روایت کی ہیں"

حافظ ابن عقدہ نے ماہ ذی قعدہ ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ ان کا سال ولادت ۲۴۹ھ ہے۔ حافظ بدرالدین محمود عینی شارح بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ :-

ان مسند ابی حنیفۃ لابن عقدۃ یحتوی وحدہ علی ما یزید علی الف حدیث۔[1] | صرف ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہ ایک ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب از محدث محمد زاہد کوثری ص ۱۵۱ طبع مصر ۱۳۶۱ھ۔

Marfat.com

(۳) حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی المتوفی ۳۳۵ھ۔ یہ فن حدیث میں امام نسائیؒ اور امام طحاوی کے شاگرد ہیں۔ مصر میں عہدہ قضاء پر فائز رہے امام ابوحنیفہ کے مناقب میں بھی ایک مبسوط کتاب لکھی۔ یہ مسند ابی حنیفہ بھی اس کتاب کا ایک جزو ہے اس کا قلمی نسخہ دمشق کے کتبخانہ ظاہریہ میں موجود ہے۔ اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن نے وہاں سے اس کا عکس بھی حاصل کرلیا ہے۔ سُنا ہے کہ مجلس مذکور کا ارادہ اس نادر تحفہ کو عام کردینے کا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ جلد یا بدیر یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوکر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی ؛

(۴) حافظ اشنانی قاضی ابوالحسین عمر بن الحسن بن علی المتوفی ۳۳۹ھ حافظ طلحہ بن محمد ان کے بارے میں فرماتے ہیں ۔ کان من جلۃ اصحاب الحدیث المجودین احد الحفاظ وقد حدث حدیثا کثیرا وحمل الناس عنہ قدیما وحدیثا ۔ یعنی "یہ بڑے پایہ کے جلیل القدر محدثین اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ انہوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں بیان کیں۔ اور لوگوں نے قدیما وحدیثا (ہر زمانے میں) ان سے روایتیں کیں ۔" اور حافظ ابوعلی نے جو دارقطنی اور حاکم کے شیخ تھے ان کو ثقہ کہا ہے ۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے، محدث خوارزمی نے اس سے جامع المسانید میں حدیثیں نقل کی ہیں

(۵) امام عبداللہ حارثی المتوفی ۳۴۰ھ ، ان کے متعلق زیادہ تفصیل آگے آئے گی ؛

(۶) حافظ ابن عدی ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی المعروف بابن القطان صاحب کتاب الکامل فی الجرح والتعدیل ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۶۵ھ میں قضا کی۔ فن جرح وتعدیل میں ان کا بڑا شہرہ ہے۔ حدیث میں امام نسائی ، اور ابویعلیٰ موصلی کے شاگرد ہیں ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی نے السہم المصیب فی کبد الخطیب میں لکھا ہے کہ حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب مسند ابی حنیفہ کے دیباچہ میں امام ممدوح کے مناقب بھی لکھے ہیں[۱] ؛

(۷) حافظ محمد بن المظفر ابوالحسین البغدادی، ۲۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۰۰ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا جبکہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی۔ طلب حدیث میں مصر وشام اور جزیرہ وعراق کو پے سپر کیا۔ امام محمد بن جریر طبری بھی ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ دارقطنی ابن شاہین، برقانی، اور ابونعیم اصفہانی وغیرہ بڑے بڑے اکابر محدثین نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ دارقطنی نے ان سے ہزاروں حدیثیں سُنی ہیں۔ وہ ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور کبھی ان کی موجودگی میں سہارے سے نہیں بیٹھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے الحافظ الامام الثقۃ محدث العراق ۔ آگے چل کر تصریح کی ہے کہ :۔

جمع والف وعن مطابق ھذا الفن لم یتخلف ۔　　　انہوں نے حدیثیں جمع کیں کتابیں تالیف کیں اور اس فن کے اصول سے تجاوز نہیں کیا ۔

[۱] تذکرۃ الحفاظ ... [۲] ...

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:-

"انہوں نے جو مسند ابی حنیفہ لکھی ہے، وہ حافظ ابوبکر بن المقری کی مسند ابی حنیفہ کے برابر ہے، جس میں صرف امام ابوحنیفہؒ کی مرفوع حدیثیں درج ہیں۔ اور وہ امام حارثی کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔"

حافظ ابن المظفر کا انتقال ۳۷۹ھ میں ہوا ہے۔

(۸) حافظ طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد ابوالقاسم ۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۰ھ میں وفات پائی مشہور محدث ہیں۔ علامہ خوارزمی لکھتے ہیں۔ کان مقدام العدول والثقات الاثبات، حافظ تقی الدین سبکی نے شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام میں ان کی مسند سے ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ وفی مسند الامام ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تصنیف ابی القاسم طلحۃ بن محمد بن جعفر الشاہد العدل حدثنی الخ۔ محدث خوارزمی نے ان کی مسند کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حروف تہجی پر مرتب ہے۔

(۹) حافظ ابن المقری ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی الخازن المشہور بابن المقری الاصفہانی، بڑے مشہور مصنف اور اکابر حفاظ میں سے ہیں، فن حدیث میں امام طحاوی کے شاگرد ہیں۔ اور ان کی مشہور تصنیف شرح معانی الآثار کے ان سے راوی ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ ابن المقری محدث اصبہان الامام الرحال الحافظ الثقۃ۔ ابونعیم اصفہانی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں۔ محدث کبیر صاحب مسانید سمع مالایحصی کثرۃ (بڑے محدث ہیں اور مسند حدیثوں کے عالم ہیں، اور اتنی کثرت سے حدیث کا سماع کیا ہے کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا) خود ابن المقری کا بیان ہے کہ میں نے چار مرتبہ طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو طے کیا ہے۔ ماہ شوال ۳۸۱ھ میں چھیانوے سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ:-

وقد صنف مسند ابی حنیفۃ۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند تصنیف کی ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ "ان کی تصنیف حارثی کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔ اور صرف امام ابوحنیفہ کی مرفوع روایات پر مشتمل ہے۔" حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ میں[2] یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا نے ابن المقری کی مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ حافظ قاسم نے اس مسند کی احادیث کو ابواب فقہیہ پر بھی مرتب کیا ہے۔

(۱۰) حافظ ابن شاہین ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان البغدادی الواعظ المعروف بابن شاہین ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ بڑے صاحب تصانیف تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے تین سو تیس کتابیں لکھی ہیں جن میں تفسیر کبیر کے

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۵۵۔ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۱۵ھ۔ [2] الاعلان بالتوبیخ ص ۱۱۱ طبع دمشق۔

Marfat.com

ایک ہزار مسند کے تیرہ سو، تاریخ کے ڈیڑھ سو، اور زہد کے سو جزو ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے۔ ابن شاهین الحافظ المفید المکثر محدث العراق صاحب التصانیف، انہوں نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے، اس کا ذکر محدث کوثری نے تانیب الخطیب[1] میں کیا ہے۔ راقم الحروف نے مولانا ابوالوفا افغانی صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن سے اس سلسلہ میں مراجعت کی، تو مولانا ممدوح نے اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ میں تحریر فرمایا کہ:۔

"مسانید امام کے متعلق میں نے حضرت مولانا کوثری صاحب سے دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ ایک بائی عالم نے ایک جزء میں خطیب کی ان کتابوں کو جمع کیا ہے، کہ جس وقت ان کا دمشق ورود ہوا تھا، تو ان کے ساتھ تھیں، منجملہ ان کے مسند امام للدارقطنی ولابن شاہین، وللخطیب ہر سہ کتابیں تھیں، وہ جزء کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ اس کا نام ہے تسمية ما ورد به الخطيب دمشق للمالکی (فہرست جدید ۳۰۹ قسم الفہارس)، اس میں مذکور ہے کہ (۴۷) کتابیں ان کے ہمراہ تھیں، منجملہ ان کے (۲۶) خود ان کی تصانیف تھیں۔ یہ سب عمدہ کتابیں حدیث و تاریخ کی تھیں"۔[2]

(۱۱) حافظ دارقطنی

ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی، مشہور محدث ہیں، ان کی کتاب السنن طبع ہو گئی ہے۔ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ذی قعدہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ دارقطنی نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے اس کے متعلق ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدث خطیب بغدادی کے پاس اس کا نسخہ موجود تھا۔

(۱۲) حافظ ابونعیم اصفہانی

احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق المہرانی الصوفی، بڑے مشہور محدث اور مصنف ہیں۔ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے صغرسنی ہی میں سارے دنیا کے مشائخ حدیث سے روایت حدیث کی اجازت مل چکی تھی۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ تهيأ له من لقي الكبار ما لم يقع لحافظ (بڑے بڑے لوگوں سے جس قدر ان کو

---

[1] ملاحظہ ہو تانیب ص ۱۵۶۔

[2] بعد کو مولانا ابوالوفا افغانی مدظلہ نے ۲ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو جو مکتوب راقم کے نام ارسال فرمایا، اس میں مولانا کوثری علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا:۔

"حقیقت میں مولانا کوثری کی وفات سے ہم سب یتیم ہو گئے۔ ایسی ہستیاں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتے، اور ان کی کتابیں دریا میں غرق نہ ہو جاتیں تو اتنا لکھتے کہ مطالعہ کرنے والے عاجز ہوتے، اس بیماری ہی میں انہوں نے اتنا لکھا ہے۔

ہاں یاد آیا کہ اخیر تحریر ان کی جو کہ شیخ رضوان کے قلم سے ۸ شوال ۱۳۷۱ھ کو وصول ہوئی اس میں آپ کے ایک استفسار کا جواب مکرر ہے، اور دوسرا سوال و اباری [illegible] ہے۔ اسے میں یہاں بعینہ نقل کرتا ہوں: الخطيب حيثما انتقل من بغداد الى دمشق حمل معه كتبا [illegible] (ابی رصد [illegible])

ملاقات میسر ہوئی، کسی حافظ حدیث کو نہ ہو سکی)۔ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ابو نعیم الحافظ الکبیر محدث العصر۔ ابو نعیم نے محرم ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔

حافظ ابو نعیم کی مسند ابی حنیفہ کا عکس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ نے حاصل کرلیا ہے اور مجلس کا ارادہ اس کو شائع کرنے کا ہے۔ مولانا ابو الوفا افغانی مدظلہ اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲ ربیع الثانی ۷۲ھ میں راقم کو لکھتے ہیں کہ :۔

"ابو نعیم نے چھوٹی سی مسند امام صاحبؒ کی لکھی مگر بہت عمدہ لکھی، بڑی تحقیق کی، متابعات ذکر کئے، تفرد کو بتایا، رواۃ کے اوہام کو بھی بتایا، مگر کتاب کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور وہ عمدہ نسخہ نہیں۔ تروک از سہو ناسخ اور اغلاط کتابت اس میں بہت ہیں۔ کہیں کہیں بیاضات بھی ہیں"

(۱۳) حافظ ابن القیسرانی

ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی القدسی المعروف بابن القیسرانی ۴۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ماہ ربیع الاول ۵۰۷ھ کو وفات پائی۔ بہت بڑے حافظ حدیث گزرے ہیں۔ طلب حدیث میں اتنے پھرے کہ دو مرتبہ پیشاب سے خون آنے لگا۔ یہ برہنہ پا بغیر سواری کے سفر کرنے کا نتیجہ تھا۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا بڑا مبسوط ترجمہ لکھا ہے۔ جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے۔ محمد بن طاہر بن علی الحافظ العالم المکثر الجوال۔ حافظ ابن شیرویہ کے تاریخ ہمدان میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں :۔ کان ثقۃ حافظا عالما بالصحیح والسقیم حسن المعرفۃ بالرجال والمتون، کثیر التصانیف، یعنی یہ ثقہ تھے حافظ حدیث تھے

(بقیہ حاشیہ) احد المالکیۃ من اصحابہ، وہذا الفہرس محفوظ بظاہریۃ دمشق ومن جملۃ ما حملہ الی دمشق مسند ابی حنیفۃ للدارقطنی، ومسند ابی حنیفۃ لابن شاہین، واما مسند ابی حنیفۃ للخطیب فسبق قلم علی ان احادیث ابی حنیفۃ عند الخطیب فی تاریخہ، والفقیہ والمتفقہ لا تقل عن صغار المسانید واسم الفہرس مسجل فی الفہرس الجدید للظاہریۃ (یعنی خطیب جب بغداد سے دمشق منتقل ہوئے، تو اپنے ساتھ بہت سی کتابیں لائے، جن کی ان کے تلامذہ میں سے ایک مالکی عالم نے فہرست بنائی، یہ فہرست دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں محفوظ ہے، خطیب جن کتابوں کو دمشق لے کر آئے، ان میں مسند ابی حنیفہ مؤلفہ دارقطنی اور مسند ابی حنیفہ مؤلفہ ابن شاہین بھی تھیں۔ لیکن خطیب کی مسند ابی حنیفہ کا ذکر سبقت قلم کا نتیجہ ہے (یعنی جلدی میں قلم سے نکل گیا جو صحیح نہیں ہے) تاہم خطیب کے یہاں ابو حنیفہؒ کی جو احادیث ان کی تاریخ اور الفقیہ والمتفقہ میں مذکور ہیں، وہ بھی چھوٹی مسندوں سے کم نہیں۔ اور اس فہرست کا نام ظاہریہ کی جدید فہرست میں درج ہے)۔ اس کے قبل جو انہوں نے لکھوایا تھا۔ اس میں خطیب کی مسند کے متعلق سبق قلم کا ذکر نہیں کیا تھا" +

Marfat.com

صحیح وغیر صحیح کے عالم تھے، رجال ومتون حدیث کی بڑی معرفت رکھتے تھے۔ کثیر التصانیف تھے انہوں نے اطراف احادیث ابی حنیفہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا ذکر انکی مشہور تصنیف الجمع بین رجال الصحیحین کے آخر میں جو ان کا مفصل تذکرہ چھپا ہے۔ اس میں موجود ہے "اطراف" پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں، ان میں متن حدیث کے ابتدائی ٹکڑے کو مع سند کے بیان کرتے ہیں۔ اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں امام ابو حنیفہ کی مختلف مسانید سے ان کی حدیثوں کے اطراف کو لے کر جمع کر دیا ہے۔

(۱۴) حافظ ابن خسرو

ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی نزیل بغداد المتوفی ۵۲۲ھ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔ فن حدیث میں حافظ ابن عساکر کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔

حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔ محدث مکثر۔ حافظ ابن النجار نے تاریخ بغداد پر جو ذیل لکھا ہے اس میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ ابو عبد اللہ السمسار الحنفی مفید اہل بغداد فی وقتہ سمع الکثیر۔ پھر ان کے شیوخ کی نام بنام تفصیل دے کر لکھتے ہیں۔ وبالغ فی الطلب حتی سمع من طبقۃ دون ہؤلاء وکتب الکثیر من الکتب لنفسہ ولغیرہ، وکان مفید الغرباء وجمع مسند ابی حنیفۃ (اور انہوں نے طلب حدیث میں بڑی کوشش کی۔ حتی کہ ان شیوخ مذکورین سے جو نیچے کا طبقہ تھا اس سے بھی حدیثیں سنیں، اور بہت سی کتابیں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے لکھیں۔ باہر سے آنے والوں کو افادہ علمی فرماتے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند بھی تالیف کی، فقاہت میں بھی ممتاز تھے ابن النجار کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں۔ فقیہ اہل العراق ببغداد فی وقتہ[1]

ان کی مسند، امام حارثی اور حافظ ابن المقری کی مسند سے زیادہ ضخیم ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

وفی کتابہ زیادات علی ما فی کتابی الحارثی وابن المقری۔ ان کی کتاب میں حارثی اور ابن المقری دونوں کی کتابوں سے زیادہ روایتیں ہیں۔

حافظ شمس الدین ابو المحاسن محمد بن علی حسینی المتوفی ۷۶۵ھ نے صحاح ستہ، موطا، مسند شافعی، مسند احمد اور مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک بڑی مبسوط کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے۔ التذکرہ برجال العشرہ، اس سلسلہ میں حافظ حسینی نے امام ابو حنیفہ کی تمام مسانید میں جس مسند کا انتخاب کیا، وہ حافظ ابن خسرو کی مسند ہے۔

لہ الجواہر المضیہ، و جامع المسانید میں ان کا تذکرہ دیکھو۔

عہ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

(۱۵) مسند الدنیا

قاضی ابوبکر محمد بن عبد الباقی بن محمد الانصاری الحلبی البزار المعروف بقاضی المرستان۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں شیخ الاسلام ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی کے تذکرہ میں ۵۳۵ھ کی وفیات کے ذیل میں ان کا ذکر ان ہی لفظوں میں کیا ہے۔ طبقات الحنابلہ میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ یہ بڑے مشہور محدث تھے، ترانوے سال کی عمر تک ان کے حواس میں ذرا تغیر نہیں ہوا تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی لہو ولعب میں گزاری ہو۔ بہت سے علوم کے جامع تھے۔ ان کا سال ولادت ۴۴۲ھ ہے۔ اور چورانوے سال کی عمر میں رجب ۵۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظ ابن خسرو کے تذکرہ میں اس امر کے ماننے سے انکار کیا ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے امام ابوحنیفہؒ کی کوئی مسند تالیف کی ہے۔ حالانکہ خود ان کے نامور شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی۔ قاضی صاحب موصوف سے ان کی مسند کو بسند ذیل روایت کرتے ہیں :۔

عن التدمری عن المیدومی عن النجیب عن ابن الجوزی عن جامع المسند قاضی المرستان[۱] اور حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں نصر بن سیار بن صاعد کے تذکرہ میں حافظ سمعانی سے نقل کیا ہے کہ :۔

"میں نے نصر سے امام ابوحنیفہ کی کتاب الاحادیث کا سماع کیا، جس کو عبداللہ بن محمد انصاری نے جمع کیا ہے۔ نصر اس کتاب کی روایت اپنے دادا صاعد سے کرتے ہیں۔ اور صاعد خود قاضی صاحب موصوف سے[۲]"

محدث خوارزمی نے بھی جامع المسانید میں اس کتاب کی متعدد سندیں اپنے سے لے کر قاضی مرستان تک ذکر کی ہیں۔

(۱۶) حافظ ابن عساکر

ثقۃ الدین ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ الدمشقی الشافعی نہایت مشہور مصنف اور نامور محدث ہیں۔ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱ رجب ۵۷۱ھ میں وفات پائی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ابن عساکر الامام الحافظ الکبیر محدث الشام فخر الائمۃ۔ صاحب التصانیف والکتب۔ تیرہ سو شیوخ سے علم حدیث کی تحصیل کی، جن میں اسی سے زیادہ محدث خواتین بھی داخل ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ نہایت

---

[۱] ملاحظہ ہو تقدمہ نصب الرایہ از محدث کوثری۔

[۲] الجواہر المضیہ کی اصل عبارت یہ ہے۔ سمعت منہ الترمذی بروایتہ عن القاضی ابی عاصم الجراحی عن المحبوبی عنہ، وکتاب الاحادیث التی رواہا ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ جمع عبد اللہ بن محمد الانصاری لجدہ القاضی صاعد بروایتہ عنہ۔

بسط کے ساتھ کیا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند تالیف کی ہے۔ اس کا ذکر محدث کوثری اور ڈاکٹر کردعلی نے کیا ہے[1]۔

(۱۷) محدث عیسی الجعفری المغربی

برآمد محدثین متأخرین میں سے ہیں ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"یکے از علمائے متقنین بود، و وے استاد جمہور اہل حرمین است، و یکے از اوعیہ حدیث۔"

محدث عیسی باوجودیکہ دور آخر کی پیداوار ہیں۔ اور ان کا زمانہ بہت ہی قریب کا ہے۔ تاہم جس شان کی انھوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند تالیف کی۔ اور جن شرط کا اس میں التزام کیا وہ تو شاہ صاحب موصوف ہی کی زبانی سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں:-

"مسندے برائے امام ابوحنیفہؒ تالیف کردہ در آنجا عنعنہ متصلہ ذکر کردہ در حدیث، از انجا بطلان زعم کسانیکہ گویند سلسلہ حدیث امروز متصل نماندہ واضح تر مے گردد"[2]

انھوں نے امام ابوحنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے کہ جس میں اپنے سے لیکر امام موصوف تک حدیث کے اتصالی سند کو بیان کیا ہے اور یہاں سے ان لوگوں کے دعوی کا باطل ہونا خوب ظاہر ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔

یہ ان مشاہیر ائمہ محدثین کا ذکر تھا، کہ جن میں سے ہر ایک نے امام ابوحنیفہ کی احادیث کو مستقل تصانیف میں اپنی اسانید کے ساتھ جمع کیا۔ بعد کو قاضی القضاۃ محدث ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی المتوفی ۶۵۵ھ[3] نے جامع مسانید الامام الاعظم میں امام ابوحنیفہ کی مسانید کے پندرہ نسخوں کو یکجا جمع کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جامع مسانید کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"میں نے شام میں بعض جاہلوں کو یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہؒ کی کوئی مسند نہیں، اور وہ صرف معدودے چند حدیثوں کے راوی ہیں۔ اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا، اور میں نے یہ چاہا، کہ امام ممدوح کی ان پندرہ مسانید کو

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام الاشعری لابن عساکر، از محدث کوثری و مقدمہ تاریخ دمشق لابن عساکر از ڈاکٹر کردعلی۔

[2] انسان العین طبع دہلی صفحہ ۔

[3] حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں، اور مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی نے الفوائد البہیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

جنہیں نامور علماء محدثین نے مرتب کیا ہے، یکجا جمع کر دوں۔ یہ مسانید حسب ذیل ہیں:-

(۱) مسند امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ۔

(۲) مسند امام حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

(۳) مسند امام حافظ ابو الحسین محمد بن المظفر۔

(۴) مسند امام حافظ ابو نعیم اصفہانی۔

(۵) مسند امام ابو بکر محمد بن عبد الباقی انصاری۔

(۶) مسند حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی۔

(۷) مسند امام حسن بن زیاد لؤلؤی۔

(۸) مسند حافظ عمر بن الحسن اشنانی۔

(۹) مسند حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن خالد بن خلی الکلاعی۔

(۱۰) مسند امام حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی۔

(۱۱) مسند امام ابو یوسف قاضی جو نسخہ ابی یوسف سے موسوم ہے۔

(۱۲) مسند امام محمد بن الحسن الشیبانی۔ یہ بھی نسخہ محمد سے موسوم ہے۔

(۱۳) مسند امام حماد بن ابی حنیفہ۔

(۱۴) مسند امام محمد جو الآثار سے موسوم ہے۔

(۱۵) مسند امام حافظ ابو القاسم عبد اللہ بن ابی العوام السعدی"۔

محدث خوارزمی نے امام حماد، امام ابو یوسف اور امام محمد نے حدیث کے جن مجموعوں کی امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے، ان کو بھی مسند ہی کے نام سے ذکر کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کتاب الآثار کے نسخے ہیں۔[1] اسی طرح حافظ ابو بکر کلاعی کی مسند بھی کوئی علیحدہ کتاب نہیں، بلکہ وہی کتاب الآثار کا نسخہ ہے، جس کو وہ اپنے جد محمد بن خالد وہبی المتوفی قبل سنہ ۱۹۰ھ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ خود محدث خوارزمی نے بھی جامع مسانید کے آخری باب میں جہاں ابو بکر کلاعی کا تذکرہ لکھا ہے۔ تصریح کر دی ہے کہ "گو یہ مسند، احمد بن محمد بن خالد بن خلی کی طرف منسوب ہے لیکن اس کے جامع محمد بن خالد وہبی ہیں، جو براہ راست اس کو امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس مسند کا انتساب ابو بکر کلاعی کی طرف محض روایت کے لحاظ سے ہے، جمع و تدوین

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ ہمارا مقالہ کتاب الآثار امام ابو حنیفہؒ جو کتاب الآثار بروایت امام محمدؒ کے اردو ترجمہ کے ساتھ اس کے مقدمہ کے طور پر محمد سعید اینڈ سنز کراچی نے شائع کیا ہے۔

کے لحاظ سے نہیں" خوارزمی کی جامع مسانید کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی بستان المحدثین میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"مسند امام اعظم کہ بالفعل شہرت تالیف قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی است کہ در سنہ ششصد و ہفتاد و چہار آن را رائج ساختہ، مسانید امام اعظم کہ علماء سابق پرداختہ بودند درین مسند جمع کردہ بزعم خود ہیچ چیزے را از مرویات امام اعظم ترک نہ کردہ وقبل ازوے ہر چند مسانید بسیار برائے مرویات امام اعظم ساختہ بودند، چنانچہ خود در خطبہ این مسند نام آنہا و مصنفین آن اسانید مسند خود بآں مصنفین بیان نمودہ، اما بیشتر رائج ومشہور دو مسند بود و تاحال موجود ومتداول ست اول مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی، دوم مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسرو رحمۃ اللہ علیہ، چنانچہ اجازت این ہردو مسند براقم الحروف نیز از شیوخ خود رسیدہ۔

مسند امام اعظم کہ جو بالفعل مشہور ہے قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی کی تالیف ہے، جس کو انہوں نے ۶۷۴ھ میں رواج دیا ہے[1]۔ امام اعظم کی جن مسندوں کو اگلے علماء نے تالیف کیا تھا۔ اس مسند میں ان کو جمع کر دیا ہے اور اپنے خیال میں امام اعظم کی مرویات میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے۔ ان سے پہلے بھی اگرچہ بہت سی مسندیں امام اعظم کی مرویات کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں چنانچہ خود خوارزمی نے اس مسند کے دیباچہ میں ان کے نام اور ان کے مصنفین کے نام اور ان کے مصنفین تک اپنی سند کو بیان کیا ہے لیکن ان میں زیادہ مشہور اور رائج دو مسندیں رہی ہیں جو تاحال موجود و متداول ہیں۔ اول مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی۔ دوم مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسرو رحمۃ اللہ علیہ، چنانچہ ان دونوں مسندوں کی اجازت راقم الحروف (یعنی شاہ صاحب) کو بھی اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے۔

لیکن یہ صحیح نہیں کہ انھوں نے امام ابوحنیفہ کی جملہ مرویات کو اس مسند میں جمع کر دیا ہے، کیونکہ امام ممدوح کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار ہے، چنانچہ امام حسن بن زیاد لؤلؤی فرماتے ہیں کہ :-

کان ابو حنیفۃ یروی اربعۃ ... امام ابوحنیفہ چار ہزار حدیثیں روایت

[1] یہ صحیح نہیں کیونکہ محدث خوارزمی کی وفات اس سے پہلے ۱۱ ربیع الاول ۶۵۵ھ میں ہو چکی تھی۔

الآف حدیث الفین لحماد و الفین لسائر المشیخة [1]

کیا کرتے تھے، دو ہزار حماد سے اور دو ہزار بقیہ شیوخ سے ۔

اور خوارزمی کی جامع مسانید میں اس سے آدھی حدیثیں بھی موجود نہیں، بلکہ جیسا کہ مولانا ابوالوفا افغانی نے کتاب الآثار امام ابو یوسف کے مقدمہ میں صراحت کی ہے :-

بل لم یستوعب جمیع آثار المسانید التی قال انہ جمعھا کما تتبعتہ وقابلتہ علی کتاب الآثار للامام محمد و مسند الحارثی ۔

خوارزمی نے ان سندوں کی سب حدیثوں کو بھی نہیں لیا۔ جن کے جمع کرنے کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔ جیسا کہ میں نے کتاب الآثار امام محمد اور مسند حارثی کا تتبع کر کے اور ان سے مقابلہ کر کے پتہ چلایا ہے

اور اپنے مکتوب گرامی میں جو راقم کے نام ۲ ربیع الثانی ۷۶ھ کو لکھا ہے، فرماتے ہیں:-

"امام حسن (بن زیاد) کی کتاب الآثار کو تو ابن خسرو نے اپنی مسند میں پورا محفوظ کرلیا ہے۔ اور جامع المسانید نے بھی، جیسے محمد بن خالد وہبی کی کتاب الآثار کو کلاعی نے محفوظ کرلیا ہے اپنی تخریج سے، اور جامع المسانید میں خوارزمی نے آٹھ دس مسندوں کی حفاظت تو کی۔ مگر افسوس کہ کتاب الآثار للامام ابی یوسف اور مسند ابی نعیم اصفہانی، اور مسند ابن عدی اور مسند حافظ ابن ابی العوام کی حفاظت نہیں کی۔ نہ معلوم اس کے کیا اسباب تھے، سندیں تو سب کی ابتدا میں ذکر کیں، مگر کتاب میں آثار امام ابی یوسف کا تو کہیں بھی حوالہ نہیں، باقی مسانید کا کہیں کہیں برائے نام حوالہ ہے، اکثر جگہ متروک، اس لئے جامع ناقص کتاب ہے، باب المشائخ تو بالکل ناقص ہے، اور اس میں غلطیاں بھی ہیں۔ اگر مسند ابی نعیم کو بالاستیعاب ذکر کرتے، تو آج ہمیں بڑی سہولت اس کی تصحیح میں ہوتی"۔

تاہم خوارزمی کی جامع المسانید میں چونکہ امام ابو حنیفہؒ کی متعدد مسانید کی بیشتر روایتیں موجود ہیں، اس لئے متاخرین میں اس کتاب کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی المتوفی ۸۷۹ھ نے اس پر ایک نہایت ضخیم شرح ۵ جلدوں میں لکھی۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے عقود الجواہر المنیفہ میں حافظ قاسم کی اس شرح سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے، حافظ جلال الدین سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام ہے التعلیقۃ المنیفہ علی مسند ابی حنیفہ متعدد محدثین نے جامع المسانید کا اختصار بھی کیا ہے، چنانچہ

---

[1] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ موفق بن احمد مکی، ج ۱۔ ص ۹۶۔ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد، دکن ۔

امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ بن دولۃ الادغانی المکی المتوفی ۷۹۲ھ کے اختصار کا نام ہے۔ اختیار اعتماد المسانید فی اختصار اسماء بعض رجال الاسانید۔ اس کتاب کی ابتداء میں امام ابوحنیفہ کے مناقب بھی بیان کئے ہیں۔ امام ابوالبقاء احمد بن ابی الضیاء محمد القرشی المکی نے اس کا جو مختصر لکھا ہے۔ اس کا نام المستند فی مختصر المسند ہے اس میں مکررات کو اور ان اسانید کو حذف کر دیا ہے کہ جو مصنف کتاب سے لیکر امام ابوحنیفہ تک مذکور تھیں تیسرا مختصر شیخ ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم حنفی نے لکھا ہے۔ کشف الظنون میں اس کے ایک اور اختصار کا بھی ذکر ہے، لیکن اس کے مؤلف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ جامع المسانید میں صحاح ستہ سے جو روایتیں زائد تھیں، ان کو علامہ حافظ الدین محمد بن محمد کردری المعروف بالبزازی المتوفی ۸۲۷ھ نے زوائد مسند ابی حنیفہ کے نام سے الگ جمع کیا۔ صاحب کشف الظنون نے محدث ابوحفص زین الدین عمر بن احمد الشماع الحلبی الشافعی المتوفی ۹۳۶ھ کی ایک تصلیف، لقط المرجان من مسند ابی حنیفہ النعمان کا بھی ذکر کیا ہے جو غالباً مسند خوارزمی ہی کا التقاط و ملخص ہے، بعد کے دور میں علامہ محدث سید مرتضیٰ زبیدی حنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ نے جامع مسانید سے امام اعظمؒ کی ان احادیث احکام کا انتخاب کیا، کہ جن کی روایت میں مصنفین صحاح ستہ بھی امام صاحب کے شریک ہیں، یہ بڑے کام کی کتاب ہے۔ جو باریک ٹائپ کی دو جلدوں میں مصر سے طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔ اس میں مؤلف نے ہر باب میں پہلے امام اعظمؒ کی روایت جس مسند میں وہ مروی ہے۔ اس کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ پھر صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں جن الفاظ کے ساتھ وہ روایت آئی ہے، ان کو نقل کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے۔ عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ فیما وافق فیہ الائمۃ الستۃ او بعضھم۔ اس کی ترتیب ابواب فقہ پر ہے۔ پہلے اعتقادیات کا بیان ہے۔ اور پھر عملیات کا۔

خوارزمی کی جامع المسانید عرصہ ہوا کہ مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے دو ضخیم جلدوں میں طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہؒ کے تقریباً پانچ سو شاگردوں کی وہ روایات درج ہیں جو انہوں نے براہ راست امام ممدوح سے سنی ہیں[1]۔

افسوس ہے کہ جامع مسانید کے علاوہ امام ابوحنیفہ کی اور مسندیں جو اکابر محدثین نے مستقل طور پر مرتب کی تھیں اور جن کا ذکر سابق میں گزر چکا ہے۔ ان میں سے اب تک کوئی کتاب طبع نہ ہوسکی۔ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن میں ان مسانید میں سے حسب ذیل چار مسندوں کے عکوس موجود ہیں:۔

(۱) مسند ابن ابی العوام، (۲) مسند حارثی، (۳) مسند ابی نعیم اصفہانی (۴) مسند ابن خسرو

۱؎ ملاحظہ ہو جامع المسانید کا باب اول

Marfat.com

مجلس مذکور کا ارادہ ان تمام مسانید کو طبع کرا کر شائع کرنے کا ہے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کام کو جلد سرانجام فرمائے۔

اس وقت جس کتاب کا ترجمہ "مسند امام اعظمؒ" کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ درحقیقت امام عبداللہ حارثی کی تالیف ہے۔ جس کا اختصار علامہ حصکفی نے کیا ہے، اور ملا عابد سندی نے اس کی ابواب فقہیہ پر ترتیب کی ہے[1]۔

امام حارثی

مشاہیر ائمہ احناف میں سے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ الانتباہ میں ان کو "اصحاب الوجوہ" میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں فقہاء حنفیہ کا مرجع تھے۔ "اصحاب الوجوہ" کا درجہ "مجتہد فی المذہب" اور "مجتہد مطلق منتسب" کے درمیان ہے۔ فقہ کی تحصیل آپ نے امام ابوحفص صغیر سے کی تھی۔ اور انہوں نے اپنے والد ماجد امام ابوحفص کبیر سے جو امام محمدؒ کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔ طلب حدیث میں امام حارثیؒ نے خراسان، عراق اور حجاز کا پے سیر کیا تھا، اور بہت سے شیوخ وقت سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ حافظ سمعانی، کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔ رحل الی خراسان والعراق والحجاز وادرك الشیوخ، علم حدیث میں ان کی وسعت نظر اور معرفت فن کا بڑے بڑے محدثین نے اعتراف کیا ہے۔ حافظ خلیلی فرماتے ہیں۔ یعرف بالاستاذ له معرفة بهذا الشان، (استاد مشہور ہیں، اور اس فن کی انہیں معرفت حاصل ہے)۔ اور حافظ سمعانی لکھتے ہیں۔ کان شیخا مکثرا من الحدیث (بڑے کثیر الحدیث شیخ تھے)۔ فن رجال کے مشہور امام حافظ شمس الدین ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں بضمن وفیات سنہ ۳۴۰ھ ان کا ذکر ان شاندار الفاظ میں کیا ہے:-

وفیها مات عالم ماوراء النهر ومحدثه الامام العلامة ابو محمد عبدالله بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری الملقب بالاستاذ جمع مسند ابی حنیفة رح الامام وله اثنتان وثمانون سنة۔	اور اسی سال میں ماوراء النہر کے عالم اور محدث امام علامہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری نے کہ جو "الاستاذ" کے لقب سے ملقب ہیں۔ اور جنہوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند کو جمع کیا ہے، بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ میں ان کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔ بڑے بڑے حفاظ حدیث، جیسے حافظ ابن مندہ، حافظ ابن عقدہ، اور حافظ ابوبکر جعابی فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب الآثار للامام ابی یوسف از مولانا ابوالوفا افغانی۔

حافظ حارثی کی مسند کس شان کی ہے، اس کے متعلق محدث خوارزمی، جامع مسانید میں رقمطراز ہیں:-

ومن طالع مسنده الذی جمعه للامام ابی حنیفة علم تبحره فی علم الحدیث واحاطته بمعرفة الطرق والمتون ۔

"اور جو شخص بھی ان کی اس مسند کا مطالعہ کرے گا کہ جس میں انھوں نے امام ابوحنیفہ کی مرویات کو جمع کیا ہے، وہ علم حدیث میں ان کے تبحر اور طرق اسانید و متون پر ان کی نظر کی ہمہ گیری کا قائل ہو جائے گا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:-

وقد اعتنی الحافظ ابو محمد الحارثی وکان بعد الثلاثمائة بحدیث ابی حنیفة فجمعه فی مجلدة ورتبه علی شیوخ ابی حنیفة ۔

"حافظ ابو محمد حارثی نے جو سنہ ۳۰۰ھ کے بعد تھے امام ابوحنیفہ کی حدیث سے اعتنا کیا اور ان کو ایک جلد میں جمع کر دیا۔ انھوں نے ان حدیثوں کی ترتیب امام ابوحنیفہ کے شیوخ پر رکھی ہے یعنی امام صاحب کے ہر شیخ کی تمام حدیثیں یکجا کر دی ہیں۔"

امام حارثی کی مسند کا اختصار حسب ذیل حضرات نے کیا ہے۔ اس اختصار میں امام ابوحنیفہ سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو حدیث کی اسناد تھی، اس کو تو بعینہ ذکر کیا گیا ہے لیکن حارثی سے لے کر امام صاحب تک جو اسانید تھیں، ان کو حذف کر دیا ہے:-

(۱) امام علامہ قاضی صدر الدین موسیٰ بن زکریا الحصکفی۔ ان کی ولادت سنہ [illegible] میں ہوئی ہے۔ اور سنہ وفات [illegible] ہے۔ مشہور محدث تھے۔ قاہرہ اور حلب میں حدیث کا درس دیا۔ حافظ دمیاطی کو فن حدیث میں ان سے تلمذ ہے۔ دمیاطی نے اپنی معجم میں ان کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔ حافظ عبد القادر قرشی بھی بیک واسطہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان کا اختصار مسند ابی حنیفہ للحصکفی کے نام سے مشہور ہے۔ محدث ملا علی قاری حنفی المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے اسی کی شرح لکھی ہے، جس کا نام ہے "سند الانام فی شرح مسند الامام" مولانا ابو الوفا افغانی مدظلہ اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲۴ ذی قعدہ سنہ [illegible] میں راقم کو لکھتے ہیں کہ:-

"مسند امام للحصکفی، مسند حارثی ہی کا خلاصہ ہے۔ لیکن چونکہ انھوں نے التزام کیا ہے کہ امام حماد نے جس حدیث کو امام صاحب سے روایت کیا ہے اس روایت کو ضرور اپنی مسند میں لائیں گے۔ اس لئے ایسی حدیثیں جن کی روایت حارثی نے نہیں کی تو ان کو ان حصہ سے لیا ہے اور وہ معدودے چند ہیں۔"

Marfat.com

(۲) امام علامہ صدر الدین ابو عبداللہ محمد بن عباد الخلاطی الحنفی المتوفی ۶۵۲ھ، بڑے محدث تھے۔ صحیح مسلم کی شرح لکھی۔ حدیث میں جمال الدین حصیری کے شاگرد ہیں، انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند کا جو اختصار کیا ہے۔ اس کا نام مقصد المسند ہے، صاحب کشف الظنون نے اس کو جامع المسانید کا اختصار بتایا ہے، جو بظاہر صحیح نہیں، ان کی وفات کے وقت خوارزمی بقید حیات موجود تھے، اس لئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ جامع مسانید کا نہیں بلکہ مسند حارثی کا اختصار ہے۔

(۳) قاضی القضاۃ محمد بن احمد بن مسعود القونوی الدمشقی المعروف بابن السراج المتوفی ۷۷۰ھ بڑے مشہور مصنف ہیں۔ بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ الفوائد البہیہ میں ان کا نام محمود بن احمد لکھا ہے۔ ان کا مختصر تیلتیس (۲۳) ابواب پر مشتمل ہے، اور فقہی ترتیب پر اس کا نام المعتمد فی احادیث المسند ہے، بعد کو خود انہوں نے اس کی شرح بھی لکھی۔ جس کا نام المستند فی شرح المعتمد ہے۔

(۴) راقم الحروف کے پاس بھی مسند امام ابو حنیفہؒ کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس کو احمد بن ابراہیم نامی ایک عالم نے ۱۲۴۳ھ میں جمع کیا ہے۔ اس نسخہ کو قاری محمد صدیق افغانی نے مصر کے کتب خانہ "خدیویہ" سے نقل کیا ہے۔ مولانا ابوالوفا افغانی کو راقم الحروف نے جب یہ نسخہ دکھلایا۔ تو مولانا نے فرمایا۔ کہ یہ مسند ابن خسرو اور مسند حارثی کا اختصار ہے، پہلے اس میں ابن خسرو سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور بعد کو حارثی سے، یہ نسخہ ایک سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اور کاپی پر پنسل سے لکھا ہوا ہے۔

حافظ قاسم قطلوبغا نے امام حارثی کی اصل مسند کو ابواب پر مرتب کر دیا تھا۔ بعد کے دور میں خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندھی المتوفی ۱۲۵۷ھ نے مسند حصکفی کو بھی جو مسند حارثی کی تلخیص ہے، اور اسی کے تتبع میں معجم شیوخ پر مرتب ہے۔ ابواب فقہیہ پر مرتب کیا یہی کتاب آج کل مسند امام اعظمؒ کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ عرصہ ہوا۔ کہ مولانا حبیب الرحمٰن بن مولانا احمد علی سہارنپوری محدث نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ کیا تھا۔ اور جا بجا اس میں مختصر تشریحی اضافے بھی تھے۔ یہ ترجمہ ۱۳۰۸ھ میں چھپا ہے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ پھر دوبارہ یہ کتاب مع اُردو ترجمہ اور مفصل شرح کے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو رہی ہے، جو ہمارے اُردو داں طبقہ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ شرح اور ترجمہ ہمارے مخدوم زادے مولانا سعد حسن خاں بن استاذ مرحوم مولانا حیدر حسن خاںؒ محدث ٹونکی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کے قلم کا مرہون منت ہے، جو ایک مشہور علمی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ ترجمہ کی خوبی

ل راقم الحروف نے علم حدیث کی تحصیل مولانا ہی کی خدمت میں دو سال کے قریب دار العلوم ندوۃ العلماء میں رہ کر کی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ رضی الابرار۔

اور شرح کی افادیت کے لئے مترجم کا نام کافی ضمانت ہے۔

اصل عربی متن پر خود مرتب نے ایک نہایت جامع اور ضخیم شرح تصنیف کی ہے جس کا نام ہے المواہب اللطیفۃ فی الحرم المکی علی مسند ابی حنیفہ للامام الحصکفی، ملا محمد عابد سندی، یہ شرح دو بڑی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے کتب خانہ پیر وجھنڈو ضلع حیدر آباد سندھ، اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں راقم الحروف کی نظر سے گزرے ہیں۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری کے بعد شروح حدیث میں اس شان کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ متابعات وشواہد، تخریج احادیث، ایضاح مشکل، رفع مرسل، وصل منقطع، بیان خلافیات غرضکہ ہر موضوع پر اتنا ذخیرہ اس میں موجود ہے کہ بایدوشاید، ان کے بعد مولانا محمد حسن سنبھلی محدث المتوفی ۱۳۰۵ھ نے اس پر ایک نہایت جامع اور مبسوط شرح تصنیف کی جو ۱۳۰۹ھ میں اصح المطابع لکھنؤ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ محدث سنبھلی کی شرح اپنی جامعیت وافادیت کے لحاظ سے اپنے مشہور معاصر فاضل لکھنوی مولانا محمد عبدالحی فرنگی محل کی شرح موطا امام محمد سے جس کا نام التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد ہے، بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔

اسلام میں مسند ابی حنیفہ کا علمی مقام

محدث محمد بن جعفر کتانی مالکی الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ میں جو کتب حدیث کے حالات میں ان کی ایک بے مثل تصنیف ہے۔ صحاح ستہ، مسند ابی حنیفہ، موطا مالک، مسند شافعی اور مسند احمد کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد یوں رقمطراز ہیں:۔

فھذہ کتب الائمۃ الاربعۃ وباضافتہا الی الستۃ الاولی تکمل الکتب العشرۃ التی ھی اصول الاسلام وعلیہا مدار الدین (ص ۱۶۔ طبع بیروت ۱۳۳۲ھ)	یہ ائمہ اربعہ کی کتابیں ہیں، اور ان کو پہلے کی چھ کتابوں کے ساتھ ملانے سے وہ دس کتابیں پوری ہو جاتی ہیں کہ جو اسلام کی بنیادی کتابیں ہیں، اور جن پر دین کا دارومدار ہے۔

اور حافظ ابو عبداللہ محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی، التذکرہ برجال العشرہ کے مقدمہ میں (جو ان دسوں کتابوں کے رجال کے حالات میں ایک مبسوط کتاب ہے اور جس سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ مرتب کی ہے جو ائمہ اربعہ کی مذکورہ تصانیف کے رجال کے حالات میں ان کی مشہور تصنیف ہے) فرماتے ہیں:۔

مسند الشافعی موضوع لادلتہ علی ما صح عندہ من مروياتہ وکذلک مسند ابی حنیفۃ	مسند امام شافعی ان ادلہ پر مشتمل ہے کہ جو امام ممدوح کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ اور یہی حال مسند امام ابو حنیفہ کا ہے۔

Marfat.com

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں مسند ابی حنیفہ کو حنفیوں کی امہات کتب میں شمار کیا ہے[1] اور تصریح کی ہے کہ:-

مسند ابی حنیفہ و آثار امام محمد مبنائے فقہ حنفیہ است[2]۔

فقہ حنفی کی بنا مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے۔

حافظ حسینی کی تصریح ابھی آپ کی نظر سے گزری، جس میں انھوں نے اس امر کا صاف اعتراف کیا ہے کہ مسند امام شافعی کی طرح امام ابو حنیفہ کی مسند بھی امام ممدوح کے ان ادلہ پر مشتمل ہے جو امام کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح تھے۔ یہ حسینی حنفی نہیں۔ شافعی ہیں، اور ان کا شمار معمولی محدثین میں نہیں بلکہ حفاظ وقت و ناقدین فن میں تھا[3] ہے۔ اب ایک دوسرے عارف وقت علامہ دہر شافعی المذہب امام کی رائے مسانید امام ابو حنیفہ کی نسبت ملاحظہ فرمائیے، جن کا نام نامی عبد الوہاب شعرانی ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں:-

وقد من الله تعالیٰ علیّ بمطالعة مسانید الامام ابی حنیفة الثلاثة من نسخة صحیحة علیها خطوط الحفاظ اٰخرهم الحافظ الدمیاطی، فرأیته لا یروی حدیثا الا عن خیار التابعین العدول الثقات الذین هم من خیر القرون بشهادة رسول الله صلی الله علیه وسلم کالاسود و علقمة وعطاء ومجاهد ومکحول والحسن البصری واضرابهم رضی الله عنهم اجمعین فکل الرواة الذین هم بینه وبین رسول الله صلی الله علیه وسلم عدول

مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کی تین مسندوں کا ان کے صحیح نسخوں سے مطالعہ کرنے کی توفیق ملی، ان نسخوں پر حفاظ حدیث کے قلم کی تحریریں تھیں، جن میں آخری شخص حافظ دمیاطی ہیں۔ مطالعہ پر میں نے دیکھا، کہ امام ممدوح صرف ان تابعین کرام سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، کہ جو اپنے وقت کے برگزیدہ ترین، عادل اور ثقہ حضرات تھے، اور جو حدیث نبوی کی تصریح کے مطابق خیر القرون کے لوگ تھے، جیسے کہ اسود، علقمہ، عطا، مجاہد، مکحول اور حسن بصری جیسے حضرات ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ سو تمام وہ رواۃ جو امام ابو حنیفہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہیں، سب کے سب عادل

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۸۵، مطبوعہ مجتبائی دہلی۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۷۱۔ [3] ان کی جلالت شان معلوم کرنی ہو، تو حافظ ابن فہد، اور حافظ سیوطی نے طبقات الحفاظ ذہبی پر جو ذیل لکھے ہیں، ان میں ان کا تذکرہ دیکھو۔ یہ ذیول، دمشق سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

ثقات اعلام اخیار لیس فیہم کذاب ولا منہم بکذب، و ناہیك یا اخی بعدالة من ارتضاہم الامام ابوحنیفة رضی الله عنه لان یأخذ عنہم احکام دینه مع شدة تورعه وتحرزه و شفقته علی الامة المحمدیة ۔ (ج۔۱ص ۶۴ طبع مصر۔ ۱۳۲۱ھ)

ثقہ، نیک نام اور برگزیدہ ہیں۔ ان میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو کذاب ہو، یا اس پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہو، اور میرے بھائی ان کی عدالت کے لئے یہی یہ کافی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے باوجود شدت ورع و احتیاط اور امت محمدیہ کا خاص خیال رکھنے کے ان حضرات کو اس غرض کے لئے منتخب فرمایا ہے، کہ ان سے اپنے دینی احکام کو حاصل کریں۔

اس کے بعد آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ:۔

کل حدیث وجدناہ فی مسانید الامام الثلاثة فہو صحیح (ج۔۱ص ۶۵)

امام اعظمؒ کی تینوں مسندوں میں ہم نے جو بھی حدیث پائی، وہ صحیح ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس بحث سے پہلے امام شعرانی یہ تصریح کر چکے ہیں، کہ:۔

انی لا اجیب عن الامام ابی حنیفة وغیرہ بالصدر و احسان الظن کما یفعل ذلك غیری وانما اجیب عنه بعد التتبع والفحص ۔ (ج۔۱۔ص ۶۳)

میں امام ابوحنیفہ وغیرہ کے متعلق محض وسعت صدر اور حسن ظن کی بنا پر کوئی جواب دہی نہیں کروں گا، جیسا کہ میرے علاوہ دوسرے لوگ کرتے ہیں، بلکہ جو کچھ جواب دوں گا، وہ تتبع اور تلاش کے بعد دوں گا۔

امام شعرانی کے اس بیان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسانید امام ابوحنیفہ کے بارے میں انہوں نے جس رائے کا اظہار کیا ہے، وہ پوری تحقیق اور جانچ پڑتال کے بعد کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

احادیث نبوی کے دو بیش بہا گوہر!

مؤطا امام محمدؒ مترجم اردو

مع ضروری فوائد وتشریحات

ایک ہزار سے زائد احادیث نبوی کا بے نظیر مجموعہ

فقہ واحکام کی کتابوں میں جو اہمیت مؤطا امام محمدؒ کو حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

دراصل "مؤطا" امام مالکؒ کی لکھی ہوئی ہے جس کو آپ نے دس ہزار احادیث نبوی کے ذخیرہ سے منتخب کیا تھا، اور آجکل اس کے کم وبیش پندرہ نسخے دیارِ عرب میں پائے جاتے ہیں، یعنی امام مالکؒ کے پندرہ شاگردوں کے نام سے یہ نسخے مشہور ہیں، جنہوں نے آپ سے روایت کرکے ترتیب دی تھی، ان میں یحییٰ اندلسیؒ اور امام محمدؒ کی مؤطا کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ کسی دوسری مؤطا کو حاصل نہ ہوسکی، مؤطا امام مالک یحییٰ اندلسی نے مرتب کی اور اس کتاب کا نام اپنے استاد کے نام پر رکھا مگر امام محمدؒ نے مؤطا ترتیب دے کر اپنے نام سے لکھی، اور چونکہ امام محمدؒ حنفی مسلک کے تھے اس لئے جہاں کہیں انہیں اپنے استاد سے اختلاف یا اتفاق ہے اس کا حدیث کے بعد اظہار کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مؤطا امام محمدؒ کو اکثر اصحاب علماء نے یحییٰ اندلسی کی مؤطا امام مالکؒ پر ترجیح دی ہے اور برتری ثابت کی ہے۔

اس اہم بالشان کتاب کا حق تھا کہ اردو داں حضرات بھی اس سے مستفید ہوتے، چنانچہ ہم نے ایک کالم میں متن عربی عبارت مع زیر وزبر اور اس کے مقابل دوسرے کالم میں اردو ترجمہ بامحاورہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں شرح وضروری فوائد کے ساتھ شائع کی ہے۔

قیمت مجلد آٹھ روپے، محصول ڈاک ایک روپیہ،

کتاب الآثار مترجم اردو

مع فوائد ضروری تشریحات

۹۰۰ آثار (احادیث نبوی) کا گرانقدر و بیش بہا ذخیرہ

جس کو امام اعظم ابوحنیفہؒ نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعے سے منتخب فرمایا تھا اور آپ سے امام محمدؒ نے روایت کرکے کتابی شکل میں مرتب فرمایا ہے کتاب الآثار کے سوا آج ہمارے پاس سنن کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں کہ جس کے مصنف کو تابعیت کا شرف حاصل ہوا اور یہ ایسی فضیلت ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ اس عہد کے تمام نامور ائمہ میں ممتاز ہیں، امام ممدوحؒ کی جلالت قدر کیلئے اس سے زیادہ اور کیا درکار ہے کہ وہ امت میں امام اعظمؒ کے لقب سے مشہور ہیں، اور ان کے اجتہادی مسائل پر اسلامی دنیا کی دو تہائی آبادی بارہ سو برس سے برابر عمل کرتی چلی آرہی ہے، اور تمام اکابر ائمہ آپ کے فضل وکمال کے معترف ہیں،

امام ابوحنیفہؒ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے ۹۰۰ احادیث منتخب کیں، اور علم شریعت کو باقاعدہ ابواب مرتب فرمایا، اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد کتاب الآثار کی احادیث وروایات پر مبنی ہے،

ایک کالم میں عربی اور دوسرے کالم میں اردو ترجمہ مع ضروری فوائد وتشریحات شائع کی گئی، تاکہ اردو داں حضرات بھی احادیث نبوی کے فیض سے استفادہ حاصل کر سکیں،

قیمت

مجلد مع رنگین گرد پوش آٹھ روپے

محصول ڈاک ایک روپیہ

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب و مالکان مطبع سعید، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

(از مولانا قاری احمد پیلی بھیتی)

آپ کا نام نعمان ہے۔ ابو حنیفہ کنیت ہے اور امام اعظم لقب ہے۔ والد کا نام ثابت اور دادا کا نام زوطی ہے ۔

آپ کے دادا "زوطی" ملک فارس کے رہنے والے اور مذہباً پارسی تھے۔ اسلام جو بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتا جا رہا تھا، ملک فارس پر بھی اثر انداز ہوا۔ بہت سے خاندان اسلام کی برکتوں سے مستفیض ہوئے۔ زوطی جو بڑی گہری نظروں سے اسلام کا مطالعہ کر رہے تھے مسلمان ہو گئے۔ اسلام لانے کے بعد خاندان کے کچھ افراد نے آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ آخر آپ ترک وطن کے خیال سے ۳۷ھ میں اپنی بیوی اور نقد سرمایہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بہت سے اسلامی شہروں سے گزرے۔ اور اسلام اور خلفاء اسلام کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہے ۔

کوفہ پہنچ کر اسلام کی عظمت و جلالت کا پورا نقشہ سامنے آگیا۔ کیونکہ جناب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اور کوفہ کو دار الخلافہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔

زوطی نے فیصلہ کر لیا کہ ہم کو یہیں رہنا ہے۔ آخر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ گذر اوقات کے لئے کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

زوطی کبھی کبھی جناب علی رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوتے۔ اور خلوص عقیدت کے ساتھ آداب بجا لاتے۔ ایک مرتبہ "نوروز" کے دن جو پارسیوں کی عید کا دن ہے۔ زوطی کچھ فالودہ نذر کے لئے جناب علیؓ کی خدمت میں لے گئے۔ جناب علیؓ نے پوچھا۔ کیا ہے؟ کہنے لگے "نوروز کا فالودہ ہے" حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔ نُوْرُوْزُنَا کُلَّ یَوْمٍ۔ "ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے"۔

سنہ ۴۰ھ کے اوائل میں زوطی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام باپ نے ثابت رکھا اور پھر بچہ کو حصول برکت کے لئے جناب علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے دست شفقت اور دعائے خیر کے ساتھ رخصت کیا۔

ثابت کا بچپن اپنے باپ کی گود میں گزرا۔ مگر عنفوان شباب میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے

Marfat.com

تجارت کا سلسلہ باپ سے ورثہ میں ملا تھا۔ زندگی آرام سے گذرتی رہی۔

کب شادی کی؟ اور کس خاندان میں کی؟ تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ۲۰ سال کی عمر میں خدا نے ثابت کو ایک فرزند عطا کیا۔ والدین نے نعمان نام رکھا۔ آگے چل کر اس بچہ نے ابو حنیفہ کی کنیت اختیار کی۔ اور امام اعظم کے لقب سے پکارا گیا۔ یہ ۸۰ھ کا واقعہ ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عبدالملک ابن مروان خلیفہ تھا۔ اور حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ حضرت صلعم کو دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے اگرچہ ۷۰ سال کے قریب ہو چکے تھے۔ مگر پھر بھی اس وقت تک ذیل صحابہ کرام حیات تھے :-

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ۔ سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت سہل ابن سعد الانصاریؓ۔ سنہ ۹۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ۔ سنہ ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔

امام ابو حنیفہؒ نے دو صحابیوں سے ملاقات کی۔ اور ان کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دوسرے ابوالطفیل عامر رضی اللہ عنہ۔

اس موقعہ پر پتہ بتا دینا ضروری ہے کہ امام صاحب کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے، بلکہ وصفی معنے کے اعتبار سے ہے۔

قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا ہے۔ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا یعنی ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو جو خدا کے راستہ پر چلتے تھے۔ امام صاحب نے اسی نسبت سے اپنے لیے ابو حنیفہ کنیت اختیار کی۔

امام ابو حنیفہؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ جب کچھ ہوشیار ہوئے تو والد کے ساتھ دوکان پر بیٹھنے لگے۔ ابھی ۱۶ سال کی عمر تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اور امام ابو حنیفہ تمام کاروبار خود ہی سنبھالنے لگے۔ طبیعت کے بہت ذہین اور محنتی تھے اس لئے بہت جلد کاروبار میں نمایاں ترقی کرلی۔ دوکان کے ساتھ ایک کپڑے کا کارخانہ بھی قائم کرلیا۔ اور زندگی بڑے آرام سے گذرنے لگی۔

امام صاحب کی والدہ بہت دن تک زندہ رہیں۔ بہت عابدہ اور علماء کی طرف سے بہت خوش عقیدہ تھیں۔ اکثر علماء کے وعظ پردہ میں بیٹھ کر سنتی تھیں۔ اس لئے اسلامی معلومات بھی بہت اچھی تھی۔ امام صاحب کا فطری رُجحان بھی علم کی طرف تھا۔ مگر ماں کی مذہب دوستی نے اس رجحان کو اور بھی تیز کر دیا۔

۸۶ھ میں خلیفہ عبد الملک کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا ولید تخت پر بیٹھا۔ مگر حجاج کی گورنری اور سفاکی بدستور چلتی رہی۔ آخر ۹۵ھ میں حجاج بھی مرگیا۔ اور ۹۶ھ میں ولید نے بھی انتقال کیا۔ اور ملک کی خوش قسمتی سے ایک نیا دور شروع ہوا۔ یعنی سلیمان ابن عبد الملک مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ سلیمان بہت علم دوست اور نیک دل خلیفہ تھا۔ تخت خلافت پر پہنچتے ہی تمام ملک میں امن وامان کو بحال کرنے اور درس وتدریس کے سلسلہ کو بڑھانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس کے ساتھ ہی سلیمان نے اسلامی دنیا پر ایک اور بھی احسان کیا، کہ عمر ابن عبد العزیز کو اپنا مشیر خاص مقرر کیا۔ سلیمان کی زندگی نے زیادہ وفا نہیں کی۔ اور ۹۹ھ میں عمر ابن عبد العزیز کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی وصیت کرکے اس جہان سے رخصت ہوگیا۔

عمر ابن عبد العزیز نے مروانی حکومت کا رنگ بدل دیا۔ اور تمام ملک میں عدل وانصاف اور علم وعمل کی ایک نئی رُوح پھونک دی۔

ایک عرصہ سے حضرت علیؓ کو خطبوں میں برا بھلا کہا جاتا تھا۔ اسے حکماً بند کرادیا۔ خاندان بنی اُمیہ کے بہت سے عیش پسند شہزادوں کی جاگیریں ضبط کرلیں۔ اور تمام ملک میں ظالم حکام کو معزول کرکے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔

سب سے زیادہ یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق بخشی کہ گھر گھر علم کے چرچے ہونے لگے۔

امام ابوحنیفہؒ کو ولید اور حجاج کے زمانہ تک تحصیل علم کا کوئی خیال نہیں پیدا ہوا۔ البتہ عمر ابن عبد العزیز کے زمانہ میں یہ دبا ہوا شوق اُبھرا۔ اور جبکہ آپ کسی کام کو جارہے تھے۔ راستہ میں کوفہ کے مشہور عالم اور قاضی علامہ شعبی سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا۔ میاں صاحبزادے! کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے "فلاں سوداگر کے پاس جارہا ہوں" علامہ شعبی نے کہا۔ بھائی! میرا پوچھنے سے مطلب یہ تھا کہ تم کس سے پڑھتے ہو؟ ابوحنیفہؒ نے بڑے افسوس کے ساتھ جواب دیا۔ کہ میں کسی سے نہیں پڑھتا ہوں۔ علامہ شعبی نے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں۔ تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اس نصیحت نے امام ابوحنیفہؒ کے دل پر بڑا گہرا اثر کیا۔ گھر آئے اور والدہ سے تمام ماجرا بیان کیا۔ اور تحصیل علم کے لئے کسی مدرسہ میں جانے کی اجازت مانگی۔ والدہ پہلے ہی سے علم اور اہل علم کی دلدادہ تھیں۔ اس خیال کو سُن کر بہت خوش ہوئیں۔ اور اجازت دے دی۔

امام صاحب جو ابتدائی مذہبی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کرچکے تھے۔ اُستاد کی تلاش کرنے لگے۔ تاکہ حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا جائے۔

اس زمانہ میں جناب حمادؒ کوفہ کے مشہور عالم اور اُستاد وقت تھے۔ بہت خوشحال تھے، اور حدیث وفقہ سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ گھر پر ایک مدرسہ کھول رکھا تھا جو کوفہ کا سب سے بڑا اور مشہور

Marfat.com

مدرسہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت حمادؒ بڑی پابندی اور دلجمعی سے مدرسہ میں بیٹھتے اور تشنہ لبان علوم کو درس دیتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ نے شاگردی کے لئے حضرت حمادؒ ہی کا انتخاب کیا۔ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اُستاد نے اجازت دے دی۔ اور امام ابوحنیفہ درس میں بڑے انہماک اور پابندی سے بیٹھنے لگے۔ قابل اُستاد نے چند ہی دن کے بعد معلوم کر لیا کہ تمام حلقہ درس میں ابوحنیفہؒ کے حافظہ اور ذہانت کا کوئی شخص نہیں ہے۔ لہٰذا حکم ہوا۔ کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام ابوحنیفہؒ کامل دو برس تک جناب حمادؒ کے درس میں شریک ہوتے اور پوری توجہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

اس مختصر سے زمانہ میں امام صاحبؒ نے اپنی غیر معمولی ذہانت طبع کے باعث تمام حلقہ درس میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ اور اُستاد کی توجہ کا مرکز بن گئے۔

خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے اُستاد جناب حمادؒ کو دو ماہ کے لئے بصرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور مجھ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس عرصہ میں طلباء کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے مسائل دریافت کئے، جن میں کچھ ایسے بھی مسائل تھے جن کے متعلق اُستاد سے کبھی کچھ نہیں سُنا تھا۔ مگر میں اپنے اجتہاد سے جواب دیتا رہا۔ اور ساتھ ہی ایک یادداشت بھی لکھتا رہا۔ دو ماہ کے بعد جب اُستاد بصرہ سے واپس آئے تو میں نے وہ کاغذات ان کے سامنے پیش کیا۔ کل ۶۰ مسئلے تھے۔ ان میں سے ۲۰ میں غلطیاں نکالیں۔ اور باقی کے متعلق فرمایا۔ تمہارے جواب ٹھیک ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال تھا کہ میں علیحدہ درس و تدریس کا سلسلہ قائم کر دوں۔ اوّل تو اُستاد کا ادب مانع تھا، دوسرے اس واقعہ کے بعد بالکل ہی خیال بدل گیا اور عہد کر لیا۔ کہ جب تک اُستاد زندہ ہیں۔ ان کی شاگردی کے تعلق کو نہ چھوڑوں گا۔

امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تعلیم کے ساتھ حدیث پڑھنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق حدیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے۔

جناب حمادؒ کا حلقہ درس فقہ میں تو امام صاحبؒ کے لئے کافی تھا۔ مگر حدیث میں وہ سیراب نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ان کو کوفہ کے محدثین کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں۔ اور کوئی ایسا محدث نہیں تھا جس کو دو چار سے زیادہ حدیثیں یاد ہوں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ امام ابوحنیفہ کو کوفہ کے بہت سے محدثین سے استفادہ کرنا پڑا۔ تمام ممالک اسلامیہ میں حدیث کا درس بڑے زور شور سے جاری تھا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں صحابہؓ ہر جگہ پہونچ چکے تھے۔ اور ان کی وجہ سے حدیث کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ مگر کوفہ اور بصرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

Marfat.com

کوفہ کے جن محدثین سے امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث حاصل کیا۔ ان میں امام شعبیؒ، سلمہ بن کہیلؒ، محارب بن وثارؒ، ابواسحاق سبیعیؒ، عون بن عبداللہؒ، سماک بن حربؒ، ابراہیم بن محمدؒ، عدی بن ثابتؒ اور موسیٰ بن ابی عائشہ کے نام بہت مشہور ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی علمی زندگی میں امام شعبیؒ کو بہت اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے ایک ناصحانہ جملہ سے ابوحنیفہؒ کے دل میں علم کا شوق پیدا کر دیا تھا۔

امام شعبیؒ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ۵۰۰ صحابیوں کو دیکھا تھا۔ اور ان سے حدیث سنی تھی۔

امام شعبیؒ بہت زمانہ تک کوفہ میں منصب قضاء پر مامور رہے۔ خلفاء اور تمام اراکین حکومت بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ نے ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

کوفہ کے بعد امام ابوحنیفہؒ بصرہ تشریف لے گئے۔ اور جناب قتادہؒ اور حضرت شعبہؒ کے درس میں شامل ہوئے اور ان کے فیض صحبت سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا۔ حضرت قتادہؒ بصرہ کے مشہور محدث اور تابعی تھے۔ اور خادم رسول اللہ جناب انسؓ ابن مالک کی شاگردی کا فخر رکھتے تھے۔ جناب انسؓ کے شاگردوں میں حضرت قتادہؒ کو جو شہرت اور عظمت حاصل تھی، اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ حدیث کو اس طرح بیان کرتے تھے، کہ الفاظ و معانی میں کوئی فرق نہیں ہونے پاتا تھا۔

جناب شعبہؒ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے۔ دو ہزار سے زائد حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ سفیان ثوریؒ فن حدیث میں ان کو امیر المومنین کہا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ بھی اپنے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے، کہ اگر عراق میں شعبہؒ نہ ہوتے تو حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ آپ نے ۱۰۶ھ میں انتقال فرمایا۔

یہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت اور فہم و فراست کی اکثر تعریف کیا کرتے تھے جناب شعبہؒ نے ایک مرتبہ یہاں تک فرمایا کہ "میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہؒ دو چیزیں نہیں ہیں"

بصرہ کے محدثین میں ان دونوں حضرات کے علاوہ امام ابوحنیفہ کے استادوں میں عبدالکریم بن امیہؒ اور عاصم بن سلیمانؒ کے نام بھی پائے جاتے ہیں۔

کوفہ اور بصرہ سے فارغ ہو کر امام ابوحنیفہؒ کی نظریں حرمین کی طرف اٹھنے لگیں جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا، کہ آپ کس سنہ میں مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر کے وقت عمر ۲۴ برس کے لگ بھگ تھی۔

امام ابو حنیفہؒ جب مکہ معظمہ پہونچے تو درس وتدریس کا بہت زور تھا۔ بہت سے اساتذہ جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور صحابہ کرامؓ کی صحبت سے مستفیض ہو چکے تھے، ابھی اپنی درسگاہوں میں مشغول درس تھے۔

مگر ان سب میں حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ کا حلقہ درس بہت وسیع اور مشہور تھا جناب عطاء کو یہ عظمت اور شہرت حاصل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے صحابہؓ کی خدمت میں رہ چکے تھے، اور ان کے فیض صحبت نے انہیں درجہ اجتہاد پر فائز کر دیا تھا۔ خود جناب عطاء کا بیان ہے کہ میں دو سو ایسے حضرات سے ملا ہوں، جن کو رسول اکرمؐ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ اُن حضرات میں یہ چند خاص طور پر قابل ذکر ہیں :- ۲۶۶ ے

عبد اللہ ابن عباسؓ، عبد اللہ ابن عمرؓ۔ عبد اللہ ابن زبیرؓ۔ اسامہ بن زیدؓ۔ جابرؓ بن عبد اللہؓ۔ زید بن ارقمؓ۔ ابو درداؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۔

امام صاحبؒ نے مکہ کی تمام درسگاہوں کو دیکھا۔ مگر ان کا دل کسی طرف نہیں کھنچا۔ وہ سیدھے جناب عطاءؒ کی درس گاہ میں پہونچے، اور درس میں بیٹھنے کی اجازت چاہی۔ جناب عطاءؒ نے نام پوچھا۔ اور پھر عقیدہ پوچھا۔ فرمانے لگے " بزرگوں کو برا نہیں کہتا ہوں، گنہ گار کو کافر نہیں سمجھتا ہوں اور قضاء و قدر کا قائل ہوں" جناب عطاءؒ نے بڑے غور سے جواب کو سنا، اور پھر فرمایا "اچھا درس میں شامل ہو سکتے ہو"

چند روز میں امام صاحبؒ کی ذہانت اور قابلیت کے جوہر کھلنے لگے۔ اور اُستاد کی نظر میں ان کا وقار بڑھنے لگا۔ جناب عطاءؒ نے ۱۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔ امام صاحبؒ اس عرصہ میں جب بھی مکہ جاتے، ان سے ضرور ملاقات کرتے۔

امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عطاءؒ کے علاوہ مکہ میں اور بھی حضرات سے حدیث کی سند حاصل کی۔ ان میں حضرت عکرمہؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ جناب عکرمہؒ کو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ جناب علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، عبد اللہ ابن عمرؓ، جناب جابرؓ اور حضرت ابو قتادہؓ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔

مکہ معظمہ سے فارغ ہو کر امام ابو حنیفہؒ مدینہ طیبہ گئے اور جناب رسالت مآبؐ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد وہاں کے علماء سے ملاقات کی۔

Marfat.com

سب سے پہلے آپ جناب امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت امام باقرؒ نے نام سُنا، تو فرمایا "کیا تم وہی ابو حنیفہ ہو، جو ہمارے دادا کی حدیثوں سے اپنے قیاس کی بنا پر مخالفت کرتے ہو؟ جواب دیا۔ حضرت میرے متعلق یہ بات غلط مشہور کی گئی ہے۔ اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ فرمایا کہو۔

امام ابو حنیفہؒ نے عرض کیا۔ عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ اگر میں قیاس سے کام لیتا تو کہتا کہ وراثت میں عورت کو زیادہ ملنا چاہیئے۔ مگر میں ایسا نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ یہی فتوٰے دیتا ہوں کہ مرد کو دُگنا ملنا چاہیئے۔

اسی طرح نماز روزہ سے افضل ہے۔ اگر قیاس لگاتا تو کہتا کہ حائضہ عورت پر نماز کی قضاء واجب ہے۔ حالانکہ میں روزہ کی قضاء کا فتوٰے دیتا ہوں۔

جناب امام باقرؒ اس تقریر سے بہت خوش ہوئے اور اُٹھ کر امام ابو حنیفہؒ کی پیشانی کو چُوم لیا۔

امام ابو حنیفہؒ بہت عرصہ تک مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور برابر امام باقرؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ فقہ اور حدیث کے متعلق بہت سی ایسی باتیں آپ کو ان کی صحبت سے حاصل ہوئیں، جو اب تک معلوم نہیں تھیں۔ جناب امام باقرؒ نے ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت امام باقرؒ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؒ سے بھی امام ابو حنیفہؒ کو گہری عقیدت تھی۔ اکثر ان کی مجالس میں اکتساب علم کی نیت سے حاضری دیتے۔ اہل بیت کے متعلق امام صاحب کا خیال تھا کہ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں۔

صَاحِبُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهَا

امام ابو حنیفہؒ جب بھی کوفہ سے حرمین تشریف لے جاتے تو مہینوں وہاں قیام فرماتے۔ ائمہ اہل بیت اور مقامی علماء کے علاوہ حج کے زمانہ میں تمام اسلامی دنیا سے آئے ہوئے بڑے بڑے اہل علم جو مکہ اور مدینہ میں جمع ہوتے۔ امام صاحب کو ان سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ اگرچہ اب امام صاحب کو تحصیل علم کی کوئی حاجت باقی نہیں تھی۔ مگر شوق علم کا یہ عالم تھا کہ آخیر زندگی تک حصول علم کے خیال کو دل سے نہیں نکالا۔

امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ میں کوئی اپنی علیحدہ درس گاہ قائم نہیں کی بلکہ اپنے اُستاد کی درس گاہ میں انہیں کے ہمراہ بیٹھتے رہے۔ سنہ ۱۲۰ھ میں جب آپ کے اُستاد حضرت حماد کا انتقال ہوا تو اہل کوفہ نے اُستاد کی جانشینی کے لئے تمام شاگردوں میں امام ابو حنیفہؒ کا انتخاب کیا۔ اور درخواست

Marfat.com

کی، کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔
امام صاحبؒ نے ذمہ واریوں کا احساس کرتے ہوئے کچھ اصرار کے ساتھ یہ درخواست قبول کرلی اور بڑے استقلال سے درس دینے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں امام ابوحنیفہؒ کی قابلیت نے تمام اسلامی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ دُور دُور سے طلبا، ان کی درس گاہ میں آنے لگے اور شاگردی کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

محرم ۱۴۶ھ میں تیسرا عباسی خلیفہ منصور اپنے ایک حریف ابراہیم کو شکست دیکر جب بغداد پہنچا تو کچھ لوگوں نے منصور کو بتایا، کہ امام ابوحنیفہؒ ابراہیم کے طرفدار ہیں منصور آپے سے باہر ہوگیا اور امام صاحبؒ کو پیغام بھیجا، کہ فوراً بغداد آئیں۔
امام صاحبؒ صفر ۱۴۶ھ میں بغداد آئے اور منصور کے دربار میں پہونچے منصور کا خیال تھا کہ امام صاحبؒ کو قتل کردیا جائے۔ مگر ربیع نے جو بہت مقرب درباری تھا منصور کو اس اقدام سے روکا۔ آخر منصور نے امام صاحبؒ سے کہا کہ میں نے آپ کو اس لئے بُلایا ہے کہ عہدہ قضاء آپ کو دیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ نے جو منصور کی سفاکیوں سے بیحد نالاں تھے عہدہ قضاء قبول کرنے سے انکار کردیا۔
منصور نے قسم کھائی، کہ تم کو ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب منصور کی طرف سے زیادہ جبر کیا گیا، تو امام صاحبؒ نے قبول کرلیا۔ دارالقضاء میں بیٹھے اور پہلے دن ایک قرض کا مقدمہ پیش ہوا۔ ثبوت کے گواہ موجود نہیں تھے اس لئے مدعا علیہ سے قسم کھانے کو کہا گیا۔ مُدعا علیہ تیار ہوگیا اور ابھی صرف لفظ واللہ زبان سے نکالا تھا، کہ امام ابوحنیفہؒ نے گھبرا کر روک دیا اور جیب سے روپیہ نکال کر مدعی کو دیئے اور فرمایا۔ یہ اپنا قرض لو اور ایک مسلمان سے قسم مت کھلواؤ۔
اس واقعہ نے امام صاحبؒ کو بہت متاثر کیا، عدالت سے اُٹھے اور سیدھے منصور کے پاس آئے اور کہا مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکے گا۔ منصور کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ اور اُس نے اُسی وقت آپ کو قید خانہ بھجوا دیا۔

قید خانہ میں امام ابوحنیفہؒ کچھ دن تو خاموش رہے، مگر درس وتدریس کے شائق کب تک اس طرح زندگی گزارتے، آخر ایک دن آپ نے منصور سے درخواست کی کہ مجھے سلسلہ درس جاری رکھنے کی اجازت دی جائے۔ منصور نے اس درخواست کو قبول کرلیا اور اب نظربندی کے ساتھ ساتھ سلسلہ درس وتدریس بھی جاری رہنے لگا۔
امام ابوحنیفہؒ کی نظربندی کا سلسلہ ۱۴۶ھ سے ۱۵۰ھ تک چلتا رہا منصور نے امام صاحبؒ کے ادب واحترام کو تو بہت ملحوظ رکھا مگر قید خانہ سے باہر نہیں ہونے دیا۔

بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے مختلف علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر طرف سے طالبانِ علم و فن یہاں آتے اور اکتساب علم میں مشغول رہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ پہلے ہی بہت کچھ شہرت حاصل کر چکے تھے۔ نظر بندی نے ان کی مقبولیت اور اثر کو اور زیادہ کر دیا۔ امام محمدؒ نے جو فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں، قید خانہ ہی میں امام صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

وفات

عام طور پر مؤرخین نے لکھا ہے کہ منصور کو امام صاحبؒ کی طرف سے جو خطرات پیدا ہو چکے تھے وہ بدستور باقی تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کسی وقت ان کو رہائی مل تو یہ ضرور باغیوں کی حمایت کریں گے۔ یہ ایک ایسی خلش تھی، کہ جس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ آخر تنگ آکر رجب ۱۵۰ھ میں منصور نے زہر دلوا دیا۔

امام صاحبؒ نے زہر کے اثر کو محسوس کیا اور شاگردوں کو وصیت کی کہ مجھے خیزران کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ پھر سجدہ میں گئے۔ اور اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔ تاریخ انتقال ۱۵ رجب ۱۵۰ھ ہے۔

امام صاحبؒ کے انتقال کی خبر بہت جلد تمام شہر میں پھیل گئی۔ اور مسلمان تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کے لئے جمع ہونے لگے۔

قاضی شہر حسن ابن عمارہ نے غسل دیا۔ اور کفن پہنایا۔ ظہر سے پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ۵۰ ہزار سے زائد مسلمان شریک تھے۔ آنے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اس لئے ۶ مرتبہ نماز پڑھی گئی، اور عصر کے وقت دفن کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ دفن کے بعد بھی ۲۰ دن تک لوگ قبر پر نماز ادا کرتے رہے۔

کافی دنوں تک آپ کا مزار کھلا پڑا رہا۔ اور کثرت سے لوگ فاتحہ خوانی کے لئے جاتے رہے ۴۵۹ھ میں سلطان سلجوقی نے جس کو امام صاحبؒ سے بڑی عقیدت تھی، آپ کی قبر پر قبہ تعمیر کرایا۔ اور اس کے قریب ایک شاندار عمارت مدرسہ کے لئے بنوائی۔ اور ایک مسافر خانہ بھی بنایا جس میں قیام کرنے والوں کو کھانا بھی دیا جاتا تھا۔ آج بھی بغداد میں دوسرے متبرک مقامات کے ساتھ امام صاحبؒ کے مقبرہ کو بھی بہت عقیدت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

اولاد

امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادے تھے جن کا نام انہوں نے اپنے اُستاد کے نام پر حماد رکھا تھا۔ جناب حمادؒ نے تمام علوم اپنے والد سے حاصل کئے تھے۔ بہت بڑے عالم، زاہد، اور پرہیزگار تھے۔ تمام زندگی علمی مشاغل کے ساتھ تجارت کرنے میں گزار دی۔ کبھی کسی کی نوکری نہیں کی۔ اور نہ کبھی شاہی دربار سے تعلق پیدا کیا۔ آپ نے ذوالقعدہ ۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اور کوفہ میں دفن ہوئے۔

اخلاق و عادات

بزرگوں کے حالات زندگی لکھنے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ان کی اخلاقی اور مذہبی خوبیوں کو نمایاں طور پر ظاہر کیا جائے۔ تاکہ قوم اسلاف کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو صحیح راہ عمل پر گامزن کرسکے۔

امام صاحبؒ کی مذہبی اور اخلاقی زندگی کی تصویر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذات میں وہ تمام محاسن بدرجہ اتم موجود تھے جو ایک اعلیٰ کردار کے انسان میں ہونا چاہئیں۔

زیر نظر سطور میں امام صاحبؒ کے اخلاق و عادات کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، جسے پڑھ کر آپ ان کی پاکیزہ زندگی سے صحیح طور پر واقف ہوسکیں گے:۔

عبادت

امام ابو حنیفہؒ بہت بڑے عابد اور پرہیزگار تھے جتنی دیر فرض نماز یا نوافل پڑھتے رہتے تھے، طبیعت پر رقت طاری رہتی تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ کبھی تلاوت قرآن سنتے وقت یا خود تلاوت کرتے وقت آنسو نکل آتے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ نماز میں شریک تھے۔ امام نے جب اس آیت کو تلاوت کیا وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ہ یعنی خدا کو ظالموں کے کردار سے غافل نہیں سمجھنا چاہئے" امام ابو حنیفہؒ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ حالت نماز میں تمام بدن کانپنے لگا۔ ایک مرتبہ کوفہ میں عشار کی نماز میں امام مسجد نے اِذَا زُلْزِلَتْ کی سورت پڑھی تو امام ابو حنیفہؒ کی حالت اس درجہ متغیر ہوئی کہ نماز کے بعد بھی دیر تک بیٹھے ہوئے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتے رہے اور زبان سے کہتے رہے۔ اے وہ اللہ جو ذرہ ذرہ نیکی اور بدی کا حساب لے گا، اپنے غلام نعمان کو آگ سے بچانا۔

امام صاحبؒ کی عادت تھی، کہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر وظیفہ پڑھتے۔ پھر مسائل پوچھنے والوں کو جواب دیتے۔ ظہر کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے۔ عصر کے بعد سے مغرب تک لوگوں سے ملاقات کرتے اور کہیں آنے جانے کا کام ہوتا تو تشریف لے جاتے۔

ہر روز کا معمول تھا کہ مغرب سے عشار تک درس کا سلسلہ جاری رکھتے۔ عشار کے بعد اکثر مسجد میں سو جاتے اور جب بیدار ہوتے تو صبح تک تہجد اور دوسرے ورد و وظائف میں مصروف رہتے ہ

تجارت اور سخاوت

امام صاحبؒ کو تجارت باپ دادا سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور پھر خود بھی اس میدان میں بڑی واقفیت اور تجربہ رکھتے تھے۔ کوفہ میں بہت بڑا کپڑا بنانے کا کارخانہ تھا جس میں سینکڑوں آدمی کام کرتے تھے۔ لاکھوں روپیہ کا روزانہ لین دین ہوا کرتا تھا۔

اکثر شہروں میں ایجنٹ مقرر تھے جو سوداگروں کو مال پہونچایا کرتے تھے۔ اتنے بڑے کاروبار میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس بات کا بیحد خیال رہتا تھا کہ ایک پیسہ بھی ناجائز طریقہ پر نہ آنے پائے۔ تمام

Marfat.com

کام کرنے والوں کو اس بات کی سخت ہدایت تھی کہ کپڑے کے وہ تھان جن میں کچھ عیب ہو علیحدہ رکھو اور خریدار کو ان عیوب سے مطلع کر دیا کرو۔ ایک مرتبہ آپ کے ملازم حفص ابن عبد الرحمن نے کپڑے کے کچھ تھان خریدار کے ہاتھ فروخت کئے۔ مگر خریدار کو ان کے عیب سے مطلع کرنا بھول گئے۔ امام صاحبؒ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو بہت افسوس کیا، اور تمام تھانوں کی قیمت خیرات کر دی۔

اسی طرح کسی دوسرے کا مال خریدنے میں بھی آپ اس بات کا بہت لحاظ رکھتے تھے کہ بیچنے والے کو نقصان نہ پہونچے۔ ایک مرتبہ دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی اور ایک ریشم کا تھان دے کر کہا کہ اس کو فروخت کرنا ہے۔ آپ نے قیمت پوچھی، تو کہنے لگی ۱۰۰ روپے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا۔ جو قیمت تم بتاتی ہو وہ بہت کم ہے۔ عورت نے کہا، تو پھر آپ ہی سمجھ کر دے دیجئے۔ فرمانے لگے۔ تھان ۵۰۰ روپے کا ہے۔ اور یہ کہہ کر ۵۰۰ روپے اس کو دے دیئے۔ عورت تعجب کرتی اور ہنستی ہوئی چلی گئی۔

دولت کی اس درجہ فراوانی کے ساتھ خدا نے دل بھی آپ کو بہت فیاض عطا کیا تھا۔ تجارت اور اکتساب دولت سے آپ کی غرض زندگی کو عیش و عشرت سے گزارنا اور سرمایہ کو جمع کر کے ناجائز طور پر خرچ کرنا نہیں تھی۔ بلکہ آپ چاہتے تھے کہ پیسے کو عوام کے فائدہ اور ضرورت مند لوگوں کی حاجت برآری پر خرچ کیا جائے۔

چنانچہ بہت سے غریب اور نادار طلباء کے وظائف مقرر تھے جو اُن کو ماہ بماہ ادا کئے جاتے تھے، تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکیں۔ بہت سے علماء اور محدثین کے لئے اپنی تجارت میں ان کے نام کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا۔ اور اختتام سال پر جو نفع ہوتا۔ وہ اُن کی خدمت میں رازدارانہ طریقہ پر پہونچا دیا جاتا تھا۔

جب کوئی نئی یا اچھی چیز بازار میں آتی تو اتنی زیادہ خریدتے کہ اپنے گھر والوں کے علاوہ طلباء، علماء اور غریب دوست احباب کے گھر پر بھیجتے۔ جب کوئی ملنے آتا۔ اور ظاہری حالات کے لحاظ سے ضرورت مند معلوم ہوتا تو جاتے وقت کچھ اس کی نذر کرتے۔

تمام ملنے والوں سے فرمایا کرتے۔ اگر کبھی کوئی حاجت ہو، تو وہ بلا تکلف بیان کر دیا کریں۔ قاضی ابو یوسف امام صاحبؒ ہی کی کفالت کی بدولت علم کے اتنے بلند مرتبہ پر پہونچ گئے۔

ایک مرتبہ کسی بیمار کو دیکھنے جا رہے تھے، راستہ میں ایک شخص نے جو امام صاحبؒ کا مقروض تھا۔ دور سے آپ کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو جلدی سے راستہ بدل کر جانے لگا۔ آپ نے فوراً آواز دی اور قریب پہونچ کر فرمایا۔ بھائی تم نے مجھے دیکھ کر راستہ کیوں بدل دیا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ آپ کا ۱۰ ہزار کا مقروض ہوں۔ ابھی تک ادا نہیں کر سکا۔ اس لئے شرم محسوس ہوتی ہے سامنے آتے ہوئے امام صاحب پر اس کی اس غیرت کا بہت اثر ہوا۔ اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ ملنے آئے۔ ان میں ایک شخص ظاہری صورت سے غریب معلوم ہوتا تھا۔

Marfat.com

جب سب جانے لگے تو آپ نے اس آدمی سے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر ایک ہزار کی تھیلی دینے لگے اُس نے عرض کیا حضرت میں دولتمند ہوں۔ مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ "تو پھر تم نے صورت ایسی کیوں بنائی ہے جو دوسروں کو تمہارے غریب ہونے کا شبہ ہوتا ہے"

والدہ کی اطاعت اور خدمت

امام صاحبؒ کو اپنی والدہ کا بہت خیال رہتا تھا۔ چنانچہ ان کی تمام ضروریات زندگی خود اپنے ہاتھ سے خرید کر کے لاتے اور پیش کرتے اگرچہ اُن کی خدمت کے لئے خدام موجود تھے۔ مگر آپ پھر بھی کبھی غافل نہیں رہتے تھے۔ اور برابر خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے۔ "نعمان حاضر ہے" جب کبھی باہر جانے کا اتفاق ہوتا، تو والدہ سے اجازت لیتے۔ اور بغیر حکم کبھی نہ جاتے۔

والدہ کو بھی اپنے بلند مرتبہ بیٹے سے بے انتہا محبت تھی کبھی گھر میں آنے میں دیر ہوتی تو آدمی کو بھیجتیں کہ معلوم کرو، کیوں دیر لگی ہے؟

امام صاحبؒ کی والدہ کو کوفہ کے مشہور عالم عمرو ابن ذرقہ سے خاص عقیدت تھی جب کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو فرماتیں۔ نعمانؒ ذرا عمرو بن ذرقہ سے یہ پوچھ آؤ۔ امام صاحبؒ فوراً جاتے اور مسئلہ پوچھتے۔ عمرو کہتے بھلا میں آپ کے سامنے کیا زبان کھول سکتا ہوں۔ امام صاحبؒ جواب دیتے۔ والدہ کا یہی حکم ہے۔

کبھی خود بھی جاتی تھیں۔ اور مسئلہ پوچھ کر آتی تھیں۔ ایک مرتبہ اپنے بیٹے سے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا۔ تو کہنے لگیں۔ تمہاری بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ چلو ذرقہ سے تصدیق کرونگی۔ امام ابو حنیفہؒ لے کر گئے، اور مسئلہ بیان کیا۔ ذرقہ نے وہی جواب دیا۔ جو امام صاحبؒ دے چکے تھے۔ والدہ کو تسکین ہو گئی۔

ابن ہبیرہ نے جب امام صاحبؒ کو بلا کر میر منشی مقرر کرنا چاہا۔ اور پھر انکار کرنے کے جرم میں دُرّے لگوائے۔ اس وقت امام کی والدہ زندہ تھیں۔ ان کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا۔ البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کو صدمہ پہنچتا ہے۔

امام صاحبؒ کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف سے ایک مرتبہ ہارون رشید نے کہا۔ کہ امام ابو حنیفہؒ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ قاضی صاحبؒ نے امام کے اخلاق و عادات پر ایک مختصر مگر جامع تقریر کی۔ جو حسب ذیل ہے:-

"امام ابو حنیفہؒ بہت با اخلاق اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ اوقات درس کے علاوہ زیادہ وقت خاموش رہتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کسی گہرے غور و فکر میں مصروف ہیں۔ اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس کا جواب دیدیتے۔ ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ کبھی کسی کے آگے کوئی حاجت نہیں لے گئے۔ اہل دنیا سے حتی الامکان بچتے تھے اور دُنیاوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے کبھی کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے۔ اگر ذکر آتا۔ تو بھلائی سے یاد کرتے تھے۔ بہت بڑے عالم اور مال

Marfat.com

کی طرح علم کے خرچ کرنے میں فیاض تھے ؛

لوگوں کے ساتھ عام طور پر اچھا سلوک کرتے۔ اُن کی خرابیوں پر کبھی نظر نہیں ڈالتے۔ بلکہ اپنی طرف سے بھلائی کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے۔ کسی کی پریشانی کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بیماری یا کسی دوسری مصیبت کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ کسی نے آکر کہا: فلاں شخص مکان کی چھت پر سے گر پڑا ہے۔ امام صاحبؒ پر اس جملہ نے اتنا اثر کیا، کہ مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ پھر اُسی وقت اُس کے گھر تشریف لے گئے۔ اور اظہار ہمدردی فرمایا۔ جب تک وہ اچھا نہیں ہوُا۔ روزانہ صبح کو اسکے دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ خود اپنی ذات پر کوئی مصیبت آجاتی۔ تو بڑے استقلال سے برداشت کرتے۔ اور کبھی کوئی جُملہ زبان سے ایسا نہیں نکالتے جس سے ذرہ برابر بے چینی کا اظہار ہوتا ہو۔

اسی طرح کسی دوسرے کی طرف سے کوئی تکلیف پہونچائی جاتی۔ تو اسے بھی معاف کرتے اور کبھی کوئی جذبہ انتقام دل میں پیدا نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا۔ حضرت لوگ آپ کی شان میں بہت کچھ گستاخیاں کرتے ہیں مگر آپ کی زبان سے میں نے کبھی کسی کے لئے کوئی برائی نہیں سُنی۔ فرمایا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حضرت سفیان ثوری سے کسی نے کہا۔ ہم نے کبھی امام ابو حنیفہ کو کسی کی غیبت کرتے نہیں سُنا، سفیان ثوری نے جواب دیا۔ امام ابو حنیفہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو کسی کی غیبت کر کے برباد کرلیں ؛

ناصحانہ اقوال

(۱) جس وقت اذان کی آواز آئے، فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔
(۲) روزہ اور تلاوت قرآن کی عادت ڈالو۔
(۳) کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جایا کرو۔
(۴) لہو ولعب سے پرہیز کیا کرو۔
(۵) پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔
(۶) تقوٰے اور امانت کو فراموش مت کرو۔
(۷) جس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت نہ ہو۔ اُسے ہرگز مت قبول کرو۔
(۸) اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو، تو اس کی غلطی کا علانیہ اظہار کرو، تاکہ عوام کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو سکے۔ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھو۔
(۹) جو آدمی کوئی بات پُوچھے تو صرف سوال کا جواب دیدو۔ اپنی طرف سے کچھ اضافہ مت کرو۔
(۱۰) شاگردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو، کہ دیکھنے والے ان کو تمہاری اولاد خیال کریں۔
(۱۱) جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو، اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکو۔

(۱۲) جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔
(۱۳) جس شخص کو علم نے بھی برائیوں سے نہیں روکا، اس سے زیادہ زیاں کار کوئی نہیں ہے۔
(۱۴) اگر علماء خدا کے دوست نہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں۔
(۱۵) جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے، علم اس کے دل میں نہیں ٹھہرتا۔
(۱۶) جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا۔ اس کے سامنے علمی گفتگو مت کرو۔
(۱۷) علم سکھانے میں سعی و سفارش کا کام نہیں بلکہ علماء کا فرض ہے کہ انہیں جو کچھ آتا ہے دوسروں کو سکھائیں۔ علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں۔
(۱۸) اگر روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے ملتا رہے، تو اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔

فقہ حنفی کی تدوین

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اُستاد جناب حماد کی زندگی میں ہی درجہ اجتہاد حاصل کر لیا تھا۔ اور قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے میں کافی مہارت حاصل ہو چکی تھی۔ مگر آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اُستاد کی حیات میں اپنے اجتہادی مسائل کو فروغ دیں۔ اور اپنی علیحدہ کوئی درس گاہ قائم کریں۔

اُستاد کے انتقال کے بعد جب اہل کوفہ نے آپ کو اُستاد کی مسند پر بٹھایا۔ اور پھر درس و تدریس کا سلسلہ زور شور سے شروع ہوا۔ اُس وقت آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی روزمرہ زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل قرآن و حدیث سے نکال کر جمع کئے جائیں۔ تاکہ بروقت کسی مسئلہ کو قرآن و حدیث میں تلاش کرنے پر جو دشواریاں پیش آتی ہیں، دُور ہو جائیں۔

یہ کام آسان نہیں تھا۔ اس کے لئے بڑے علم اور سمجھ والے آدمی کی ضرورت تھی۔ امام ابو حنیفہؒ میں قدرت نے وہ تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں جو ایسے اہم کام کی تکمیل کے لئے ضروری تھیں۔

مسائل فقہ کا وجود امام صاحبؒ کے زمانہ سے پہلے بھی پایا جاتا تھا، اور صحابہ کرام میں کچھ ایسے حضرات موجود تھے جو قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے، جیسے حضرت علیؓ۔ جناب عمرؓ۔ عبداللہ ابن عباسؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ ان حضرات میں اگرچہ فقیہہ تو سب ہی تھے مگر جناب علیؓ کا ملکہ استخراج مسائل اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ باقی تینوں حضرات کو بھی اس کا اعتراف تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خدا ایسا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آجائے اور جناب علیؓ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ کا قول تھا، کہ جب ہم کو حضرت علیؓ کا فتوے مل جائے تو پھر کسی کی حاجت باقی نہیں رہتی ہے۔

Marfat.com

امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ تک بہت سے مسائل قرآن و حدیث سے استنباط کئے جا چکے تھے اور ہر جگہ مسلمان ان پر عمل کر رہے تھے۔ ان مسائل کے استنباط کا شرف انہیں صحابہ کرام کو حاصل تھا، جن کے نام اُوپر بیان کئے جا چکے ہیں لیکن تمام مسائل زبانی طور پر چل رہے تھے۔ ترتیب تحریر کا کوئی سلسلہ ابھی تک قائم نہیں ہوا تھا۔ امام صاحبؒ نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ اور فقہی مسائل کے استنباط اور ان کی ترتیب و تحریر پر اپنی پوری توجہ مبذول کر دی۔

یہ کام ملک و قوم کے لئے جتنا ضروری تھا، اس سے کہیں زیادہ مشکل بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ تنہا امام صاحب کی ذات جن کو درس و تدریس کے علاوہ اپنی تجارت کی طرف بھی توجہ کرنا پڑتی تھی اتنے بڑے کام کو انجام نہیں دے سکتے تھے۔ دوسرے آپ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ صرف اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر بھروسہ کر کے اس کام کو انجام دے لیا جائے۔

اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں پر نظر ڈالی۔ اور چند خاص خاص لوگوں کا انتخاب کیا جن میں قاضی ابو یوسف، داؤد طائی، امام محمد اور امام زفر بہت ممتاز ہیں۔

یہ تھی وہ مجلس جو مسائل کے استنباط اور فقہ کی تدوین کے لئے امام صاحبؒ نے مرتب فرمائی اس مجلس نے سنہ ۱۲۱ھ سے اپنا کام شروع کیا۔ اور امام صاحبؒ کی وفات سنہ ۱۵۰ھ تک جاری رکھا۔ امام ابو حنیفہؒ کی آخری عمر قید خانہ میں گذری۔ وہاں بھی یہ کام جاری تھا۔ غرض یہ کہ کم و بیش ۳۰ سال کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا۔ اور مسائل فقہ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کر لیا گیا جس میں باب الطہارت سے لے کر باب المیراث تک کے تمام مسائل موجود تھے۔

فقہ حنفی کا رواج

امام صاحبؒ کے زمانہ حیات ہی میں فقہ حنفی کو تمام مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ کیونکہ جو مسائل نکلتے جاتے تھے۔ ان کی اشاعت بھی ساتھ ہی ساتھ ملک میں ہوتی رہتی تھی۔ لہٰذا مکہ اور مدینہ کے علاوہ تمام اسلامی ممالک میں امام ابو حنیفہؒ کے اجتہادی مسائل کا عام رواج ہو گیا۔

امام صاحبؒ کے زمانہ حیات میں فقہ حنفی کا مجموعہ تیار ہو چکا تھا۔ اس میں مسائل عبادات کے علاوہ دیوانی، فوجداری، تعزیرات، لگان، مالگذاری، شہادت، معاہدہ، وراثت، وصیت اور بہت سے قوانین موجود تھے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد ۱۲ لاکھ سے زیادہ تھی۔ ہارون رشید کی وسیع حکومت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی، انہیں اصول پر قائم تھی۔ اور اس زمانہ کے تمام مقدمات انہیں مسائل کو سامنے رکھ کر فیصل کئے جاتے تھے۔

عرب میں اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں امام ابو حنیفہؒ کے فقہی مسائل بہت کم رواج پا سکے

اس کی وجہ یہ تھی، کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ اور دوسرے مجتہدین و ائمہ وہاں موجود تھے۔ مگر پھر بھی تمام ممالک اسلامیہ میں امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو جو ترقی حاصل ہوئی، وہ دوسرے ائمہ کو حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ فقہ حنفی ضروریات انسانی کے لیئے بہت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا۔ چنانچہ چند خاص خاص شاگردوں نے فقہ حنفی کو اتنا مضبوط اور مقبول بنا دیا۔ کہ ہارون رشید سے لے کر آخر زمانہ تک اکثر سلاطین و بادشاہ حنفی مسلک کے حامی تھے ؎

تمام دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۴۰ کروڑ سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہ ۴۰ کروڑ مسلمان بہت سے فرقوں اور جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

صرف حنفی مسلمانوں کی تعداد ۱۳ کروڑ کے قریب ہے۔ جو پاکستان، ہندوستان، افغانستان، چین، روسی ترکستان، ترکی، شام اور عراق وغیرہ ممالک میں آباد ہیں ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسند حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

مع شرح ضروری

باب الاعمال بالنیات

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

ابوحنیفۃ عن یحییٰ عن محمد بن ابراھیم التیمی عن علقمۃ بن وقاص اللیثی عن عمرؓ بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔

عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال کا تمامتر مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے اس کی نیت کا پھل ہے۔ مثلاً جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی یعنی باعث اجر و ثواب ہوئی اور جس نے اس لئے ہجرت کی کہ دنیا ملے یا وہ مثلاً کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت کا ثمر بس وہی ہے جو اس نے اپنی نیت میں رکھا (اجر و ثواب سے وہ قطعی محروم ہے اور تہی دست)

ف: اس حدیث کا بنیادی مقصد [illegible] نیت [illegible] کہ ہر عمل بغیر نیت خالص جسم بے جان ہے اور قالب بے روح۔ چنانچہ [illegible] سے روایت ہے کہ اس حدیث [illegible] گا دخل ہے یعنی [illegible] اس کی [illegible] نیت کی اہمیت کے [illegible] یہ حدیث پورے دین میں گویا اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث نصف علم ہے کیونکہ ہر عمل دینی خواہ کس قدر بھی بابرکت ہو نیت کے فتور [illegible] کہ نیت کے بدل جانے سے ایک خالص دینی عمل کی شکل ہی بدل جاتی اور اجر و ثواب سے اس کو دور کا

Marfat.com

تعلق بھی نہ رہا۔ بالخصوص درس و تدریس کے شغل پر نظر ڈالیے کہ اگر وہ نشر و اشاعت دین کی خاطر ہے تو کیا کہنے نور علیٰ نور۔ اور اگر طلب شہرت وجاہ و ثروت پیش نظر ہے تو اجر و ثواب سے قطعی محرومی ہے۔ بلکہ وبال جان اور سر بسر خسران۔ اسی بیان کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ حدیث مذکور کی ترتیب کو دیکھیں تو آپ کو عجیب پر لطف استدلالی ترتیب نظر آئے گی کیونکہ سب سے پہلے الاعمال بالنیات سے اجمالاً سمجھا دیا گیا کہ اعمال میں ہر جگہ نیت کی کارفرمائی ہے اور ہر عمل کا حسن و قبح اسی پر موقوف ہے۔ پھر لکل امرئ ما نوی سے اس کی مزید تشریح فرمائی کہ ہر شخص کو اس کے کام کا نہیں بلکہ اس کی نیت کا پھل ملیگا۔ پھر ہجرت جو دین میں نہایت ہی بابرکت اور باشرف عمل ہے اس کی مثال پیش فرما کر ظاہر فرمایا کہ وہ بھی نیت کے خالص نہ رہنے سے دینی کام سے نکل کر ایک دنیوی کام میں اس کا شمار ہوا۔ اس کے بعد دنیوی امور میں بھی ایک خاص مہاجر ام قیس کے قصہ کو پیش نظر رکھ کر جس نے محض ام قیس نامی مہاجر عورت سے نکاح کرنے کی خاطر اپنا وطن چھوڑا تھا۔ بات کی مزید وضاحت فرمائی۔ اور لوگوں کو عبرت دلائی۔

محدثین کی عادت ہے کہ اپنی تصانیف کا آغاز زیادہ تر اسی حدیث سے کرتے ہیں۔ اس سے ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ حدیث کے ہر طالب کو چاہیے کہ اس باشرف علم کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ کے لیے کر لے ورنہ اس کی ساری کدوکاوش اللہ کے نزدیک ذرہ کے برابر قدر و قیمت نہیں رکھے گی۔ بلکہ الٹا وہ اس کو سزاوار عتاب و سرزنش بنائیگی کہ اس نے ایسے مقدس علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اور دنیا کو دین پر ترجیح دی۔

كتاب الايمان والاسلام والقدر والشفاعة

یہ کتاب ایمان، اسلام، قدر اور شفاعت کے بیان پر مشتمل ہے

باب شرائع الاسلام وذم القدرية

ارکان اسلام کا بیان اور قدریہ کی مذمت

ح ۲ ابو حنيفة عن علقمة عن يحيى بن يعمر قال بينا مع صاحب لي بمدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم اذ بصرنا بعبد الله بن عمر فقلت لصاحبي هل لك ان ناتيه فنسأله عن القدر قال نعم فقلت دعني حتى اكون انا الذي اسأله فاني اعرف به منك قال فانتهينا

یحییٰ بن یعمر امام ابوحنیفہ کے استاذ الاستاذ کہتے ہیں کہ میں اپنے ہمراہی کے ساتھ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھا۔ کہ اچانک عبداللہ بن عمر نظر پڑے میں نے ساتھی سے کہا کہ کیا چاہتے ہو کہ ہم ان کے پاس جاکر قدر کا مسئلہ حل کریں۔ کہا ہاں۔ تو میں نے کہا اچھا مجھے سوال کرنے دو۔ کیونکہ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے حضرت

Marfat.com

الیٰ عبد الله فقلت یا اباعبد
الرحمٰن انا نتقلب فی هٰذه
الارض فربما قدمنا البلدة
بها قوم یقولون لا قدر فبما
نردّ علیهم قال ابلغهم منی
انی منهم بری ولوانی وجدت
اعوانا لجاهدتهم ثم انشأ
یحدثنا قال بینما نحن مع
رسول الله صلی الله علیه وسلم
ومعه رهط من اصحابه اذ
اقبل شاب جمیل ابیض
حسن اللمة طیب الریح علیه
ثیاب بیض فقال السلام
علیك یا رسول الله. السلام
علیكم قال فردعلیه رسول
الله تعالیٰ علیه وسلم ورددنا
معه فقال ادنوا یا رسول
الله قال ادن فدنا دنوة او
دنوتین ثم قام موقرا له
ثم قال ادنو یا رسول الله فقال
ادنه فدنا حتی الصق رکبته
برکبة رسول الله صلی الله علیه و
سلم فقال اخبرنی عن الایمان
قال ان تؤمن بالله وملائکته و
کتبه ورسله ولقائه والیوم
الآخر والقدر خیره وشره
من الله فقال صدقت قال
فعجبنا من تصدیقه لرسول
الله صلی الله علیه وسلم

عبداللہ کی خدمت میں حاضری دی اور میں نے عرض
کیا اے ابوعبدالرحمن (حضرت عبداللہ کی کنیت ہے)
ہم اس ملک میں چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ اور کبھی ایسے شہر
میں بھی ہمارا گذر ہوتا ہے جس کے باشندے قدر کے
قائل نہیں ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو ہم کیا جواب دیں آپ نے
فرمایا ان کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ میں ان سے
بیزار ہوں اور بری۔ اور اگر میں کچھ مددگار پالوں تو ان سے
جہاد کروں۔ پھر آپ نے یہ حدیث بیان کرنی شروع کی۔
فرمایا کہ ہم صحابہ دس پانچ کی تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے۔ کہ ناگاہ ایک جوان خوش
رنگ گورا۔ کاکلیں کاندھوں پر چھوٹی ہوئیں خوشبو میں بسا
ہوا سفید پوش سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ قریب آکر
کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام
علیکم یعنی اہل مجلس۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے بھی سلام کا جواب دیا اور ہم نے بھی۔ پھر اس نے
(دربار عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے) کہا کیا میں قریب
آسکتا ہوں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا قریب آؤ
تو وہ ایک دو قدم اور نزدیک ہوا۔ پھر حضرت کی توقیر و
عظمت کا اظہار کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ پھر پوچھا۔ کیا اور قریب
حاضر ہوں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا ہاں قریب آ
تو وہ قریب آن بیٹھا اور اپنے گھٹنے آنحضرت کے گھٹنوں
سے جوڑ کر بولا ایمان کی حقیقت بتائیے آپ نے
فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لائے اس کے فرشتوں
پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور اس کے روز
قیامت اس کے دیدار پر اور [illegible]
اس کی تقدیر پر [illegible]
[illegible] فرمایا آپ نے [illegible]
[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی [illegible] ہوا۔

وقوله صدقت كانه يعلم قال
فاخبرني عن شرائع الاسلام ما هي
قال اقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وحج
البيت لمن استطاع اليه سبيلا
وصوم رمضان والاغتسال من الجنابة
قال صدقت فعجبنا لقوله صدقت
قال فاخبرني عن الاحسان ما هو
قال الاحسان ان تعمل لله كانك
تراه فان لم تكن تراه
فانه يراك قال فاذا فعلت ذلك
فانا محسن قال نعم قال
صدقت۔
قال فاخبرني عن الساعة متى
هي قال ما المسئول عنها باعلم
من السائل ولكن لها
شرائط فقال ان الله عنده
علم الساعة وينزل الغيث
ويعلم ما في الارحام وما
تدري نفس ماذا تكسب غدا
وما تدري نفس باي ارض
تموت ان الله عليم خبير
قال صدقت
ثم انصرف ونحن نراه قال
النبي صلى الله عليه وسلم
علي بالرجل فقمنا في اثره
فما ندري اين توجه ولا رأينا
شيئا فذكرنا ذلك للنبي صلى
الله عليه وسلم فقال هذا
جبرئيل عليه السلام اتاكم يعلمكم

کیونکہ اس سے پتہ چلا کہ وہ پہلے سے جانتا ہے - پھر
کہنے لگا کہ شرائع اسلام بتایئے کہ وہ کیا ہیں آپ
نے فرمایا نماز پڑھنا زکوٰۃ دینی حج بیت اللہ ادا کرنا
اگر جا سکے، رمضان کے روزے رکھنا۔ اور غسل جنابت
کرنا۔ اس نے پھر کہا کہ سچ کہا آپ نے ہم کو اس کے
قول صدقت پر پھر تعجب ہوا۔ پھر بولا مجھے احسان
کی حقیقت سمجھایئے۔ کہ وہ کس سے عبارت ہے۔
آپ نے فرمایا کہ احسان اس کا نام ہے کہ تو عمل کر
اس کیفیت سے سرانجام دے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو
دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھ کو یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ
تصور کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا اگر میں
نے ایسا کیا تو کیا میں محسن ہوں آپ نے فرمایا ہاں
بیشک کہنے لگا سچ فرمایا آپ نے۔ پھر اس نے کہا
کہ مجھ کو قیامت کا پتہ دیجئے۔ کہ وہ کب آئے گی۔ آپ
نے فرمایا جس سے سوال کرتے ہو وہ اس بارہ میں سائل
سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ (گویا اس کے واقفیت
میں ہم تم برابر ہیں اور ایک ذرہ ہیں) البتہ اس کی چند
علامتیں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان چیزوں کو اللہ ہی
جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ بارش کب ہو سکے
گی۔ عورت کے رحم میں کیا ہے۔ کیا بچہ ہے یا بچی۔
کل انسان کیا کرے گا۔ اور یہ کہ انسان کس جگہ مرے
گا۔ البتہ اللہ ہی ان کو جاننے والا ہے۔ اور ان سے
باخبر۔ اس نے کہا سچ کہا ہے آپ نے۔ اور یہ کہہ کر
ہماری نظروں کے سامنے واپس چلدیا۔ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ذرا بلانا اس آدمی کو۔ ہم اس کے
نشانات قدم پر دوڑے۔ مگر ہم نے اس کا کوئی
نشان نہ پایا۔ اور نہ سمجھے کہ وہ کدھر غائب ہو گیا۔ یہ
بات ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دی آپ نے
فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے کہ تم کو تمہارے امور دینی

Marfat.com

معالم دينكم والله ما اتاني بصورة الا وانا اعرفه فيها الا هذه الصورة ۔

سکھلانے آئے تھے۔ قسم ہے اللہ کی اس موقع کے علاوہ وہ جب کبھی کسی صورت میں نمودار ہوئے۔ میں ان کو پہچان گیا ۔

ف اصطلاح شرع کی رو سے ایمان و اسلام ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ایک ہی معنی کو کبھی ایمان سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسلام سے۔ کیونکہ ہر دو ایک دوسرے سے سنگین مربوط ہیں۔ اسلام بدوں ایمان کے درست نہیں۔ اور ایمان بغیر اسلام کے کامل نہیں۔ البتہ بعض وقت شریعت میں ایمان و اسلام میں فرق بھی کرتے ہیں ایمان باطنی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے اور اسلام ظاہری عمل کی۔ ایمان انقیاد باطنی کو دیتا ہے تو اسلام انقیاد ظاہری کو۔ حدیث مذکور بالا میں بھی ایمان و اسلام جدا جدا معانی میں استعمال ہوئے ہیں جس طرح اس آیت قرآنی میں قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا۔ غرض ایمان و اسلام کے استعمال میں یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رہتا ہے۔

یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ ہے یا یوں کہئے پوری شریعت کا اجمال ہے یا تمام شریعت اسی کی تفصیل ہے اس لئے اس حدیث کو ام السنۃ بھی کہتے ہیں اور ام الاحادیث یا ام الجوامع بھی۔ گویا یہ حدیث جملہ احادیث کی جڑ و بنیاد ہے اور تمام احادیث اسی کی شاخیں ہیں۔ اور اس کی مزید تفصیل بعض علماء نے اس کی جامعیت کی یوں ترجمانی کی ہے کہ دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ فقہ جو ظاہری اعمال کا نام ہے۔ کلام جو باطنی اعتقادات سے عبارت ہے۔ اور تصوف جو اخلاص و احسان کا دوسرا نام ہے۔

احسان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درجے ظاہر فرمائے ایک اعلیٰ وہ یہ ہے کہ عبادت کے وقت ذات باری کا "استحضار" ہوتا ہے گویا یہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ دوسرا کم تر درجہ اس میں یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو دیکھ رہا ہے۔ اسی کا نام مراقبہ ہے۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال جاء جبرئيل الى النبي صلى الله عليه وسلم في صورة شاب عليه ثياب بياض فقال السلام عليك يا رسول الله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليك السلام فقال يا رسول الله أدنو فقال أدنه فقال يا رسول الله ما الايمان فقال الايمان بالله وملائكته وكتبه ورسله والقدر خيره وشره قال صدقت فعجبنا لقوله صدقت كانه يدري ثم قال يا رسول الله فما شرائع

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوان سفید پوش انسان کی شکل میں آئے۔ اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ آپ نے فرمایا وعلیک السلام۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ کیا قریب حاضر ہو سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا قریب آؤ۔ پھر اس شخص نے کہا ایمان کیا چیز ہے آپ نے فرمایا ایمان لانا اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور تقدیر پر بھلی ہو یا بری۔ اس نے کہا سچ فرمایا آپ نے۔ ہم نے اس کے اس لفظ پر تعجب کیا۔ کیونکہ اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ پہلے سے جانتا ہے۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ شرائع اسلام

الاسلام قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم اقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وصوم
رمضان وغسل الجنابة قال صدقت
فعجبنا لقوله صدقت كانه يدري
ثم قال فما الاحسان قال ان تعمل
لله كانك تراه فان لم تكن
تراه فانه يراك۔
قال صدقت۔
قال فمتى قيام الساعة قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم ما المسئول
عنها باعلم من السائل
فقفى
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
علىّ بالرجل
فطلبنا فلم نر له اثرا فاخبرنا النبي
صلى الله عليه وسلم فقال ذاك
جبرئيل عليه السلام جاءكم يعلمكم
معالم دينكم۔

کون کون سے ہیں۔ آپ نے فرمایا نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینی
رمضان کے روزے اور غسل جنابت۔ کہا سچ فرمایا
آپ نے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ ہم اس کے
اس لفظ پر بڑے متعجب ہوئے اس لئے کہ لفظ صدقت
پتہ دیتا تھا۔ کہ وہ تجاہل عارفانہ کر رہا ہے۔ پھر اس نے
کہا بتلائیے احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ کہ
تو اس کیفیت حضوری سے عمل کرے۔ گویا کہ تو اللہ
تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ
تصور کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ وہ پھر بولا سچ فرمایا آپ
نے۔ پھر کہا بتلائیے قیامت کب آئے گی۔ اس پر آپ
نے فرمایا۔ اس بارہ میں جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ (یعنی
میں) سائل سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ یہ کہہ
کر (وہ) واپس چل دیا۔ آنحضرت نے حاضرین مجلس
سے فرمایا۔ ذرا اس شخص کو بلاؤ۔ تو عبداللہ بن مسعود فرماتے
ہیں کہ ہم اس کی تلاش میں نکلے۔ لیکن اس کا کہیں نشان
نہ پایا اور اسی بات کی آ کر آپ کو خبر دی کہ وہ تو ملا نہیں
آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ جو تم کو احکام
دینی سکھلانے آئے تھے۔

ف: یہ حدیث الفاظ و مضمون میں پچھلی حدیث کی تکرار ہے۔ البتہ شرائع اسلام کے سلسلہ میں اس میں حج کا ذکر نہیں۔ شاید یہ روایت فرضیت حج سے پہلے کی ہو۔ یہ حدیث جو حدیث جبریل کہلاتی ہے صحاح میں کم و بیش الفاظ سے متعدد مقامات میں مروی ہے کہیں کچھ الفاظ ہیں اور کہیں کچھ۔ ان ہر دو احادیث میں شہادتین کا ذکر نہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں سب سے پہلے شہادتین کا ذکر ہے اور پانچویں چیز حج ہے۔ ان ہر دو احادیث میں غسل جنابت کا اضافہ ہے۔ یہ اختلاف الفاظ یا تو تعدد واقعہ پر مبنی ہے یا پھر یہ صورت ہے کہ رواۃ کہیں کہیں اختصار و اجمال سے کام لیتے ہیں۔

اس حدیث میں احسان کی حقیقت واضح فرما کر ریاکاری کی بیخ کنی فرمائی۔ اور دکھاوے اور نام و نمود کی جڑ کاٹ دی کیونکہ یہی سب چیزیں اعمال دینی کے لئے سخت مہلک بیماریاں ثابت ہوتی ہیں۔ ذات باری سے خوف و خشیت نفس میں خشوع و خضوع۔ دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کا صحیح تخیل پیدا کرنے کیلئے یہ بہترین نسخہ ہے۔ اور عمدہ ترین ترکیب۔ اگر انسان صحیح معنی میں محسن ہو تو غیر اللہ کی کیا حقیقت کہ دل میں سمائے۔ اس کی کیا تاب کہ دل میں جگہ لے۔ اسی لئے عبادت کے ساتھ اخلاص کی

قید لگا کر یوں ارشاد فرمایا۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔
پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہلی مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کی شناخت نہ فرما سکے چنانچہ صحیح ابن حبان میں اس کی مزید تصریح ہے کہ آپ فرماتے ہیں وَمَا عَرَفْتُ حَتّٰى وَلّٰى کہ جب حضرت جبریل کی واپسی تک ان کو نہ پہچان سکا۔

بَابُ التَّوْحِيدِ وَالرِّسَالَةِ

توحید و رسالت کا بیان

ابو حنيفة عن عطاء ان رجالا من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم حدثوه ان عبد الله بن رواحة كانت له راعية تتعاهد غنمه وانه امرها تتعاهد شاة فتعاهدتها حتى سمنت الشاة واشتغلت الراعية ببعض الغنم فجاء الذئب فاختلس الشاة وقتلها فجاء عبد الله ففقد الشاة فاخبرته الراعية بامرها فلطمها ثم ندم على ذلك فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فعظم النبي صلى الله عليه وسلم ذلك وقال ضربت وجه مؤمنة فقال سوداء لا علم لها فارسل اليها النبي صلى الله عليه وسلم فسألها اين الله فقالت في السماء قال فمن انا قالت رسول الله قال انها مؤمنة فاعتقها فاعتقها۔

چند صحابہ کے واسطے سے حضرت عطا روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ کے پاس ایک چھوکری تھی جو ان کی بکریاں چرایا کرتی تھی وہ ان کی دیکھ بھال کیا کرتی۔ انہوں نے اس کی نگرانی میں ایک بکری دی جس کی وہ خوب پرداخت کرتی یہاں تک کہ وہ خوب فربہ ہو گئی۔ ایک روز وہ چھوکری کسی اور بکری کے دھیان میں تھی کہ اچانک بھیڑیا آیا اور اس بکری کو اٹھا لے گیا اور چیر پھاڑ ڈالا۔ جب عبداللہ آئے تو انہوں نے بکری کو نہ پایا۔ چھوکری نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عبداللہ نے غصہ میں آکر اس کے ایک تھپڑ رسید کیا۔ پھر اس پر پشیمان ہوئے اور اس کا ذکر رسول اللہ سے کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو بہت اہمیت دی اور فرمایا کہ تم نے ایک بے قصور مومن عورت کے منہ پر مارا۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ وہ ایک حبشی باندی ہے اس کو ایمان سے کیا سروکار۔ آپ نے اس کو بلایا۔ اور اس سے پوچھا خدا کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا میں کون ہوں۔ اس نے کہا اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا یہ تو مومنہ ہے اس کو آزاد کر دو۔ لہذا حضرت عبداللہ نے اس کو آزاد کیا۔

ف انسانوں کے درمیان مختلف حقوق قائم ہیں جن کی پاسداری و رعایت لازم ہے۔ مثلاً ایک عام حق جس کو ہم حق انسانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر مخصوص حقوق مثلاً حق مذہبی، حق قرابت وغیرہ۔ یہ حدیث ان میں سے دو حقوق کی رعایت پر روشنی ڈالتی ہے اور صحابہ کرام کے اس بلند درجہ اخلاق کو بھی ظاہر کرتی ہے جس پر یہ لوگ فائز تھے۔ چنانچہ چھوکری کے تھپڑ مارنے پر حضرت عبداللہ کو پشیمانی ہوئی اس خیال سے کہ

Marfat.com

گروہ حق نسانیت کا پاس نہ کرسکے۔ ایک بے قصور انسان کو سزا دی اور تکلیف پہنچائی۔ کیونکہ یہ غفلت جو بکری کے تلف ہوجانے کا سبب بنی وہ اس کے قصد وارادہ سے نہ تھی۔ لہٰذا وہ قصور وار ٹھہرتی اور سزا وار سرزنش ہوتی۔ اس وجہ سے آپ نے افسوس ظاہر فرمایا۔ پھر یہ عمل ایک مومن کے اس بلند درجہ اخلاق کے بھی خلاف تھا جو صحابہ کو نصیب تھا۔ کہ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کے ماتحت انہوں نے اپنے جذبات پر پورا پورا اقتدار حاصل کرلیا تھا۔ غصہ کو پی جانا۔ لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرنا۔ ان کا خاص مشغلہ تھا۔ اوران کی خاص صفت بن چکی تھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس فعل کو زیادہ اہمیت دی وہ اس اہم اور مقدس رشتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس کو ہم رشتہ ایمانی یا رشتۂ اسلامی سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کی رعایت اور اس کا پاس بھی نہایت ضروری ہے۔ دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کہ مسلمان صحیح معنی میں وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال کنا جلوسا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لاصحابه انهضوا بنا نعود جارنا الیهودی قال فدخل علیه فوجده فی الموت فسأله ثم قال اشهد ان لا اله الا الله انی رسول الله فنظر الی ابیه فلم یکلمه ابوه فقال له النبی صلی الله علیه وسلم اشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله فنظر الی ابیه فقال ابوه اشهد له فقال الفتی اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله۔ فقال النبی صلی الله علیه وسلم الحمد لله الذی انقذ بی نسمة من النار۔

وفی روایة انه قال ذات یوم لاصحابه انهضوا بنا نعود جارنا الیهودی

قال فوجده فی الموت فقال اتشهد ان لا اله الا الله۔

حضرت بریدہ بن الحصیب کہتے ہیں کہ ہم ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آپ نے اپنے اصحاب کی طرف رخ کرکے فرمایا۔ کہ چلو اٹھو ہم اپنے پڑوسی یہودی کی بیمار پرسی کریں۔ کہتے ہیں کہ جب آنجناب اس کے پاس پہنچے تو اس کو نزع کی حالت میں پایا آپ نے اس کی حالت اس سے پوچھی پھر فرمایا کہ اقرار کر کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس یہودی نے اپنے باپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔ اقرار کر کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ یہودی نے پھر باپ کی طرف نظر اٹھائی تو اس کا باپ بولا اقرار کرلے۔ تو اس جوان نے کہا کہ اقرار کرتا ہوں میں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے ذریعہ ایک انسان کو نار دوزخ سے بچایا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو اٹھو ہم اپنے ایک یہودی پڑوسی کی عیادت کریں۔ راوی نے کہا کہ جب آنحضرتؐ اس کے پاس پہنچے تو اس کو حالت نزع میں پایا۔ آپ نے اس سے

Marfat.com

قال نعم قال اتشهد انی رسول الله قال فنظر الرجل الی ابیه قال فاعاد علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم فوصف الحدیث ثلث مرات الی اخره علی هذه الهیأة الی قوله فقال اشهد انك رسول الله.

فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الحمد لله الذی انقذ بی نسمة من النار.

فرمایا اگر کیا تو اقرار کرتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اس نے کہا ہاں بیشک۔ پھر فرمایا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر اس یہودی نے نظر اٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ راوی نے کہا کہ آپ نے اس کلام کو پھر دہرایا۔ اس روایت میں تین بار تکرار ہے باقی حدیث بدستور رہے۔ یہاں تک کہ مریض نے کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک انسان کو میری وجہ سے دوزخ کی آنچ سے بچایا۔

ف اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر یہودی، نصرانی یا مجوسی کی عیادت کی جائے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں خصوصاً جبکہ کوئی تبلیغی پہلو بھی مدنظر ہو جیسا کہ آنحضرت نے عمل فرمایا۔ امام محمد نے آثار میں اس کی تخریج کی ہے۔ اور اس کی تصریح بھی فرمائی ہے کہ کفار کی بیمار پرسی میں کوئی حرج نہیں۔

یہ حدیث پڑوسی کے حقوق کی وضاحت کرتی ہے۔ اور ثابت کرتی ہے کہ حق پڑوس اسلام کے ساتھ محدود نہیں۔ بزار، ابونعیم اور طبرانی نے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کا صرف ایک پڑوس ہی کا حق ہو مثلاً وہ مشرک جس سے کوئی رشتہ داری کے روابط نہ ہوں۔ اس کو صرف پڑوس کا حق حاصل ہے۔ یہ گویا حقوق میں سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے۔ نہ حق اسلام اس کو نصیب نہ حق قرابت۔ دوسرا وہ جس کو دو حق حاصل ہوں مثلاً وہ جو مسلمان بھی ہو اور پڑوسی بھی اس کو دو حقوق حاصل ہیں۔ حق اسلام بھی اور حق قرابت بھی۔ یہ متوسط درجہ کا پڑوسی ہے۔ تین حقوق رکھتا ہے تیسرا وہ جو مسلمان بھی ہو، قرابت دار بھی اور پڑوسی بھی۔ یہ بلند درجہ کا پڑوسی ہے کہ تین حقوق رکھتا ہے۔ حق اسلام بھی رکھتا ہے اور حق قرابت بھی اور پھر حق پڑوس بھی۔

اس حدیث سے اس بات کا بھی انکشاف ہوا کہ جب کفر کی حقیقت کھل گئی اور کافر مر جائے تو سزاوار عذاب ہوگا۔ اور اگر وہ اسلام لے آئے تو اس کا اسلام صحیح مانا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ اس کے سامنے اسلام کیوں پیش فرماتے۔

باب الوقف فی ذراری المشرکین

مشرکین کی اولاد کے بارے میں کوئی فیصلہ دینے سے توقف کرنا!

ابوحنیفة عن عبدالرحمن بن

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول

Marfat.com

هرمز الاعرج عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه وینصرانه قیل فمن مات صغیرا یا رسول الله قال الله اعلم بما کانوا عاملین ۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اگر بچپن ہی میں مر گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرتے ۔

ف فطرۃ سے مراد وہ طبع سلیم اور صلاحیت پسند طبیعت ہے۔ جو ہر بچہ ماں کے پیٹ سے لیکر پیدا ہوتا ہے اس میں اچھائی برائی سردو کی قابلیت ہوتی ہے۔ اگر یہ کفر و شرک کے ناخوشگوار اثرات سے پاک رہے اور مخالف ایمانی صحبت سے اس کا دامن گندہ نہ ہو تو اس میں ایمان کی قبولیت کی پوری صلاحیت رہتی ہے اور وہ بچہ حد بلوغ پر پہنچکر ایمان کی صراط مستقیم پر خود بخود لگ پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے اگر اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی ماں باپ مل گئے تو وہ نیچے اثرات سے اس کی سلامت روی کو کجروی سے بدل کر اس کی سادہ طبیعت کا رخ پلٹ دیتے ہیں۔ اسی نظریہ کی طرف حدیث زیر بیان اشارہ کرتی ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ ایک شدید اختلافی مسئلہ کی طرف مشیر ہے کہ کفار کے کم سن بچے بڑے شرع کا فر شمار ہوتے ہیں یا مومن جنتی ہیں یا دوزخی۔ بعض کہتے ہیں کہ انکا معاملہ مشیت پر موقوف ہے۔ بیہقی نے اس کی نسبت امام شافعی کی طرف کی ہے کہ اولاد کفار کے بارہ میں وہ اسی خیال کے پیرو ہیں۔ امام مالک سے کوئی امر صریح منصوص نہیں۔ البتہ ان کے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ اطفال المسلمین جنت میں ہیں۔ اور اطفال مشرکین کا معاملہ مشیت پر موقوف ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے۔ کہ امام احمد اس کے قائل ہیں کہ اولاد مشرکین دوزخ میں ہیں۔ امام ابو حنیفہ توقف کے قائل ہیں۔ کیونکہ قطعی فیصلہ کسی رخ میں نہیں دیا جا سکتا چنانچہ حدیث زیر بیان کے الفاظ بھی اسی خیال کی پر زور تائید کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرتے۔ نیکیاں کرتے کہ جنتی بنتے یا برائیاں کرتے اور دوزخی ٹھہرتے ۔ جب تمام تر معاملہ اللہ کے علم پر ہو تو قطعی فیصلہ کی کب گنجائش رہی۔

باب اصل الاسلام الشهادة

اسلام کی بنیاد توحید کی شہادت ہے !

ج ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها عصموا منی دماءهم واموالهم

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ کو حکم ہے کہ میں کافروں سے مقاتلہ اور جنگ جاری رکھوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں جب وہ اس کلمہ کو کہیں گے۔ تو وہ اپنی جانوں کو اور مالوں کو مجھ سے بچا

الا بحقها وحسابهم على الله تبارك وتعالىٰ ۔

لیں گے۔ مگر تعزیرات شرعی اور احکام دینی ہیں۔ پھر ان کی دلی حالت کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔

ف فرمایا حتی یقولوا الا الٰہ الا اللہ۔ ایک صورت تو اس کی یہ ہے کہ کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو اب ان کی جانیں اور مال ہر قسم کے دستبرد سے محفوظ ہیں اور امن میں رہا۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ مسلمان تو نہ ہوئے۔ لیکن اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اور لوائے اسلام کے سایہ میں امن کے خواہاں ہوئے۔ مثلاً جزیہ قبول کیا۔ صلح کے طالب ہوئے۔ اسلام کے اقتدار اعلیٰ کے سامنے سر جھکا دیا۔ تو یہ صورت بھی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرنے کی ہے۔ گویا اس کلمہ کے اقرار میں داخل ہے۔ بحقہا سے وہ مواقع مراد ہیں، جن میں بسلسلہ تعزیرات اور نفاذ احکام اسلام ان پر بھی ان کی جانیں بھی لی جائیں گی اور مال بھی۔ مثلاً کسی کو مار ڈالا تو قصاص لیا جائے گا۔ زناکاری کے مرتکب ہوئے رجم کیا جائے گا۔ کسی کا مال غصب کر لیا ان کا مال چھینا جائے گا۔ اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ میں ان کا مال لیا جائے گا۔ آخر میں فرمایا حسابہم علی اللہ یعنی دلی حالت کے تجسس کا بار ہم پر نہیں۔ اگر زبان سے کلمہ پڑھ لیا۔ اور دل میں نفاق، ریاکاری یا زندیقیت چھپائے رکھی تو اس کی باز پرس ہم سے نہیں۔ ان کے حساب کتاب اور مواخذہ کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اس ذمہ داری سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سبکدوش کیا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے پیش نظر منافقوں اور زندیقوں کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے۔ ان کی دلی حالت سے کوئی سروکار نہیں رکھا جاتا۔

باب عدم كفر اهل الكبائر — گناہ کبیرہ مرتکب کافر نہیں!

ابو حنيفة عن ابى الزبير قال قلت لجابر بن عبد الله ما كنتم تعدون الذنوب شركا قال لا قال ابو سعيد قلت يا رسول الله هل فى هذه الامة ذنب يبلغ الكفر قال لا الا الشرك بالله تعالىٰ ۔

حضرت ابو زبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ کیا تم گناہ کبیرہ کو شرک شمار نہیں کرتے تھے کہا نہیں۔ حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ اس امت میں کوئی ایسا گناہ ہے جو کفر کی حد تک پہنچتا ہے آپ نے فرمایا۔ نہیں سوائے شرک باللہ کے۔

ف یہاں یہ چند احادیث کا سلسلہ اس امر کی وضاحت کیلئے لایا گیا ہے کہ گناہ کبیرہ مثلاً خونریزی، چوری، شراب خوری کا ارتکاب کفر نہیں۔ یہ دراصل مذہب خوارج کی تردید ہے جو اس کے قائل ہیں کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مومن کافر ہو جاتا ہے اور خلود نار کا مستحق۔ مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ مسلہ کئی شعبہ ہائے خیال پر بٹ جاتا ہے ایک طرف خوارج ہیں کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا اپنا ایمانی سرحد کو پار کر کے کفر کی سرحد میں جا اترنا ہے۔ ان کے پیش نظر اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا آنحضرت نے لا یزنی الزانی وهو مومن ولا یسرق السارق وهو مومن زنا کار بحالت زناکاری مومن نہیں رہتا۔ اور چور بحالت چوری مومن نہیں ہوتا۔ احادیث مجوزہ بیان ان کی نظر سے اوجھل ہیں۔ دوسری طرف

مدمقابل دوسری سرحد پر کھڑے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ مومن کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ ایمان کے بعد بے کھٹکے جنت میں چلا جائے گا۔ ان کے مطمح نظر اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا آنجناب نے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کہ جس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ یہ ان تمام آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے چشم پوشی کرتے ہیں جن میں اہل معاصی کے لئے سزا و عذاب کی وعید ہے۔ معتزلہ ایک نرالا خیال پیش کرتے ہیں کہ مومن گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہی ہے نہ کافر کلمہ پڑھنے سے کفر سے نکلا اور گناہ کبیرہ سے ایمان سے خارج ہوا۔ اس کو محض فاسق کہہ سکتے ہیں۔ یہ گویا کفر و ایمان میں ایک برزخ مانتے ہیں اور ایک درمیانی منزل۔ یہ وہ انوکھا نظریہ ہے جس کی تردید کے لئے ادلہ شرعیہ کے علاوہ عقل سلیم ہی بس ہے۔

یہ حدیث ان لوگوں کی غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے جو حدیث من ترک الصلوۃ عمداً فقد کفر کہ جس نے قصداً نماز چھوڑی وہ کافر ہوا کے الفاظ اس شخص کو کافر بناتے ہیں جو بالقصد وارادہ نماز چھوڑ دے۔ کیونکہ ان احادیث صحیحہ کے معانی کو اپنی جگہ برقرار رکھنا مجبور کرتا ہے۔ کہ من ترک الصلوۃ عمداً جیسی احادیث کی تاویل کی جائے کہ یہاں یہ مقصد نہیں کہ نماز کا تارک اصل ایمان سے نکل کر حقیقی کفر میں داخل ہوجاتا ہے بلکہ درحقیقت قرب کفر مراد ہے کہ نماز کے ترک سے کفر کے قریب تک پہنچ جاتا ہے۔ حدیث کی یہ ترجمانی کیوں نہ کی جائے۔ جب کہ نفس ایمان کی حقیقت اقرار شہادتین سے زائد نہیں اور شارع علیہ السلام اور صحابہ کرام کے نزدیک بہ ثبوت ایمانی بادعوت ایمانی اسی عدد پر ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا آنحضرت نے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ یا فرمایا من شہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ حرم اللہ علیہ النار یا اس قسم کی اور صحیح احادیث کہ ان میں دوزخ کا حرام ہونا یا جنت میں داخل ہونا محض کلمہ شہادت کے اقرار پر موقوف رکھا ہے۔

ابوداؤد بھی حضرت انس سے اسی مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ ایمان کی بنیاد تین چیزوں پر قائم ہے۔ کلمہ گو سے دست کش رہنا محض گناہ کی وجہ سے اس کو کافر نہ بنانا اور اس کو خارج از اسلام نہ جاننا۔ طبرانی میں ابن عمر سے بعینہ اسی مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کلمہ گو سے باز رہو ان کو کافر نہ بناؤ جس نے ان کو کافر ٹھہرایا وہ خود کفر سے قریب تر ہے۔

۹/۲۴ ابو حنیفۃ عن عبد الکریم بن ابی المخارق عن طاؤس قال جاء رجل الی ابن عمر فسألہ فقال یا ابا عبد الرحمن ارأیت الذین یکسرون اغلاقنا وینقبون بیوتنا ویغیرون علی اَمتِعتِنَا اکفروا قال لا قال ارایت ھؤلاء الذین یتأولون علینا ویسفکون دماءنا اکفروا قال لا حتی یجعلوا مع اللہ شیئا قال وانا انظر الی ابن عمر وھو

حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص ابن عمر کے پاس آیا۔ اور ان سے پوچھنے لگا اے ابا عبد الرحمن ذرا بتلائیے جو لوگ ہمارے تالے توڑتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور ہمارے مال و اسباب کو لوٹتے ہیں کیا وہ کافر ہوئے آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر بولا ذرا بتایئے جو تاویلیں کرکے ہمارے خون بہاتے ہیں کیا وہ کافر ٹھہرے آپ نے فرمایا نہیں۔ تاوقتیکہ وہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بنائیں طاؤس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کو انگلی ہلاتے

یحدثها ویقول سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا الحدیث رواہ جماعۃ فرفعوہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ہوئے دیکھ رہا تھا اور وہ کہتے جاتے کہ یہی ہے طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث کو ایک جماعت نے مرفوعاً روایت کیا ہے ۔

ف یہ حدیث اگلی حدیث کی گویا تفصیل و تشریح ہے یا تمثیل اس سے مطلقاً بلا تمثیل معلوم ہوا تھا کہ گناہ سے مومن کفر تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث میں گناہ کبیرہ کی چوری نقب زنی، لوٹ مار، خونریزی سے تشریح بھی ہے کہ یہ گناہ مومن کو کافر نہیں بناتے جبتک وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

کتب صحاح اسی مضمون کی احادیث سے پر ہیں کہ اہل قبلہ اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کافر نہیں نہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ صحیحین میں حضرت معاذ سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ [illegible] کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرے۔ اور صحیحین میں حضرت معاذ ہی سے مرفوع روایت ہے کہ جو اقرار کرے کہ کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور دل سے اس کی تصدیق کرے اللہ اس کو [illegible] حرام کر دیتا ہے۔ مسلم میں عثمان سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس کی موت اس حال میں ہو کہ وہ جانتا ہو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا۔ غرض کم و بیش انہی الفاظ کی بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں جن سب کا منشا یہ ہے کہ صرف وحدانیت و رسالت کا اقرار خلود فی النار سے بچا لیتا ہے۔ اور جنت کو واجب کر دیتا ہے جب یہ حقیقت سامنے آگئی تو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ کافر کے لئے خلود نار لازمی ہے۔ اب رہا معاملہ ان احادیث کا جن سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ کبیرہ سے مومن ایمان سے نکل جاتا ہے جب ایمان سے نکلا تو کافر ہوا۔ مثلاً حدیث مذکور لا یزنی الزانی وھو مومن اور جن کو دیکھ کر اہل باطل نے ٹھوکر کھائی ہے اور گمراہی کا شکار ہوئے ہیں تو یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں بلکہ یہ سب کچھ شدید دھمکی ہے اور سخت تہدید۔ مقصد بیان یہ ہے کہ مومن اس [illegible] کو [illegible] کبھی جرأت نہ ہو سکے۔ کہ ایسے شنیع افعال کا ارادہ بھی کرے۔ انسان کس قدر بھی بداعمال ہو اور بد اطوار [illegible] کرتا کہ وہ مذہب سے خارج ہو مذہب کی آڑ میں وہ سب کچھ گزرتا ہے یہی وجہ ہے کہ [illegible] اور مسلمان [illegible] مذہب کے بچاؤ کیلئے وہ قربانیاں دیتے ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے یہ سب [illegible] کا تحت ہے اور جذبہ تحفظ دینی کے زیر اثر۔ یا یہ صورت ہے کہ یہاں ایمان سے نفس ایمان مراد نہیں بلکہ کمال ایمان مراد ہے یعنی ان گناہوں کا مرتکب کامل مومن نہیں رہتا۔ کیونکہ سزا اور عتاب کا مستحق [illegible] ہے ایمان کا کمال دراصل اس سے عبارت ہے کہ مومن کا دامن گناہوں سے ایسا پاک ہو کہ وہ قابل عتاب ہو [illegible] سرزنش۔

باب عدم خلود المومنین فی النار

مسلمان ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہینگے

ابوحنیفۃ عن عبد اللہ بن جبیرۃ

حضرت عبد اللہ بن جبیرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں

قال سمعت ابا الدرداء صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بينا انا ردف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ابا الدرداء من شهد ان لا اله الا الله وانى رسول الله وجبت له الجنة

قلت وان زنى وان سرق قال فسكت عنى ساعة ثم سار ساعة فقال من شهد ان لا اله الا الله وانى رسول الله وجبت له الجنة

قلت وان زنى وان سرق قال فسكت عنى ساعة ثم سار ساعة ثم قال من اشهد ان لا اله الا الله وانى رسول الله وجبت له الجنة قال قلت وان زنى وان سرق. قال وان زنى وان سرق وان رغم انف ابى الدرداء.

قال فكانى انظر الى اصبع ابى الدرداء السبابة يومى الى ارنبته ؛

کہ میں نے ابوالدرداء صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر سوار تھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابوالدرداء جو شخص اقرار کرے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کے لئے جنت واجب ہوئی (حضرت ابوالدرداء) کہتے ہیں کہ میں نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت تھوڑی دیر خاموش رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا جو کوئی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوئی (کہتے ہیں) میں نے پھر کہا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپ نے پھر سکوت فرمایا۔ اور قدرے راستہ چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔ میں پھر بولا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے اس مرتبہ آپ نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اور اگرچہ ابوالدرداء کی ناک گرد آلود ہو۔ (عبداللہ راوی اور شاگرد ابودرداء) کہتے ہیں کہ دیکھو اس کا منظر ایسا یاد ہے گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ ابودرداء اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی ناک کے بینسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

فائدہ: یہ حدیث بھی خوارج و معتزلہ کے مذہب کو نہایت واضح الفاظ میں لغو بے بنیاد اور بے اصل ثابت کرتی ہے۔ طبرانی اس حدیث کو حضرت ابودرداء سے مختصراً لائے ہیں۔ احمد اور ابن حبان ان ہی سے مختصراً ذکر کرنے میں ساتھ، احمد اور شیخین حضرت ابی ذر سے بھی اس حدیث کو لائے ہیں تین ہی مرتبہ تکرار کے ساتھ۔ ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بھی ابی ذر سے اس حدیث کو مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ غرض یہ حدیث باعتبار معنی متواتر ہے اور بہت طرق سے مروی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی لطافت ترجمانی یہ ہے کہ مقر وحدانیت و رسالت اگر گناہوں سے پاک ہے تو ابتداً جنت اس کے لئے واجب ہوگی۔ اور اگر وہ گنہگار رہے تو سزا بھگتنے پر آخر میں جنت میں داخلہ اس کے لئے واجب ہوگا۔ غرض مقر شہادتین اگرچہ گناہگار ہو اور گو وہ مرتکب کبیرہ گناہ کا ہو ہمیشہ ہمیشہ

Marfat.com

دوزخ میں نہیں رہے گا۔ پھر اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس ارشاد نبوی میں ان سب ہی کے لیے جنت کا داخلہ ابتداءً واجب قرار دیا ہے جو اس کی منشا کے تحت میں آتے ہیں کیونکہ یہاں وحدانیت و رسالت کی ایسی شہادت اور ایسا اقرار مراد ہے جو صمیم قلب اور خلوص دل سے ہو کہ یہ اقرار دل کی گہرائیوں تک پہنچ کر سارے بدن اور تمام اعمال بدنی پر اثر انداز ہو۔ اللہ تعالےٰ کے عذاب کا خوف اس قدر دل میں بیٹھ جائے کہ نافرمانی کی طرف قدم بڑھانے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے اور معصیت کی اہلیت ہی سرے سے مفقود ہو جائے۔ جب کلمہ شہادتین سے یہ اثر پیدا ہو تو گناہ کیسے سرزد ہوں جب گناہوں کا صدور نہ ہو تو پھر جنت میں داخلہ ابتداءً ہی واجب ہوگا۔ سزا بھگتنے کا احتمال ہی کب رہیگا۔ اسی نظریہ کی طرف نماز کے بارہ میں باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کہ وہ نماز جو روح میں انقلاب پیدا کرے وہ نماز جو نفس کا کایا پلٹ کر دے وہ نماز جو صرف منہ کو قبلہ کی طرف پھیر دے بلکہ دل کا رخ بھی خدا کی طرف کر دے وہ نماز جو قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کی ترجمانی کرے وہ نماز جو ان تعبد اللہ کانک تراہ کا نقشہ سامنے آئے واقعی ایسی نماز یہی اثر دکھاتی ہے کہ بے حیائی اور نازیبا بات کرنے کی انسان میں صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی اسی خیال کے ماتحت کہا جاتا ہے کہ اعمال ایمان کو برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور اسکی حقیقت کے آئینہ دار

ابوحنیفة عن الحارث عن ابی المسلم الخولانی قال لما نزل معاذ حمص اتاه رجل شاب فقال ماترٰی فی رجل وصل الرحم وبر وصدق الحدیث وادی الامانة وعف بطنه وفرجه وعمل مااستطاع من خیر غیرانه شك فی الله ورسوله قال انها تحبط ماکان معها من الاعمال۔

ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ حمص میں فروکش ہوئے تو ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ایسے شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی۔ انسانوں کی طرف احسان کا ہاتھ بڑھایا۔ بات کا سچا رہا۔ امانت ادا کی پیٹ اور شرمگاہ کے معاملہ میں محتاط رہا کہ [illegible] جس قدر قدرت پائی نیک کام کئے [illegible] کے رسول کے بارہ میں شک رکھا [illegible] کہ وحدانیت اور رسالت [illegible] وہ اس کے اعمال کو [illegible] [illegible]

قال فما تری فی رجل رکب المعاصی وسفك الدماء واستحل الفروج والاموال غیرانه شهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله معتقدا قال معاذ ارجی وانحاف علیه قال الفتی والله ان کانت هی التی احبطت ما معها من

عمل ما تضر هذه ما عمل معها ثم انصرف فقال معاذ ما أزعم ان رجلا افقه بالسنة من هذا ۔

سوخت کر دیا اور بے اثر تو اس کے اعمال سیئہ اس کے خلوص دل کی شہادت کو نقصان نہیں پہنچائیں گے ۔ (یہ کہہ کر) وہ واپس پھرا حضرت معاذ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس سے زیادہ سنت کو جاننے والا کوئی نہیں

ف اس حدیث میں مسئلہ زیر غور کی بھی وضاحت ہوئی اور اسی سلسلہ میں ایک اور ضروری امر کا بھی انکشاف ہوا۔ مسئلہ کی صورت دراصل دو شقوں میں منقسم ہے ایک یہ کہ وحدانیت و رسالت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اعمال حسنہ موجب ثواب واجر ہیں یا نہیں دوسرے یہ کہ وحدانیت و رسالت پر یقین رکھتے ہوئے اعمال سیئہ عقیدہ ایمانی پر اثر انداز ہوتے ہیں یا نہیں شق ثانی اس وقت زیر بحث ہے اور شق اول بھی شریعت کا ایک اہم مسئلہ رہی ہے اس حدیث میں ہر دو امور پر بیک وقت روشنی ڈالی ہے پہلی صورت کا ذکر قرآن پاک میں کفار کے بارہ میں بہت آیا ہے کہ ان کے اعمال خیر بلا ایمان و تصدیق محض بے اثر ہیں اور بے نتیجہ کہیں اس طرح فرمایا حبطت اعمالہم وما لهم من ناصرین کہیں یوں ارشاد ہوا حبطت اعمالهم فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا۔ اس حدیث میں اسی کی تشریح فرمائی کہ صلہ رحمی، داد و دہش۔ صدق کلامی۔ امانت داری جیسے اعمال حسنہ ایمان نہ ہونے سے سوخت ہو گئے کیونکہ تمام اعمال کی بنیاد اور بنائے قرار ایمان ہے یہ اعمال گویا اس ایمان کی شاخیں ہیں یا ڈالیاں جب جڑ ہی نہ ہو یعنی ایمان سرے سے غائب ہو یا جڑ ہو تو مگر گلی سڑی کہ ایمان ہو مگر شک و شکوک سے خستہ حال تو اب شاخیں کیسے سرسبز ہوں گی اور بار آور یعنی اعمال کیسے اپنا اثر دکھائیں اور موجب ثواب ہوں گے دوسری صورت کی بھی پوری پوری وضاحت ہے کہ اعمال سیئہ شہادت ایمانی کو ضرر نہیں پہنچاتے یعنی اس کو بالکل بے اثر نہیں کرتے کیونکہ شہادت کا سب سے پہلا اثر یہ ہے کہ وہ مومن کو خلود نار سے بری کر دیتی ہے ۔ اس اثر کو بد اعمالی نہیں مٹا سکتی۔ یہی عقیدہ اہل حق کا ہے۔ یہاں سے مرجیہ کا خیال ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے اور بعض نے تو یہاں ترک الصاف کا خون کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی طرف بھی مرجیہ ہونے کی نسبت کر دی ہے اور حضرت غوث پاک سید عبد القادر رضی اللہ عنہ کا حوالہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے غنیہ میں اس کا اظہار کیا ہے یہ سراسر بے اصل بات ہے۔ نہ غنیہ میں اس قسم کا کوئی حوالہ ہے نہ ہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا پاک دامن اس بد عقیدگی کے ناپاک دھبہ سے آلودہ ہے اور ملوث۔

۴۲ **حماد** عن ابی حنیفة عن ابی مالك الاشجعي عن ربعي بن حراش عن حذيفة قال يدرس الاسلام كما يدرس وشي الثوب ولا يبقى الا شيخ كبير او عجوز فانية يقولون قد كان قوم يقولون لا اله الا الله وهم لا يقولون لا اله الا الله قال فقال صلة بن زفر فما يغني عنهم يا عبد الله لا اله الا الله

حضرت حذیفہ رضی سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا کہ مٹ جائیگا اسلام جس طرح مٹ جاتے ہیں کپڑے کے نقوش۔ نہیں باقی بچے گا۔ مگر ایک بوڑھا یا ایک پھونس بڑھیا۔ جو کہیں گے کہ پچھلے زمانہ میں ایک قوم تھی جو لا الہ الا اللہ کہا کرتی تھی اور یہ خود لا الہ الا اللہ نہیں کہیں گے تو حاضرین مجلس میں سے صلہ بن زفر کہنے لگے اے عبد اللہ ان کو لا الہ الا اللہ کہنا کیا نفع د

وهم لا يصومون ولا يصلون ولا يحجون ولا يتصدقون قال ينجون بها من النار ۔

گا جبکہ نہ وہ نماز پڑھتے تھے نہ روزہ رکھتے تھے نہ حج ادا کرتے تھے اور نہ زکوۃ دیتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے جواب دیا کہ وہ اس کے ذریعہ آگ دوزخ سے نجات پالیں گے

ف اس سلسلہ میں بہت سی مشہور حدیثیں ہیں جو اسی مضمون کو ادا کرتی ہیں چنانچہ احمد۔ مسلم۔ ترمذی نے حضرت انس سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ پھر احمد و مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت شریر ترین لوگوں کے زمانہ میں برپا ہوگی۔ حاکم نے ابی سعید سے روایت کی ہے کہ قیامت جب برپا ہوگی کہ کوئی حج بیت اللہ کا ادا کرنے والا نہ رہے گا۔

یہ حدیث بھی اسی مضمون کی وضاحت کرتی ہے جس کی تفصیل پچھلی احادیث میں آچکی ہے کہ محض اقرار وحدانیت و تصدیق رسالت خلود نار سے بری کرنے کے لئے کافی ہیں۔ باقی اعمال کی سزا ملے گی۔ یا شفاعت سے معاف ہوں گے۔

ابوحنيفة والمسعر عن يزيد قال كنت ارى رأى الخوارج فسألت بعض اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فاخبرني ان النبي صلى الله عليه وسلم قال بخلاف ما كنت اقول فانقذني الله تعالى به ۔

یزید کہتے ہیں کہ پہلے میں بھی خوارج کی رائے رکھتا تھا۔ (یعنی یہ کہ مرتکب گناہ کبیرہ کافر ہے اور خلود نار کا مستحق) لہذا میں نے بعض اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کے بارہ میں) دریافت کیا انہوں نے مجھ کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس کے خلاف ہے جو میں کہا کرتا تھا پس اللہ تعالے نے مجھ کو اس (بدعقیدگی) سے نجات بخشی ۔

ف اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مذہب خوارج خلاف سنت ہے اور مذہب بے بنیاد ہے

ابوحنيفة قال كنا مع علقمة وعطاء بن رباح فسأل علقمة فقال له يا ابا محمد ان ببلادنا قومًا لا يثبتون لانفسهم الايمان ويكرهون ان يقولوا انا مؤمنون بل يقولون انا مؤمنون ان شاء الله تعالى فقال وما لهم لا يقولون قال يقولون انا اذا اثبتنا لانفسنا الايمان جعلنا لانفسنا الجنة قال سبحان الله هذا من خدع الشيطان

ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم علقمہ و عطاء بن ابی رباح کے ساتھ بیٹھے تھے کہ علقمہ نے عطاء سے پوچھا اے ابو محمد ہمارے شہروں میں (کوفہ و عراق میں) ایسے لوگ ہیں جو اپنے لئے ایمان بالیقین ثابت نہیں کرتے اور یہ کہنا (کہ) ہیں کہ ہم مومن ہیں (یعنی بالجزم و الیقین) مکروہ سمجھتے ہیں (بلکہ کہتے ہیں) کہ ہم مومن ہیں انشاء اللہ۔ عطاء نے کہا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کہتے۔ علقمہ نے جواب دیا کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے اپنے نفسوں کے لئے ایمان ثابت کر لیا تو گویا ہم نے جنتی ہونے کا دعوی کیا کیونکہ اللہ نے ہر مرد و عورت کیلئے جنت کا وعدہ کیا ہے اور خلاف وعدہ اس کے لئے محال ہے۔ عطاء نے کہا سبحان اللہ یہ تو شیطان

وحبائله وحيله الجأهم الى ان
دفعوا اعظم منة الله تعالى
عليهم وهو الاسلام وخالفوا
سنة رسول الله صلى الله عليه
وسلم رأيت اصحاب رسول الله صلى
الله عليه وسلم ورضى عنهم يثبتون
الايمان لانفسهم ويذكرون
ذلك عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم فقال انهم يقولون انا مؤمنون
ولا يقولون انا من اهل الجنة فان الله
تعالى لو عذب اهل سمواته واهل
ارضه لعذبهم وهو غير ظالم لهم
فقال له علقمة يا ابا محمد ان الله تعالى
لو عذب الملائكة الذين لم يعصوه
طرفة عين عذبهم وهو غير ظالم
لهم قال نعم قلنا هذا عندنا
عظيم فكيف نعرف هذا فقال
له يا ابن اخى من ههنا ضل اهل
القدر فاياك ان تقول بقولهم
فانهم اعداء الله تعالى الرادون على
الله تعالى أليس يقول الله تعالى
لنبيه صلى الله عليه وسلم قل فلله
الحجة البالغة فلو شاء لهداكم اجمعين
فقال له علقمة اشرح يا ابا محمد شرحا
يذهب عن قلوبنا هذه الشبهة فقال
أليس الله تبارك وتعالى دل الملائكة على
تلك الطاعة والهمهم اياها وعزمهم
عليها وجبرهم على ذلك قال نعم فقال و
هذه نعم انعم الله تعالى بها عليهم قال نعم

کے دہوکے ہیں اور اس کے دام ہائے تزویر اور حیلے کہ
اس نے ان کو مجبور کیا کہ اللہ تعالے کے سب سے بڑے
احسان کو احسان اسلام کو نہ مانیں اور سنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کریں ہیں نے اصحاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے نفسوں
کے لئے ایمان (بلاشک وشبہ) ثابت کیا کرتے - اور
اسی کی روایت آنحضرت سے کرتے - پھر عطا نے کہا -
کہ وہ یہ کہا کرتے کہ ہم مومن ہیں یہ نہ کہتے کہ ہم جنتی ہیں -
(کیونکہ اس کا فی الحال یقین نہیں) اس لئے کہ اللہ تعالی
اگر سارے آسمان وزمین کے بسنے والوں کو عذاب
دے تو وہ اس عذاب سے ظالم نہیں ٹھہریگا - تو علقمہ
نے عطا سے پھر کہا اے ابا محمد اگر اللہ تعالے فرشتوں کو
عذاب دے جنہوں نے چشم زدن کے مقدار بھی اس
کی نافرمانی نہیں کی تو کیا اس عذاب سے اللہ تعالے
ظالم نہیں ٹھہرے گا - عطا نے کہا نہیں علقمہ بولے یہ
تو ہمارے لئے بڑی گہری اور دقیق بات ہے - ہم اس
کو کیونکر سمجھیں عطاء نے ان سے کہا اے بھتیجے معتزلہ یہیں
تو بہکے ہیں - تو بچو کہ ان جیسا قول کرو کیونکہ وہ اللہ کے
دشمن ہیں اور اللہ کی بات کو جھٹلانے والے کیا اللہ اپنے
نبی سے نہیں کہتا ہے کہ کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس کھلی
دلیل ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو راہ راست پر لگاتا
علقمہ نے کہا اے ابا محمد اس کی شرح کیجئے کہ ہمارے دل
اس شبہ سے پاک ہو جائیں تو اس پر عطا نے کہا کہ کیا اللہ
تعالی نے فرشتوں کو اس طاعت کی طرف رہنمائی نہیں
کی ہے اور ان کو طاعت کے طریقے نہیں سکھائے ہیں
اور ان کے دلوں میں اس کی عظمت بٹھا کر ان کو اس پر
جمائے نہیں رکھا - علقمہ نے جواب دیا بیشک تو عطا
نے کہا یہ اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جن سے ان کو سرفراز
علقمہ نے کہا درست ہے - عطاء نے کہا اگر اللہ تعا

Marfat.com

قال فلو طالبهم بشكر هذه النعم ما قدروا على ذلك وقصروا وكان له ان يعذبهم بتقصير الشكر وهو غير ظالم لهم۔

ان سے ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہو سکیں اور اس سے قاصر رہیں اور اس کا حق ہو کہ شکر کی ادائیگی سے کوتاہی کرنے میں ان کو عذاب دے اور وہ ان کے حق میں ظالم نہ ٹھہرے۔

ف یہ حدیث بالخصوص دو اہم امور کی طرف اشارہ کرتی ہے اور شریعت کی روشنی میں اس کا حل بتاتی ہے۔ ایک یہ کہ انا مؤمن انشاء اللہ کہنا ٹھیک ہے یا نہیں دوسرا قدر کا مسئلہ۔ پہلے امر میں حق مسلک یہ ہے کہ ایسا کہنا مناسب نہیں۔ بروئے شرع یوں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام سے اس کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ انشاء اللہ کی قید لگائی ہو بلکہ قرآن پاک میں جہاں مومنین کی تعریف فرمائی ہے وہاں فرمایا اولٰئک هم المومنون حقًا یا کافروں کی مذمت فرمائی تو فرمایا اولٰئک هم الکافرون حقًا تو گویا اللہ تعالےٰ نے جو اس وقت مومن تھے ان کو مومنین کے نام سے یاد فرمایا۔ اور جو کافر تھے ان کو کافر کہا اور چونکہ فی الحال وہ مومن مانے جاتے ہیں۔ اس لئے ان پر احکام ایمانی مانے جاتے ہیں اور اس کے آثار مرتب ہوتے ہیں جب احکام بھی جاری ہوئے اور آثار بھی مرتب ہوئے تو اب ایمان کا وجود حقیقی یقینی کیوں نہ مانا جائے۔

بلحاظ عقل اس لئے کہ لفظ انشاء اللہ اگر شک کی وجہ سے بولا جائے کہ گویا ایمان میں شک ہے تو یہ تو صریح کفر ہے اور ایمان سے دست برداری۔ اور اگر بلحاظ ادب و عاقبت و نتیجہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یا خیال کسر نفسی کے پیش نظر یا خود پسندی سے بچنے کی خاطر یہ لفظ بولا جائے تو بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ لفظ آخر شک کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ایمان سے بریت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جو انشاء اللہ کہنا روا رکھتے ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو حضرت علقمہ کے بیان میں بھی ذکر ہے کہ ایمان پر یقین ظاہر کرنا خود کو جنتی ٹھہرانا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مومنین کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور چونکہ باری تعالیٰ میں خلاف وعدگی کا امکان نہیں اس لئے لامحالہ اس کو مومن کہنا خود کو جنتی کہنے کا مرادف ہے حالانکہ دنیا میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور عشرہ مبشرہ کے کسی کو شرعاً حق نہیں کہ خود کو جنتی کہے۔ کبھی اس پر یہ بھی دلیل لاتے ہیں کہ ایمان پر اس وقت لئے نہیں کہ نہ معلوم خاتمہ کیسا ہو اور سارا مدار خاتمہ ہے اس کا دوسری صاف جواب ہے جو ابھی گذرا کہ بحث اس وقت سے ہے اگر اس وقت ایمان یقینی نہیں تو احکام ایمانی کا جاری ہونا کیسا۔ پہلی دلیل کا جواب حدیث میں حضرت عطاء کی زبانی خود نقل ہے لم تقولون انا مومنون کہ وہ یہ کہیں کہ ہم مومن ہیں یہ نہ کہیں انا من اهل الجنة کہ ہم جنتی ہیں کیونکہ ظاہر ہے یہ جب کہہ سکتے ہیں کہ خاتمہ کا علم ہو کہ جنتی ہونے کا سارا مدار خاتمہ پر ہے۔ بلکہ اگر خاتمہ بھی اچھا ہو تو بھی جنت کا ملنا عمل پر موقوف نہیں بلکہ رحمت الٰہی پر چنانچہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ معصوم بندوں کو یا فرشتوں کو عذاب دے تو بھی اس کے لئے ظلم نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ کے احسانات ہر بندہ پر اس قدر ہیں کہ وہ ان کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ یہیں قدر کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے جس کی وضاحت حضرت عطاء نے بہت خوب کی ہے کہ فرشتے گو معصوم ہیں اور ان کی عصمت کو دیکھ کر بظاہر ان کو عذاب دینا ظلم معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کی گردنیں اللہ کے احسانات سے جھکی پڑی ہیں۔ یہ عصمت اسی کے

Marfat.com

لطف سے ہے اسی نے طاعت کی توفیق دی اسی نے طریق عبادت سکھایا۔ اسی نے ان کے دلوں میں اس کی محبت اتاری۔ آج اگر وہ شکر کا مطالبہ کرے تو فرشتے کب طاقت رکھتے ہیں کہ اس کا شکر ادا کریں بس اسی قصور میں وہ پکڑ بھی سکتا ہے اور اس میں وہ حق بجانب ہے۔

بابٌ وجوب الایمان بالقدر

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے!

ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان سراقة قال یا رسول اللہ حدثنا عن دیننا کانا ولدنا له انعمل بشیء قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام ام فی شیء نستقبل فیه العمل۔

قال بل فی شیء قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام قال ففیم العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق له۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی۔

حضرت سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ ہمارے دین کی حقیقت بیان فرمائیے۔ جو ہمارا مقصد پیدائش ہے کیا ہم وہی کرتے ہیں جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جس کو لکھ کر قلم سوکھ گئے ہیں (گویا کتابت سے پوری فراغت ہوگئی) یا یہ ہی چیز ہے (رات و دن) جن میں ہم عمل کریں گے۔ (اگلا کوئی اندازہ نہیں) آپ نے فرمایا بلکہ وہ چیز (عمل) ہے۔ جو تقدیر میں لکھا جا چکا اور قلم لکھ کر سوکھ گئے۔ سراقہ کہنے لگے پھر عمل کس لئے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ (نہیں) عمل کرو پس ہر شخص کے لئے وہ سہل ہوگا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) پس البتہ جس نے دیا لیا۔ پرہیزگاری کی بھلی بات (کلمہ شہادت) کی تصدیق کی تو ہم اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں آسانی کو اور جس نے بخل کیا بے پروائی برتی اور بھلی بات کی تکذیب کی تو اس کے لئے ہم سختی آسان کر دیتے ہیں۔

ف اس حدیث کو تقریباً ان ہی الفاظ سے احمد، مسلم، ابن حبان، طبرانی، ابن مردویہ نے سراقہ سے روایت کیا ہے۔ فرمان نبوی کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہمارے سارے عمل اسی اندازہ ازلی کے مطابق ہیں۔ جو لگ چکا ہے اور جس کو ہم تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس تقدیر کے یہ معنی نہیں کہ انسان محض بے اختیار اور مجبور ہو جائے اور کسب عمل کی قدرت اس سے چھن جائے اگر ایسا ہوتا تو حقیقت میں عمل بیکار ہوتا۔ مگر واقعہ ایسا نہیں تقدیر کا یہ کچھ اندازہ ہے وہ مستقبل کی محض ایک حکایت ہے اور آئندہ واقعات کی پیش گوئی۔ انسان کی قدرت عمل پر اس کا کچھ اثر نہیں اس کی کسب عمل کی طاقت بحال خود باقی ہے اسی کسبی فعل کی بنا پر وہ ماجور یا معذب ہے۔ البتہ تخلیق فعل اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔

باب ۹ الحث علی العمل!

عمل کی ترغیب!

حماد عن ابی حنیفة عن عبد العزیز بن رُفیع عن مُصعب عن سعد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من نفس الا وقد کتب اللہ عزوجل مدخلها ومخرجها وما هی لاقیة قیل ففیم العمل یا رسول اللہ قال اعملوا فکل مُیَسَّرٌ لما خُلِقَ له فمن کان من اهل الجنة یُیَسَّر لعمل اهل الجنة ومن کان من اهل النار یُیَسَّر لعمل اهل النار قال الانصاری الاٰن حق العمل

حضرت سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کوئی انسان ایسا نہیں جس کا آغاز و انجام اور جو کچھ دنیا و آخرت میں اس کو پیش آنے والا ہے اللہ عزوجل نے نہ لکھ دیا ہو۔ ایک انصاری بولے یا رسول اللہ تو پھر عمل کس لئے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عمل تو کرو جو شخص جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر وہی عمل آسان ہوتے ہیں پس جو اہل جنت سے ہے اس کو اعمال اہل جنت آسان ہو جائیں گے اور جو اہل نار سے ہے اس کو وہی عمل سہل ہو جائیں گے تو انصاری نے کہا اب عمل کرنے کی وجہ درست ہو گئی۔ 16

ف قدر کا مسئلہ اس سلسلہ حدیث میں نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کیا ہے عقل انسانی اس بارہ میں نہایت غلط رہنمائی کرتی ہے اور ترک عمل کا مشورہ دیتی ہے اس بنا پر کہ عمل ثواب کی امید پر کیا جاتا ہے ثواب اگر لکھا جا چکا ہے تو وہ مل کر رہے گا۔ اگر نہیں تو ہم کو تقدیر غلط نہیں ہو سکتی کوئی طاقت حصول ثواب کا سبب نہیں بن سکتی۔ اس کا حل یوں فرمایا کہ بیشک معاملہ ایسا ہی ہے مگر ترک عمل کوئی معنی نہیں رکھتا عمل ضرور کرو اسی لئے بکمال حضور اکرم نے کہ عمل جاری رہے اب جو کرے گا وہ قدر کے موافق ہی ہو گا۔ جنتیوں کے لئے نیکی کے کام آسان ہوں گے اور وہ اپنے عمل صالح سے بسہولت جنت کا راستہ ہموار کرتے چلے جائیں گے دوزخیوں کے لئے بدی کے کام آسان ہوں گے اور وہ عمل بد سے دوزخ کا راستہ تیار کرتے جائیں گے ... ہو اور عمل سے ... کیوں غلط ہو ... ہمارے اعمال ... ایسا کرتے بھی نہیں ... لکھا جا چکا ہے اگر ملنا ہے مل کر رہیگا ... کوئی جتن کیجئے ... خون پانی ایک کر دیتے ہیں ... رزق مل جائے ... عقل انسانی کا فلسفہ کیوں نہیں چلاتی کہ رزق کمانے کی جد و جہد ... بیماری آزاری میں ہر ذی ہوش جانتا ہے کہ اگر ... نہیں سکتی ... تو کوئی طاقت مار نہیں سکتی پھر بھی دوا دارو محض بیکار ہے اور بے فائدہ اس علم پر بھی علاج معالجہ ترک نہیں چھوٹتا ہماری کوشش میں قدر سے بحث نہیں کرتے تو پھر عقل کو کیا ہو گیا ہے کہ دینی معاملات میں یہ فلسفہ چلاتی ہے اور عمل سے روکتی ہے۔

ابوحنیفة عن عبد العزیز عن مُصعب بن سعد بن ابی وقاص عن ابیه قال

سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر شخص کا آغاز انجام اور جو کچھ اس کو 17

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من
الا وقد کتب اللہ لہ خلھا ومخرجھا
فی لا قیہ فقال الرجل من الانصار ففیم
اذا یا رسول اللہ فقال اعملوا فکل
لما خلق لہ اما اھل الشقاوۃ فییسروا
اھل الشقاوۃ واما اھل السعادۃ فییسروا
اھل السعادۃ فقال الانصاری الآن حق العمل
وفی روایۃ اعملوا فکل میسر من
من اھل الجنۃ یسر لعمل اھل
الجنۃ ومن کان من اھل النار یسر
عمل اھلہا فقال الانصاری الآن
حق العمل ۔

پیش آنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے ایک انصاری بولے تو پھر یا رسول اللہ عمل کس لئے ہے آپ نے فرمایا عمل تو کرو۔ ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ بدبختوں کے لئے بدبختی کے کام آسان ہیں اور نیک بختوں کے لئے نیک بختی کے کام اس پر انصاری نے کہا اب عمل کرنے کی وجہ صاف ہو گئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ عمل کرو ہر ایک کے لئے آسانی ہے جو جنتی ہو اس کے لئے جنتیوں کے کام آسان ہیں اور جو دوزخی ہو اس کے لئے دوزخیوں کے کام سہل۔ انصاری نے کہا تو اب عمل کرنے کی وجہ کھل گئی ۔

ف:۔ یہ حدیث بھی قدر کے مسئلہ کو حل کرتی ہے ۔

باب فی ذم القدریۃ — منکرین تقدیر کی مذمت!

ابو حنیفۃ عن الھیثم عن نافع
عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یجیئ قوم یقولون
لا قدر ثم یخرجون منہ الی الزندقۃ فاذا
لقیتموھم فلا تسلموا علیھم وان مرضوا فلا
تعودوھم وان ماتوا فلا تشیعوھم فانھم
شیعۃ الدجال ومجوس ھذہ الامۃ حق
علی اللہ ان یلحقھم بھم فی النار ۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیقی ہو جائیں گے تو اگر تم انہیں ملو تو انکو سلام نہ کرو اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کے لئے نہ جاؤ۔ اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوس۔ حکم الٰہی میں ثابت ہے کہ ان کو انہیں کے ساتھ دوزخ میں ملا دے گا ۔

ف:۔ اس حدیث میں قدریوں کے ساتھ معاشرتی مقاطعہ اور ترک موالات کا گویا سبق ہے کہ ان سے تعلقات روابط توڑ دیے جائیں۔ ان کو مجوس امت اس لئے فرمایا کہ مجوس دو خدا مانتے ہیں ایک یزدان بھلائی کا خدا دوسرا اہرمن برائی کا خدا یہ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ ہر انسان کو اس کے افعال کا خالق جانتے ہیں گویا انہوں نے بیشمار خدا مانے۔ لہٰذا ان کا حشر و نشر انہیں کے ساتھ ہو گا۔ قرآنی آیات اس خیال کی صاف تردید کرتی ہیں۔ مثلاً فرمایا۔ واللہ خلقکم وما تعملون کہ اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو بھی ۔

ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر

ابن عمر رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی

Marfat.com

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجیئ قوم یقولون لا قدر ثم یخرجون منہ الی الزندقۃ فاذا لقیتموھم فلا تسلموا علیھم وان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوا جنائزھم فانھم شیعۃ الدجال ومجوس ھذہ الامۃ وحقا علی اللہ تعالیٰ ان یلحقھم بھم فی النار۔

اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیق ہو جائیں گے جب تم ان سے ملاقات کرو تو ان کو سلام نہ کرو (جس طرح شطرنج کھیلنے والے کے بارے میں حکم ہے) اگر وہ بیمار ہوں تو انکی عیادت کو نہ جاؤ اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو (جس طرح تارک صلوٰۃ کے بارہ میں حکم ہے) کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوس۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملا دیگا۔

ف:۔ یہ حدیث پچھلی حدیث کے مضمون کو دوہراتی ہے اور یہ حکم زجر و توبیخ اور دھمکی کے طور پر ہے گویا ان کو اسلامی برادری سے خارج کیا جاتا ہے کہ ان کو عبرت ہو اور یہ اپنی اس بد عقیدگی اور بے راہ روی سے باز آئیں۔

٢٠ ح ٢٣ **ابوحنیفۃ** عن سالم عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ القدریۃ وقال ما من نبی بعثہ اللہ تعالیٰ قبلی الا حذر امتہ منھم ولعنھم۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر اور فرمایا آپ نے کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی امت کو ان (قدریوں) سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔

ف: قدریوں کی مذمت میں ان ہی الفاظ یا ان کے مثل الفاظ سے بہت مشہور حدیثیں مروی ہیں کتب حدیث ان سے بھری ہیں۔

٢١ **ابوحنیفۃ** عن علقمۃ بن ابن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ القدریۃ وما من نبی ولا رسول الا لعنھم ونھی امتہ عن الکلام معھم۔

بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر اور کوئی نبی یا رسول پچھلے زمانہ میں ایسے نہیں آئے جنہوں نے ان پر لعنت نہ کی ہو اور اپنی امت کو ان سے کلام کرنے سے نہ روکا ہو۔

ف:۔ یہ حدیث اگلی حدیث کے مضمون کا اعادہ کرتی ہے۔

٢٢ ح ٥ **ابوحنیفۃ** عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وھم شیعۃ الدجال۔

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قدریہ (جو تقدیر کو نہیں مانتے) اس امت کے مجوس ہیں اور وہ دجال کے ساتھی ہیں۔

ف:۔ اس میں قدریوں کو مجوس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ان کو دجال کا ساتھی ٹھہرایا ہے۔

Marfat.com

بَابُ الشَّفَاعَةِ

۲۳ ح ۱ أبو حنيفة عن يزيد بن صهيب عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال يخرج الله من النار من اهل الايمان بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم قال يزيد فقلت ان الله تعالىٰ يقول وما هم بخارجين منها قال جابر اقرأ ما قبلها ان الذين كفروا انما هي في الكفار وفي رواية يخرج قوم من اهل الايمان بشفاعة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم قال يزيد قلت ان الله تعالىٰ يقول وما هم بخارجين منها فقال جابر اقرأ ما قبلها ان الذين كفروا ذالك الكفار۔

وفي رواية عن يزيد قال سألت جابرًا عن الشفاعة فقال يعذب الله تعالىٰ قومًا من اهل الايمان بذنوبهم ثم يخرجهم بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم فقلت فأين قول الله عز وجل فذكر الحديث إلى آخره ۔

شفاعت کا بیان!

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طفیل مومنین دگنہگاروں کو) کو دوزخ سے نکالے گا۔ (ان کے شاگرد) یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ تو یوں فرماتا ہے وما ھم بخارجین منہا کہ وہ (اہل دوزخ) وہاں سے نکلنے والے نہیں حضرت جابر نے فرمایا ذرا اس سے پہلے کا حصہ تو پڑھو ان الذین کفروا کہ یہ تو (عدم خروج) کفار کے حق میں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اہل ایمان سے ایک قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے باعث دوزخ سے نکلے گی۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ تو یوں فرماتا ہے کہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں حضرت جابر نے کہا اس سے پہلے کا حصہ تو پڑھو ان الذین کفروا یہ ہی کافروں ہی (جن) کی طرف اشارہ ہے، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یزید سے اس طرح آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے شفاعت کے بارہ میں پوچھا آپ نے کہا کہ اہل ایمان سے ایک قوم کو اللہ تعالےٰ ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طفیل ان کو دوزخ سے نکالے گا (یزید) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قول کدھر گیا۔ پھر آخر تک حدیث ذکر کی ۔

ف: یہاں سے بیان شفاعت کا آغاز ہے۔ واضح رہے کہ یہاں سے یہ احادیث جو قدر ایمان ثابت کرتی ہیں اور اس کا وجود مشرعی اور جو قدریوں کی برائی ظاہر کرتی ہیں اور ان کی مذمت اور جو صاف اور کھلے الفاظ میں شفاعت کے وجود اور حقیقت پر دال ہیں یہ سب کی سب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس دامن کو اعتزال کے بدنما داغ والزام سے پاک اور بری بھی کرتی ہیں۔ امام صاحب کی ایسی روشن دیکھنے کے بعد اگر کوئی افترا پرداز اب بھی امام صاحب کی طرف اعتزال کی نسبت کرے تو یہ انصاف کا خون کرنا ہوگا۔ اور حقیقت پر پردہ ڈالنا جو کسی عقلمند کے لئے زیبا نہیں اور کسی ذی ہوش کے لئے روا نہیں۔

Marfat.com

اس مسئلہ شفاعت میں اہل حق اور معتزلہ میں اختلاف ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ صغائر گناہ توبہ سے یا بلا توبہ معاف ہو جاتے ہیں اور کبائر بلا توبہ معاف نہیں ہوتے اور شفاعت محض رفع درجات ثواب کے کیلئے ہے۔ نہ معافی گناہ کبیرہ کے لئے۔ اہل حق کے نزدیک شفاعت سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ معتزلہ اپنے مذہب کے ثبوت میں عقلی دلیل یہ لاتے ہیں کہ یہ گناہ گار لوگ گناہ پر جری کرنا ہے اور اس کو جرم پر آمادہ کرنا۔ کہ اس کو سزا سے بچاؤ کا ایک راستہ مل گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کی معافی الشفاعت و بلا شفاعت جائز ہے واجب نہیں کہ گناہ گار کو بھروسہ کرنے کی گنجائش ہو۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بدلو بدی کی بادانش نہ ملے تو یہ ایک قسم کی خلاف وعدگی بھی ہے اور غلط بیانی کہ کہا تو یوں من یعمل سوءً یجز به یا جزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلہا یا من اساء فعلیہا لیکن شفاعت سے معاف کر کے برے کو برائی کا بدلہ نہ دیا۔ بدکو بدی کی سزا نہ دی۔ مجرم کو جرم کی بادانش بھگتنی نہ پڑی تو یہ صاف غلط بیانی نہیں تو کیا ہے یہ کھلی خلاف وعدگی نہیں تو کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وعدہ بھلائی میں خلاف کرنا عیب ہے اور یہی ہے خلاف وعدگی۔ مگر عفو جرم یا معافی سزا خلاف وعدگی ہرگز نہیں نہ یہ برائی میں شمار ہے یہ تو درحقیقت ایک مستحق کا اپنے حق سے دست بردار ہونا ہے جس طرح کوئی قرض خواہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور قرضدار کو معاف کر دے یہ عیب نہیں بلکہ خوبی ہے یہ اپنے مذہب کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیات سامنے رکھتے ہیں کہ فرمایا لا تقبل منہا شفاعۃ۔ یا ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع یا فما تنفعہم شفاعۃ الشافعین یا من شفیع الا من بعد اذنہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں ہیں اس سے نہیں کے ساتھ مخصوص رہینگی اور ہماری بحث گناہگار مومنین میں ہے۔ وہ تخصیص کیوں نہ کی جائے جبکہ بغیر شفاعت مومنین کے گناہوں کی معافی قرآن سے ثابت ہے تو شفاعت سے معافی کیوں نہ ہو گی فرمایا ویعفو عن کثیر یا ارشاد ہوا ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء تو گناہ صغیرہ وکبیرہ سب کی معافی سے پھر جبکہ احادیث مشہورہ بھی شفاعت کے ثبوت میں موجود ہیں تب تو اس میں مزید کلام کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور پچھلی آیت تو خود ان کے خیال کی تردید کر رہی ہے اور ان کے شبہ کا جواب بھی ہے کہ اذن کے بغیر کسی کو شفاعت کا حق نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اذن حاصل ہے اور تمام مومنین کو بھی اذن حاصل ہو گا۔

۲۴
۲

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن ربعی بن حراش عن حذیفۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یخرج اللہ تعالی قوما من الموحدین من النار بعد ما امتحشوا وصاروا فحما فیدخلہم اللہ تعالی الجنۃ فیستغیثون الی اللہ تعالی مما تسمیہم اهل الجنۃ الجہنمیین فیذهب اللہ تعالی عنہم ذلک۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالی دوزخ سے مومنین کی ایک جماعت کو نکالے گا۔ جبکہ وہ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے اور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ پھر وہ اللہ سے فریاد کریں گے کیونکہ جنتی جہنمی کے نام سے ان کو پکاریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور کر دے گا۔

ف:۔ یہ حدیث امام صاحب کی ذات اقدس کو مرجئہ ہونے کے الزام سے صاف بری کرتی ہے در

معصوم ٹھیرتی ہے۔ کیونکہ مرجئہ تو اس کے قائل ہیں کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ مومن کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ وہ بے کھٹکے اور بغیر روک ٹوک جنت میں جائے گا۔ اور یہ حدیث اس خیال کی بیخ کنی کرتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار مومنین دوزخ میں جائیں گے۔ پھر اللہ کے حکم سے نکالے جائیں گے کیا اتنی صحیح و صاف احادیث امام صاحب سے ملتے ہوئے بھی کوئی آنکھوں پر پٹی باندھ لے گا۔ اور یہ کہنے کی جرأت کرےگا کہ امام صاحب مرجئہ تھے اور ان کا اس بدعقیدگی کی طرف رجحان تھا۔ نعوذ باللہ من ذلک

۲۵/۲ ابو حنيفة عن عطية عن ابي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم في قوله تعالى عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا قال المقام المحمود الشفاعة يعذب الله تعالى قوما من اهل الايمان بذنوبهم ثم يخرج بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم فيؤتى بهم نهرا يقال له الحيوان فيغتسلون فيه ثم يدخلون الجنة فيسمون في الجنة الجهنميين ثم يطلبون الى الله تعالى فيذهب عنهم ذلك الاسم۔

وفي رواية قال يخرج الله تعالى قوما من اهل النار من اهل الايمان والقبلة بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم وذلك هو المقام المحمود فيؤتى بهم نهرا يقال له الحيوان فيلقون فيه فينبتون به كما ينبت الثعارير ثم يخرجون منه ويدخلون الجنة فيسمون فيها الجهنميين ثم يطلبون الى الله تعالى ان يذهب عنهم ذلك الاسم فيذهب عنهم۔

وزاد في اخره وعتقاء الله تعالى۔

وروى ابو حنيفة هذا الحديث

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ اللہ تعالے کے اس قول عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا (کہ پہنچائے گا تم کو تمہارا رب پسندیدہ مقام پر) کے ذیل میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کے باعث عذاب دیگا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طفیل ان کو نکالے گا پھر وہ حیوان نامی (یعنی ابدی زندگی کی نہر) نہر پر لائے جائیں گے اور اس میں وہ غسل کریں گے پھر جنت میں لیجائے جائیں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ لہذا وہ اللہ تعالے کی طرف اس بارہ میں التجا کریں گے اور اللہ تعالے ان کے اس نام کو مٹا دیگا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالے دوزخ میں داخل ہونے والے اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے پھر وہ نہر پر لائے جائیں گے جس کو حیوان کہا جاتا ہے پس وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ (تر و تازہ) ککڑیوں کی طرح اس میں (فوراً) اگ آئیں گے (یعنی جلد ان کی شکل اور ان کا رنگ تبدیل ہو جائے گا) پھر اس سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے اور وہاں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ پھر وہ اللہ تعالے سے درخواست کریں گے کہ وہ ان کا یہ نام مٹا دے۔ تو یہ نام ان کا مٹ جائے گا۔ اور اس روایت کے آخر میں عتقاء اللہ زیادہ کیا (یعنی وہ اس نام سے موسوم ہونگے کہ اللہ کے آزاد کئے ہوئے) امام ابو حنیفہ رح نے اس

عن ابی روبۃ شداد بن عبد الرحمٰن عن ابی سعید ۔

حدیث کو ابی روبہ شداد بن عبد الرحمٰن سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ابی سعید سے روایت کرتے ہیں ۔

ف ۔ شفاعت کے بارہ میں جو ہم معنی احادیث وارد ہیں وہ تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں ان ہی ابی سعید سے مسلم ایک لمبی حدیث لائے ہیں جو اسی کے ہم معنی ہے ۔ بزاز ابی ہریرہ سے بسند ثقات حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں ۔ طبرانی اوسط میں مغیرہ سے مرفوع روایت لائے ہیں اور اوسط میں انس سے ۔ الفاظ کا کہیں کہیں قدرے اختلاف ہے ۔ مضمون تقریباً ایک ہی ہے ۔

علامہ جلال الدین سیوطی کنز مدفون میں شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ اقسام بیان کرتے ہیں ۔ ایک وہ جو شفاعت عظمٰی کے نام سے موسوم ہے جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اور وہ اس وقت کی جائے گی کہ ساری مخلوق کے مقدمات فیصل ہوتے ہوں گے ۔ دوسری وہ شفاعت جو اس امت کا حساب جلد لینے کے لئے کی جائے گی ۔ چنانچہ ابن ابی الدنیا نے ایک لمبی مرفوع حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے یا رب عجل حسابھم کہ اے میرے رب ان کا حساب جلد لیجئے ۔ تو وہ بلائے جائیں گے ۔ تیسری وہ شفاعت جو ان لوگوں کے بارہ میں کی جائے گی جنکو دوزخ میں لیجانے کا حکم ہوگا ۔ پھر وہ اس شفاعت سے نجات پائیں گے ابن ابی الدنیا نے اس کی بھی ایک مرفوع حدیث میں روایت کی ہے ۔ بدیں الفاظ کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت کو دوزخ کا حکم ملے گا ۔ تو وہ کہنے لگیں گے ۔ اے محمد سفارش کیجئے ۔ میں فرشتوں سے کہوں گا ۔ ذرا ان کو روکے رکھو پھر میں چلا جاؤں گا ۔ اور اللہ تعالےٰ سے حاضری کی درخواست کروں گا ۔ تو مجھ کو سجدہ کی اجازت ملے گی پھر مجھ سے کہا جائے گا ۔ کہ جاؤ اور ان کو نکال لاؤ ۔ چوتھی وہ شفاعت جو آپ اپنے چچا حضرت ابی طالب کے حق میں فرمائیں گے کہ ان کا عذاب گھٹ جائے ۔ پانچویں وہ شفاعت جو آپ چند اقوام کے بارہ میں فرمائیں گے کہ وہ بلا حساب جنت میں جائیں ۔ قاضی عیاض نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ چھٹی وہ شفاعت جو آپ ان سب کے جنت میں داخل ہونے کے بارہ میں کریں گے ۔ جن کو جنت کا حکم مل چکا ہے ۔ ساتویں وہ شفاعت جو آپ جنتیوں کے بارہ میں فرمائیں گے کہ ان کے درجات بلند ہوں اور ان کے اعمال سے زائد ان کو معتزلہ بھی صرف اسی شفاعت کو مانتے ہیں ۔ آٹھویں وہ شفاعت جو آپ مرتکبین گناہ کبیرہ کے حق میں فرمائیں گے جو دوزخ میں بھیجے جا چکے ہیں اور وہ آپ کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے جائیں گے

۲۶ **حماد** عن ابی حنیفۃؒ عن عطیۃ العوفیؒ قال سمعت ابا سعید الخدریؓ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ عسٰی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً قال یخرج اللہ تعالٰی قوماً من النار من اھل الایمان والقبلۃ بشفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فذلک ھو المقام المحمود فیؤتی بھم نھراً یقال لہ الحیوان فیلقون فیہ

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا عسٰی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً پھر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طفیل اللہ تعالےٰ اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو دوزخ سے نکالے گا ۔ اور یہی مقام محمود ہے ۔ پھر وہ ایک نہر حیوان نامی پر لائے جائیں گے اور اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ تر و تازہ ککڑیوں یا کھیروں کی طرح فوراً

فیثبتون کما ینبت الثعاریر ثم یخرجون فید خلون الجنة فیسمون الجھنمیین ثم یطلبون الی الله تعالیٰ ان یذھب عنھم ذلک الاسم فیذھب عنھم ٭

اگ آئیں گے۔ پھر نکل کر جنت میں چلے جائیں گے (وہاں) ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ پھر وہ اللہ کی جناب میں التماس کریں گے کہ وہ ان کا یہ نام مٹا دے۔ تو اللہ تعالےٰ ان کا یہ نام مٹا دے گا ٭

ف امام محمد اس حدیث کو آثار میں لائے ہیں۔ احمد مسلم۔ ابن ماجہ بھی اس کے مثل روایت لائے ہیں۔

یہ حدیث کھلے الفاظ میں بتاتی ہے اور اس کا ثبوت دیتی ہے کہ عقیدہ کا فساد اگر انسان کو کفر کی حد تک نہ پہنچائے تو آخرت میں اس کا نفس ایمان بالآخر اس کو دوزخ سے کھینچ لائے گا۔ اگرچہ اس کا فسق بہت بڑھ چکا ہو اسی لیے رافضیوں، خارجیوں اور معتزلیوں کے بارے میں یہ فیصلہ اقرب الی الصواب ہے کہ اگر ان کے عقائد حد کفر تک نہ پہنچیں تو یہ فرقے خلود فی النار کے مستحق نہیں آخر میں دوزخ سے نجات پا جائیں گے۔

٢٥ حماد عن ابی حنیفة عن عبد الملك عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یدخل قوم من اھل الایمان یوم القیامة النار بذنوبھم فیقول لھم المشرکون ما اغنیٰ عنکم ایمانکم ونحن وانتم فی دار العداة نعذب فیغضب الله عزوجل لھم فیأمر ان لا یبقی فی النار احد یقول لا اله الا الله فیخرجون وقد احترقوا حتی صاروا کالحممة السوداء الا وجوھھم فانه لا یزرق اعینھم ولا تسود وجوھھم فیؤتی بھم نھرًا علی باب الجنة فیغتسلون فیه فیذھب کل فتنة واذی ثم یدخلون الجنة فیقول لھم الملك طِبْتُم فادْخُلُوھَا خَالِدِیْنَ فیسمون الجھنمیین فی الجنة۔

قال ثم یدعون فیذھب عنھم ذلک الاسم فلا یُدعون به ابدًا۔

فاذا اخرجوا قال الکفار

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ کہ قیامت کے روز اہل ایمان کی ایک جماعت اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں داخل ہوگی۔ تو ان سے مشرک کہیں گے کہ تم کو تمہارے ایمان نے نفع نہیں پہنچایا۔ کہ ہم تم ایک ہی گھر (دوزخ) میں پڑے عذاب بھگت رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ کے غیظ و غضب میں جوش آئے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ دوزخ میں ایک لا الٰہ الا اللہ کہنے والا نہ رہے۔ پس وہ اس حالت میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر سیاہ کوئلے کی طرح ہو گئے ہوں گے سوائے ان کے چہروں کے۔ کیونکہ نہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی نہ ان کے چہرے کالے پھر وہ اس نہر پہ لائے جائیں گے جو دروازہ جنت پر ہوگی اور اس پہ وہ غسل کریں گے تو اس سے ان کی طبیعت کی کبیدگی اور جسمانی سوزش کافور ہو جائے گی۔ پھر جنت میں پہنچا دیے جائیں گے۔ تو ان سے رضوان جنت کہے گا۔ کہ پاک ہو گئے تم اب رہو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ۔ جنت میں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جناب باری میں دعا کریں گے تو ان کا یہ نام مٹ جائے گا۔ پھر وہ اس نام سے کبھی نہیں پکارے جائیں گے۔ جب یہ گنہگار دوزخ سے نکلیں گے تو کافر کہیں گے

يَا لَيْتَنَا كُنَّا مُسْلِمِيْنَ فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۔

کاش ہم بھی مسلمان ہوتے یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین کہ بسا اوقات کافر آرزو سے کہیں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے ۔

ف: اسی آیت قرآنی کے ذیل میں ابن المبارک ، ابن جریر ، بیہقی نے انس اور عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں خطا کار مسلمانوں اور مشرکوں کو جمع کرے گا تو مشرک کہیں گے کہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اس نے تم کو نفع نہیں بخشا۔ اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اور ان خطا کاروں کو دوزخ سے اپنے رحم سے نکالے گا۔ ہناد اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور بیہقی نے ابن عباس سے یوں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت اور رحم کی بنا پر عاصی مسلمانوں کو جنت میں داخل کرتا رہیگا۔ یہاں تک کہ یہ فرمائے گا کہ جو بھی مسلمان ہو وہ جنت میں جا داخل ہو۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین طبرانی اوسط میں سند صحیح سے حضرت جابر سے مرفوع حدیث لائے ہیں (کہ فرمایا آپ نے کہ میری امت میں سے بہت سے لوگوں کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر پوری حدیث بیان کی اور اس میں کافروں کا یہ قول بھی ہے پھر مسلمانوں کو نکالا جائے گا۔ بعد پھر یہ آیت آپ نے پڑھی ربما یود الذین کفروا۔ اور طبرانی نے ابی سعید سے مرفوعاً اسی قصہ کو روایت کیا ہے۔ اس میں شفاعت انبیاء ، ملائکہ اور مومنین کا بھی ذکر ہے ۔

۲۸ / ۶ **أبو حنيفة** عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله هل يبقى احد من الموحدين فى النار قال نعم رجل فى قعر جهنم ينادى بالحنان المنان حتى يسمع صوته جبرئيل عليه السلام فيتعجب من ذلك الصوت فقال العجب العجب ثم لم يصبر حتى يصير بين يدى عرش الرحمٰن ساجدًا فيقول الله تبارك وتعالى ارفع رأسك يا جبرئيل فيرفع رأسه فيقول ما رأيت من العجائب والله أعلم بما رآه فيقول يا رب سمعت صوتًا من قعر جهنم ينادى بالحنان المنان

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کر بولا یا رسول اللہ کیا موحدین میں سے بھی کوئی دوزخ میں باقی رہیگا ۔ (یعنی مسلمانوں کے نکالے جانے کے بعد) آپ نے فرمایا ہاں ایک شخص ہوگا ۔ اور دوزخ کے قعر میں پکارتا ہوگا ۔ یا حنان یا منان یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام اس کی آواز سن لیں گے اور اس آواز پر تعجب کریں گے کہیں گے العجب العجب پھر صبر نہ کر سکیں گے اور عرش کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جبرئیل اپنا سر اٹھاؤ تو وہ اپنا سر اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم نے کیا تعجب کی بات دیکھی حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہوگا جو کچھ انہوں نے دیکھا ہیں وہ کہیں گے اے میرے رب میں نے جہنم کے قعر سے ایک آواز سنی کہ کوئی پکارتا ہے یا حنان

Marfat.com

فتعجبت من ذلك الصوت فيقول الله
تبارك وتعالى يا جبرئيل اذهب الى مالك
قل له اخرج العبد الذي ينادي بالحنان
المنان فيذهب جبرئيل عليه السلام الى باب
من ابواب جهنم فيضربه فيخرج اليه مالك
فيقول جبرئيل عليه السلام ان الله تبارك
وتعالى يقول اخرج العبد الذي ينادي
بالحنان المنان فيدخل فيطلبه فلا
يوجد وانّ مالكا اعرف باهل النار
من الام بولدها فيخرج فيقول
لجبرئيل ان جهنم زفرت زفرة
لا اعرف الحجارة من الحديد ولا
الحديد من الرجال فيرجع جبرئيل
عليه السلام حتى يصير بين يدي
عرش الرحمن ساجدا فيقول الله
تبارك وتعالى ارفع رأسك يا جبرئيل
لم لم تجئ بعبدي فيقول يارب ان مالكا
يقول ان جهنم قد زفرت زفرة
لا اعرف الحجر من الحديد ولا الحديد من
الرجال فيقول الله عز وجل قل لمالك ان
عبدي في قعر كذا وكذا في موضع كذا وكذا
وفي زاوية كذا وكذا فيدخل جبرئيل
فيخبره بذلك فيدخل مالك فيجده
مطروحا منكوسا مشدودا ناصيته
الى قدميه ويداه الى عنقه واجتمعت
عليه الحيات والعقارب ثم يجذب به
جذبة اخرى حتى تنقطع منه
السلاسل والاغلال. ثم يخرجه
من النار فيصيره في ماء الحياة

اے منان مجھ کو اس آواز پر تعجب ہوا۔ اس پر اللہ تعالے
فرمائے گا اے جبریل داروغہ جہنم کے پاس جاؤ اور اس سے
کہو کہ اس آدمی کو نکالے جو حنان اور منان کی صدا بلند کر رہا
ہے۔ لہذا حضرت جبریل جائیں گے وہ دوزخ کے کسی دروازہ
پر اور دروازہ کھٹکھٹائیں گے داروغہ نکل کر ان کے پاس
آئے گا اور اس سے جبریل علیہ السلام کہیں گے کہ اللہ
تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس بندہ کو نکالو جو حنان
اور منان پکارتا ہے۔ وہ (داروغہ دوزخ) اندر جائے گا
اور اس کی تلاش کرے گا مگر اس کو نہ پائے گا۔ حالانکہ ماں
اپنی اولاد کو اس قدر نہیں پہچانتی جس قدر داروغہ دوزخیوں
کو پہچانتا ہے تو حیران ہو کر نکل آئے گا اور حضرت جبریلؑ
سے کہے گا کہ دوزخ نے اس وقت ایک ایسی سانس لی
ہے (بھڑکی ہے) کہ میں پتھر اور لوہے اور لوہے اور آدمی میں
تمیز نہیں کر سکتا۔ حضرت جبریل واپس جائیں گے۔ اور
عرش کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے پھر اللہ تبارک
وتعالیٰ فرمائے گا اے جبریل اپنا سر اٹھاؤ کیوں کیا تم میرے
بندہ کو نہیں لائے پس وہ کہیں گے اے میرے رب داروغہ
جہنم نے کہا کہ دوزخ نے ایک ایسا سانس لیا ہے کہ میں
پتھر کو لوہے سے اور لوہے کو آدمی سے تمیز نہیں کر سکتا۔ اس
پر اللہ عزوجل فرمائے گا کہ داروغہ دوزخ سے جا کر کہو کہ میرا
بندہ ان گڑھوں میں ایسی ایسی پوشیدگیوں میں اور اس
اس طرح کے کونوں میں ہے۔ حضرت جبریل جا کر داروغہ کو
اس کی خبر دیں گے داروغہ اندر جائے گا اور اس کو پائے گا
پڑا ہوا اوندھا اس کی پیشانی قدموں سے بندھی ہوئی۔
اور اس کے ہاتھ اس کی گردن میں پڑے ہوئے۔ سانپ
بچھو اس پر لپٹے ہوئے پس داروغہ ایک ایسا جھٹکا دے
گا کہ سانپ بچھو اس پر سے گر جائیں گے پھر دوسری بار
جھٹکا دے گا کہ تمام ہتھکڑیاں بیڑیاں اور طوق ٹوٹ
کر گر پڑیں گے پھر اس کو آگ سے نکال کر چشمہ حیات میں

Marfat.com

ويدفعه الى جبرئيل فيأخذ بناصيته ويمده مدًا فيمر به جبرئيل على ملإ من الملائكة الا وهم يقولون أف لهذا العبد حتى يصير بين يدي عرش الرحمن ساجدًا فيقول الله تبارك وتعالى ارفع رأسك يا جبرئيل ويقول الله تبارك وتعالى عبدي الم اخلقك بخلق حسن الم أرسل اليك رسولًا الم يقرأ عليك كتابي الم يأمرك وينهك حتى يقر العبد فيقول الله تعالى فلم فعلت كذا وكذا فيقول العبد يا رب ظلمت نفسي حتى بقيت في النار كذا وكذا خريفا لم اقطع رجائي منك يا رب دعوتك بالحنان المنان واخرجتني بفضلك فارحمني برحمتك فيقول الله تبارك وتعالى اشهدوا يا ملائكتي باني رحمته۔

اس کو ڈالے گا۔ اور حضرت جبرئیل کے سپرد کر دے گا۔ حضرت جبرئیل اس کو پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے چلیں گے۔ حضرت جبرئیل اس کو لئے ہوئے فرشتوں کے جس مجمع سے گذریں گے وہ کہیں گے تف ہے اس بندہ پر پھر جبرئیل عرش کے سامنے سربسجود ہوں گے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیگا۔ اے جبرئیل اپنا سر اٹھاؤ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کہے گا کہ اے میرے بندے کیا میں نے تجھ کو اچھی شکل میں نہیں پیدا کیا۔ کیا میں نے تیری طرف رسول نہیں بھیجا۔ کیا اس نے میری کتاب تجھ پر نہیں پڑھی کیا تجھ کو اچھائی کا حکم نہیں دیا اور برائی سے نہیں روکا۔ بندہ سب باتوں کا اقرار کرتا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تو پھر تو نے ایسا ایسا کیوں کیا بندہ کہے گا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ جس کی پاداش میں میں دوزخ میں پڑا رہا۔ اتنے اتنے سال پڑا رہا مگر میں نے تجھ سے اپنی امید نہیں توڑی کہ تجھ کو حنان اور منان کر کے پکارتا رہا۔ اور تو نے اپنے فضل سے مجھ کو نکال لیا۔ تو اب اپنی رحمت کے طفیل مجھ پر رحم فرما اس پر اللہ تبارک و تعالے فرمائے گا۔ کہ فرشتو گواہ رہو میں نے اس پر رحم کیا۔

ف:۔ یہ حدیث مذہب معتزلہ کی کھلے الفاظ میں تردید کر رہی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ جس طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام، اولیاء، شہداء، علماء، و اقرباء کی سفارشات سے عاصی موحد کا دوزخ سے خروج ہوگا اسی طرح اس سے بھی کہ حقدار اپنے حق سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ اس کلام سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کیا۔ اور کیوں نہ ہو اس کی رحمت سب کو شامل ہے خود فرماتا ہے وسعت رحمتی کل شئ۔ خواہ یوں کہیں کہ اس کی بخشش و کرم سے مجرم کی سزا کم ہو جائے گی۔ یا یوں مانیں کہ سزا پوری ہو لینے پر اللہ تعالے اپنے الطاف سے نکالے گا۔ بہرحال دوزخ سے نکالنا پایہ ثبوت کو پہنچا۔ اور معتزلہ کا مذہب رد ہوا کیونکہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ تائب اور مرتکب گناہ صغیرہ ہرگز دوزخ میں جائیں گے ہی نہیں اور کفار اور مرتکب گناہ کبیرہ دوزخ میں جائیں گے مگر ہمیشہ ہمیش کے لئے پھر وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

کہتے ہیں کہ حسن بصری کی مجلس میں ذکر ہوا کہ دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والا ہناد نامی شخص ہوگا جب کہ وہ ایک ہزار سال کی سزا کاٹ چکے گا اور وہ یا حنان اور یا منان کی صدا لگایا کرے گا اس پر حسن بصری رو پڑے

اور فرمایا کاش میں ہناد ہوتا۔ لوگوں نے تعجب کیا کہ کیا تمنا ہے اور کس قسم کی آرزو تو آپ نے فرمایا افسوس کیا اس کے لئے وہ دن نہیں ہوگا کہ وہ دوزخ سے نکلے گا اور اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ غزالی کی منہاج العابدین میں بھی اسی طرح مذکور ہے +

یہ اس شخص کا بیان تھا جو دوزخ سے سب سے آخر میں نکلے گا۔ سیوطی کی الکنز المدفون میں ذکر ہے کہ دوزخ میں سب سے پہلے قدم رکھنے والی وہ عورت ہوگی جو یحییٰ علیہ السلام کی قاتل ہوگی جس کا نام زبہ یا ازمیل تھا۔ یہ ان سے پہلے ستر انبیاء کو قتل کر چکی تھی۔ توریت میں اس کا نام "مقتلۃ الانبیاء" ہے یہ دوزخ میں ایک اونچے مقام پر کھڑی چیختی ہوگی۔ کہ اس کی چیخ کی آواز دوزخ کے اس کنارہ والے سنتے ہوں گے۔ اعاذنا اللہ منہا و من کل کرب عظیم +

۲۹ ح ابو حنیفۃ عن محمد بن منصور بن ابی سلیمان البلخی ومحمد بن عیسٰی ویزید الطوسی عن القسم بن امیۃ الحذاء العلائی عن نوح بن قیس عن یزید الرقاشی عن انس بن مالک قال قلنا یا رسول اللہ لمن تشفع یوم القیٰمۃ قال لاھل الکبائر واھل العظائم و ما

حضرت انس کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے آپ نے فرمایا اہل کبائر کی اہل عظائم کی اور جنہوں نے ناحق خون کیا +

ف :- اہل کبائر سے ظاہر ہے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ ان کی شفاعت ہوگی خواہ دوزخ میں جانے سے پہلے یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ لفظ عظائم چونکہ ایک عمومی اور اجمالی معنی رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے معنی میں چند احتمالات ہیں۔ یا تو یہ کبائر ہی کی تفسیر ہے کوئی مزید یا مختلف معنی نہیں رکھتا۔ یا کبائر سے مراد حقوق اللہ ہوں اور عظائم سے مراد حقوق العباد۔ یا یہ تخصیص بعد التعمیم کی صورت ہو کہ کبائر سے عام گناہ کبیرہ مراد ہوں اور عظائم سے مقصود وہ کبیرہ گناہ ہوں جو اپنے اندر بہت ہی زیادہ بے حیائی رکھتے ہیں مثلاً ترک نماز، زناکاری، لواطت وغیرہ یا یہ تعمیم بعد التخصیص کی شکل ہو کہ کبائر سے مراد گناہ کبیرہ ہوں۔ اور عظائم سے مراد ہر گناہ خواہ وہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ کیونکہ صغیرہ بھی اللہ کے مقدس بندوں کے نزدیک بڑے ہی ہوتے ہیں جو اللہ کے حکم سے ذرہ برابر انحراف کو اپنے لئے قیامت سمجھتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ نے فرمایا وھو عند اللہ عظیم +

یہ حدیث بھی اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے اور مستحق شفاعت کیونکہ کافر کی شفاعت نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث پاک سے۔ قرآن مجید کی یہ آیت فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین بہ بانگ دہل کہہ رہی ہے کہ کافروں کے لئے شفاعت کا دروازہ قطعی بند ہے اور احادیث یعنی یہ حدیث ذیل یا اور احادیث مشہورہ قریب قریب متواتر کے ہیں اس پر دال ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ اس کی روایت احمد۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے اور خطیب نے ابن عمر سے غرض یہ حدیث بھی خوارج۔ معتزلہ اور مرجیہ کے مذہب پر ایک کاری ضرب ہے اور ان کو سراسر لغو باطل اور بے اصل ثابت کرتی ہے +

حماد عن ابی حنیفۃ عن اسمٰعیل بن ابی خالد وبیان بن بشر عن قیس بن ابی حازم قال سمعت جریر بن عبد اللہ یقول قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لیلۃ البدر لا تضامون فی رؤیتہ فانظروا ان لا تغلبوا فی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔

قال حماد یعنی الغداۃ والعشی ۔

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبد اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب تم دیکھو گے اپنے رب کو جس طرح تم دیکھتے ہو اس چاند کو چودھویں رات میں نہیں ایذا دئے جاؤ گے تم اس کے دیکھنے میں (بھیڑ یا ازدحام کے باعث) پس دھیان رکھو کہ (شیطان کے اثر سے) کہیں طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز (نماز فجر) اور غروب آفتاب سے قبل والی نماز (نماز ظہر و عصر) کی ادائیگی سے مجبور نہ ہو جاؤ (کہ ادا نہ کر سکو)

حماد نے ہر دو اوقات کی نمازوں کی تفسیر نماز فجر و نماز ظہر و عصر سے کی ہے ۔

ف: یہ حدیث دو اہم امور دینی پر روشنی ڈالتی ہے ایک مسئلہ رویت کہ مومنین قیامت میں اپنی ان مادی آنکھوں سے خدا تعالےٰ کا دیدار کریں گے ، قرآن مجید ۔ حدیث پاک اور اجماع صحابہ و تابعین و سلف صالحین سے اس کا ثبوت موجود ہے ۔ اس لئے اہل سنت جماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت حق ہے اور قطعی الثبوت قرآن میں یوں ارشاد ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ کہ آج کے دن (روز قیامت) کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے یہاں رویت کے حقیقی معنی مراد کیوں نہ لیں جبکہ احادیث مشہورہ جو تقریباً متواتر الثبوت ہیں ۔ اس کی تائید میں موجود ہیں ۔ احادیث میں حدیث ذیل بھی ہے اور حضرت جریر سے صحاح ستہ اور مسند احمد میں اس معنی کی روایت مذکور ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو نہیں شک کرو گے اس کے دیکھنے میں پس اگر طاقت رکھو تو ایسا ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز اور غروب آفتاب سے قبل والی نماز کی ادائیگی سے مجبور نہ ہو جاؤ (اور ادا کر سکو) مزید براں اجماع امت بھی اس رویت کو حق ثابت کرتا ہے لہٰذا ان حالات کے ماتحت کسی عقلمند کو رویت سے انکار کرنے یا اس میں تاویل کرنے کی کبھی گنجائش رہی ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت میں عورتوں کو رویت نہیں ہوگی کیونکہ فرمان خداوندی حور مقصورات فی الخیام کہ حوریں ہیں خیموں میں چھپائی ہوئی کے پیش نظر عورتیں پردہ میں ہوں گی ۔ یہ بھی سراسر غلط خیالی ہے کیونکہ جنت کے سیمیں حجاب کے سبب نہیں نہیں گے ۔ یہ عورتیں مردوں کی ہم جنس ہیں اور شریک حال کرایا ۔ ... ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہ سے اس کی روایت کی ہے اور ... حضرت انس سے مرفوعاً روایت کی ہے ۔ اس کے علاوہ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے عورتوں میں حضرت فاطمہ زہرا حضرت خدیجہ کبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ جیسی مقدس ہستیاں بھی ہیں اور یہ عورت ہونے کے سبب اس رویت کی نعمت عظمیٰ سے العیاذ باللہ محروم رہیں اور وہ مرد جو ان کے خاک پا بھی نہیں وہ اس نعمت سے لطف اندوز ہوں اور یہ ...

بات مومن کی عقل میں کس طرح سما سکتی ہے۔ پھر قرآن کی آیت اور روایات کے الفاظ عام ہیں یعنی کہ سب مومن جنت میں خداتعالیٰ کو دیکھیں گے ان میں مردوں کی تخصیص کہاں تو کیا ضرورت پیش آئی کہ الفاظ کے عموم سے نظر بند کر کے تخصیص کا قول کریں؟

بعض کہتے ہیں کہ رویت فرشتوں اور جنوں کو نہیں ہوگی۔ اس خیال کی صحت کی بھی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔

فلاسفہ، خوارج، معتزلہ اور بعض مرجیہ رویت میں سخت اختلاف کرتے ہیں۔ یہ عقلی پیچ پیچیوں اور اصولی بندشوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں کہتے ہیں کہ رویت کے لئے مکان۔ جہت۔ مقابلہ۔ لون وغیرہ درکار ہیں جو صفات اجسام ہیں اور جن سے ذات باری منزہ و بری ہے پھر رویت کس طرح ممکن ہو۔ سچ ہے عقل کے گھوڑے دوڑانے والے دین کے سیدھے ہموار راستہ میں ٹھوکریں کھاتے ہیں اور عقل کے پرپیچ اور پرخم راستہ میں یہ خوش رہتے ہیں۔ یہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ سب شرط عادۃً رویت کے لئے ضروری نہیں۔ یہ شروط عقلیہ نہیں کہ بغیر ان کے رویت ممکن نہ ہو کیا خداتعالیٰ نعوذ باللہ اس سے عاجز ہے کہ ان مادی آنکھوں کو مجرد کی رویت کی طاقت دے جس طرح اس نے عقل میں یہ قابلیت پیدا کی کہ وہ مجرد کا ادراک کر سکے وہ آنکھوں کو بھی یہ اہلیت دے سکتا ہے کہ وہ مجرد کو دیکھ سکیں۔

دوسرا امر جس سے یہ حدیث بحث کرتی ہے وہ فلسفہ نماز ہے۔ نماز کی تمام تر خوبی اس میں مضمر ہے کہ نماز گویا خشوع و خضوع کا ایک مرقع ہو۔ اور پیشگاہ الٰہی میں حضوری کی ایک تصویر ہو۔ نماز دراصل یہ ہے کہ چہرہ کا رخ اگر قبلہ کی طرف ہو تو دل کا رخ ذات خداوندی کی طرف ہو۔ چہرہ کی آنکھیں سجدہ گاہ پر جمی ہوئی ہوں تو دل کی آنکھیں ذات باری پر۔ بلکہ بمطابق فرمان نبوی کانک تراہ یہ پختہ تصور ہو کہ چہرہ کی آنکھیں ذات باری پر قائم ہیں اور مشاہدہ قلبی کے ساتھ مشاہدہ عینی بھی ہے جس طرح کسی محبوب کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو مسرت نصیب ہوتی ہے اسی طرح نماز میں یہ کیفیت پیدا ہونے لگے چنانچہ خود اپنی نماز کی ترجمانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ زبان ہمکلامی کا مزہ لوٹے آنکھیں دیدار کا لطف اور دل تصور یار کا۔ یہی درحقیقت وہ نماز ہے جس کو معراج المومنین سے تعبیر فرمایا کہ یہ بیک وقت ملاقات کے سارے پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اسی حقیقت کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ رویت حقیقی گو آخرت میں ہوگی مگر اس کی اہلیت یہیں دنیا سے اپنے اندر پیدا کرو کہ نمازوں کی سخت پابندی کرو۔ پھر نمازوں میں بھی صرف تین نمازوں کو تاکید سے مخصوص فرمایا۔ کیونکہ یہ ہر سہ نمازیں نمازی پر اکثر شاق ہوتی ہیں اور بھاری۔ صبح کی نماز میں میٹھی میٹھی نیند سے ہے کہ ایسے وقت صرف دیدار الٰہی کا سچا عاشق اور متوالا ہی بستر راحت کو چھوڑ کر نماز کی طرف رخ کرتا ہے اور نیند کے مزہ کو نماز کے مزہ پر قربان کرتا ہے اسی طرح ظہر کی نماز میں صبح سے دوپہر تک کے کام کاج کی تکان و درماندگی سے انسان دوچار ہوتا ہے اور دل مشورہ دیتا ہے کہ تھوڑی دیر آرام کیجئے اتنے میں وقت ختم ہو لیتا ہے۔ اس سے بھی اہم سوال عصر کی نماز کا ہے کہ دن بھر کے سودا سلف کا یہ خاص وقت ہے۔ تمام کام سمٹ کر اس وقت جمع ہوتے ہیں۔ بازاروں میں چہل پہل خلق

Marfat.com

بڑھتی ہے سب لوگ بازار ہاٹ میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ادھر مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد گھٹتی ہے۔ اور مسجد کی رونق گھٹائی میں پڑتی ہے یہی وجہ ہے کہ اوقات پنجگانہ میں مسجدوں میں عصر کے وقت نمازی کم دکھائی دیتے ہیں۔ مگر جو اللہ کے دیدار کا حقیقی دلدادہ ہوتا ہے وہ ان نمازوں میں بھی تمام دنیوی رکاوٹوں۔ اور طبعی بندشوں کو توڑ کر نماز کی طرف رخ کرتا ہے اور اللہ کا دیدار کر کے دل کو شاد کرتا ہے۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کی اسی اہمیت کو مد نظر رکھ کر انہیں پابندی کرنے کی خاص تاکید فرمائی کہ جو ان پر پابند ہو جائے گا وہ دوسری نمازوں پر لامحالہ پابندی دکھائے گا۔

كتاب العلم

باب فرضية طلب العلم

ابو حنيفة عن حماد عن ابی وائل عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم۔

کتاب العلم!

طلب علم کی فرضیت کے بیان میں

۳۱

حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ف: علم اپنے مختلف شعبہ جات میں بٹا ہوا ہے اور ہر شعبہ کی فرضیت و عدم فرضیت باختلاف حالات ہر شخص کی طرف عائد ہوتی ہے مثلاً علم ایمان یا ارکان اسلام اور ان کے فرائض ہر مکلف عاقل بالغ مرد و عورت آزاد و غلام پر فرض عین ہے ان کو کسی حال میں اس کی فرضیت سے سبکدوشی نہیں مل سکتی۔ علم معاملات کا حصول اسی وقت ہر شخص پر فرض ہوتا ہے کہ وہ ان خاص خاص معاملات سے دوچار ہو۔ مثلاً اگر وہ بیع کے معاملات سے وابستگی رکھتا ہے تو اس کے ضروری مسائل سیکھنے اس کے لئے ضروری ہیں۔ اگر پیشہ و حرفت سے اس کو تعلق ہے تو ان کے زیادہ تر پیش آنے والے جزئیات کو جاننا اس کے لئے لابدی ہے۔ اگر ملازمت سے اس کو تعلق ہے تو اس کے متعلق مسائل حاصل کرنا اس کے لئے ناگزیر ہے۔ علی ہذا القیاس۔ اب رہا وہ [illegible] جن کی ضرورت عام طور پر شہروں اور آبادیوں میں پیش آتی ہے تو یہ ہر شخص پر فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی یہ کہ اگر پوری آبادی میں سے ایک شخص سیکھ لے تو سب پر سے فرض ٹل جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی حصول [illegible] کی طرف پیش قدمی نہ کرے تو سب پر فرض کا بوجھ رہے گا۔ اور سب قابل گرفت اور جواب دہ ہوں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً قرآن مجید اس قدر حفظ کرنا جس سے نماز درست اور صحیح ہو سکے ہر شخص پر فرض عین ہے مگر پورے قرآن کو یاد کرنا فرض کفایہ ہے اور سنت عین نہ فرض عین۔

یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے ابن عدی نے اپنی کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت مرتضیٰ اور حسین بن علی سے۔ طبرانی نے اوسط میں ابن عباس ابن مسعود اور ابی سعید سے اور صغیر میں حسین بن علی سے اور فوائد میں ابن عمر سے اس کی روایت آئی ہے ابن ماجہ نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کچھ زیادتی کے ساتھ کی ہے تو گویا یہ حدیث [illegible]

Marfat.com

بطرق مختلفہ مروی ہے جس کی وجہ سے یہ حسن کے درجہ سے نہیں گر سکتی۔ اس لئے ملا علی قاری نے کہا ہے۔ کہ ہو سکے یہ حدیث طرق مختلفہ متعددہ سے نقل کیا ہے۔ اس کو کم از کم حسن ماننا لازمی ہے۔ لہٰذا اس کو ضعیف کہنا کوئی معنے نہیں رکھتا جس طرح نودی نے بیہقی کی متابعت میں کہدیا ہے عراقی نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کے بعض طرق کو صحیح بھی بتایا ہے۔ مزی نے بتایا ہے کہ یہ حدیث اتنے طرق سے مروی ہے جو اس کو درجہ حسن تک پہنچاتے ہیں۔

٢٢/٢ ابو حنيفة عن ناصح عن يحيى عن ابى سلمة عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم.

ابی ہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ف:- یہ حدیث الفاظ و معنی میں پچھلی حدیث کی تکرار ہے۔

فضیلت علم میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں مثلاً دیلمی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم کا طلب کرنا اللہ کے نزدیک نماز۔ روزہ۔ حج۔ و جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ حدیث کہ ایک ساعت کا علم سیکھنا شب بیداری سے بہتر ہے اور علم کا طلب کرنا ایک دن تین ماہ کے روزوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ ابن عدی۔ بیہقی اور ابن عبد البر نے انس سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم کو طلب کرو اگرچہ وہ چین میں حاصل ہو سکے۔

باب ١٣ فضيلة التفقه

تحصیل فقہ کی فضیلت کا بیان!

٢٣/١ قال ابو حنيفة ولدت سنة ثمانين وحججت مع ابى سنة ست وتسعين وانا ابن ست عشرة سنة فلما دخلت المسجد الحرام ورأيت حلقة عظيمة فقلت لابى حلقة من هذه فقال حلقة عبد الله بن الحارث بن جزء الزبيدى صاحب النبى صلى الله عليه وسلم فتقدمت فسمعته يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تفقه فى دين الله كفاه الله تعالى همه ورزقه من حيث لا يحتسب.

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ٨٠ھ میں پیدا ہوا اور اپنے والد کے ہمراہ ٩٦ھ میں میں نے حج ادا کیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ جب میں مسجد حرام میں گیا تو بہت سے لوگوں کو حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا۔ یہ حلقہ کن بزرگ کی خاطر ہے۔ انہوں نے فرمایا! یہ حلقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن حارث بن جزء الزبیدی کا ہے۔ پس میں آگے بڑھا اور ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین کا گہرا علم حاصل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد (دینی و دنیوی) کا ذمہ دار ہو گیا۔ اور اس کو ایسے راستہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اس کو گمان نہ ہو گا۔

ف: عبداللہ بن حارث کی وفات میں بعض نے اختلاف کیا ہے کہ ان کی وفات پچاسی سے نواسی تک کے درمیان کسی سال ہوئی تو گویا امام صاحب کی عمر ان کی وفات کے وقت پانچ سے آٹھ سال کے درمیان ہوئی اور ان کا حج ان کے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں ہوا۔ تو یوں امام صاحب کی ملاقات حضرت عبداللہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ مگر برہان الاسلام حسین بن علی بن حسین غزنوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی۔ لہٰذا اس حقیقت کے پیش نظر ملاقات قرین قیاس ہے۔ اور روایت بالکل ممکن ہے۔

فرمان نبوی میں کفاہ اللہ تعالیٰ ھمہ سے دنیا و آخرت ہر دو جہان کی ذمہ داری مراد ہے جس طرح دوسری حدیث میں وارد ہے کہ فرمایا کہ جس نے اپنے سارے غموں کو سمیٹ کر ایک غم بنایا اور وہ غم آخرت ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے ہر دو جہان کے غموں اور فکروں کا ذمہ دار اور کفیل ہو گیا۔ اور رزقہ من حیث لا یحتسب سے اشارہ اس فرمان خداوندی کی طرف ہے ﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب﴾ خطیب نے اپنی تاریخ میں زیاد بن حارث ابدانی سے مرفوع روایت کی ہے من طلب العلم تکفل اللہ لرزقہ کہ جس نے علم سیکھا اللہ اس کے رزق کا کفیل ہو گیا۔

ابوحنیفۃ عن اسمٰعیل عن ابی صالح عن ام ھانئ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ لیکن شعارکِ العلم والقرآن ۳۴/۲

ام ہانی سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عائشہ کو خطاب فرما کر) اے عائشہ علم و قرآن کو اپنا شعار بنا لو۔

ف: یہ حدیث گو مختصر ہے مگر جامع الفاظ میں علم و قرآن کی اہمیت و فضیلت ذکر کرتی ہے اور پوری تفصیل اپنے اندر لئے ہوئے ہے یعنی علم و قرآن سے تم کو اس قدر وابستگی و دلبستگی ہو اس میں تم کو اتنا انہماک اور مشغولیت ہو تم اس کے رنگ میں اس طرح رنگ جاؤ اور اس کے لباس میں ایسے ملبوس ہو جاؤ کہ وہ تمہارا شعار بن جائے اور تمہارا طرۂ امتیاز۔

بَابُ فَضِیلَۃِ اَھْلِ الذِّکْر — اہل ذکر کی فضیلت کا بیان

ابوحنیفۃ عن علی بن الاقمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بقوم یذکرون اللہ تعالیٰ فقال انتم من الذین اُمِرتُ ان اَصبِرَ نفسی معھم وما جلس عدد لکم من الناس یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ باجنحتھا وغشیتھم الرحمۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔ ۳۵/۱

علی بن اقمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کا گذر ایک جماعت پر ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھی یعنی تلاوت قرآن، تسبیح و تحمید کا ورد جاری تھا۔ آپ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ رہنے کے لئے میں مامور ہوں۔ اور جب بھی لوگ ذکر اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کو اپنے بازوؤں کے سایہ میں لے لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان کو اپنے دامن میں۔ اور اللہ ان کا ذکر ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس حاضر ہیں۔

Marfat.com

ف:۔ اس حدیث کو ترمذی۔ ابن ماجہ نے ابی ہریرہ اور ابی سعید سے باضافہ ونزلت علیہم السکینۃ روایت کیا ہے یعنی ان پر طمانیت وسکون کا پرتو ہوتا ہے اور دلمیں جو خواہشات نفسانی کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے۔ وہ فرو ہوتا ہے اور ذات آلہی سے وابستگی اور اسی سے دل بستگی والفت پیدا ہوتی ہے اسی طرف اشارہ باری ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ دلوں کو اطمینان ذکر اللہ سے نصیب ہوتا ہے یعنی اطمینان قلبی کا نسخہ ذکر آلہی سے بہتر کوئی نہیں۔ ذکر ہی کی برکت سے انسان رحمت خداوندی کا فرد دگاہ اور جائے نزول بنتا ہے۔ پھر فرمایا وذکرھم اللہ فیمن عندہ یہ تذکرہ مقرب فرشتوں کے سامنے محض فخر ومباہات کے طور پر ہوگا کہ بندوں کی خداشناسی اور خداترسی پر ان کے روبرو مسرت ظاہر کیجائے اور اس راز کا انکشاف کیا جائے جو ان کی خلقت میں ابتدائے آفرینش سے مضمر تھا اور کارفرما۔ اور جس سے غفلت برتتے ہوئے فرشتے تخلیق انسان پر بالفاظ اتجعل فیہا من یفسد فیہا ہے نکتہ چینی کی حد پر اتر آئے تھے کہ اے فرشتو یہ وہی انسان تو ہے جن میں تم کو فساد انگیزی اور خونریزی کے عیوب دکھ رہے تھے آج یہ وہی ہیں کہ کس جذبہ وشوق سے ذکر آلہی میں مشغول ہیں اور رحمت آلہی ابر ٹوٹی پڑتی ہے۔

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ۳۶
عن علقمۃ عن عبد اللہ ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع اللہ العلماء یوم القیٰمۃ فیقول انی لم اجعل حکمتی فی قلوبکم الا وانا ارید بکم الخیر اذھبوا الی الجنۃ فقد غفرت لکم علی ما کان منکم۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالی بروز قیامت علماء کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا اور ان سے خطاب فرمائے گا کہ میرا تمہارے دلوں میں حکمت (علم کتاب وسنت) رکھنا محض تمہارے ساتھ خیر وبھلائی کے ارادہ پر مبنی تھا۔ تو جاؤ جنت میں۔ میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے وہ جو کچھ بھی تھے۔

ف اسی سلسلہ کی مرفوع حدیث ابوبکر بن ابی عاصم اور اصبہانی ابی موسیٰ سے روایت کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالی بروز قیامت بندوں کو اٹھائے گا۔ پھر ان میں عالموں کو چھانٹے گا اور ان کو خطاب فرمائے گا۔ کہ اے عالموں کے گروہ میں نے کچھ جان کر تم کو علم دیا تھا۔ اور علم اس لئے نہیں دیا تھا۔ کہ تم کو عذاب دوں۔ پس جاؤ میں نے تم سب کو معاف کیا۔ اسی طرح طبرانی ثقہ رجال سے اور ٹھیک سند سے ثعلبہ بن حکیم سے مرفوع حدیث لائے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ بروز قیامت جب اللہ تعالی بندوں کے فیصلہ کے لئے کرسی عدالت پر رونق افروز ہوگا تو علماء سے فرمائے گا کہ میں نے تم کو علم وحکمت سے اس ارادہ سے نوازا تھا۔ کہ تمہارے گناہ معاف کردوں۔ وہ جو کچھ بھی ہوں۔ اور میں اس کی پروا نہیں کرتا۔

فرمان رسالت میں فی قلوبکم سے اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ علم وہ معتبر ہے جو دل میں جگہ لے اور وہ ہی تقوی اور خوف آلہی کا سبب بنتا ہے۔ ابن ابی شیبہ اور حکیم نے حسن سے مرسل اور خطیب نے انہیں سے پھر جابر سے مرفوع روایت کی ہے کہ علم دو انواع پر تقسیم ہے ایک وہ جو صرف زبان پر جاری رہے دل میں گھر نہ کرے یہ اللہ کے لئے بندہ کے خلاف حجت بنتا ہے۔ دوسرا علم وہ جو صرف دل میں جڑ پکڑے

Marfat.com

یہ علم نفع بخشتا ہے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ جو علم میں آگے بڑھے مگر دنیا سے زہد میں ترقی نہ دکھائے تو یہ اللہ کی ذات سے دور ہی ہوتا جائے گا۔

باب ۱۵ فی التغلیظ فی عمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصداً جھوٹ بات کی نسبت کرنے پر سنگین دھمکی!

ابوحنیفۃ عن القاسم عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدا او قال مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار

حضرت ابوبکر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے میری طرف قصداً جھوٹ بات کی نسبت کی یا کسی (میرے متعلق) وہ بات جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔

ف:- یہ حدیث مشہور ہے اور قریب ہے کہ تواتر کی حد تک پہنچے بلکہ بعض اس کی کثرت طرق کو دیکھ کر اس کے متواتر ہونے کے قائل ہوئے ہیں کہ ساٹھ سے کچھ اوپر صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے چنانچہ ارشاد الساری میں ہے وھو حدیث فی غایۃ الصحۃ ونھایۃ القوۃ وقد اطلق القول بتواترہ جماعۃ کہ یہ حدیث صحت وقوت میں بلند درجہ پر فائز ہے اور ایک جماعت نے اس کے متواتر ہونے کا قول کیا ہے اصحاب صحاح ستہ، حاکم، طبرانی، دارقطنی، خطیب اور دوسروں نے متعدد روایات اور مختلف صحابہ سے جن میں عشرہ بھی ہیں اس حدیث کو انہی الفاظ سے روایت کیا ہے کسی میں من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار کے الفاظ ہیں اور کسی میں من قال مالم اقل کے۔

یہ حدیث ذیل کے سلسلہ سند سے گو منقطع ہے کیونکہ محمد بن ابی بکر نے جو قاسم کے والد ہیں اپنی کم سنی کی وجہ سے اپنے والد سے حدیث نہیں سنی لیکن راوی جب ثقہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک انقطاع عیب اور قابل جرح نہیں۔ دوسری مسانید کے نسخوں میں جو سلسلہ سند ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اور جس کی رو سے انقطاع بھی نہیں رہتا۔ وہ یہ کہ امام صاحب روایت کرتے ہیں قاسم بن عبدالرحمن سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن مسعود سے۔ ابوداؤد نے بھی اس کی تخریج اسی طرق سے کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے پر یہ شدید دھمکی اور سنگین تہدید اس خیال کے پیش نظر ہے کہ دین میں جھوٹ بات شامل کر دینا گویا بے گنتی انسانوں کو گمراہی کے راستہ پر لگا دینا ہے اور دینی شیرازہ کو منتشر کا مرادف ہے جس کے گناہ اور پاداش کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ایک طرف اگر صحیح حدیث کی اشاعت دین کا بے پناہ اجر و ثواب رکھتی ہے تو دوسری طرف دین میں غلط تم یا غلط بات کو رواج دینا نہایت سنگین جرم قرار دیا ہے کیونکہ حدیث ہی قرآن کے بعد بنائے دین و شریعت ٹھیرتی جب حدیث ہی میں غلط بیانی سے خلل پڑا تو پورے دین کا شیرازہ بکھرا اور ہمیشہ کے لئے دین برباد ہوا تاریخ اسلامی میں ایک تاریک دور ایسا آیا کہ

ہے احادیثیں بنانے والے اور گھڑنے والے پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا کام ہی یہ تھا کہ حدیثیں گھڑیں اور یوں دین کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکائیں۔ گویا یہ دین کو پارہ پارہ کر دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ جزا دے ان ناقدین رواۃ اور ماہرین اسمائے رجال کو جنہوں نے ہر شخص کے حالات میں ایسی چھان بین کی کہ گویا بال کی کھال نکالی۔ اور جھوٹے کو سچے سے کھوٹے کو کھرے سے پرکھ کر رکھ دیا۔ احادیث کے انواع مقرر کئے اور تمام احادیث کو انہیں انواع کے تحت دیکھا اور ترتیب دیا کہ کسی کو خلط ملط کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ اگر محدثین بہ جان تو ڑ کوششیں اس سلسلہ میں عمل میں نہ لاتے تو سارا حدیث کا ذخیرہ نعوذ باللہ ایک بے ثبات تاریخی ذخیرہ ہو کر رہ جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیشہ ہمیش کیلئے پردہ تاریکی میں چھپ جاتی ◆

ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار ورواہ ابو حنیفة عن ابی روبة شداد بن عبد الرحمن عن ابی سعیدؓ ◆

حضرت ابو سعیدؓ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ بات باندھی تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈ لے۔ ابو حنیفہؒ نے ابی روبہ شداد بن عبد الرحمن سے بھی اس کی روایت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابو سعید سے ◆

ف :- حدیث میں فلیتبوأ صیغہ امر ہے جس کے معنی بظاہر صحیح نہیں بیٹھتے کیونکہ دوزخ میں اول تو کوئی کیوں پناہ گاہ ڈھونڈنے لگا جبکہ ہر شخص اس ہولناک مقام سے راہ گریز اختیار کرتا ہے یوں غفلت میں کوئی کچھ بھی کر گذرے مگر جب اس ہیبت ناک مقام کا خیال دل میں سماتا ہے تو لرزہ براندام ہوتا ہے اور اس سے خلاصی کا طلبگار ہوتا ہے اس لئے اس میں اپنے لئے جگہ تلاش کرنا کجا۔ پھر یہ اس کے اختیار میں بھی نہیں ہے جو جزا اور اس کے درجات کا انتخاب۔ خدا تعالے کے قبضہ وقدرت میں ہے۔ انسان اس میں محض عاجز ہے اور بے بس۔ بدیں وجہ بعض کہتے ہیں کہ امر بددعا کے معنی میں ہے یعنی ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص میرے بارہ میں ایسی جرأت وجسارت سے کام لے کہ بقصد وارادہ میری ذات کی طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے تو خدا کرے ایسے گستاخ کو دوزخ میں جگہ ملے اور جہنم ہی اس کا ٹھکانا بنے بعض کا خیال ہے کہ امر بمعنی خبر ہے یعنی خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالے اس کو دوزخ میں ٹھکانا دے گا۔ اور اس کے رہنے کا وہی مقام ہوگا چنانچہ دوسری روایت میں یلج النار ہے۔ یعنی وہ دوزخ میں داخل ہوگا ایک اور روایت میں اس طرح ہے بنی لہ بیت فی النار کہ اس کے لئے دوزخ میں گھر بنایا جائے گا۔ لیکن اگر انسان اس کلام کی گہرائی تک پہنچے اور معنی کی لطافت اور خوبی کلام پر نظر ڈالے تو سمجھے گا کہ امر یہاں اپنے حقیقی معنی میں بولا گیا ہے نہ بددعا یا خبر کے معنی میں اور اس صورت میں مطلب ومعنی کی خوبی دوبالا ہو جاتی ہے حقیقت میں یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بات جوڑنے پر سخت دھمکی وتہدید مقصود ہے اور اسی غرض کلام کے ماتحت اس کو ڈانٹتے ہوئے اور اس پر طنز کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سنگین جرم بھول کر بھی کرنے کا نہیں تھا۔ مگر جب اس گستاخ نے اس کو بھول کر نہیں بلکہ جانکر کیا تو اب اس کو اس کی سزا دوزخ میں بھی اپنے قصد وارادہ کو کام میں لانا چاہئے اور وہاں کی کوئی جگہ جو اس کو پسند آئے چھانٹ لینی چاہئے بجائے اس کے کہ کوئی اور اس کے

لئے وہاں جگہ مقرر کرے۔ یہ حقیقت جب سامنے آئی تو ذرا سوچئے کہ اگر یوں سیدھے سادے الفاظ میں کہہ دیا جاتا کہ ایسے گنہگار کا مقام سزا دوزخ ہے تو بات مستقبل میں آنے والے ایک واقعہ کو ظاہر کرتی۔ معنی و مطلب میں یہ لطافت پیدا نہیں کرتی نہ مجرم کو اتنا خفیف اور شرمندہ کرتی ۔

۳۹ ح ۲

حماد عن ابی حنیفۃ عن عطیۃ العوفی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار قال عطیۃ واشھد انی لم اکذب علی ابی سعید وان ابا سعید لم یکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔ عطیہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں (قسم کھاتا ہوں) کہ میں نے ابو سعید پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۔

ف یہ سلسلہ وعید کی وہ بنیادی حدیث ہے جس کے پیش نظر بعض کبار صحابہ اور بعض ائمہ عظام نے حدیث کی روایت سے حتی الوسع کنارہ کشی کی اور آنحضرت کی بات کو نقل کرتے ہوئے لرزے کانپے اور خوفزدہ ہوئے یہاں تک کہ تقلیل حدیث یعنی حدیث کم بیان کرنا ان کی سوانح کا ایک ناقابل تردید واقعہ بن گیا اور ان کے مناقب کا طرۂ امتیاز ہوا۔ یہ بزرگ حالات سے مجبور ہو کر جب آنحضرت سے کوئی بات نقل کرتے خوف الٰہی کا ایک مجسمہ بن جاتے صرف اس لئے کہ کہیں اس وعید کے مصداق نہ بن جائیں۔ اور زبان آخر ہے تو گوشت پوست کی غلط بیانی کر کے جادۂ صداقت سے نہ ہٹ جائے۔ اور آنجناب کی ذات کی طرف اس بات کی نسبت کر بیٹھے جو آپ نے نہیں فرمائی۔ چنانچہ نقل ہے کہ عبد اللہ بن زبیر روایت کم کرتے اور اسی حدیث کو پیش نظر رکھتے۔ بعض طرق روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ہم آپ کو حدیث بیان کرتے ہوئے کم کیوں پاتے ہیں جبکہ فلاں فلاں اور ابن مسعود نے حدیث بیان کی۔ یعنی آپ کو شرف صحبت میں اتنی نہ ہے پھر آخر اس احتیاط کا کیا منشا ہے۔ سائل سے فرمایا اے صاحبزادے جب سے میں اسلام لایا ہوں جدا نہ ہوا۔ لیکن میں نے آنجناب کو یہ کہتے ہوئے سنا من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ان کی روایت میں متعمدا کا لفظ نہیں، لہٰذا اس حدیث کی وعید خدا اور رسول کی توت گویائی کو سلب کر لیتی تھی اور اشاعت دین کے بڑھتے ہوئے جوش کو ایک دم سرد کر دیتی تھی لیکن اس حقیقت نے کبھی ان کی شخصیت کو نہیں گھٹایا۔ کبھی ان کی ذات کو عیب دار نہیں کیا۔ اور نہ کبھی خدا کی پناہ ان کی علمیت پر بٹہ لگایا۔ پھر اسی بلند طبقہ میں حضرت ابوبکر صدیق کی مقدس ذات پر نظر ڈالئے اور ان کے حالات سامنے لائیے کہ ان سے کس قدر احادیث مروی ہیں اور دیگر صحابہ سے کس قدر کیا اس کی یہ ترجمانی کی جاتی ہے کہ ان کو سماع حدیث نہ تھا۔ یا ان کو شرف صحبت کم نصیب تھا العیاذ باللہ۔ بلکہ یہ اس کی نشانی تھی کہ ان بزرگوں پر خشیۃ اللہ کا غلبہ تھا۔ یہ روایت سے پہلے اجر کی امید نہیں رکھتے بلکہ عذاب کے نقشہ کو سامنے لاتے اور احتیاط کی طرف رخ کرتے۔ حالات ناگزیر ہوتے تو لب کشائی کرتے ورنہ مہر سکوت زبان پر لگائے رکھتے۔ نہیں تو ان کو بے پناہ علم ہوتے ہوئے کس بے سمجھ کو شک ہو سکتا ہے۔ اب رہا ان صحابہ کرام کا معاملہ جن سے احادیث بکثرت نقل ہوئیں۔ مثلاً ابو ہریرہ

Marfat.com

یا عبد اللہ بن عمرو بن عاص وغیرہ تو ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"۔ ان بزرگوں پر کوئی اور رعب چھایا ہوا تھا کیونکہ ان کے سامنے وہ احادیث تھیں جن میں علم چھپانے پر سخت تہدید آئی ہے کہ قیامت میں ایسے شخص پر آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ جو دنیا میں اپنا علم دین لوگوں سے چھپاتا تھا۔ اور بتانے میں بخیلی کرتا تھا یہ بھی از سرتا پا خوف الٰہی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مگر انداز میں فرق ہے اور ذرا سے نظریہ کا اختلاف۔ کوئی خدا کے تہامہ کے کسی تیور سے لرزتا اور کانپتا تھا اور کوئی کسی سے۔

ائمہ عظام میں ہم عمر میں بزرگ ترین زمانہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مثال سامنے رکھتے ہیں کہ بعض ناسمجھ مذکورہ بزرگوں کے حالات سے قطعی چشم پوشی کرتے ہوئے یا یوں کہئے کہ ہنی ناواقفیت اور کوتاہ علمیت کا ثبوت دیتے ہوئے کہہ بیٹھتے ہیں کہ امام صاحب سے احادیث کا کم مروی ہونا (خدا کی پناہ) ان کی کوتاہی علم یا کمتری معلومات کی نشانی ہے کیا عجب ہے بلکہ قرین قیاس ہے اور موافق عقل کہ آپ اس وعید کی ہیبت کے پیش نظر زیادتی روایت سے پرہیز فرماتے ہوں کیونکہ آپ صحابہ کو بہت نزدیک سے دیکھ رہے تھے اور انکے حالات جو آپ پر روشن تھے وہ بعد کے آنے والے پر نہیں۔ آپ حدیث کی روایت سے حتی الوسع اجتناب کرتے اور صحابہ کے زیادہ تر عمل کو پیش نظر رکھتے اور اسی کو معیار مذہب ٹھیراتے۔ ورنہ آپ کے تبحر علمی پر کس کو شک ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ کی پیدائش کوفہ میں ہوئی جو صحابہ کا مرکز تھا۔ اور ۸۰ھ میں آپ کا تولد ہوا ہو کہ اس وقت بعض صحابہ بقید حیات تھے۔ اور بعض سے آپ کو تلمذ کا فخر بھی حاصل ہے۔ اور جبکہ امام محمد جیسے جلیل القدر امام آپ سے نسبت تلمذ رکھتے ہوں اور ان سے حضرت امام شافعی۔ اور قاضی ابو یوسف کو ان سے نسبت شاگردی نصیب ہو اور ان سے حضرت امام احمد حنبل رح کو۔ غرض جو بزرگ مذاہب ثلاثہ کا سرچشمہ ٹھہریں کیا ان میں بھی کسی ایسے شخص کو جو ان ہر سہ ائمہ کے مذاہب میں سے کسی مذہب سے رشتہ رکھتا ہے حق حاصل ہے کہ وہ ان میں (امام اعظم میں) کوئی سقم علمی یا عیب ذاتی نکالے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو گویا وہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتا ہے اور اپنے گھر کی دیوار خود اپنے ہاتھ سے ڈھاتا ہے۔ اگر کوئی تقلیل حدیث کی کسوٹی لے کر سب کے محاسن و معائب جانچنے لگے اور اس سے علم کا اندازہ لگائے تو نہ حضرت امام اعظم اس کی جانچ میں پورے اتریں گے بلکہ خدا کی پناہ صحابہ کبار بھی۔ حضرت امام مالک رح کا بھی یہی حال ہے کہ ان کی مرویہ احادیث امام احمد کی مرویات سے بہت ہی کم ہیں۔ اور کتب ستہ سے تو کوئی نسبت نہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت امام موصوف کا پایہ علمی ان کے پچھلوں سے کچھ کم تھا۔ بلکہ امام اعظم کی شان میں بعض نے زبان کو یہاں تک آزادی دے دی ہے کہ کہتے ہیں کہ وہ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ کیا خوب اگر وہ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے تو استاد کا علم تو بہر حال شاگرد سے زائد ہوتا ہی ہے۔ ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے کس طرح ہزاروں حدیثیں لکھ ڈالیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ ایک مکتب کا بچہ بھی تو اس لغویت پر مذاق اڑائے۔ پھر رب العزت کے نزدیک اس بہتان عظیم کی جو کچھ سزا ہو گی اس سے وہ خوب واقف ہے۔

۴۰ ح ۲ **ابوحنیفۃ عن سعید عن ابراهیم عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار**

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کی وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا تلاش کرے۔

ف:- بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ تہدیدی حکم ہر جھوٹ کو شامل ہے خواہ وہ دینی معاملات میں ہو یا دنیوی ہیں۔ بعض اس کو دینی امور سے مخصوص کرتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تہدید خاص اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ایک قوم سے جا کر کہا تھا۔ کہ مجھ کو تم میں فیصلہ کے لئے بھیجا ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث ہر جھوٹ کو شامل ہے چاہے وہ امور دینی ہیں ہو یا امور دنیوی ہیں۔

۴۱ ح ۱ **ابوحنیفۃ عن الزهری عن انسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار ورواه ابوحنیفۃ عن یحیی بن سعیدؒ**

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے جھوٹ بولا مجھ پہ بقصد و ارادہ وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائے۔ ابوحنیفہ یحیی بن سعید سے بھی اس کی روایت کرتے ہیں۔

ف:- ایک ہی نوعیت کی احادیث کا سلسلہ یہاں ختم ہوا۔ اس حدیث کی تشریح و توضیح ہر حیثیت سے سابق میں گذر چکی ملاحظہ فرمائیں۔

كتاب الطهارة

کتاب طہارت کے بیان میں

باب فی النهی ان یبول فی الماء الدائم

باب اس بات کی ممانعت میں کہ کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے!

۴۲ ح ۱ **ابوحنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضا منه**

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ پیشاب کرے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں اور پھر اس سے وضو کرے۔

ف:- ماء قلیل (تھوڑے پانی) میں نجاست پڑ جانے سے اس کے نجس ہو جانے میں یہ حدیث اصل اصول ہے اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ٹھہرے ہوئے پانی کا حکم ہے۔ ماء جاری اس حکم سے مستثنی ہے اس کی تشریح اس حدیث سے ملتی ہے جو شیخین نے ابی ہریرہ سے مرفوع بیان کی ہے کہ نہ پیشاب کرے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پھر اس میں غسل کرے۔ اسی طرح وہ پانی بھی اس حکم سے خارج ہے جو گو جاری نہ ہو مگر

Marfat.com

بروئے اجماع حکم میں جاری کے ہو۔ اس کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک وہ پانی ہے جو مقدار قلتین ہو یا زائد۔ امام مالکؒ کے نزدیک جب تک پانی کے ہر سہ اوصاف رنگ۔ بو۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی نجس نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ لمبا چوڑا ٹھہرا ہوا پانی۔ تالاب یا حوض ہے جس کے ایک کنارہ پر پانی کو حرکت دینے سے دوسری جانب پانی میں حرکت پیدا نہ ہو۔ متاخرین علمائے حنفیہ کے نزدیک اس کا اندازہ دَہ دَردَہ (۱۰×۱۰) سے کیا گیا ہے۔ یعنی دس گز لمبائی اور دس گز چوڑائی میں وہ پانی ہو۔ حدیث ذیل ہر سہ مذاہب کے خلاف حجت ہے کہ اس میں نہ اوصاف کی شرط ہے۔ نہ قلتین کی قید۔ گویا کہ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرا ہوا پانی پیشاب سے نجس ہو جاتا ہے وضو کرنا۔ اس سے روا نہیں۔ پھر قلتین کی حدیث میں کئی طرح خلش ہے اول تو ایک جماعت نے اس کی تضعیف کی ہے جن میں علی بن مدینی شیخ بخاری بھی ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث قلتین کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ صحیحین میں اس کی روایت آئی ہے۔ اور یہ اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے کہ جب زنجی چاہ زمزم میں گرا تو حضرات ابن عباس اور ابن زبیر نے پورے کنوئیں کو صاف کرایا۔ حالانکہ اس حدیث کی رو سے وہ کنواں نجس نہیں ہوتا۔ اور ان ہر دو حضرات کے اس عمل پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔ مزید بریں امام طحاوی نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے۔ مگر ہمارا عمل اس پر نہیں کیونکہ لفظ قلۃ گھڑے مشک اور پہاڑ کی چوٹی تین معانی میں مشترک ہے اور ہم کو نہیں معلوم کہ یہاں کونسے خاص معنی مراد ہیں لہذا حدیث نا قابل عمل ٹھہری۔

امام مالکؒ کی دلیل ایک وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت فرماتے ہیں کہ پانی طاہر ہے تاوقتیکہ اس کی بو مزہ اور رنگ نہ بدلے اس نجاست کی وجہ سے جو اس میں پڑی ہو۔ یہ ضعیف ہے قابل حجت نہیں بیہقی نے خود اس کی تصریح کی ہے دوسری وہ حدیث جس میں آپ سے بیر بضاعہ کے بارہ میں سوال کیا گیا ہے اور آپ نے فرمایا۔ ان الماء طھور لا ینجسہ شئی کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی شے نجس نہیں کرتی۔ یہ حدیث بیر بضاعہ کے بارہ میں سوال کیا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ مخصوص۔ مطلق نہیں اور اس کا پانی جاری تھا کیونکہ وہاں سے باغات میں پانی سینچا جاتا تھا۔ اس کے اطلاق کو یہ حدیث بھی باطل کرتی ہے اور وہ بھی جس میں آپ نے فرمایا۔ کہ تم میں سے جب کوئی نیند سے جاگے تو وہ برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک ہاتھوں کو تین مرتبہ نہ دھو لے۔ یہاں نجاست نہیں ہے بلکہ شبہ نجاست ہے جب شبہ نجاست سے پانی پلید ہوتا ہے تو نجاست سے پلید کیوں نہ ہو۔ اب جب احادیث واردہ سے اس پانی کا اندازہ شرعی قائم نہ ہو سکا جو جاری پانی کے حکم میں ہے تو بصورت مجبوری معاملہ ظن غالب پر رکھا گیا کہ پانی کا طول و عرض اس قدر ہو کہ ایک طرف نجاست پڑنے سے گمان ہو کہ دوسری جانب اس کا اثر نہ پہنچ سکے گا تو یہ پانی حکم میں جاری پانی کے ہے۔ یہی مذہب امام صاحب کا ہے۔

۴۲ **ابوحنیفۃ** عن الھیثم الصواف عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ ٹھہرے ہوئے

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم ان یبال فی الماء الدائم ثم یغتسل منہ او یتوضأ ۔

پانی میں پیشاب کیا جائے اور پھر اسی سے غسل یا وضو کیا جائے ۔

ف: بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے ۔ جب حدیث سے ٹھیرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ممنوع ہوا تو پاخانہ کرنا بدرجہ اولی ممنوع ہوگا ۔ مقصد فرمان نبوی یہ ہے کہ کوئی نجاست اس میں نہ ڈالی جائے ورنہ پھر پانی غسل یا وضو کے قابل نہ رہ سکے گا ۔ پھر حدیث میں غسل سے مراد غسل جنابت ہے چنانچہ مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھیرے ہوئے پانی میں بحالت پلیدی غسل نہ کرے ۔ مگر غسل کے لئے یہ حکم انتہائی پلید و غیر پلید ہر دو کو شامل ہے کیونکہ جب پانی نجس ہو کر طہارت سے نکلا تو ہر دو کے لئے اسکا استعمال بے سود ہوا ۔ جنبی کیلئے یوں کہ پلید ہے اس کو پاک پانی درکار ہے کہ اس کو پاک کرے اور پانی چونکہ خود پلید ہے وہ اس کو پاک کیسے کرے ۔ غیر جنبی کے لئے اس طرح کہ وہ اس پلید پانی سے خود پلید ہو جائے گا اب پاک کیسے ہو ۔ تو گویا پہلی صورت میں پلید چیز پاک نہ ہو سکی اور دوسری صورت میں پاک چیز پلید ہو گئی ۔

باب الوضوء من سور الھرۃ

باب بلّی کے جھوٹے پانی سے وضو کر لینے میں !

ابو حنیفۃ عن الشعبی عن مسروق عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ذات یوم فجاءت الھرۃ فشربت من الاناء فتوضأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ ورش ما بقی ۔

۴۴ حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا ارادہ فرمایا کہ اتنے میں ایک بلّی آئی اور وضو کے پانی میں سے پانی پی گئی آپ نے اس پانی سے وضو کیا ۔ اور وضو سے بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا ۔

ف: طحاوی اور دارقطنی نے عائشہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلی کی طرف برتن جھکا دیا کرتے ۔ یہاں تک کہ وہ اس سے پانی پی لیتی ۔ سور ہرہ (بلی کے جھوٹے) میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ وہ پاک ہے یا کیا ؟ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ بغیر کراہت کے پاک ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے اور ائمہ کی دلیل حدیث کے بالکل ظاہری الفاظ ہیں کہ آپ نے اس سے وضو فرمایا ۔ اور اسی دلیل کی دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ یہ تم پر پھرنے والی ہیں اور بلی کا [illegible] پانی نجس نہیں [illegible] پاک ہے [illegible] کو ساتھ [illegible] ۔ امام صاحب کا مذہب کراہت بھی انہی حدیثوں سے ثابت ہے ۔ لیکن تمام الفاظ اور منشاء کلام کو سامنے رکھ کر حدیث ذیل میں گر آپ نے کا وضو فرمانا طہارت [illegible] سے [illegible] حدیث [illegible] ورش ما بقی [illegible] سکے کیونکہ آپ کا استعمال محض [illegible] کہ پانی کو [illegible] لیکن بصورت مجبوری [illegible] استعمال [illegible] کر پاک جانکر استعمال کرے گا ۔ لہٰذا آپ نے [illegible]

کی طرف فرمایا دوسری جگہ زبان مقال کو کام میں لاتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ یہ نجس نہیں۔ یہ تو تم پر چکر لگانے والوں یا چکر لگانے والیوں میں سے ہے اس ارشاد سے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جھوٹا پانی اگرچہ نجس ہے مگر کسی مجبوری سے اس کو جائز رکھا اور اس کو صرف کراہت کا درجہ دیا یعنی یہ کہ بروئے حدیث انہا سبع کہ بلی ایک درندہ ہے جہاں اور درندوں کا جھوٹا نجس ہے اس کا جھوٹا بھی نجس ہونا چاہیے تھا مگر بلی چونکہ گھر کا ایک پلاؤ جانور ٹھیرا اس کے جھوٹے کو نجس قرار دینے میں گھر والوں کے لئے ایک زبردست تنگی ہے اور ایک سخت خلجان کا سامنا کہ گھر ہی میں سب چیزیں کا رہنا اور گھر ہی میں بلی کا چلنا پھرنا کہاں تک چیزوں کو اس سے بچائیں۔ اور کہاں تک اس کے جھوٹے کو پھینکتے پھریں۔ گھر میں رہنا عذاب جان ہو جائے۔ لہٰذا آنحضرت نے ان الفاظ سے انما من الطوافین علیکم والطوافات اسی وجہ جواز کو آشکارا فرمایا اور مجبوری ظاہر فرمائی کہ بلی کا چونکہ ہر وقت تمہارے پاس آنا جانا ٹھیرا اس لئے عذر کے ماتحت اس کا استعمال جائز رکھا گیا اور تم کو بڑی دقت اور ہر وقت کی مصیبت سے بچالیا۔ یعنی اس عذر سے اس کی نجاست گئی تو کراہت تو بہر حال باقی رہی یہ ہی ہے امام صاحب کا مذہب۔

دین اسلام میں مجبوری اور تنگی کے وقت اس قسم کی رعایت و مہلت کوئی انوکھی بات نہیں مثلاً گھر میں آنے کے لئے اجازت طلب کرنا ضروری قرار دیا پھر اس سے قرآن پاک میں بایں عذر طوافون علیکم بعضکم علی بعض غلاموں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ فرمایا۔ بلکہ یہ ہی مقصد رعایت پورے دین میں کارفرما ہے گویا یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس پر پورا دین گھوم رہا ہے کہ فرمایا مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ امام صاحب کا مذہب گو کچھ گہرا اور دقیق ہو مگر سنگین بنیادوں پر قائم ہوتا ہے اور منشا حدیث کا نچوڑ ہوتا ہے نہ محض الفاظ حدیث کا ظاہر۔ اس کی ترجمانی مخالفت حدیث سے کرتے ہیں اور یوں اپنی ناسمجھی کا آپ ثبوت دیتے ہیں۔

باب۱۸ البول قائماً

باب کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بیان میں!

۲۵
۴۷
۱

ابوحنیفة عن منصور عن ابی وائل عن حذیفة قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبول علی سباطة قوم قائما۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے گھورے پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔

ف: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں دو قسم کی احادیث ملتی ہیں ایک سے رخصت کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری سے عدم رخصت کا۔ رخصت کی احادیث میں حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اصل اصول ہے۔ یہ حدیث مختصر الفاظ میں تو امام صاحب سے ذیل میں نقل ہے اور کچھ مزید الفاظ سے مسلم۔ ترمذی ابن ماجہ وغیرہ نے اس کو نقل کیا۔ عدم رخصت کے سلسلہ میں بنیادی اور فیصلہ کن حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس کو ترمذی احمد۔ نسائی

Marfat.com

روایت کیا ہے کہ من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدًا کہ جو تم سے بیان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ تو اس کی تصدیق نہ کرو اور اس کو سچا نہ جانو آپ تو بیٹھ ہی کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ یہ ہر دو احادیث آپس میں ٹکرائیں تو ان میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ عائشہؓ اپنے علم کی بنا پر آنحضرتؐ کی عادت مستمرہ ظاہر فرماتی ہیں اور حضرت حذیفہؓ ایک خاص واقعہ کو بیان کرتے ہیں جو کسی عذر یا مجبوری کی بنا پر وقوع پذیر ہوا۔ یہ چونکہ گھر سے باہر کا واقعہ ہے۔ عائشہؓ کے علم سے خارج ہے اس لئے ہر دو احادیث اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں مگر کہاں ایک دوامی عمل اور کہاں ایک وقتی فعل۔ کہاں ایک پختہ دیرپا بندھی ہوئی عادت اور کہاں عذر و مجبوری پر مبنی ایک خصوصی واقعہ۔ ایسے خصوصی واقعات اصول نہیں بناتے نہ مسئلوں کی بنیاد پڑتے ہیں۔ البتہ رخصت و اجازت کا ایک راستہ کھولتے ہیں۔ وہ بھی عذر سے مشروط۔ اسی لئے علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ کیونکہ اسمیں ستر زیادہ کھلتا ہے۔ بدن نجاست سے بھرتا ہے۔ کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے لگتے ہیں اور ویسے بھی تہذیب و سنجیدگی و مروت سے گرا ہوا فعل ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ وہ عذر کیا تھا جس کی بنا پر آنحضرتؐ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اس کے بارہ میں مختلف بیانات ہیں یا تو آپ کی پشت میں درد رہا ہو کہ نہ بیٹھ سکتے ہوں۔ یا وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ ہی ہو اس لئے آپ مجبوراً کھڑے ہوئے کیونکہ وہ اونچی جگہ تھی اور آپ نشیب میں۔ اگر آپ نشیب میں بیٹھتے تو پیشاب بہ کر آپ ہی کی طرف آتا۔ اور آپ کو نجس کرتا اگر بلندی پر بیٹھتے تو گذرگاہ سامنے تھی ستر دکھائی دیتا اور بے حجابی ہوتی حاکم کی روایت میں ابن عمرؓ سے یوں نقل ہے کہ آپ کے گھٹنوں کے اندر کی جانب درد تھا۔ اس لئے نہ بیٹھ سکے بعض کا خیال ہے کہ محض جواز کی تعلیم دینے کی غرض سے ایسا عمل فرمایا۔ یہ بھی قرین قیاس ہے +

بابٌ ۱۹ عدم الوضوء من شرب اللبن

دودھ پی کر وضو نہ کرنے کے بیان میں!

۲۶/۱ ابو حنیفۃ عن عدی عن ابن جبیر عن ابن عباسؓ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرب لبنًا فتمضمض ومج ولم یتوضأ

حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے دودھ پی کر کلی کی اور منہ سے پھینکی اور وضو نہیں کیا۔

ف: شیخین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے مگر اس میں صلی ولم یتوضأ کا لفظ نہیں بلکہ یوں ہے ان لہ دسما کہ اس میں چکنائی ہوتی ہے +

بابٌ ۲۰ عدم الوضوء من اللحم

باب گوشت کھا کر وضو نہ کرنے کے بیان میں!

۲۷/۱ ابو حنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابر قال

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

اکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرقًا بلحم ثم صلی۔

شوربا گوشت تناول فرمایا پھر نماز پڑھی (یعنے وضو نہیں کیا)۔

ف: یہاں مسئلہ یہ درپیش ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھالینے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ وضو نہ ٹوٹنے کی دلیل حدیث ذیل ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن حارث سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ کیا تم آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر امام احمد اپنے مذہب کی تائید میں براء بن عازب سے جو مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا وضو اونٹوں کے گوشت سے کرو اور بکریوں کے گوشت سے نہیں۔ وہ بھی اسی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں اس کی تخریج کی ہے۔ اسی ذیل میں حضرت جابر کی وہ حدیث بھی ہے جس کو ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ ہی تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہیں کیا کرتے اس سے نسخ کا بھی پتہ چلتا ہے دوسرے شعبہ خیال کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ ماتحت بھی ابی بکر۔ عمر۔ عثمان۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں ہیں۔ مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی۔ بعض ہر دو نوع کی احادیث میں یوں تطبیق دیتے ہیں کہ وضو کا حکم یا تو استحباب کے لئے مانا جائے۔ یا یہ کہ وضو سے لغوی معنی مراد لئے جائیں۔ یعنی ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا۔ نہ شرعی معنی۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں سوائے امام احمد کے کہ وہ اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں۔

بابُ الامر بالسّواک

باب مسواک کی تاکید میں!

ابو حنیفۃ عن علی بن الحسین الزراد عن تمام عن جعفر بن ابی طالب ان ناسًا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم قُلُحًا استاکوا لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ۔

وفی روایۃ مالی اراکم تدخلون علیّ قُلْحًا استاکوا فلولا ان اشق علی اُمتی لامرتھم ان یستاکوا عند کل صلوٰۃ او عند کل وضوء۔

حضرت جعفر بن ابی طالب سے مروی ہے۔ کہ کچھ لوگ صحابہ میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے دانتوں کو زرد دیکھتا ہوں۔ مسواک کرو۔ اگر میں اپنی امت پر اس کو شاق نہ جانتا تو ان کو ہر نماز (اس کے وضو) کے وقت مسواک کے لئے (وجوبی) حکم دیتا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم میرے پاس آتے ہو۔ اور تمہارے دانت زرد ہوتے ہیں۔ مسواک کیا کرو۔ اگر میں اپنی امت پر اس کو شاق نہ جانتا۔ تو ان کو نماز یا ہر وضو کے وقت مسواک کے لئے (وجوبی) حکم دیتا۔

ف: مالک۔ احمد۔ شیخین۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

Marfat.com

اس حدیث سے صاف اور کھلا ثبوت ہے کہ مسواک کرنا واجب نہیں۔ بلکہ مستحب مؤکد ہے۔ بخصوصاً جبکہ دانت زرد ہوں۔ منہ میں بو آتی ہو۔ یا نیند سے انسان ابھی جاگا ہو اور اب نماز کا ارادہ ہو اور وضو کرنے بیٹھے جن روایات میں عند کل وضوء ہے وہ تو اپنے حقیقی معنی میں ہے اور قرین قیاس و موافق عقل کہ وہ ہی وقت مسواک کرنے کا ہے اور یہی مذہب احناف کا ہے۔ اب جن روایات میں عند کل صلوٰۃ ہے اس کی تفسیر عند کل وضوء کی روایت کو پیش نظر رکھ کر یوں کرنی پڑے گی کہ ہر وضو کے وقت جو نماز کے لئے کیا جائے۔ کیونکہ منشأ کلام اور غرض فرمان نبوی یہ ہے کہ آنجناب فرماتے ہیں کہ میری نظر میں مسواک کے بیش از بیش منافع بھی ہیں اور تمہاری وہ تکالیف بھی جو مسواک کے واجب ہونے پر تم پر آتی ہیں۔ کہ کبھی تمہارے پاس ہے کبھی نہیں۔ کبھی تم سفر میں۔ کبھی حضر میں۔ کبھی تندرست ہو کبھی بیمار۔ غرض ہر وقت میسر آنا مشکل ہے۔ لہٰذا اگر میں کو واجب قرار دیتا تو اس کا نباہنا تم پر دوبھر ہو جاتا۔ اور تمہاری تکالیف چونکہ مجھ پر شاق ہیں۔ اس لئے اس کے بارہ میں کوئی وجوبی حکم نہیں دیتا۔ تو گویا یہاں آنجنابؐ نے اپنی امت کا سہل ترین پہلو سامنے رکھا نہ دقت طلب پہلو۔ اب اگر "عند کل صلوٰۃ" کی روایت کو اپنے حقیقی معنی پر لیں۔ اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنی ہو تو جس دقت سے آنجناب نے اپنی امت کو بچایا تھا وہ پھر سامنے آئی۔ کہ اگر ایک وضو سے چار نمازیں پڑھنا چاہیں تو چار ہی مرتبہ مسواک کرنی ہو۔ پھر جانے دیجئے اس تکلیف کو بھی ذرا غور تو کریئے کہ مسواک کرنے سے دانتوں سے خون جاری ہونا تقریباً لازمی سا ہے ورنہ شبہ تو مٹ نہیں سکتا خصوصاً ان کے لئے جن کو دانتوں سے خون آنے کی بیماری ہے۔ وضو میں تو پانی خون نکلنے کو بند کر دیتا ہے۔ مگر نماز میں یہ بات کہاں۔ تو مسواک کر کے ایک الجھن میں پڑ جاتا ہے مسواک کیجئے وضو ٹوٹے پھر کیجئے۔ لہٰذا ان تمام قباحتوں کو پیش نظر رکھ کر عند کل وضوء کی روایت قرین قیاس ہے۔ اسی طرح نسائیؒ۔ ابن حبانؒ۔ ابن خزیمہ حاکمؒ نے اپنی اپنی صحاح میں روایت کی ہے۔

۲۲ بَابُ الْوُضُوْءِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا

حَمَّادٌ عن ابی حنیفۃ عن خالد بن علقمۃ عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب انّہ توضأ فغسل کفیہ ثلثا ومضمض ثلثا واستنشق ثلثا وغسل وجھہ ثلث وذراعیہ ثلثا ومسح راسہ وغسل قدمیہ وقال ھذا وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛

باب وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونے کے بیان میں

ح ۱ / ۲۹ عبد خیر حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؓ نے وضو کیا تو ہاتھ تین بار دھوئے پھر تین بار کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ چہرہ دھویا۔ اور تین مرتبہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ یہ ہے وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ۔

ف :۔ یہ حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ عبد خیر کی جگہ دوسرے راویوں ابوحیہ، ذر بن حبیش ۔

Marfat.com

عبدالرحمن بن ابی لیلی ابن عباس نزال بن سبرہ سے بھی مروی ہے

٥٠ ح ٢ **ابو حنیفۃ** عن خالد عن عبد خیر عن علی انہ دعا بماء فغسل کفیہ ثلثا وتمضمض ثلثا واستنشق ثلثا وغسل وجھہ ثلثا وذراعیہ ثلثا ومسح راسہ ثلثا وغسل قدمیہ ثلثا ثم قال ھذا وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

عبد خیر حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے پانی منگایا اور اس سے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے تین مرتبہ کلی کی تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا تین مرتبہ اپنا منہ دھویا، تین مرتبہ اپنے ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے تین بار اپنے سر کا مسح کیا اور تین بار اپنے پاؤں دھوئے پھر کہا یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو۔

ف: ابن الہمام نے فتح القدیر میں بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی بیس صحابہ نے نقل اتاری ہے۔ ان میں علی و عثمان بھی ہیں لیکن سب سے زیادہ وضاحت عبد اللہ بن زید بن عاصم نے اپنے عمل سے کی ہے۔ اسی لئے ان کی حدیث اس باب میں اصل اصول ہے اور اصل حدیث ان کو ماکی وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا جاتا ہے گویا آنجناب کے وضو کی نقل اتارنے والے در اصل یہی ہیں ان ہی کی سی کی شرکت میں ... اور یہیں سے شیخین مالک نسائی روایت لائے ہیں۔ یہ وہ عبد اللہ نہیں جو عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ کے نام سے مشہور ہیں جو مودن تھے مضمضہ و استنشاق میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف ہے کیونکہ احادیث مختلف الالفاظ ہیں بعض میں ثلاث غرفات کا لفظ ہے یعنی آپ نے تین چلو لئے اور بعض میں غرفۃ واحدۃ کا لفظ یعنی آپ نے ایک چلو لیا۔ امام شافعی غرفۃ واحدہ کی روایت کے پیش نظر کہتے ہیں کہ ہر مرتبہ ایک غرفہ پانی لیں اور اس سے کلی بھی کرتے جائیں اور ناک میں پانی بھی ڈالتے جائیں یوں گویا تین مرتبہ تین غرفے لئے امام صاحب تین غرفات کی روایت کو سامنے رکھ کر یہ معنی کرتے ہیں کہ منہ و ناک کو علیحدہ علیحدہ صاف کریں اور ہر ایک کے لئے تین بار تین غرفے لیں گویا کل چھ غرفے لئے امام صاحب کی عبث حدیث ... ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ منہ و ناک کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لیا۔ اور ہر ایک کے لئے تین غرفے عثمان کی حدیث جو ابو داؤد لائے ہیں وہ اس کی تائید کرتی ہے اس سے زیادہ صراحت تو ابو داؤد ... طلحہ بن مصرف کی حدیث سے جس کی تخریج بھی ابو داؤد نے کی ہے اس میں صاف الفاظ ہیں کہ آنجناب مضمضہ و استنشاق میں فصل فرمایا کرتے۔ گو اس حدیث کے پیچھے بعض حضرات نے ... گئے ہیں مگر یہ سب کچھ بہ حمایت مذہبی ہے اور تعصب۔ پھر قیاس بھی مذہب امام صاحب کی پر زور تائید کرتا ہے کہ منہ و ناک دو ... کی طرح جدا جدا عضو ہیں ... تو ان کو وظائف میں جمع کیسے کیا جائے لہذا بڑے قواعد اصول جو روایتیں موافق قیاس ہیں وہی قابل ترجیح ہوں گی اور قابل حجت۔

وفی روایۃ عن خالد عن عبد خیر عن علی انہ دعا بماء فغسل کفیہ ثلثا واستنشق ثلثا وغسل وجھہ ثلثا وذراعیہ ثلثا ومسح براسہ مرۃ وغسل قدمیہ ثلثا ثم قال ھذا وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاملا ۔

اور ایک روایت میں عبد خیر سے یوں ہے کہ علی نے پانی منگایا تین مرتبہ ہاتھ دھوئے تین بار ناک میں پانی ڈالا تین بار چہرہ کو دھویا تین بار کہنیوں تک دھوئے ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ پاؤں دھوئے پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا وضو یہ ہے۔ یعنی جو فرض کو بھی شامل ہے اور سنت کو بھی۔

وفی روایۃ انہ دعا بماء فاتی باناء فیہ ماء وطست قال عبد خیر ونحن ننظر الیہ فاخذ بیدہ الیمنی الاناء فاکفاہ علی یدہ الیسری ثم غسل یدیہ ثلث مرات ثم ادخل یدہ الیمنی الاناء

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ علی نے پانی منگایا تو آپ کے پاس پانی کا برتن اور ایک طشت لایا گیا۔ عبد خیر نے کہا کہ ہم ان کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے سیدھے ہاتھ سے برتن کو پکڑا اور اس کو جھکا کر الٹے ہاتھ پر پانی ڈالا پھر ہاتھ تین بار دھوئے پھر سیدھا ہاتھ پانی میں ڈالا اور اس کو [illegible]

فملأ يده ومضمض واستنشق فعل هذا ثلث مرات
ثم غسل وجهه ثلث مرات ثم غسل يديه الى المرافق ثلث مرات
ثم اخذ الماء بيده ثم مسح بها راسه مرة واحدة ثم غسل
قدميه ثلثا ثلثا ثم غرف بكفه فشرب ثم قال من
سره ان ينظر الى طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذا طهوره
وفي رواية انه دعا بماء فغسل كفيه ثلثا ومضمض ثلثا
واستنشق ثلثا وغسل وجهه ثلثا وغسل ذراعيه ثلثا
ثم اخذ الماء في كفه فصبه على هامته ثم قال من سره ان ينظر
الى طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم فلينظر الى هذا وفي رواية عن علي
انه توضأ ثلثا ثلثا وقال هذا وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال عبد الله بن محمد بن يعقوب يعني بمن روى عن ابي حنيفة
في هذا الحديث عن خالد ان النبي صلى الله عليه وسلم
مسح راسه ثلثا على انه وضع يديه على يافوخه ثم مدهما
الى مؤخر راسه ثم الى مقدم راسه فجعل ذلك ثلث مرات
وانما ذلك مرة واحدة لانه لم يباين يديه ولا اخذ الماء
ثلث مرات فهو كمن جعل الماء في كفه ثم مده الى كوعه
الا ترى انه بين في الاحاديث التي روى عنه عبد خير والجارود
بن يزيد وخارجة بن مصعب واسد بن عمرو انه مسح كان
مرة واحدة وبين ان معناه ما ذكرنا قال وقد روى عن
جماعة من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كثيرة على هذه الالفاظ ان النبي صلى
الله عليه وسلم مسح راسه ثلثا منهم عثمان وعلي وعبد الله بن مسعود وغيرهم رضي الله
عنهم قال البيهقي وقد روي من اوجه غريبة عن عثمان تكرار المسح الا
انه مع خلاف الحفاظ ليس بحجة عند اهل العلم فهل كان معناه
الا على ما ذكرنا فمن جعل ابا حنيفة غالطا في روايته المسح ثلثا
فقد وهم وكان هو بالغلط اولى واخلق وقد غلط شعبة في هذا
الحديث غلطا فاحشا عند الحفاظ هو رواية هذا الحديث عن مالك بن عرفطة
عن عبد خير عن علي فصحف الاسمين في اسناده فقال بدل خالد
بن علقمة مالك بن عرفطة ولو كان هذا الغلط من ابي حنيفة لنسبوه
الى الجهالة وقلة المعرفة ولاخرجوه من الدين بهذه المرة ولكنهم ابتلوا [illegible]

پھر کر مضمضہ واستنشاق کیا اس مرتبہ تین مرتبہ کیا۔ پھر چہرہ کو تین بار دھویا
پھر دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر ہاتھ میں پانی لے کر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پھر
دونوں پیر تین تین بار دھوئے پھر ایک چلو پانی لیا اور اس کو پی لیا۔ پھر کہا کہ جس کو
پسند آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو دیکھے تو یہ ہے آپ کا وضو۔
ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے پانی منگایا اور ہاتھ تین بار
دھوئے تین بار مضمضہ کیا اور تین بار استنشاق تین بار منہ دھویا اور تین بار ہاتھ
کہنیوں تک پھر ہاتھ میں پانی لے کر چندیا تالو پر ڈالا پھر کہا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے وضو کو دیکھنا پسند کرے تو دیکھے وہ یہ ہے۔ علی سے ایک روایت میں یوں ہے کہ
انہوں نے اعضائے وضو تین تین بار دھوئے اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو۔
عبد اللہ بن محمد بن یعقوب جو ابو حنیفہ سے اسی حدیث کی خالد سے روایت
کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا سر کا تین مرتبہ بایں طور کہ ہاتھ
پیشانی پر رکھا اور سر کے پچھلے حصے تک کھینچ کر لے گئے پھر پیشانی کی طرف کھینچ کر لائے اس
طرح تین مرتبہ کیا تو ایک مرتبہ [illegible] پانی [illegible]
لیا [illegible] کہ کوئی [illegible] پانی لے [illegible] ہتھیلی [illegible]
کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان احادیث میں جو [illegible] جارود بن یزید خارجہ بن
مصعب اور اسد بن عمرو [illegible] حضرت علی نے بیان کیا
کہ مسح ایک مرتبہ تھا اور اس کے وہی معنی بیان کئے جو ہم بیان کر چکے
کہا [illegible] کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے [illegible] مروی [illegible]
صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح تین مرتبہ کیا ان میں سے عثمان علی [illegible]
وغیرہم ہیں۔ بیہقی نے کہا کہ مسح کی تکرار عثمان سے [illegible]
[illegible] حدیث کی [illegible]
[illegible] معنی [illegible]
کی طرف غلطی کی نسبت کرتا ہے [illegible]
[illegible] شعبہ نے اس حدیث [illegible]
فاش غلطی کی ہے وہ یہ کہ روایت کی اس حدیث کی مالک بن عرفطہ [illegible]
عبد خیر سے اور انہوں نے علی سے [illegible]
مالک بن عرفطہ کی جگہ [illegible] ابو حنیفہ سے سرزد ہوتی تو کہتے کہ علم
حدیث سے جاہل ہیں اور اس کی کوتاہ علم اور دین ہی سے ان کو خارج کر دیتے
[illegible] خواہش [illegible] ہی کے ہاتھ ہے ٭

Marfat.com

ف: مسح کے بارہ میں امام ابوحنیفہ رح اور امام شافعی رح مختلف القول ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک ایک مرتبہ مسح کرنا سنت ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک تین مرتبہ نئے نئے پانی سے۔ امام شافعی رح غسل پر قیاس کرتے ہیں اور مطلق حدیث توضا ثلثا ثلثا کو سامنے رکھتے ہیں یعنی کہ آپ نے سب اعضا تین تین مرتبہ دھویا۔ کیونکہ وضو غسل و مسح ہر دو کو شامل ہے۔ امام صاحب کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ایک مرتبہ مسح کا حکم ہے مثلاً روایات ذیل۔ البتہ بعض میں تین مرتبہ مسح کرنا آیا ہے مثلاً ذیل میں سب سے پہلی روایت۔ اس نے مخالف خیالات میں طوفان برپا کر دیا اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہو گئی۔ کہ یہ خود اپنے مذہب کی مخالفت کیسے اور حفاظ حدیث سے اختلاف کیوں۔ چنانچہ دار قطنی نے حضرت ابو یوسف کے طریق سے امام صاحب کی روایت نقل کر کے سب سے پہلے نعرہ بلند کیا ان اباحنیفة خالف الحفاظ فی ذلک فقال ثلثا ثلثا وانما ھو مرة واحدة مع خلافه ایاھم قال ان السنة فی الوضوء مسح الراس مرة یعنی ابوحنیفہ رح نے اس میں مخالفت کی حفاظ حدیث کی اور قول کیا تین مرتبہ مسح کرنے کا اور ان کی مخالفت کے ساتھ ساتھ کہا کہ وضو میں سنت ایک مرتبہ مسح کرنا ہے۔ حالانکہ بے شبہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور واقعیت سے بہت دور ہے۔ امام صاحب کی روایت میں یہاں تثلیث کا لفظ ہے۔ وہاں وہ تثلیث مراد نہیں جو امام شافعی کے نزدیک ہے کہ نئے پانی سے تین بار مسح کیا جائے۔ بلکہ صرف تین بار سر پر ہاتھ پھیرنے سے عبارت ہے۔ بغیر نیا پانی لئے ہوئے۔ اور ہاتھ سر سے جدا کئے ہوئے۔ اس کی وضاحت خود ان کی روایات میں ہو چکی ہے۔ بلکہ مطابق روایت حسن امام صاحب اسی طریق کو مسنون کہتے ہیں۔ جب نہ پانی لیا۔ نہ ہاتھ سر سے جدا کیا گئے تو یہ صورت درحقیقت ایک مرتبہ مسح کی ہوئی۔ اس میں تثلیث کہاں۔ ہدایہ میں کہا ہے کہ مسح کی یہی صورت مشروع ہے۔ اور امام صاحب سے مروی۔ پھر امام صاحب کی روایات کئی قسم کی ہیں۔ بعض میں ایک مرتبہ کی تصریح ہے۔ بعض مجمل اور محتمل اور بعض ساکت لامحالہ ساکت و محتمل کو تصریح شدہ پر محمول کریں گے۔ قطع نظر اس کے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ مسح کی بنا آسانی و سہولت پر رکھی گئی ہے۔ گویا غسل کی دقت و مشقت سے اس میں مہلت ملی اور طہارت میں ایک گونہ رعائت نصیب ہوئی۔ جب ہر بار نیا پانی لیا تو وہ تو غسل ہو گیا مسح کب رہا۔ اور پھر رعائت و سہولت کدھر گئی۔ اور مقصد مسح فوت ہوا۔ لہذا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا قرین قیاس ہے اور موافق عقل۔ اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے۔

ابوحنیفة عن عطاء عن حمران مولی عثمان ان عثمان توضا ثلثا ثلثا وقال ھکذا رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یتوضأ۔ ۵۱	حمران مولی عثمان رض حضرت عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور کہا کہ اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔

ف: تین مرتبہ مسح کرنے کا ثبوت اس حدیث سے لینا کس قدر کمزور پہلو ہے مگر افسوس ایک رخ کی کمزور بات قوی دکھتی ہے اور دوسری طرف کی مضبوط بات کمزور۔ یہ سراسر انصاف کا خون کرنا ہے امام شافعی کا تثلیث کا مذہب مشہور ہے اور مشتہر تمام لیکن جب امام صاحب کی روایت میں تثلیث کا لفظ آ گیا اور بیان

کے مذہب کے بظاہر مخالف تھا۔ تو ان پر بحث لے دے مچی کہ اول تو تثلیث کا مذہب ویسے ہی کمزور۔ صحیح روایات اسے ثابت نہیں۔ پھر خود ان کے مذہب کے خلاف یہ کیا ماجرا ہے؟ غرض ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں اور لگے تثلیث کو اور کمزور ثابت کرنے۔ مگر جب امام شافعی رح کا مسلک یہی دیکھا تو اب بڑی پیچیدگی نظر آئی۔ کیونکہ تمام اعتراضات کا رخ ادھر پھرتا تھا۔ لہٰذا بعض نے تو اس سے انکار ہی کر دیا۔ چنانچہ ترمذی کی عبارت اسی طرف مشیر ہے کہ وہ توحید کے قائل تھے۔ بعض سکوت کر گئے اور بعض آخر نہ رہ سکے تو اقرار کر بیٹھے چنانچہ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں انہ لم یرد فی طریق من الصحیحین ذکر عدد المسح وعلیہ اکثر العلماء الا الشافعی القائل بالتثلیث (صحیحین کے کسی طریق سے ایک سے زائد مسح کرنے کی روایت نہیں آئی۔ اور اس مذہب پر اکثر علماء ہیں۔ سوائے شافعی رح کے جو تثلیث کے قائل ہیں۔

باب الوضوء مرۃ مرۃ ۲۳

باب۔ ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کے بیان میں

ابوحنیفۃ عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ مرۃ مرۃ ۔

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا۔ (یعنی اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا) ۔

ف:۔ اعضائے وضو کو ایک ایک بار دھونا واجب ہے۔ اور تین تین بار دھونا سنت۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ بھی اعضائے وضو کو دھویا۔ کہ یہ واجب کا مرتبہ ہے اور دو دو مرتبہ بھی کہ یہ بھی جائز ہے اور تین تین بار بھی اور اسی کی زیادہ روایات ہیں۔ کیونکہ آنجناب کی عادت مستمرہ یہی تھی۔

ابوحنیفۃ عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعراقیب من النار ۔

ابن عمر رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ویل ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے ۔

ف:۔ ویل جہنم کے ایک جنگل کا نام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ وضو میں اپنی ایڑیاں خشک رکھیں گے۔ دوزخ کی اس وادی میں ان کو آگ سے عذاب دیا جائے گا۔ یوں تو وضو میں کوئی عضو خشک نہ رہنا چاہئے لیکن ایڑیوں کو وعید سے اس لئے مخصوص فرمایا کہ عادت اور بے احتیاطی میں ایڑیاں چونکہ نظر سے اوجھل ہیں یہی اکثر و بیشتر سوکھی رہ جاتی ہیں جو وضو خراب کر دیتی ہیں۔ بعض روایتوں میں تلووں کو بھی اس وعید میں شامل کر لیا ہے۔

باب نضح الفرج بفضل الوضوء ۲۴

وضو کے بچے ہوئے پانی کو اپنی ومالی پر چھڑکنے کے بیان میں ۔

ابوحنیفۃ عن منصور عن مجاہد عن جبل

حکم ثقفی سے روایت ہے کہ وضو کیا نبی صلی

کرامت کے لئے تے وضو کی پابندی نہ تھی۔ کیونکہ کبھاری۔ ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں انس بن مالک سے یہ روایت موجود ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کیا کرتے ان سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ لوگ کیا کرتے تھے تو کہا کہ ہمارے لئے ایک ہی وضو کافی ہوتا جب تک وہ نہ ٹوٹ جاتا۔ اسی طرح ترمذی میں بھی حضرت انس سے روایت ہے۔ اس حدیث سے ان کا خیال بھی رد ہوا جو کہتے ہیں کہ جدید وضو سب ہی پر فرض تھا۔ فتح مکہ پر وہ منسوخ ہوا۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں اس راز کا انکشاف کرتے ہیں کہ آنجناب اس عمل سے مسح کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں اور اس جانب بھی کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ "ارجلکم" کی جر و نصب کی دونوں قراتیں اپنے اپنے معنی پر دال ہیں نصب کی غسل رجلین پر اور جر کی مسح خفین پر۔ لیکن یہ خیال بھی خلش سے خالی نہیں کیونکہ مسح کے لئے کعبین کی حد نہیں۔ یہاں کعبین کی حد ہے +

۵۸ ح ۴

ابوحنیفة عن عبد الکریم ابی امیة عن ابراهیم حدثنی من سمع جریر بن عبد اللہ یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین بعد ما انزلت سورة المائدة

حضرت جریر رضہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا سورۃ مائدہ کے اترنے کے بعد +

ف :۔ ابن ماجہ بھی ابراہیم کے ذریعہ یہ حدیث لائے ہیں کہ حضرت جریر نے پیشاب کیا اور پھر وضو کرنے کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ لوگ متعجب ہوئے کہ یہ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ لوگوں کا تعجب اس بنا پر تھا کہ جو مسح خفین کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ مسح سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا۔ اس کے بعد صرف غسل رہ گیا۔ اسی شبہ کو حضرت جریر دور کرنا چاہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت کو سورہ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابو داؤد کی روائت میں یوں ہے ما اسلمت الا بعد نزول المائدة کہ میں سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد ہی تو اسلام لایا ہوں +

۵۹ ح ۵

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن همام بن الحرث انه رأی جریر بن عبد اللہ توضأ ومسح علی خفیه فسأله عن ذلک فقال انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنعه وانما صحبته بعد ما نزلت المائدة +

ہمام بن حارث نے جریر بن عبد اللہ کو دیکھا۔ کہ وضو کیا۔ اور موزوں پر مسح کیا۔ ہمام نے اس کے بارہ میں پوچھا تو (جریر) کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور مجھ کو شرف صحبت (یعنے صحابی ہونے کا فخر) نزول مائدہ کے بعد حاصل ہوا ہے +

ف :۔ حضرت جریر آنحضرت کی وفات سے چالیس روز قبل مشرف بایمان ہوئے +

۶۰ ح ۶

ابوحنیفة عن حماد عن الشعبی عن ابراهیم بن ابی موسی الاشعری عن المغیرة بن شعبة انه خرج مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فانطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقضی حاجته ثم رجع وعلیه جبة رومیة ضیقة الکمین

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں نکلا (یعنے تبوک کی طرف) آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ بعد فراغت واپس تشریف لائے۔ رومی جبہ تنگ آستینوں والا آپ نے زیب تن فرما رکھا تھا اس کی آستینیں چست

فرضها رسول الله صلى الله عليه وسلم من ضيق كمّيها قال المغيرة فجعلت اصب عليه من الماء من اداوة معي فتوضأ وضوءه للصلوٰة ومسح على خفيه ولم ينزعهما ثم تقدم فصلّى ؛

ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھایا (یعنے نیچے کی جانب سے ہاتھ نکالے) مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر میں آپ پر پانی ڈالنے لگا اس چھاگل سے جو میرے ساتھ تھی۔ آپ نے نماز کے لئے وضو کیا۔ اور موزوں پر ان کو بغیر اتارے مسح کیا پھر تشریف لے گئے اور نماز ادا فرمائی ؛

ف:۔ یہ واقعہ مزید تفصیل سے اور مختلف الفاظ سے متعدد صحاح میں آیا ہے ان سب روایات کو سامنے رکھ کر ایک قصہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جو کئی اہم مسائل کا سرچشمہ ہے وہ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں تھا۔ آپ نے راہ میں سواری بٹھائی اور قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی میں میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا آپ نے ہاتھ دھوئے۔ پھر منہ دھویا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھو کر سر کا مسح کیا اور پھر موزوں پر مسح کیا وضو سے فراغت کے بعد ہم آگے بڑھے کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ عبدالرحمن بن عوف کو امام بنائے ہوئے نماز فجر میں مشغول ہیں۔ عبدالرحمن ایک رکعت پڑھا چکے تھے آنجناب سواری سے اتر کر صف میں شریک ہوئے۔ جب عبدالرحمن نے سلام پھیرا تو آنحضرت نے اپنی پہلی رکعت پوری فرمائی۔ لوگ آپ کو دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں سبقت کر بیٹھے۔ آپ نے فرمایا نہیں ٹھیک کیا تم نے۔ یہ قصہ کی اجمالی شکل ہے۔ اگر آپ اس کے تفصیلی پہلو پر نظر ڈالیں گے تو اہم مسائل کا حل دریافت ہوگا۔

مثلاً اس میں یہ بھی ہے کہ آپ کے جبہ کی آستینیں چست و تنگ تھیں۔ گویا انسان چست لباس پہن سکتا ہے خصوصاً جہاد میں کہ اس میں چستی درکار ہے۔ ڈھیلے کپڑوں میں چستی پھرتی کہاں نصیب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انسان کو کوئی دوسرا وضو کرائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ جائز ہے۔ مسح خفین کا مسئلہ بھی اس سے ثابت ہوا۔ پھر ایک روایت یوں بھی ہے کہ آپ پیشانی پر مسح کیا کرتے تھے۔ تو گویا اس سے قدر بعد راس کا مسئلہ حل ہوا۔ اور امسحوا برؤسکم کا اجمال دور ہوا۔ اسی سے اس کا بھی انکشاف ہوا کہ وقت کی تاخیر کا اگر خوف ہو تو اصل امام کا انتظار ضروری نہیں۔ پھر یہ بات بھی اس سے واضح ہوئی کہ افضل مفضول کی اقتدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی امت کے ایک فرد کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔ اس کا بھی اس سے ثبوت ملا کہ موزے پہنتے وقت پاؤں کی طہارت شرط ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ مغیرہ موزے اتارنے کے لئے جھکے تو آپ نے فرمایا نہیں رہنے دو میں نے اسی وقت موزے پہنے تھے۔ کہ میرے پاؤں طاہر تھے ؛

٦١/٧ **ابو حنیفہؒ** عن حماد عن الشعبي عن المغيرة بن شعبة قال وضأت رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه جبة رومية ضيقة الكمين فاخرج يديه من تحتهما ومسح

حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ اور آپ رومی جبہ جس کی آستینیں تنگ تھیں پہنے ہوئے تھے۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ اس کے نیچے سے نکالے اور موزوں پر مسح

Marfat.com

على خفيه وفي رواية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين وعليه جبة شامية ضيقة الكمين فاخرج يديه من اسفل الجبة ٭

کیا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا۔ اور آپ شامی جبہ تنگ آستینوں والا زیب تن فرمائے ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے ٭

ف:۔ یہ جبہ وہی ایک ہی ہے کہیں رومی کے نام سے ہے اور کہیں شامی کے نام سے کیونکہ شام بادشاہ روم کی ماتحتی میں تھا تو بات ایک ہی ہوئی۔ یا یہ صورت ہو کہ ایک ملک کی طرف اس کی وضع قطع کے لحاظ سے نسبت کر دی ہو اور دوسرے کی طرف بناوٹ اور سلائی کی رو سے ٭

۸/۶۲ ابو حنيفة عن حماد عن الشعبي عن المغيرة بن شعبة قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح ٭

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ٭

ف:۔ یہ حدیث حضرت مغیرہ کی مفصل حدیث کا مختصر ہے ٭

۹/۶۳ ابو حنيفة عن ابي بكر بن ابي الجهم عن ابن عمرؓ قال قدمت على غزوة في العراق فاذا سعد بن مالك يمسح على الخفين فقلت ما هذا فقال يا ابن عمر اذا قدمت على ابيك فسله عن ذلك قال فاتيته فسألته فقال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح فمسحنا ٭

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں جہاد کی نیت سے عراق پہنچا تو سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا حضرت یہ کیا۔ کہا اے ابن عمر جب اپنے باپ کے پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان سے پوچھنا۔ (ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں والد کے پاس پہنچا۔ تو ان سے (اس بارہ میں) دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم بھی بلا حیل وحجت مسح کرنے لگے (یعنے پھر مزید تحقیق کی ضرورت نہ دیکھی) ٭

وفي رواية قال قدمت العراق للغزو فاذا سعد بن مالك يمسح على الخفين فقلت ما هذا.

قال اذا قدمت على عمرؓ فسئله.

فقال قدمت على عمرؓ فسألته

فقال رأيت رسول الله

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں جہاد کی نیت سے عراق پہنچا تو (وہاں) سعد بن مالک (سعد بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے پایا۔ میں نے کہا۔ حضرت یہ کیوں۔ انہوں نے کہا کہ جب تم اپنے والد عمرؓ کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے (جواز کے) بارہ میں پوچھنا۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ جب میں حضرت عمر کے پاس آیا تو ان سے میں نے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم یمسح فمسحنا ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی مسح کیا ۔

وفی روایۃ قال قدمتُ العراق لغزوۃ جلولا فرأیتُ سعد بن ابی وقاص یمسح علی الخفین فقلت ما ھذا یا سعد۔ فقال اذا لقیت امیر المؤمنین فاسألہ۔ قال فلقیت عمر فاخبرتہ بما صنع ۔ فقال عمر صدق سعد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنعہ فصنعنا ۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں جنگ جلولا میں شرکت کرنے کی نیت سے عراق پہنچا تو میں نے وہاں) سعد بن ابی وقاص کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا میں (گویا ان سے خیال میں موافقت نہ کرتے ہوئے) بولا۔ حضرت سعد یہ کیسے؟ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جب تم امیر المومنین (عمرؓ) سے ملو۔ تو ان سے اس کے بارہ میں پوچھنا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں جب عمرؓ سے ملا تو میں نے حضرت سعد کے فعل کی خبر ان کو پہنچائی۔ عمرؓ فرمانے لگے سعد سچے ہیں (یعنی اپنے قول یا فعل میں حق بجانب ہیں) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔

وفی روایۃ قال قدمنا علی غزوۃ العراق فرأیت سعد بن ابی وقاص یمسح علی الخفین فانکرت علیہ فقال لی اذا قدمت علی عمرؓ فاسألہ عن ذلک قال ابن عمر فلما قدمت علیہ سألتہ وذکرتُ لہ ما صنع سعد فقال عمك افقہ منك رأینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح فمسحنا ۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم بنیت جہاد عراق گئے تو سعد بن ابی وقاص رضؓ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا میں اس کو نئی بات سمجھا تو مجھ سے کہنے لگے جب تم عمرؓ کے پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان سے پوچھنا ابن عمر کہتے ہیں کہ جب میں ان کے (عمرؓ کے) پاس پہنچا میں نے ان سے ذکر کیا۔ فرمانے لگے تمہارے چچا (حضرت سعد) تم سے زیادہ عالم و فقیہ ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم نے بھی مسح کیا

ف :- محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ بخاری بھی اس کو مرفوع لائے ہیں ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے عمرؓ سے پوچھا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جب سعد تم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات بیان کریں تو پھر کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

عبداللہ بن عمرؓ کی اس مسئلہ سے لاعلمی یا تو اس بنا پر تھی کہ اس وقت تک ان کو اس مسئلہ کی سرے سے تحقیق ہی نہ ہوئی تھی یا پھر یہ ہے کہ بعض سفر میں مسح خفین کے قائل تھے۔ حضر میں اس لئے جب

Marfat.com

حضرت سعد کو حضر میں مسح کرتے دیکھا تو جھکے اولی الوقت موافقت نہیں کی آخر والد سے اس کی تحقیق کی - اور ایک نتیجہ پر پہنچے ورنہ یہ کیسے قرین قیاس ہو۔ جبکہ انہیں سے مسح خفین کی مرفوع روایت ثابت ہے - یہاں بھی اور موطا امام محمد میں بھی ۔

۶۴ ج ۱۰ ابو حنيفة عن حماد عن سالم بن عبد الله بن عمر انه تنازع ابوه وسعد بن ابى وقاص فى المسح على الخفين فقال سعد امسح و قال عبد الله ما يعجبنى قال سعد فاجتمعنا عند عمرؓ فقال عمرؓ عمك افقه منك سنةً ۔

سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ کے بیٹے کہتے ہیں۔ کہ مسح خفین کے بارہ میں سعد بن ابی وقاص اور میرے والد کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ حضرت سعد نے کہا کہ میں مسح کرتا ہوں۔ عبد اللہ نے کہا کہ مجھ کو یہ پسند نہیں۔ سعد کہتے ہیں کہ ہم عمرؓ کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تمہارے چچا (سعد) تم سے زیادہ سنت کے عالم ہیں ۔

ف:۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو عبد اللہ بن عمرؓ کا چچا کہہ کر اس طرف اشارہ کیا کہ وہ چونکہ اسلام اور ہجری قربانیوں میں میرے ہم پلہ ہیں اور ہم رنگ اور عمر میں بھی چھوٹے بڑے بھائیوں کی طرح ہم ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں تو گویا وہ میرے بھائی ہوئے اور تمہارے چچا - ورنہ نسبی چچا مراد نہیں ۔

باب ۲۶ توقيت المسح

باب - مسح کی مدت مقرر کرنیکے بیان میں !

۶۵ ج ۱ ابو حنيفة عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر رأيت النبى صلعم يمسح على الخفين فى السفر ولم يوقته ۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا - اور آپ نے اس کی مدت مقرر نہیں فرمائی ۔

ف:۔ ابن عمرؓ لم یوقتہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ میرے علم میں آپ نے اس کی مدت مقرر نہیں فرمائی یہ نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی مدت متعین نہیں کیونکہ مسافر و مقیم ہر دو کے مسح کی مدت مقررہ آپ سے بروایات صحیحہ ثابت ہے - غالباً ابن عمرؓ کا یہی واقعہ حضرت سعد سے مسئلہ مسح میں عدم موافقت کا سبب ہوا - اور بہت ممکن ہو کہ اسی روایت کے پیش نظر امام مالکؒ نے مسافر کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی ہو اور مسح صرف مسافر کے لئے جائز رکھا ہو - نہ مقیم کے لئے جو ایک روایت میں ان سے ثابت ہے ملا علی قاری نے کہا کہ عدم توقیت کے لئے یہ حدیث حجت کیسے بن سکتی ہے جبکہ یاد کرنے والا نہ یاد کرنے والے سے زیادہ قابل حجت ہے - صحیح مسلم میں علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مقرر کئے اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات گو مدت مقرر نہ کرنے کی روایات بھی ابوداؤد - ابن ماجہ وغیرہ میں وارد ہیں مگر ان کی تضعیف کی گئی ہے - صحیح

Marfat.com

روایات توقیت ہی کے بارہ میں ہیں ۔

ح ۶۶/۲

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم النخعی عن ابی عبد اللہ الجدلی عن خزیمۃ بن ثابت عن النبی صلعم انہ قال فی المسح علی الخفین للمقیم یوما ولیلۃ وللمسافر ثلثۃ ایام ولیالیھا لاینزع خفیہ اذا لبسھما وھو متوضی وفی روایۃ المسح علی الخفین للمسافر ثلثۃ ایام وللمقیم یوما ولیلۃ ان شاء اذا توضأ قبل ان یلبسھما ۔

حضرت خزیمہ بن ثابت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مسح خفین کے بارہ میں مقیم کے لئے ایک دن ایک رات کی مدت مقرر فرمائی اور مسافر کیلئے تین دن تین رات کی نہ اتارے ان کو جب ان کو با وضو ہونے کی حالت میں پہنا ہو ایک روایت میں اس طرح ہے کہ موزوں پر مسح کرنا مسافر کے لئے تین دن تین رات تک ہے اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات تک اگر چاہے جبکہ پہننے سے پہلے با وضو ہو ۔

ف: اس حدیث کی سند میں انقطاع بتاتے ہیں کہ ابراہیم تیمی اور عمرو بن میمون درمیان سے چھوٹ گئے ہیں کیونکہ ابراہیم نخعی کا سماع ابی عبد اللہ جدلی سے نہیں ملتا ۔ اس انقطاع کے سبب حدیث میں سقم نکلا ہے اور اس کی صحت میں کلام کیا ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ اول تو اس پر اتفاق نہیں تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ ابراہیم نخعی کو ابی عبد اللہ جدلی سے سماع حاصل تھا اگر سماع نہ بھی مانا جائے تو امام صاحب کے نزدیک منقطع حجت ہے ۔ اگر راوی ثقہ ہو ۔ اور ابراہیم ثقہ ہیں ۔ تقریب میں کہا ہے کہ ابراہیم ثقہ ہیں ۔ البتہ یہ اکثر ارسال کرتے ہیں ۔ تو پھر اس میں کیا قباحت رہی ۔ پھر اس حدیث کو ابو داؤد و ترمذی بھی لائے ہیں ۔ اور انہوں نے اس کو صحیح بتایا ہے ۔ اور ترمذی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے ۔ ابن حبان نے بھی اس کی تصحیح کی ہے ۔ کمال ہے کہ ان تمام حقائق پر پردہ ڈال کر اور ان سارے واقعات سے چشم پوشی کر کے نودی شرح المہذب میں کہہ بیٹھے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے ایسا دعوی کرنا جو حقیقت و واقعیت سے دور ہو عقلمند کے شایان شان نہیں ۔

مدت مسح کی تعیین میں بھی شریعت نے خاص راز و بھید مد نظر رکھا ہے ۔ اکثر و بیشتر کاموں کی مدت کا اندازہ کم از کم ایک دن سے لگایا جاتا ہے چنانچہ مقیم کے لئے شریعت نے یہی مدت رکھی اور آسانی و رعایت کے نقطہ نظر سے رات کو بھی اس میں شامل کیا ۔ پھر مسافر کے لئے اسی مدت کو تین حصے کر دیا ۔ کیونکہ مسافر غریب تین زبردست مصیبتوں سے دوچار ہے ۔ ایک تو یہ طرح طرح کی مشقت کا شکار رہتا ہے کہ سفر تو ہے ہی سقر کی نشانی ۔ سفر میں اگر کیا کچھ تکلیف نہیں پہنچتی ہے ۔ لہذا اس کے کاموں میں جس قدر سہولت پیدا کی جائے وہ عین انصاف ہے ۔ اور خیر پسندی ۔ پھر سفر میں عام طور پر پانی کا رونا ہے کبھی ہے کبھی نہیں ہے تو صرف پینے کے مقدار اس لئے اس کے حق میں پانی کی بچت نہایت مناسب ہے ۔ غرض مسافر کے پاس پانی کی کمی ہوتی ہے وقت کا بھی اس کے پاس سخت ٹوٹا ہے ۔ ہر وقت عجلت و تیزی میں سکون و آرام سے نا آشنا ہیں پس اس کے مشاغل جس قدر گھٹائے جاسکیں بہتر ہے ۔ لہذا ان ہر سہ دوا

کے پیش نظر شریعت نے اس کو تین دن تین رات کی اور مہلت دی - اور دو کی تعداد کو ناپسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرد ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے - اور یہ بھی ہے کہ مرتبہ اقل جمع صرف تین ہی ہے تین ہی کی تعداد اکثر وظائف و تسبیحات میں ملحوظ رکھی گئی ہے - غرض شریعت کی ہر بات پر اسرار ہے -

ح ٦٧ / ٣ **ابو حنیفۃ** عن سعید عن ابراھیم التیمی عن عمرو بن میمون الاودی عن ابی عبد اللہ الجدلی عن خزیمۃ بن ثابت ان النبی صلعم سئل عن المسح علی الخفین قال للمسافر ثلثۃ ایام ولیالیھن وللمقیم یوما ولیلۃ ؛

خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مسح خفین کی مدت کے بارہ میں سوال کیا گیا آپ نے فرمایا مسافر کے لئے تین دن تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ؛

ف: - مدت مسح کے آغاز میں اختلاف ہے - شافعی رح کے نزدیک موزہ پہننے کے بعد سے شروع ہوتی ہے - اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک حدث کے بعد سے - یعنی فرض کیجئے کوئی مقیم صبح موزہ پہن کر مسح کرتا ہے اور ظہر کی نماز بھی اسی وضو سے پڑھتا ہے اور بعد نماز ظہر اس کا وضو ٹوٹتا ہے تو دوسرے دن کی ظہر کے بعد تک مسح کی مدت باقی رہے گی - نہ دوسرے دن کی صبح تک - یہی مذہب قرین قیاس ہے - کیونکہ موزہ کا کام یہ ہے کہ ناپاکی کو پاؤں تک نہ پہنچنے دے اور اس کا یہ کام باپنے اثر اسی وقت سے شروع ہوگا - کہ جب سے وضو ٹوٹے اس سے پہلے تو وہ طاہر ہے - اس وقت ناپاکی روکنے کا کیا ذکر - پھر یہ بھی ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص نے موزہ پر مسح کیا اور ایک دن ایک رات اس کا وضو نہیں ٹوٹا - تو کیا اس کو موزہ اتار دینا چاہئے - نہیں جب اس کے لئے موزہ اتارنا لازم نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ مدت مسح حدث سے شمار ہوتی ہے نہ پہننے کے بعد سے - یہی مذہب امام صاحب کا ہے ؛

ح ٦٨ / ٤ **ابو حنیفۃ** عن الحکم عن القاسم بن محمد عن شریح بن ھانئ عن علی عن النبی صلعم یمسح المسافر علی الخفین ثلثۃ ایام ولیالیھن والمقیم یوما ولیلۃ ؛

حضرت علی روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ مسافر موزوں پر مسح کرے تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک ؛

ف: - توقیت مسح کی یہ جس قدر بھی روایات ہیں سب امام مالک کے خلاف حجت ہیں - کیونکہ وہ تعیین مدت کے قائل نہیں ؛

بَابٌ فِي الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ الْعَوْدَ

باب - اس ناپاک کے بیان میں جو بحالت ناپاکی پھر جماع کرنا چاہے !

ح ٦٩ / ١ **ابو حنیفۃ** عن ابی اسحق عن الاسود عن الشعبی عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلعم یصیب من اھلہ من اول اللیل فینام ولا

عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم اپنی بی بی سے صحبت کرتے شروع رات میں پھر سو رہتے اور پانی کو نہ چھوتے

Marfat.com

یصیب ماء فاذا استیقظ من اخر اللیل عاد واغتسل ۔

(یعنی غسل نہ کرتے) پھر اخیر رات میں جب بیدار ہوتے تو پھر صحبت کرتے اور غسل فرماتے ۔

ف:۔ انہیں اسود سے دوسری صحیح مرفوع روایات بطریق عائشہ رضؓ نقل ہیں ان میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے سے پہلے وضو کیا کرتے اور اس میں اس طرح ہے کہ بغیر پانی چھوئے آرام فرماتے بعض نے ابو اسحاق کی طرف وہم وغلطی کی نسبت کی ہے ۔ مگر یہ صحیح نہیں ۔ کیونکہ وہ ثقہ ۔ منابطہ صدوق ہیں تقریب میں بھی اس کی تصریح ہے ۔ پھر وہ اس روایت میں منفرد بھی نہیں ۔ چنانچہ ہشیم عبد الملک نے اور وہ عطا سے اور وہ عائشہ سے یہی روایت لائے ہیں ۔ ایسے ہی ابن خزیمہ ۔ ابن حبان اپنی اپنی صحیح میں ابن عمر سے مرفوع کرتے ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم میں سے کوئی ناپاک ہو تو وہ سو سکتا ہے آپ نے کہا کہ ہاں ۔ اگر چاہے وضو کرے ۔ گویا یہاں مرضی پر دارو مدار رکھنا صاف بتاتا ہے کہ اگر وضو نہ کرے کوئی حرج نہیں اگر ابو اسحاق منفرد بھی ہوں تو چونکہ وہ ثقہ ہیں ان کی زیادتی معتبر ہے ۔ لہذا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہر دو قسم کی روایات میں تطبیق دی جائے ۔ اس کی دو صورتیں ہیں ۔ یا تو یہ کہا جائے کہ آنجناب غسل کے لئے پانی کو نہ چھوتے تھے ۔ اس سے وضو کا انکار نہیں ۔ اس وجہ تطبیق کو بیہقی نے اختیار کیا ہے ۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ دو اقسام باختلاف اوقات ہیں ۔ اکثر وضو فرمایا کرتے اور کبھی نہ بھی ۔ یہ صرف جواز بتانے کے لئے اور تاکہ آپ کی ہمیشگی سے وجوب کا خیال پیدا نہ ہو اس طریق تطبیق کو نووی نے اختیار کیا ہے ۔

حماد عن ابی حنیفة عن ابی اسحٰق عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلعم یصیب اھله اول اللیل ولا یصیب ماء فاذا استیقظ من اخر اللیل عاد واغتسل ۔

عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں اپنے اہل سے صحبت کرتے اور پانی کو نہ چھوتے (غسل نہ کرتے) پھر آخر رات میں جب بیدار ہوتے تو صحبت کرتے اور غسل فرماتے ۔

ف:۔ یہ حدیث پچھلی حدیث کی بعینہ تکرار ہے ۔

باب ۲۵ لا ینام الجنب حتی یتوضأ

باب اس بارہ کہ ناپاک نہ سوئے جب تک وضو نہ کر لے ۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلعم اذا اراد ان ینام وھو جنب توضأ وضوءه للصلوٰة ۔

عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے تھے ۔

ف:۔ مسلم میں بطریق اسود حضرت عائشہ سے روایت ہے اس میں بالکل یہ لفظ ہیں یعنی جب آپ جنب ہونے اور کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کا سا وضو کرتے ۔ نیز عروہ کے طریق سے حضرت عائشہ سے یوں مروی ہے کہ جب آنجناب بحالت جنابت سونے کا ارادہ فرماتے تو ... وضو ...

Marfat.com

اور نماز کا سا وضو کرتے۔ گویا اس میں شرمگاہ دھونے کا مزید ذکر ہے۔ غرض کتب صحاح میں یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے ۔

باب المؤمن لا ینجس ۲۹

باب اس امر میں کہ مومن نجس نہیں ہوا کرتا !

حم ۱ ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن رجل عن حذیفة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مدّ یده الیه فدفعها عنه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مالك قال انی جنب قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم ارنا یدك فان المؤمن لیس بنجس وفی روایة المؤمن لا ینجس ۔

حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو حذیفہ نے ہاتھ ہٹا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ناپاک ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذرا اپنے دونوں ہاتھ دکھاؤ۔ البتہ مومن ناپاک نہیں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا ۔

ف: شیخین اور دوسرے اصحاب صحاح نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ ابو داؤد حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے تو انکی طرف جھکے۔ حذیفہ نے کہا کہ میں ناپاک ہوں آپ نے فرمایا مومن نجس نہیں ہوتا اس میں بجائے مومن کے مسلم کا لفظ ہے اس سے اس کا پتہ چلا کہ شریعت کی اصطلاح میں مومن و مسلم بمعنی واحد مستعمل ہوتے ہیں۔ لغت میں گو ان کے درمیان فرق کیا جاتا ہے اس حدیث سے اس کا انکشاف ہوا کہ جنابت کی نجاست جو حکمی نجاست ہے۔ یہ نماز کی ادائیگی۔ مسجد میں داخلہ اور قرآن کو چھونے وغیرہ سے مانع ہوتی ہے یہ نجاست حقیقی کی طرح انسان کی جلد کو ناپاک نہیں کرتی۔ اس سے نہ خود مومن ناپاک ہوتا ہے نہ یہ ناپاکی دوسرے تک متعدی ہوتی ہے۔ اس لئے جنبی کا پسینہ یا لعاب نجس نہیں۔ یہی حال چھوٹی نجاست کا ہے کہ مثلاً وضو ٹوٹنے سے انسان کا بدن نجس نہیں ہوتا۔ نہ اس کا پسینہ یا لعاب نجس ہوتا ہے۔ نہ یہ دوسرے کو نجس کرتا ہے۔ البتہ انسان نماز پڑھنے سے رک جاتا ہے۔ دوسرے رخ میں حدیث ذیل سے اس کا ثبوت ملا کہ کافر حقیقتاً نجس و ناپاک ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے انما المشرکون نجس کہ مشرک نجس ہیں ۔

حم ۲ ابو حنیفة عن حماد عن حذیفة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مدّ یده الیه فامسکها عنه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان المؤمن لا ینجس ۔

حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ تو حذیفہ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ مومن نجس نہیں ہوتا ۔

ف: - یہ اگلی حدیث کی تکرار ہے ؂

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشۃ ان رسول اللہ صلعم قال لها ناولینی الخمرة فقالت انی حائض فقال ان حیضتك لیست فی یدك ؂

عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی یا بوریا طلب فرمایا۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ میں حائضہ ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

ف: - ترمذی نے اپنے سلسلہ سے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے اور انہوں نے عائشہ سے کہ آنجناب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ذرا مسجد سے چٹائی اٹھا لاؤ۔ میں نے کہا میں تو حائضہ ہوں آپ نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس حدیث سے اس بات کا حل ملا۔ کہ حیض نجاست حکمی ہے نہ حقیقی کہ اس سے پورا بدن ناپاک ہو جائے۔ اور وہ دوسرے کو بھی نجس کر دے۔ چنانچہ احادیث سے اس کا ثبوت ہے کہ جنبی اور حائضہ کا جھوٹا بھی پاک ہے اور پسینہ بھی۔ اس مسئلہ کا حل بھی اس سے ملا کہ حائضہ عورت مسجد سے بغیر اس میں داخل ہوئے کوئی چیز اٹھا کر لا سکتی ہے۔ داخلہ جائز نہیں ہے۔ دخول مسجد کے ممنوع ہونے کو پیش نظر رکھ کر غالباً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی اور عدم تعمیل حکم کا عذر پیش فرمایا ان کو یہ خیال رہا۔ کہ نجاست حقیقی کی طرح حیض کی نجاست پورے بدن کو ناپاک کر دیتی ہے اس میں ہاتھ بھی ہے۔ تو ناپاک ہاتھ سے مصلی کس طرح چھوئیں۔ لہذا آنحضرت نے تعلیم فرمائی کہ یہ نکلنے والی نجاست کی طرح بدن میں نہیں سرایت کرتی۔ کہ بدن کو پاک چیز چھونے سے معذور کر دے ؂

باب المرأة ترى فی منامها ما یری الرجل

باب۔ اس امر کے بیان میں کہ عورت کو خواب میں ایسا ہی احتلام ہوتا ہے جس طرح مرد کو!

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراهیم قال اخبرنی من سمع ام سلیم انها سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المرأة ترى ما یری الرجل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تغتسل ؂

ام سلیم رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت کے بارہ میں پوچھا کہ اگر وہ خواب میں وہ دیکھے۔ جو مرد دیکھتا ہے (یعنی اگر اس کو مرد کی طرح احتلام ہو تو اس کا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے (جبکہ وہ تری دیکھے) ؂

ف: - بخاری زینب بنت ابی سلمہ سے روایت لائے ہیں کہ ام المومنین ام سلمہ رض نے کہا کہ ابو طلحہ کی بیوی ام سلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل ہے جب اس کو احتلام ہو آپ نے فرمایا ہاں جب تری دیکھے ؂

اس میں مسئلہ کی شکل یہ ہے کہ غسل کا مدار تری دیکھنے پر ہے اگر احتلام ہونا یاد ہے تری نہیں دیکھی

تو غسل نہیں۔ اگر احتلام یاد نہیں مگر تری پائی تو غسل کرنا لازم ہوا۔ چنانچہ بیہقی نے عائشہ رض سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے اور تری دیکھ لے اور اس کو احتلام یاد نہ ہو تو وہ غسل کرے اور جب اس کو خیال ہو کہ احتلام ہوا ہے۔ مگر تری نہ دیکھے تو اس پر غسل نہیں۔ ابوداؤد بھی ایک طریق سے قاسم سے اور وہ عائشہ رض سے ایسی ہی روایت لائے ہیں ۔

باب بئس البيت الحمام

باب۔ اس بیان میں کہ حمام بُرا گھر ہے!

ابو حنيفة عن عطاء عن عائشة قالت قال رسول الله صلعم بئس البيت الحمام هو بيت لا يستر وماء لا يطهر ۔

عائشہ رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ حمام بُرا گھر ہے۔ وہ بے پردہ گھر ہے اور پانی ناپاک ہے ۔

ف:۔ حمام کی مذمت و برائی میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ بیہقی عائشہ رض سے اور ابن عدی ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں کہ حمام برا گھر ہے۔ اس میں آوازیں اٹھتی ہیں اور ستر کھلتے ہیں۔ مگر اس مذمت کے ماتحت اس نوعیت کے حمام آتے ہیں۔ جو عرب میں اس زمانہ میں رائج تھے۔ کہ ایک چھوٹا سا حمام ہوتا۔ لوگ ننگے اس سے پانی لے کر نہاتے۔ اگر حماموں میں پانی پاک مہیا کیا جائے اور ستر کا بھی مناسب انتظام ہو تو پھر حماموں میں جانا ممنوع نہیں چنانچہ طبرانی نے کبیر میں حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس مضمون کی روایت کی ہے کہ بچو اس گھر سے جس کو حمام کہتے ہیں جو اس میں داخل ہو وہ ستر ڈھانک کر۔ طبرانی کی روایت میں یوں ہے کہ اس میں ستر پوشی ہی جائے۔ بیہقی میں اس طرح ہے کہ نہ داخل ہوا کرو مگر رومال کے ساتھ۔ غرض ان احتیاطوں سے اگر حماموں کا استعمال ہو تو قابل ملامت و سرزنش نہیں ۔

باب فرك المني من الثوب

باب۔ کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کے بیان میں!

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن همام بن الحارث عن عائشة قال كنت افرك المني من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کپڑا پر سے منی کو مس کر یا کھرچ کر صاف دیا کرتی تھی

فشہ:۔ اس حدیث کی تشریح دوسری حدیث میں آتی ہے ۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن همام ان رجلا اضافته عائشة [illegible] ماورة [illegible] فلم يصح [illegible] من الليل [illegible] عناية

ہمام سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ ام المو[منین] نے کسی صاحب کو مہمان ٹھہرایا۔ اور ان کے لئے ایک لحاف بچھوایا۔ [illegible] اس میں رات کو احتلام ہوا [illegible] منی سے [illegible]

Marfat.com

فغسل الملحفة كلها فقالت عائشة انما كان يجزيه ان يفركه لقد كنت افركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم يصلي فيه ؂

لئے سب لحاف کو دھو ڈالا۔ آپ کو خبر لگی تو آپ نے فرمایا کہ سب لحاف کو کیوں دھو دیا۔ اس کا تو کھرچ دینا کافی تھا۔ البتہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو خشکی سے مسل کر صاف کر دیا کرتی۔ پھر آپ اس میں نماز ادا فرماتے ؂

ف:۔ صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ منی کی نجاست و طہارت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ شافعی ؒ اور احمد بن حنبل ؒ باعتبار مذہب مشہور اس کو طاہر مانتے ہیں امام مالک ؒ۔ امام ابوحنیفہ ؒ اور ایک روایت میں امام احمد اس کو نجس مانتے ہیں۔ امام شافعی ؒ و احمد روایت، درایت نقل و عقل ہر دو سے اپنے مذہب پر دلیل لاتے ہیں۔ روایت و نقل میں ان کی اصل اصول دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ منی کھنکار کے مثل ہے اس کو اپنے سے صاف کر دو۔ یہ حدیث موقوف بھی ہے اور مرفوع بھی مگر مرفوع علت سے خالی نہیں اس لئے صرف موقوف ہی صحیح ہے۔ چنانچہ بیہقی بطریق عطا ابن عباس سے یہ مرفوع حدیث لائے ہیں مگر کہا الموقوف هو الصحيح یعنی موقوف ہی صحیح ہے۔ حدیث عائشہ سے بھی دلیل لائے ہیں جس کو ابن خزیمہ دارقطنی بیہقی نے نقل کیا ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی۔ اور آپ اس میں نماز ادا فرماتے۔ جس طرح حدیث دلیل میں ہے۔ عقل و درایت میں یوں کہتے ہیں کہ منی کی نجاست کس طرح قرین قیاس ہو جبکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی تخلیق اس سے ہوئی ہے۔ ایسی پلید چیز سے مقدس شخصیتوں کی پیدائش کس طرح سمجھ میں آ سکتی ہے ؂

طہارت کی صورت میں امام مالک ؒ و امام ابوحنیفہ ؒ میں بھی ایک گونہ اختلاف ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ جب تک منی کو نہ دھو دیا جائے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ ؒ کہتے ہیں کہ خشک کو کھرچ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اور تر کو بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ امام مالک اس کو خون کا حکم دیتے ہیں کہ وہ بھی بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا۔ اب امام صاحب کی نقلی دلیل حضرت عائشہ کی وہ حدیث ہے جو [illegible] سے کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی جب خشک ہوتی۔ اور دھو دیا کرتی جب تر ہوتی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت صاف اور کھلی دلیل ہے کہ [illegible] آپ [illegible] پانی بہانے کی اجازت دیتے اور عائشہ کو ناحق مشقت میں ڈالتے۔ اس سے زبردست دلیل یہ ہے کہ مسلم نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھویا کرتے۔ اور پھر اسی کپڑے میں نماز کو تشریف لے جاتے۔ اور فرماتی ہیں کہ میں اس میں دھونے کا اثر دیکھا کرتی۔ [illegible] نفس [illegible] منی کی نجاست کی کھلی دلیل ہے۔ [illegible] دارقطنی [illegible] یا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقئ والدم والمني [illegible]

[illegible]

[illegible] ابن عباس [illegible] صحیح [illegible]

سے بھی ثابت ہے۔ اگر کوئی جواب دے کہ یہ نظافت کے لئے تھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ نجس ہے۔ تو اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ؛

تیسری دلیل یہ ہے کہ منی کا نکلنا سب سے بڑی پلیدی مانا گیا ہے اس لئے اس پر طہارت کبریٰ لازم ہوتی ہے۔ کہ غسل واجب ہوتا ہے ہم نے بدیں وجہ اس کو کہ از کم ان چیزوں میں شمار کیا جن سے حدث اصغر وضو واجب ہوتا ہے۔ پھر طہارت کے قائلین کی دلیل کا مسکت جواب یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی تخلیق منی سے ہونا اس کی طہارت کی دلیل ہے تو کافر مشرک ابوجہل و ابولہب کی پیدائش کس سے ہے وہاں کس کی دلیل ہے اگر نجس چیز سے طاہر چیز کی تخلیق پر استبعاد ہے ہے تو دودھ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ نجس چیز سے پاک چیز کی تخلیق میں قدرت الٰہی کا زیادہ مظاہرہ ہے۔ جانے دیجئے ان سب باتوں کو اگر یہ پاک ہے تو اس کے نکلنے سے طہارت کیوں زائل ہوتی ہے۔ کہیں پاک چیز کے خارج ہونے سے بھی طہارت میں فرق آتا ہے ؛

۳۳ بَابٌ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ

باب۔ اس بیان میں کہ جو کھال بھی رنگ لی گئی وہ پاک ہو گئی!

۸۴ ابو حنیفة عن سماك عن عكرمة عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ايما اهاب دبغ فقد طهر

ابن عباس رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھال بھی رنگ لی گئی وہ پاک ہو گئی۔

ف مسلم میں بھی یہ حدیث مرفوعاً ابن عباس سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں اذا دبغ الاهاب فقد طهر کہ جب کھال رنگ لی گئی تو البتہ وہ پاک ہو گئی۔ ترمذی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ ابن ماجہ اور دار قطنی ابن عمر رض سے روایت لائے ہیں۔ اس حکم سے خنزیر فاند جس کے ماتحت نجس عین ہونے کی وجہ سے خارج ہوا اور آدمی شرافت و بزرگی کے سبب سے اس سے نکلا۔ امام شافعی رح کتے کی کھال بھی اس عام حکم سے اس سے نکالتے ہیں۔ امام صاحب نہیں کیونکہ وہ خنزیر کی طرح نجس عین نہیں۔ اسی لئے اس سے جو کسی کا نفع اٹھانا جائز ہے۔ اور اسی طرح اس کا شکار کیا ہوا حلال ہے۔ ادھر حدیث کے الفاظ بھی عام ہیں جو سب کو شامل ہے۔ مستثنا کی نظام کوئی وجہ خاص نہیں۔ یہی حدیث امام مالک اور اصحاب احمد کے خلاف بھی حجت ہے۔ کہ وہ جلد میتہ سے نفع لینا جائز نہیں جانتے۔ اور وہ اس حدیث ممانعت کو سامنے رکھتے ہیں جو ابو داؤد و نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی عبد اللہ بن حکیم سے لائے ہیں۔ اس مضمون کی (عبد اللہ بن حکیم کہتے ہیں) ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر آئی کہ نفع اٹھاؤ میتہ (مردار) کی کھال اور پٹھے سے۔ کیونکہ اہاب جس سے نفع لینے سے آنجناب نے روکا ہے۔ وہ بے رنگی کھال کا نام ہے۔ تو اس سے نفع اٹھانا تو اس حدیث کی رو سے بھی ناجائز ہے۔ اس حدیث کے ماتحت بھی کھال جب تک نہ رنگ لی جائے۔ پاک نہیں۔ اس سے نفع اندوزی منع ہے۔ تو اب ہر دو احادیث میں تعارض وتکراؤ کب واقع ہوا کہ کسی ایک ہی حدیث مان لی جائے تو حدیث ذیل سے انکار لازم آئے۔ اور میتہ کی جلد سے نفع اندوزی کا قول مستند رہو ؛

۸۵ ابو حنیفة عن سماك عن عكرمة عن ابن

ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ

عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بشاة ميتة لسودة فقال ما على اهلها لو انتفعوا باهابها فسلخوا جلد الشاة فجعلوه سقاءً في البيت حتى صارت شنًّا۔

اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت سودہ کی مری ہوئی بکری پر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے مالکوں کو کیا ہوا کاش وہ اس کی کھال سے نفع اٹھاتے چنانچہ انہوں نے اس بکری کی کھال کھینچی اور اس سے گھر کے استعمال کے لیے ایک مشکیزہ بنالیا۔ جو آخر استعمال کرتے کرتے پرانا ہوگیا۔

ف: حدیث کی وضاحت حدیث ۹۸ کے ذیل میں گذری۔

كتاب الصلوٰة

کتاب نماز کے بیان میں!

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن عبد الله عن ابي ذر انه صلى صلوٰة فخففها واكثر الركوع والسجود فلما انصرف قال له رجل انت صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وتصلي هذه الصلوٰة فقال ابوذر الم اتمم الركوع والسجود قال بلى قال فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من سجد لله سجدة رفع بها درجة في الجنة فاحببت ان تؤتى لي درجات او تكتب لي درجات۔

وفي رواية عن ابراهيم النخعي عمن حدثه انه مر بابي ذرؓ بالربذة وهو يصلي صلوٰة خفيفة يكثر فيها الركوع والسجود فلما سلم ابوذر قال له الرجل تصلي هذه الصلوٰة وقد صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابوذر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من سجد لله سجدة

حضرت ابوذرؓ کے بارے میں نقل ہے کہ انہوں نے (ایک روز) نماز پڑھی اور اس کو مختصر کیا لیکن [illegible] کیں۔ مگر قیام میں کم وقت لگا [illegible] رکوع و سجود زیادہ کئے (یعنی انہیں تعداد میں زیادہ کیا) [illegible] واپس ہوئے (نماز سے فارغ ہو کر) تو ایک شخص نے آپ سے کہا۔ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور ایسی نماز پڑھتے ہیں [illegible] میں نے رکوع و سجود اسی طرح ادا [illegible] نے کہا کیوں نہیں تو آپ نے کہا [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا [illegible] کے لیے ایک سجدہ کیا تو اس نے [illegible] میں بڑھایا لہٰذا [illegible] نصیب ہوں یا [illegible] [illegible] [illegible] نمازیں پڑھ رہے تھے اور [illegible] انہی [illegible] کی ادائیگی [illegible] میں [illegible] اس شخص نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو [illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اللہ کے لیے ایک سجدہ کیا اللہ نے [illegible]

رفعه الله بها درجة في الجنة فاني لا احب الا ان ازداد درجة ۔

درجہ بڑھایا اس لئے میں ان میں سجدے زیادہ کرتا ہوں (یعنی رکعتوں کی تعداد بڑھاتا ہوں)۔

ف: یہاں ایک لطیف بحث سامنے آتی ہے وہ یہ کہ نماز میں قیام میں زیادہ دیر لگانا اور یوں پوری نماز کو لمبا کرنا کیونکہ نماز میں ایک قیام ہی تو ایسا رکن ہے جس میں زیادہ ٹھہرنے سے پوری نماز زیادہ وقت لے لیتی ہے افضل و بہتر ہے یا رکعتوں کی تعداد بڑھا کر رکوع و سجدوں کی تعداد میں اضافہ کرنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے اس میں علما مختلف الخیال ہیں۔ بعض قیام کی درازی زیادہ مناسب سمجھتے ہیں اور باعث ثواب بعض سجدوں کی کثرت اور ان کے طول کو بہتر خیال کرتے ہیں اور صاحب ابن بعض ہر دو کو برابر جانتے ہیں۔ گویا یہاں تین شعبے ہائے خیال ہیں۔ احادیث صحیحہ ہر دو کی فضیلت میں وارد ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ ہر دو طرح میں احادیث وارد ہیں اس لئے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ معقول نہیں اس لئے میں نے بھی کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ جو کثرت سجود اور درازی کی فضیلت کی طرف جھکے ان کے پیش نظر حدیث ذیل بھی ہے۔ اور وہ حدیث بھی جو مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ اللہ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے کہ وہ سر بسجود ہو۔ تو اس میں زیادہ پڑھو اس سے سجدہ کی فضیلت اور اس میں زیادہ وقت لگانے کی برتری ثابت ہوئی۔ اور جو اصحاب طول قیام کی ترجیح کے قائل ہیں انہوں نے اپنے سامنے وہ روایت رکھیں جن میں قیام میں زیادہ وقت صرف کرنے کی مدح و ستائش آئی ہے۔ مثلاً صحیح مسلم میں حضرت ابو جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الصلوٰۃ طول القنوت کہ نماز کی افضلیت زیادہ تر قیام کی درازی میں مضمر ہے۔ پھر اس میں ایک وجہ عقلی بھی نظر آتی ہے کہ قیام قرأت پر مشتمل ہے اور سجدہ تسبیح پر اور قرأت بہرحال تسبیح سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام میں سجدہ سے زیادہ وقت لگایا کرتے تھے پھر اسی قدر مشقت ہوتا ہے۔ قیام میں جو بدنی کوفت اور مشقت جسمانی ہوتی ہے وہ سجدہ میں نہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ طول قیام طول سجدہ سے افضل ہو۔ یہی اکثر ائمہ احناف کا ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے ان خیالات میں عجیب پر لطف فیصلہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دن کی نمازوں میں رکوع سجدوں کی کثرت مناسب ہے اور رات کی نمازوں میں طول قیام۔ ترمذی ان کے اس کلام کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس بنا پر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نمازوں میں آپ کا قیام میں زیادہ وقت لگانا بہ نسبت دن کی نمازوں کے زیادہ مروی ہے اور منقول اس لئے گویا یہ خیال سنت نبوی پر مدار رکھتا ہے۔

باب ۲۳ ما بين السرة والركبة عورة

باب اس بیان میں کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان ستر ہے

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال قال عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين السرة والركبة عورة ۔

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان ستر ہے

ف: دارقطنی میں ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

ہوئے ہیں کہ گھٹنوں سے اوپر ستر ہے اور ناف کے نیچے ستر ہے۔ امام احمد نے روایت کی کہ ناف کے نیچے گھٹنے تک ستر ہے۔ مگر ان الفاظ سے بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

حدیث ذیل مسئلہ ستر پر روشنی ڈالتی ہے۔ ستر کے بارہ میں احادیث مذکورہ کے بعض الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ستر میں داخل ہیں۔ [illegible] ستر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام مالک، شافعی، اور احمد فرماتے ہیں کہ گھٹنے ستر میں شامل نہیں [illegible] مذکورہ کے ظاہری الفاظ کی رو سے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھٹنے ستر میں داخل ہیں اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو دارقطنی عقبہ بن علقمہ کے طریق سے علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ الرکبۃ من العورۃ کہ گھٹنہ ستر ہے۔ چنانچہ امام صاحب کے نزدیک ما بین السرۃ والرکبۃ کے معنی ما بین السرۃ ومع الرکبۃ کے ہوں گے۔ یعنی یہ کہ ستر ناف سے گھٹنے کے آخر تک ہے تاکہ تمام احادیث اپنے اپنے محل پر باقی رہ سکیں۔

باب ۳۷ جواز الصلوٰۃ في الثوب الواحد

باب: ایک کپڑا میں نماز پڑھنے کے بیان میں!

ابوحنیفۃ عن عطاء عن جابر انه امّهم في قميص واحد وعنده فضل ثياب يعرّفنا بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نماز پڑھائی ایک قمیص میں اور ان کے پاس فاضل کپڑے تھے، ہم کو صرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض سے۔

ابوقرّۃ قال ذكر ابن جريج عن الزهري عن ابي سلمة عن عبد الرحمن عن ابي هريرة ان رجلا قال يا رسول الله ايصلي الرجل في الثوب الواحد فقال النبي صلعم أوَ لكلكم ثوبان۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنجناب سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں۔

قال ابوقرة فسمعت ابا حنيفة يذكر عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة انه سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلوٰة في الثوب الواحد فقال النبي صلى الله عليه وسلم ليس كلكم يجد ثوبين۔

ابوقرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو زہری سے روایت کرتے سنا، وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابوہریرہؓ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارہ میں تو آپ نے فرمایا کہ تم سب کو دو کپڑے نہیں ملتے۔

ف:- ابن ابی شیبہ نے اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے رہے، میں نے کہا ابا جان آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں [illegible] کپڑے رکھے ہوئے ہیں، تو آپ نے فرمایا بیٹی آخری نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] وہ ایک

کپڑا میں تھی۔ جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود میں ایک کپڑا سے نماز پڑھنے کے بارہ میں اختلاف رائے واقع ہوا۔ ابی نے فرمایا یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا میں نماز پڑھی ہے ابن مسعود نے فرمایا کہ یہ اس وقت تھا کہ لوگوں کو کپڑے نصیب نہ تھے۔ مگر جب ان کو فراخی ملی تو اب نماز دو ہی کپڑوں میں ہے۔ عمر منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ نے حضرت ابی کی رائے پر فیصلہ دیا۔ لیکن فضیلت کا جہاں تک سوال ہے حق ابن مسعود ہی کے ساتھ ہے کہ ایک کپڑا میں نماز اسی وقت تھی کہ لوگوں میں تنگی تھی جب خوشحالی نصیب آ ہوئی اور ایک سے زائد کپڑے نصیب ہوئے۔ تو افضلیت نماز کی دو کپڑوں میں ہوئی۔ البتہ ایک کپڑا میں نماز بلا خلاف جائز ہے۔ اگر ہر دو حضرات کے درمیان اختلاف جواز میں تھا جیسا کہ بعض جگہ عبارت سے شبہ ہوتا ہے تو پھر حق حضرت ابی کے ساتھ ہے اور حضرت عمر اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہیں

۸۴ ح ۲ ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی ثوب واحد متوشحا به فقال بعض القوم لابی الزبیر غیر المکتوبة قال المکتوبة وغیر المکتوبة ۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا میں نماز پڑھی۔ متوشح ہونے کی صورت میں۔ بعض لوگوں نے ابی الزبیر سے کہا کیا یہ نوافل میں ہے۔ انھوں نے کہا نوافل اور غیر نوافل (فرضوں) سب میں ہے ۔

ف: متوشح ہونے کی شکل یہ ہے کہ ایک کپڑا کو سیدھی بغل سے نکال کر الٹے کاندھے پر ڈالیں۔ اور الٹی بغل سے نکال کر سیدھے کاندھے پر ڈالیں اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ پھر سینہ پا سکو باندھ بھی لیں ۔

۳۶ باب الصلوٰة فی مواقیتها

باب۔ نماز اپنے وقت پر پڑھنے کے بیان میں !

۸۵ ح ۱ ابو حنیفة عن طلحة بن نافع عن جابر قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل افضل قال الصلوٰة فی مواقیتها

حضرت جابر رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ کہ کون سا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر ۔

ف: بخاری میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے مرفوع روایت ہے اس میں اس طرح ہے ای الاعمال احب الیه قال الصلوٰة علی وقتها۔ کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل کونسا ہے آپ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر۔ پوچھنے والے نے پوچھا پھر کونسا آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ احسان۔ پوچھا پھر کون سا۔ آپ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد۔ اس حدیث میں نماز کے اوقات کی پابندی پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کی طرف شدید رغبت دلائی ہے۔ کہ سب سے افضل عمل وہ نماز شمار ہوئی۔ جو اپنے ٹھیک وقت پر ادا کی جائے

Marfat.com

باب فی فضیلۃ الاسفار — باب۔ اسفار کی فضیلت میں!

۸۶ ابوحنیفۃ عن عبد اللہ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسفروا بالصبح فانہ اعظم للثواب ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز صبح کی ادائیگی کے لیے صبح کو خوب روشن ہو نے دو کیونکہ یہ زیادہ باعث ثواب ہے ۔

ف :۔ یہ حدیث دراصل ایک مسئلہ کو حل کرتی ہے جو امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ امام مالک شافعی و احمد رحمہم اللہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ یعنی یہ کہ نماز فجر غلس میں کہ ابھی اندھیرا ہو ستارے جھلکتے ہوں آدمی اپنے ہم جلیس کو نہ پہچان سکتا ہو۔ دیگر ائمہ پہلے خیال کے حامی ہیں اور امام اعظمؒ دوسرے خیال کے۔ امام صاحب کے مذہب کا مدار اس حدیث ذیل مضمون پر ہے جو مختلف مگر ہم معنی الفاظ سے کتب صحاح میں نقل ہے۔ ابن ماجہ میں رافع بن خدیج سے مرفوع روایت ہے اصبحوا بالصبح فانہ اعظم للاجر یعنی اچھی طرح صبح ہونے دو کیونکہ اس میں بہت ثواب ہے۔ ابوداؤد کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ ترمذی میں یوں ہے اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر ترمذی نے کہا ہے کہ رافع بن خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور صحابہ و تابعین میں بہت سے اہل علم حضرات اسی کے قائل ہیں سفیان ثوری کا مذہب بھی یہی ہے۔ نسائی۔ ابن حبان۔ طبرانی میں بھی قریب قریب یہی الفاظ مروی نقل ہے۔ پھر اس حدیث کی تائید دوسری صحیح احادیث سے بھی ہے تو اس حدیث نے اس مذہب کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیتی ہیں۔ مثلاً حضرت بلال سے آنحضرت نے فرمایا صبح کی روشنی آنے دو اس قدر کہ اسفار کے سبب لوگ اپنے تیر گرنے کی جگہیں دیکھ سکیں۔ ابن ابی شیبہ، اسحاق ابوداؤد طیالسی بھی اس سے بیان اس کی روایت کی ہے۔ اور سب سے زائد فیصلہ اور جھگڑے کی جڑ کاٹ دینے والی وہ حدیث ابن مسعود ہے صحیحین میں مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے دو نمازوں کے ہر نماز کو وقت پر پڑھتے دیکھا ہے۔ ایک مزدلفہ میں آپ کا نماز مغرب و عشا کو جمع کرنا دوسرے روز فجر کو اس کے وقت معمول و معتاد سے پہلے ادا کرنا۔ یہ نماز آپ نے غلس میں ادا فرمائی تھی۔ امام مسلم کی روایت ہے قبل وقتہا بغلس یہ اس لیے کہ وقوف کا وقت زیادہ مل سکے۔ ابن مسعود جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں۔ اور جن کو آنحضرت کی خانگی۔ بیرونی۔ سفر و حضر۔ شب و روز کی زندگی سے گہری واقفیت رکھنے کا سب سے زائد شرف و فخر حاصل ہے جب کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت اسفار میں نماز پڑھنے کے عادی تھے تو اب بھی اس پر کسی اور کی شہادت درکار ہے۔ مزید براں طحاوی شرح معانی الآثار میں ابراہیم نخعی سے صحیح سند سے روایت لائے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امر پر ایسا اتفاق نہیں کیا جس طرح اسفار میں نماز پڑھنے پر یہ قول روایت ہے امام صاحب کے مذہب کا ثبوت تھا۔ قیاس بھی اس مذہب کی پوری تائید کرتا ہے۔ کیونکہ جہاں تک اگر نمازیوں کو جماعت میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کا موقع دیا جائے تو نماز بہتر ہے۔ اور موافق مصلحت۔ اور لوگوں کے سامنے ایسی دقتیں رکھی کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہو سکیں مذہباً قابل تحسین

نہیں بلکہ قابل سرزنش ہے جیسے معاذ بن جبل رضہ سے قرأت لمبی کر دینے کی لغزش سرزد ہوئی تو آپ نے فرمایا اَفَتَّانٌ یَا مُعَاذُ کہ تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو۔ اور لوگوں کی شرکت اسفار میں ممکن ہے اور قریب تمام ہی غلس میں لہٰذا یہ مذہب قرار نہ پا سکا۔

اب جہاں تک دوسری پیش نظر رکھئے اور معاملہ کی حقیقت کو سامنے لائیے غلس کے سلسلہ میں جو تائید کی جا رہی ہے وہ حدیث ہے جو عائشہ رضہ سے صحیحین وغیرہ میں مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن ما یعرفن من الغلس۔ کہ آنحضرت صبح کی نماز ادا فرماتے تو عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتیں اور غلس کے سبب پہچان میں نہ آتیں۔ پہچان میں نہ آنا جاتا ہے کہ کافی اندھیرا ہوتا تھا۔ لیکن درحقیقت پہچان میں نہ آنے کے دو سبب تھے ایک اندھیرا ہونا دوسرا ان کا چادروں میں لپٹا ہونا۔ دوسرا سبب متلفعات کے ذیل میں ذکر ہوا۔ اور پہلا من الغلس کے لفظ سے۔ اگر محض اندھیرا ہی پہچان میں نہ آنے کا سبب ٹھیرتا تو زیادہ اندھیرے کا ثبوت ملتا۔ چادروں میں لپٹ کر معمولی اندھیرا بھی نہ پہچانے جانے کا سبب ہو سکتا ہے۔ اور یہ معمولی اسفار میں بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ احناف کے نزدیک نماز صبح کا مستحب وقت وہ ہے کہ انسان ساٹھ سے سو آیات تک پڑھ سکے پھر اگر وضو ٹوٹے تو اسی قدر قرأت سے پھر نماز کا اعادہ کر سکے تو گویا اس طرح اس حدیث سے پوری مطلب براری نہ ہو سکی۔ اور یہ بنیادی مذہب نہ ٹھہری۔

پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ ذکر اس وقت کا ہے کہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت حاصل تھی مگر جب اجازت منسوخ ہوئی اور عورتوں کا گھروں میں نماز ہوا تو ممکن ہے ایسا نہ رہا ہو اور وقت میں تبدیلی ہوئی ہو ان سب احتمالات نکالنے پر عبد اللہ بن مسعود کا بیان مجبور کرتا ہے کہ ان کا علم بہت وقعت رکھتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات قابل ترجیح۔ مزید یہ کہ حضرت عائشہ کی حدیث فعلی ہے اور اسفار کی حدیث قولی۔ اور احناف کے نزدیک قول فعل پر قابل ترجیح ہے۔ یہاں ہر دو احادیث میں تطبیق کی بھی ایک صورت ہے وہ یہ کہ غلس سے مراد معمولی اندھیرا۔ اور اسفار سے وہ وقت جس میں کچھ تاریکی بھی ہو جس کو غلس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال مقابلہ سے اگر دیکھا جائے تو اسفار کا مذہب مذہبی روایات کے ماتحت سنگین بنیادوں پر قائم ہے۔ اور پختہ اصول پر برقرار۔

بَابُ وَعِيْدِ تَفْوِيْتِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ [۳۸]

باب۔ نماز عصر کے قضا ہو جانے پر وعید کے بیان میں!

٨٧/٣ اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ۔

ابن بریدہ رضہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز عصر کی ادائیگی میں جلدی کیا کرو۔ ایک روایت میں بریدہ اسلمی یوں کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھنے میں عجلت سے کام لیا کرو۔

Marfat.com

وفی روایۃ عن بریدۃ الاسلمی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکروا بصلوۃ العصر فی یوم غیم فان من فاتہ صلوۃ العصر حتی تغرب الشمس فقد حبط عملہ ۔

ایک اور روایت میں بریدہ اسلمی اس طرح کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز عصر کی ادائیگی میں ابر کے دن تیزی سے کام لو کیونکہ جس کی نماز عصر فوت ہو گئی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس کا عمل ضائع ہوا۔ یعنی ثواب سے محروم ہوا اور بد بختی [illegible] ۔

ف :۔ اس حدیث کے ذیل میں اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ نماز عصر کا مستحب اور افضل وقت کونسا ہے اور یہ کہ اس مسئلہ میں کیا اختلاف ہے۔ تعجیل کس کے نزدیک مستحب ہے اور تاخیر کس کے نزدیک افضل۔ امام احمد، شافعی، مالک رحمہم اللہ تعجیل کے قائل ہیں کہ نماز عصر بالکل ابتدائی وقت میں ادا کر لی جائے۔ اور امام ابو حنیفہؒ تاخیر کے حامی ہیں۔ ہر دو طرح کی احادیث مروی [illegible] ہیں اور دونوں [illegible] ہیں۔ امام صاحب دراصل ہر دو نوع احادیث کو جمع کرتے ہیں۔ اس طرح کہ تعجیل کی احادیث کو ابر والے دن سے مخصوص کرتے ہیں اور تاخیر کو صاف اور کھلے دن کے ساتھ۔ تعجیل کی یہ حدیث اول حدیث بریدہ اسلمی حجت ہے کہ ابر والے دنوں میں ابر کی وجہ سے نماز فوت و قضا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے ابر کی [illegible] میں جلدی کرنا مناسب ہے کہ قضا نہ ہو جائے اور وہ نماز کے ثواب سے محرومی کا سبب نہ بنے۔ اور تاخیر کی [illegible] حدیث یہ ہے۔ امام احمد نے ترمذی میں روایت کی کہ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ادا کرنے میں تم سے زیادہ تعجیل کرتے اور عصر کی نماز تم سے زیادہ تاخیر سے پڑھتے۔ یہ حدیث تاخیر نماز عصر کے لئے [illegible] اور صاف ثبوت ہے۔

اب تعجیل کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ درحقیقت باہم ہیں [illegible] وضاحت ان سے نہیں ملتی۔ یا محتمل کہ امام صاحب کے مذہب تاخیر کی بھی [illegible] انس کا قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرماتے اور ایک شخص عوالی مدینہ [illegible] اٹھا ہوا ہوتا۔ اس سے وقت کی کیا تعیین ہو۔ جبکہ مسافت سواری سے بھی طے کی جاتی ہے [illegible] تیز رفتاری سے بھی اور دھیمی رفتار سے بھی۔ مرتبہ [illegible] حال ہے [illegible] بھی اختلاف ہے۔ رافع بن خدیج کی روایت کہ ہم آنحضرت کے ساتھ نماز عصر [illegible] ان کو تقسیم کرتے اور غروب آفتاب سے پہلے ہم گوشت پکا کر کھا لیتے [illegible] پکا کر کھا لینا کسی تعلی بات کو ثابت نہیں کرتا جبکہ یہ سارے کام تھوڑے وقت میں [illegible] جا سکتے ہیں اور آہستگی سے بھی۔ پھرتی بھی کام میں لائی جا سکتی ہے۔ اور سستی بھی۔ یا عائشہ کی حدیث جو ترمذی وغیرہ میں نقل ہے کہ آنحضرتؐ نے اس وقت نماز عصر ادا فرمائی کہ ابھی دھوپ آپ کے حجرہ میں تھی کہ باختلاف اوقات و جگہ سایہ اونچی نیچی ہوتی رہتی ہے۔ یا مثلاً وہ احادیث جن میں نماز عصر کی ادائیگی کا وقت ظاہر کیا گیا ہے کہ سورج کی روشنی سفید اور صاف ہوتی تھی۔ کہ یہ احادیث امام صاحب کے مذہب [illegible]

تاخیر ہو کہ بھی صحیح بیٹھتی ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تاخیر سے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ وقت مکروہ سے پہلے پہلے جبکہ سورج صاف چمکتا ہو نماز عصر ادا کی جائے۔ روشنی میں زردی نہ آنے پائے۔ چنانچہ امام محمد موطا میں کہتے ہیں کہ عصر کی تاخیر ہمارے نزدیک افضل ہے جبکہ سورج کی روشنی سفید اور صاف ہو اس میں زردی نہ آئی ہو۔ احادیث بھی اسی مضمون کی وارد ہیں اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی حدیث جو علی بن شیبان سے مروی ہے وہ اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کر دیتی ہے کہ وہ کہتے ہیں قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فکان یؤخر الصلوٰۃ ما دامت الشمس بیضاء نقیۃ یعنی ہم جب آنحضرت کے پاس مدینہ میں آئے تو نماز عصر میں تاخیر کی جاتی جب تک دھوپ سفید اور صاف رہتی۔ یہ امام صاحب کے مذہب کی پوری پوری ترجمانی کرتی ہے بلکہ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو تعجیل والی احادیث کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا چونکہ وقت مختصر ہے اور اس میں بھی کچھ حصہ وقت کا مکروہ اس لئے عجلت کی جائے کہ وقت مکروہ نہ ہو جائے۔ اور اس سے پہلے پہلے جبکہ سورج کی روشنی سفید ہو نماز ادا کر لی جائے یہ بھی خطرہ ہے کہ زیادہ غفلت سے قضا ہو جائے۔ اور سورج ڈوب جائے جس طرح ابو دونوں کے قول میں بہ غرض وقت مکروہ سے بچایا ہے اور نماز کے قضا ہونے سے بھی۔

پھر ایک زبردست دینی مصلحت کا اقتضا یہ بھی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کی جائے کیونکہ نفلوں کی ادائیگی بہت اجر و ثواب کا باعث ہے اور عصر کے بعد ادائیگی نفل کا دروازہ بند ہے لہذا نماز عصر میں تاخیر کرنی چاہئے کہ نفلوں کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔ اول وقت میں یہ بات کہاں نصیب۔

۸۸/۲ **ابو حنیفۃ** عن شیبان عن یحیی عن ابن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فاتتہ صلوٰۃ العصر فکانما وتر اھلہ ومالہ۔

ابن بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی نماز عصر فوت ہوئی تو (گویا) اس کے بال بچے اور اس کا مال چھن گیا۔

ف: یہ شدید دھمکی اور سخت تہدید بتا دیتی ہے کہ نماز عصر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جو دوسری نمازوں کو نصیب نہیں اور یہ کہ وہی نماز وسطیٰ ہے جس کی اہمیت پر قرآن پاک بھی ناطق ہے۔ اکثر روایات بھی اسی نماز عصر کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے پر دال ہیں۔

مال واسباب اور بال بچے چھن جانے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے برکت سلب ہو جاتی ہے۔ اور ان میں بڑھائی اور زیادتی رک جاتی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین عبادت میں انسان نے غفلت و لاپرواہی برتی اور اس میں تساہل سے کام لیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس شومی اعمال کے سبب اس کی محبوب ترین اشیاء میں سے برکت اٹھا لیتا ہے۔

۸۹/۲ **ابو حنیفۃ** عن عبد الملک عن قزعۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ بعد الغداۃ حتی تطلع الشمس ولا بعد صلوٰۃ العصر حتی تغیب ولا یصلم

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں تاوقتیکہ آفتاب طلوع کرے۔ اور نہ نماز عصر کے بعد جب تک آفتاب غروب ہو۔ اور نہ

Marfat.com

هٰذان الیومان الا ضحیٰ والفطر ولا تشد الرحال الا الیٰ ثلٰثۃ مساجد الی المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ والیٰ مسجدی ھٰذا ولا تسافر المرأۃ یومین الا مع ذی محرم ۔

روزہ رکھا جائے عید الضحیٰ اور عید الفطر کے دنوں میں اور نہ سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف (یعنی) مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کی طرف۔ اور نہ سفر کرے عورت دو دن کا مگر محرم کے ساتھ ۔

ف ۔ کتب صحاح میں متعدد طرق سے ہم معنی الفاظ سے اس حدیث کی روایت آتی ہے۔ بلکہ اس قدر کثیر التعداد صحابہ سے اس کی روایت ہے کہ احناف نے اس کو متواتر مانا ہے ۔

یہ حدیث کئی مسائل کی طرف بیک وقت اشارہ کرتی ہے۔ اول یہ کہ نماز [illegible] طلوع [illegible] سے پہلے پہلے اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب سے قبل نماز مکروہ ہے۔ اس امر کی وضاحت [illegible] کا قول رد ہوا جو بعد عصر کے دو رکعتیں جائز قرار دیتے ہیں۔ یا اس نماز فجر کے قائل ہیں جس [illegible] آفتاب [illegible] کر آئے۔ یا جو نماز فجر کے بعد سنتوں کی قضا جائز جانتے ہیں۔ یا جو جمعہ کے روز اوقات [illegible] کا حکم لگاتے ہیں۔ ان چہار اقوال کی صاف تردید حدیث ذیل کے اس ابتدائی حصہ سے نکل [illegible] ادائیگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض روایات صحیحہ مرفوعہ میں ثابت ہے چنانچہ [illegible] کی ہے۔ بلکہ آنحضرت سے اس پر مداومت و ہمیشگی برتنے کا بھی ثبوت ملتا ہے [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ جو آپ ہی کے ساتھ خاص تھی رحمت کے لئے [illegible] ہے جس میں جواز کا کوئی راستہ نہیں۔ مثلاً صوم وصال آپ خود رکھتے۔ مگر امت کے لئے [illegible] کے ایسے اعمال ہمارے لئے لائحہ عمل نہیں ۔

دوسرا مسئلہ روزہ کا ہے جس کو حدیث ذیل یہ بیان لاتی ہے۔ کہ ہر دو عید [illegible] روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ شیخین نے ابی سعید خدری سے روایت کی ہے نھی عن صوم یوم الفطر والنحر [illegible] اور عید الضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ عید الضحیٰ کے ساتھ ایام تشریق [illegible] تاریخ بھی اس حکم امتناعی کے تحت آتے ہیں کیونکہ مسلم میں نبیشہ سے مرفوع [illegible] ایام اکل وشرب وذکر اللہ کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں [illegible] پینا خود حرام کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ غرض ان ایام مذکورہ میں روزہ [illegible] میں۔ مگر ان ایام میں حنفیہ کے نزدیک بالخصوص روزہ کی نذر بھی جائز [illegible] عبادت ہے روزہ کے لئے دن مقرر کرنے سے [illegible] روزہ کا حرام ہونا فعل روزہ [illegible] کو۔ لہٰذا اس فرق کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ان ایام میں نذر صوم تو صحیح ہوگی مگر حدیث ذیل [illegible] کوئی سبیل نہ ہوگی۔ اور اسی نذر کی قضا دوسرے کسی دنوں میں کرنی ہوگی ۔

تیسرے یہ حدیث اس سوال کو بھی حل کرتی ہے کہ کن مساجد کی طرف سفر جائز ہے اور کن کی طرف نہیں۔ بعض حدیث کو ظاہر پر محمول کر کے دوسری مساجد کی طرف سفر ناجائز قرار دیتے ہیں [illegible] میں ایک گونہ خصوصیت مان کر دوسری مساجد کو اس حکم سے نکالتے ہیں یعنی [illegible]

Marfat.com

ہے۔ کہ بغرض تقرب الی اللہ و عبادت ان ہی سہ مساجد کی طرف عزم سفر کیا جائے کیونکہ ان کو تمام بقیہ مساجد میں خاص عزت و شرف حاصل ہے۔ البتہ اگر تحصیل علم۔ تجارتی اغراض وادائے حقوق کے پیش نظر سفر اختیار کیا جائے تو ایسا سفر دوسری مساجد کی طرف بھی جائز ہے۔ اور وہ اس حکم کے ماتحت نہیں آتا۔ چنانچہ ملا علی قاری کی عبارت اسی مطلب کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ بعض ممانعت کو افضلیت کے ساتھ خاص کرتے ہیں کہ سفر ان ہر سہ مساجد کی طرف .... دوسری مساجد کی نسبت افضل و زیادہ عظیم الشان ہے۔ نووی نے اس خیال کی نسبت جمہور علماء کی طرف کی ہے۔ پھر بعض مستثنیٰ منہ کے دائرہ کو اور وسیع مان کر زیارت قبور صالحین واخوان و سیر و تفریح کو بھی اس حکم کے ماتحت ہی سمجھتے ہیں۔ اور خلاف شرع۔ لیکن درحقیقت یہ امور مذکورہ اس حکم کے ماتحت نہیں آتے یہ حدیث اس حکم کی افضلیت سے صرف دوسری مساجد کو نکالتی ہے۔ ان میں سے زیارت قبور کا مسئلہ تو مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اس کو مباح و جائز قرار دیا ہے اور بعض نے اس سے روکا ہے۔ البتہ زیارت صالحین واخوان یا تجارتی معاملات کے لئے سفر یا سیر و تفریح کے لئے چلت پھرت بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ مولانا نے اس حقیقت کو صاف کھولا ہے۔ بلکہ روایت امام احمد میں اس کی تصریح بھی ہے۔

چوتھے یہ حدیث اس بحث کو بھی سامنے لاتی ہے کہ عورت بغیر اپنے خاوند اور محرم یعنی بیٹے، بھائی، ماموں، چچا کے تنہا سفر کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی مدت سفر کے لئے احادیث میں مختلف الفاظ وارد ہیں۔ بعض میں دو ہی دن ہیں جس طرح حدیث ذیل میں۔ بعض میں تین دن ہیں جس طرح مسلم میں ہے اور بعض میں ایک دن اور ایک رات بھی ہے۔ اور اگر سفر یعنی لغوی لیں تو ایک دن یا ایک رات سے کم میں بھی سفر ممنوع قرار پاتا ہے۔ چنانچہ مسلم کی بعض روایتوں میں ایک رات ہے اور بعض میں ایک دن۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے ایک روایت ایسی بھی ہے کہ عورت ایک دن کے لئے بھی بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ مگر مختار مذہب یہی کہ مدت سفر سے کم میں عورت بغیر خاوند و محرم کے سفر کر سکتی ہے۔

٣٩ باب الاذان والاقامة

باب۔ اذان اور اقامت کے بیان میں!

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة ان رجلا من الانصار مر برسول الله صلى الله علیه وسلم فرآه حزینا وكان الرجل اذا طعم اجتمع الیه فانطلق حزینا بما رأى من حال رسول الله صلى الله علیه وسلم فترك طعامه وما كان یجتمع الیه ودخل مسجدا له یصلی

ابن بریدہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو غمگین پایا۔ اور یہ شخص (انصاری) کھاتے پیتے آدمی تھے۔ فقراء ان کے پاس کھانے کی امید میں جمع ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھنے کے سبب بھوکے ہی وہاں سے چلے۔ کھانا بھی چھوڑا اور جمع ہونے والے لوگوں کو بھی عزیز و اقارب فقراء وغیرہ کو یا بعض کے سبز دسترخوان کو بھی۔ اور اپنے محلے کی مسجد میں جا کر نماز

Marfat.com

فبينما هو كذلك اذ نعس فاتاه آتٍ في النوم فقال هل علمت مما حزن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا قال فهو لهذا التأذين فأته فمره ان يأمر بلالا ان يؤذن. فعلمه الاذان الله اكبر الله اكبر مرتين اشهد ان لا اله الا الله مرتين اشهد ان محمدا رسول الله مرتين حي على الصلوٰة مرتين حي على الفلاح مرتين الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله ثم علمه الاقامة مثل ذلك وقال في اخره قد قامت الصلوٰة قد قامت الصلوٰة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله كاذان الناس واقامتهم فاقبل الانصاري فقعد على باب النبي صلى الله عليه وسلم فمر ابوبكرؓ فقال استأذن لي وقد رأى مثل ذلك فاخبر به النبي صلى الله عليه وسلم ثم استأذن للانصاري فدخل فاخبر بالذي رأى فقال النبي صلى الله عليه وسلم قد اخبرنا ابوبكر مثل ذلك فامر بلالا يؤذن بذلك۔

وفي رواية ان رجلا من الانصار مرّ برسول الله صلى الله عليه وسلم فرآه حزينا وكان الرجل [illegible] ... فانه [illegible] من رسول الله صلى الله عليه [illegible]

پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں ان کو غنودگی آ گئی۔ ان کی خواب میں کوئی آیا۔ اور اس نے ان سے کہا کیا تم جانتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس سبب سے غمگین ہیں انہوں نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا (اسی اذان کے بارہ میں وہ غمگین ہیں) تو جاؤ ان کے پاس اور ان سے کہو کہ بلال کو حکم فرمائیں کہ وہ اذان کہیں۔ پس اس شخص نے ان کو اذان سکھائی اس طرح اللہ اکبر۔ اللہ اکبر دو دو مرتبہ (گویا کل چار مرتبہ) اشہد ان لا الٰہ الا اللہ دو بار۔ اشہد ان محمد رسول اللہ دو بار حی علی الصلوٰۃ دو بار۔ حی علی الفلاح دو مرتبہ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ۔ پھر ان کو اقامت سکھائی اسی طرح۔ اور اس کے آخر میں کہا قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ (راوی کہتا ہے) جس طرح سب لوگوں کی اذان و اقامت ہے۔ پھر انصاری (یہ انصاری دراصل عبداللہ بن زید بن عبد ربہ ہیں) مسجد سے نکلے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر جا بیٹھے اتنے میں ابوبکر تشریف لائے۔ انصاری نے ان سے کہا ذرا میرے لئے اجازت طلب فرمائیں۔ اور ابوبکر بھی یہی خواب دیکھ چکے تھے۔ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب بیان کی پھر انصاری کے لئے [illegible] تو انصاری آئے اور انہوں نے جو کچھ [illegible] تھا وہ کہہ سنایا۔ اس پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر نے بھی ہم سے ایسی ہی خواب بیان کی ہے۔ پھر آنحضرت نے بلال کو حکم دیا کہ وہ اسی طرح اذان دیں ۔

اور ایک روایت میں [illegible]

[illegible]

Marfat.com

فدخل مسجده یصلی فبینما هو كذلك اذ نعس فاتاه آت فی النوم فقال له تدری ما احزن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا

قال هو النداء فأته فأمره بان یأمر بلالا

قال الرجل فعلمه الاذان۔ الله اكبر الله اكبر مرتین اشهد ان لا اله الا الله مرتین اشهد ان محمدا رسول الله مرتین حی علی الصلوٰة مرتین حی علی الفلاح مرتین الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله ثم علمه الاقامة كذلك ثم قال فی آخره قد قامت الصلوٰة مرتین كاذان الناس واقامتهم فانتبه الانصاری فلقی رسول الله صلی الله علیه وسلم فجلس بالباب فجاء ابو بكر فقال الانصاری استاذن لی فدخل ابو بكر فاخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم بمثل ذلك ثم دخل الانصاری فاخبر النبی صلی الله علیه وسلم بالذی رأی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد اخبرنا ابو بكر فقال مر بلالا بمثل ذلك ٭

مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ اس حال میں تھے۔ تو ان پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اور خواب میں کوئی شخص ان کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا کیا تم جانتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے غم زدہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ اس نے کہا یہی اذان ہی تو ہے (جو آپ کے غم کا سبب ہے) تو آپ کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ آپ بلال کو حکم دیں۔ پھر اس آدمی نے ان (انصاری) کو اذان سکھائی۔ (اس طرح) اللہ اکبر اللہ اکبر دو مرتبہ (گویا کل چار مرتبہ) اشہد ان لا الہ الا اللہ دو بار اشہد ان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ حی علی الصلوٰۃ دو بار حی علی الفلاح دو مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پھر اسی طرح ان کو اقامت سکھائی۔ پھر اس کے آخر میں کہا قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ (راوی کہتے ہیں جس طرح آجکل لوگوں کی اذان و اقامت ہے۔ پس انصاری جاگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے اور دروازہ پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ابوبکر تشریف لائے۔ انصاری ان سے بولے ذرا میرے لئے اجازت طلب کیجئے۔ ابوبکر اندر تشریف لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انصاری جیسی خواب (جو خود دیکھی تھی) بیان کی پھر انصاری اندر آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر بھی یہی بیان کر چکے ہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بلال کو حکم دو کہ وہ ایسی ہی اذان دیں ٭

ف: مسئلہ اذان و اقامت میں ائمہ کا زبردست اختلاف ہے کیونکہ احادیث اس بارہ میں باختلاف عبارات وارد ہیں۔ امام شافعی رح کے نزدیک اذان میں تمام کلمات دو دو مرتبہ ہیں اور اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کے علاوہ کہ وہ دو مرتبہ ہے سب ایک ایک مرتبہ پھر وہ اذان میں ترجیع مانتے ہیں یعنی پہلا بار شہادتین کو پست آواز سے دو دو بار ادا کرنا پھر دو دو بار بلند آواز سے گویا ہر دو چار چار بار۔ افراد اقامت (یعنی اقامت میں کلمات کو ایک ایک بار کہنا) میں ان کی مذہب کی سنگ بنیاد وہ حدیث ہے جو حضرت انس سے بخاری میں مروی ہے امر بلال ان یشفع الاذان و یوتر الاقامة الا الاقامة کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان میں کلمات دو دو

Marfat.com

مرتبہ ادا کریں اور اقامت میں ایک ایک بار مگر قد قامت الصلوۃ ترجیع کے بارہ میں ان کے مذہب کی بنیادی حدیث حضرت ابی محذورہ کی حدیث ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی تعلیم فرمائی۔ اور ترجیع کے لئے بھی حکم دیا۔ امام مالک بھی ترجیع کے قائل ہیں اور افراد کے بھی مگر وہ قد قامت الصلوۃ میں بھی افراد ہی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک بھی ترجیع اور افراد میں اصل اصول حدیث حدیث ابی محذورہ اور حدیث انس ہیں۔ مگر افراد میں حضرت انس کی اس روایت کو لیتے ہیں جس میں الا الاقامۃ کا لفظ نہیں۔ جو دوسرے طریق سے بخاری میں بھی مروی ہے۔ امام احمد ظاہر مذہب میں ترجیع کے قائل نہیں۔ امام ابوحنیفہ نہ ترجیع کے قائل ہیں نہ افراد اقامت کے۔ بلکہ اذان واقامت ہر دو میں ان کے نزدیک کلمات دو دو مرتبہ ہیں۔ سوائے تکبیرات کے کہ وہ چار چار ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے پاس ہر دو امور میں فیصلہ کن حدیث یہی حدیث ذیل عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کی ہے۔ جو اکثر محدثین طرق صحیحہ سے ترجیع کو بھی رد کرتی ہے اور افراد کو بھی جس کو ابوداؤد مفصل لائے ہیں۔ ترجیع کو اس طرح کہ اس میں شہادتین دو دو مرتبہ اور تکبیر میں چار چار مرتبہ ہوتے ہیں۔ اور افراد کو اس طرح کہ اس میں انصاری کو اقامت بھی اسی طرح سکھائی دوسرے ابن ابی شیبہ بھی رجال صحیحین سے روایت لائے ہیں کہ عبداللہ بن زید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو کھڑے ہوئے دو سبز چادریں پہنے ہوئے دیکھا جس نے دیوار پر کھڑے ہو کر اذان واقامت کہی دو دو بار کلمات کی ادائیگی سے [illegible] ہے کہ آثار اس بارہ میں متواتر ہیں کہ حضرت بلال اذان واقامت ہر دو میں کلمات کو دو دو بار ادا کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوئی۔ مجھے یہ ہی ابی محذورہ کی حدیث امام صاحب کے مذہب کی تائید [illegible] کیونکہ ان کی مفصل حدیث میں کلمات کی دو دو مرتبہ ادائیگی ہے اور ان کی مجمل حدیث اور بھی زیادہ قابل نزاع ہے کہ اس میں [illegible] لگ گئی کہ کیا ان کو اذان کے انیس کلمات سکھائے اور اقامت کے سترہ۔ باوجود یہ امام نخعی کہتے ہیں کہ اقامت اذان ہی کی طرح تھی۔ مگر ان بادشاہوں یعنی بنی امیہ نے عجلت پسندی کے ماتحت اس کے کلمات کو ایک ایک بار کر دیا اب ذرا دیکھئے کہ ان دلائل صریحہ کے مقابلہ میں مذہب امام شافعی میں لے دے کر اگر کوئی حدیث ہے تو [illegible] انس کی ہے جس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بلال کو حکم دیا گیا کون جانے کس نے حکم دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی اور نے یا کون سمجھے کہ اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں؟ آنحضرت کے علاوہ اگر کسی نے حکم دیا ہو تو بہت ممکن ہے کہ وہ بنی امیہ سے پہلے ہوں جن کا کمال مذہب معلوم ہوا کہ وہ آخر دم تک اذان واقامت ایک ہی طرح کہتے رہے۔ کیونکہ وہ بھی اذان واقامت میں اس حقیقت کے مالک ہیں [illegible] کوئی نہیں ان کو اپنی رائے پر چلنے کا پورا حق حاصل ہے۔ جب یہ مجمل حدیث اس قدر احتمالات سے بھری ہے تو کیا وہ ان صریح احادیث والے [illegible] کے مقابلہ میں کسی مذہب کی بنیاد قائم کر سکتی ہے یا کسی مذہب کی عمارت اس حدیث پر کھڑی کی جا سکتی ہے۔ اگر [illegible] کی حدیث صحیح مانیں تو حدیث ابی محذورہ وغیرہ کے پیش نظر اس کو منسوخ ماننا پڑے گا۔ بہت ممکن ہے کہ تعلیم جواز کی خاطر ایک مرتبہ تعلیم فرمائی ہو تو ایسا فعل نہ مستقل سنت بن جاتا ہے نہ معیار مذہب قرار پاتا ہے۔ [illegible] معاملہ افراد وتثنیہ کا۔ اب ذرا ترجیع کے مسئلہ کو سامنے لائیے تو اس میں ابی محذورہ کی ترجیع والی حدیث کے

مقابلہ میں پیش کی عبداللہ بن زید کی حدیث ہے جو اذان کے بارہ میں اصل اصول ہے اور خلاصہ حجت۔ اور جو ابی محذورہ کا عمل اور نہ قابل تردید و تاویل ہے دوسری ابن عمر کی حدیث جس کو ابو داؤد و النسائی۔ دارمی وغیرہ لائے ہیں جس میں ذکر ہے کہ اذان میں کلمات دو دو بار ہیں۔ تیسرے موذنین کے سرتاج اور سرگروہ حضرت بلال کا عمل کہ اس باب میں قوی حجت ہے۔ نہ ان کی اذان میں ترجیع تھی۔ نہ ابن ام مکتوم کی اذان میں کہ وہ بھی مسجد نبوی کے موذنین میں سے تھے۔ نہ حضرت سعد کی اذان میں جو مسجد قبا کی اذان کے فرائض انجام دیتے تھے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان حضرات کا عمل خلاف سنت ہو اس کے علاوہ بہت ممکن ہے کہ ابی محذورہ سے تعلیماً تکرار کرائی ہو نہ شرعی مسئلہ یا سنت نبوی ہونے کی حیثیت سے۔ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اول کلمات شہادت کو پست آواز سے ادا کیا کہ ہو اور آنجناب نے ان کو پھر دوبارہ زور کی آواز سے نکلوایا ہو۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ امر مسئلہ بن گیا۔ طحاوی نے بھی یہی کہا ہے۔ پھر اس احتمال کی بھی زبردست دلیل یہ ہے کہ انہی ابی محذورہ کی حدیث دوسرے طریق سے ترجیع کے بیان سے خالی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقتی چیز تھی جو ختم ہوئی ابن جوزی تحقیق میں یہ حقیقت ظاہر کرتے ہیں کہ ابی محذورہ تازہ ایمان لائے تھے۔ تو آنجناب نے کلمات شہادت کو کہلوایا۔ کہ یہ کلمات ان کے ذہن نشین بھی ہو جائیں اور وہ اپنے سابقی مشرکین کے سامنے بھی انکو دوہرائیں۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ یہ زائد کلمات اذان کا جزو ہیں۔ اسی لئے تعداد بتاتے وقت انیس کلمات گن گئے۔ ویسے بھی ذرا عقل سے سوچئے تو تکرار کے زیادہ حق دار تو حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح کے کلمات ہیں جو بلانے کے کام میں آتے ہیں جب انہی میں تکرار نہیں تو دوسرے کلمات میں یہ کیوں ہونے لگی۔ یا دوسرے رخ سے یوں دیکھئے کہ اقامت اذان کی جانشین ہے۔ یا قائم مقام اگر اذان غائبین کے بلانے کے ہے تو یہ حاضرین کے بلانے کے لئے تو تقاضائے عقل یہ ہے کہ یہ ہر دو ایک ہی صورت میں ہوں اور اقامت میں تو ترجیع نہیں تو اذان میں بھی نہیں ہونی چاہئے۔

۹۱ **ابو حنیفة عن عبد الله قال سمعت ابن عمر یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اذن المؤذن قال مثل ما یقول المؤذن۔**

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت موذن کی اذان سنتے تو وہی لفظ اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے جو موذن ادا کرتا۔

ف - بخاری میں ابی سعید سے مرفوع روایت ہے کہ جب تم اذان سنو تو جیسا موذن کہتا جائے تم بھی کہتے جاؤ۔ ابن ماجہ میں ابی ہریرہ سے مرفوع روایت ہے کہ جب موذن اذان دے تو جیسا وہ کہے تم کہو غرض کتب صحاح و سنن میں قریب قریب انہی الفاظ سے یہ حدیث وارد ہے۔ لیکن جب موذن حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح کے الفاظ ادا کرے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ طحاوی و مسلم میں مروی ہے کہ جب آنحضرت موذن کی آواز سنتے تو موذن کے مثل کلمات ادا فرماتے اور جب موذن حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح کہتا تو آپ فرماتے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بَابُ مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا!

باب۔ اس شخص کے اجر کے بیان میں جو اللہ کے لئے مسجد بنائے!

ابو حنیفۃ قال سمعت عبداللہ بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ تعالٰی لہٗ بیتًا فی الجنۃ ۔

۹۲/۱ عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اگرچہ وہ اپنے چھوٹے پن میں قطاۃ (حبش) میتر کے گھونسلے کے مانند ہو اللہ نے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا ۔

ف :۔ یہ حدیث ہم معنی الفاظ سے اس قدر طرق سے کتب صحاح میں مروی ہے کہ اس کو بعض نے احادیث متواترہ میں سے مانا ہے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ قطاۃ کے گھونسلے کے ساتھ مسجد کو تشبیہ اس سبب سے دی کہ محراب مسجد کی شکل اپنی گولائی میں گھونسلے سے ملتی جلتی ہے اور وہ بھی زمین میں ہوتا ہے اور مسجد بھی زمین میں۔ لہٰذا اس مشابہت کے باعث تشبیہ دی جاتی ہے۔

اس قسم کی بشارتوں کی حقیقت کلمہ توحید کی بشارت کے مانند ہے کہ فرمایا من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا جس طرح وہاں یہ مراد نہیں کہ کلمہ توحید کی ادائیگی کے بعد خواہ کس قدر بھی گناہ کرے اور خواہ وہ مرتد ہی کیوں نہ ہو جائے اس کو جنت میں داخلہ کے بے فکری پروانگی نصیب ہوگی۔ اسی طرح یہاں یہ مقصد نہیں کہ مسجد کے بنانے سے جنت میں اس کے لئے گھر تیار ہو گیا اور حشر برپا ہوا دھر وہ جنت کے گھر میں جا دھمکا۔ خواہ وہ پاپی اور گناہگار ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ غرض کلام یہ ہے کہ جس نے صرف اللہ کی مرضی طلب کرتے ہوئے مسجد تعمیر کرائی وہ بہر دو آخر کبھی نہ کبھی جنت میں گھر ورثہ حاصل کرنے کا حقدار ٹھہرا۔ اگر وہ مرتد ہو گیا تو ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت سے محروم ہوا۔ اگر وہ مسلمان مرا اور گنہگار رہا مگر بغیر توبہ یا شفاعت یا محض حق کی معافی سے جس کے گناہ معاف ہو گئے تو بے حساب بغیر عذاب کے اس کو جنت نصیب ہوگی اور جس کے مکانات میں اس کار خیر کی بدولت بلند مرتبہ گھر سے سرفراز ہوگا۔ اور اگر وہ گنہگار بھی ہے اور ہر صورت میں اس کے ساتھ بخشش نہیں ہوئی تو جب تک وہ سزا نہ بھگت لے جنت میں داخلے اور اس قسم کی بشارتوں سے فائدہ اٹھانے کا حقدار نہیں۔ ہاں اگر ایسا ہوا کہ اس نے بد کاری سے ایسی حالت میں مرتد ہو کر صدق وخلوص نیت کے بلند درجہ پر فائز ہوا اس کا باطن قوی ایمان سے روشن ہوا اس حد تک کہ اس میں قصور سرزد ہونے کی صلاحیت باقی نہ رہی ہو یا اگر لغزش ہو بھی جائے تو توبہ واستغفار کر کے خدا تعالٰی سے قصور معاف کرا لینے کا وہ عادی ہو گیا ہو تو ایسے شخص کے لئے یہ بشارتیں اپنے ظاہری اور حقیقی معنوں میں وارد ہیں کہ قیامت میں ابتدا ہی میں جنت میں داخلہ اس کے لئے لازم ہوگا اور جنت کے گھر میں اس کار خیر کی بدولت رہے گا۔ بسے گا ۔

٩٣ / ١

باب النهي عن انشاد الضوالي في المسجد

مسجد میں گمی ہوئی چیزوں کے ڈھونڈنے سے ممانعت کے بیان میں

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم سمع رجلا ينشد جملا في المسجد فقال لا وجدت۔

وفي رواية سمع رجلا ينشد بعيرًا فقال لا وجدت ان هذه البيوت بنيت لما بنيت له ۔

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ سلم نے کسی شخص کو اپنا اونٹ ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں سنا کہ وہ اپنے اونٹ کے گم ہوجانے کا اعلان کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا (بددعا دی) کہ نہ پائے تو اپنے اونٹ یا بھلائی کو) ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے سنا کہ ایک شخص اونٹ ڈھونڈھتا ہے مسجد میں۔ تو آپ نے فرمایا نہ پائے تو البتہ یہ گھر (مسجدیں) بنائے گئے ہیں اسی کام کے لئے جس کے لئے یہ بنائے گئے ہیں (یعنی یہ مسجدیں نماز اور ذکر الٰہی ہی کے لئے تعمیر ہوئی ہیں۔ لہٰذا اس کے علاوہ کام مسجدوں میں کرنا سخت جرم ہے اور یہ انکا بے جا استعمال) ۔

وفي رواية ان رجلا اطلع رأسه في المسجد فقال من دعا الى الجمل الاحمر فقال له صلى الله عليه وسلم ما وجدت انما بنيت هذه المساجد لما بنيت له ۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک شخص نے اپنا سر مسجد میں داخل کیا اور کہا کہ مجھ کو میرے سرخ اونٹ کا کون پتہ دے گا۔ تو آپ نے فرمایا نہ پائے تو البتہ مسجدیں تو اسی کام کے لئے ہیں۔ جس کام کے لئے وہ بنائی گئی ہیں ۔

ف: یہ حدیث بعینہٖ انہی الفاظ یا اس کے قریب قریب الفاظ سے کتب صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے۔ ترمذی میں ابی ہریرہ سے مرفوع روایت اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو تم خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ یا دیکھو کہ کوئی اپنی گمی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے۔ تو کہو کہ اللہ تیری گمی ہوئی چیز نہ لائے ۔

لیکن آنحضرت نے ان هذه البيوت بنيت لما بنيت له سے حرمت و ممانعت کا ایک معیار کلی بھی بیان فرمایا اور اس طرف اشارہ فرمایا کہ ہر وہ عمل ہر کام جو غرض و مقصد تعمیر مسجد کے خلاف ہو وہ سخت ناجائز ہے اور شریعت میں حرام ہے۔ مسجد کی تعمیر کی غرض و غایت نماز و ذکر الٰہی ہے۔ لہٰذا جو کام بھی اس مقصد کے خلاف ہو یا اس میں مخل اور دخل انداز ہو وہ سخت ممنوع ہے۔ اور اس سخت تہدید کے تحت میں یہ اعمال بھی آتے ہیں۔ مثلاً محض دنیوی معاملات میں بات چیت۔ سینما پر دنا۔ دستکاری کے دھندے۔ اجرت پر لکھنا پڑھنا۔ اسی طرح ہر وہ کام جو نمازی کو وحشت میں ڈالے۔ مثلاً اونچی آواز سے بولنا۔ یہاں تک کہ علماء نے ذکر جہری سے بھی

روکا ہے۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ہر اس سائل کو خیرات دینا منع ہے۔ جو چلا چلا کر مانگ رہا ہو۔ یا عین خطبہ کے وقت وہ سوال کر رہا ہو۔ اور یہ سب کچھ ممانعت مسجد کے احترام کے پیش نظر ہے۔ اور اس بات میں بنیادی حکم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا

باب افتتاح الصلوٰۃ ۴۲

باب۔ نماز شروع کرنے کے بیان میں!

ابوحنیفۃ عن عاصم عن ابیہ عن وائل بن حجر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدایہ حتی یحاذی بہما شحمۃ اذنیہ ۔

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کو یہاں تک اٹھاتے کہ وہ کانوں کی لو کے برابر آجاتے ۔

وفی روایۃ عن وائل انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ حتی یحاذی شحمۃ اذنیہ ۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت وائل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ تا آنکہ وہ آپ کے کانوں کی لو تک آگئے ۔

ف:۔ کتب صحاح میں طرق صحیحہ سے یہ حدیث باختلاف الفاظ وارد ہے۔ لیکن یوں ہے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے شانوں کے برابر آجاتے کہیں اس طرح ہے کہ ہاتھ یہاں تک اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے برابر آجاتے۔ اور کہیں الیا بھی ہے کہ ہاتھ شانوں کے برابر آتے اور انگوٹھے کانوں کے برابر

اس امر میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے کہ ہاتھوں کو نماز کے شروع میں شانوں تک اٹھانا افضل ہے یا کانوں اور کانوں کی لو تک۔ شافعیہ پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں اور حنفیہ دوسری کو حنفیہ کے پیش نظر حدیث زیر بحث ہے اور اس کے ہم معنی احادیث جو صحیح طرق سے وارد ہیں جن میں ہاتھوں کے اٹھنے کی آخری حد کانوں کی لو بتائی گئی ہے۔ اور شافعیہ اپنے پیش نظر وہ احادیث رکھتے ہیں جن میں شانوں کی حد کا اظہار ہے مثلاً ابی حمید ساعدی کی حدیث یا ابن عمر وغیرہ کی حدیث ۔

یہ اختلاف دراصل ایک لفظ پر آکر مل جاتا ہے۔ اور محض نزاع لفظی سا ہے۔ ہر دو قسم کی احادیث صحیح ہیں جن میں تطبیق بہت آسان ہے خود حدیث کے الفاظ تطبیق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ حضرت شافعی مصر تشریف لے گئے۔ تو لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت ان احادیث میں تطبیق کی کوئی شکل بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں مع پہنچوں کے شانوں کے مقابل رہیں۔ اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور انگلیوں کے پورے کانوں کے بالائی حصہ کی محاذات میں۔ حنفیہ نے بھی اسی تطبیق کو پسند کیا ہے علمائے احناف میں سے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اسی کو اختیار فرمایا ہے ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی جا سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر کے انہیں کسی خاص وقت

کی پابندی کے کبھی شانوں تک اٹھاتے۔ کبھی کانوں کی لوتک۔ اور کبھی کانوں کے بالائی حصہ تک سر کے برابر ہیں +

ص ۲۰

ابوحنیفة عن عاصم عن عبد الجبار بن وائل بن حجر عن ابیه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یرفع یدیه عند التکبیر ویسلم عن یمینه ویساره

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا تکبیر کے وقت اور سلام پھیرتے ہوئے۔ اپنی دائیں اور بائیں جانب +

ف: اس حدیث کے ذیل میں دو امور قابل حل ہیں اور وضاحت طلب۔ ایک یہ کہ **ہاتھوں** کا اٹھنا اور کلمہ تکبیر کی دائیگی ایک ساتھ ہوں۔ یا یکے بعد دیگرے پھر اس میں بھی ہاتھ پہلے اٹھیں تکبیر بعد میں یا اس کے خلاف۔ گویا پہلی شق میں تین صورتیں متصور ہیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے آخر میں سلام دو ہیں یا ایک پہلی صورت کو اکثر فقہاء حنفیہ مثلاً طحاوی۔ قاضی خاں یا امام ابویوسف نے اختیار کیا ہے۔ اور بیشتر احادیث مثلاً حدیث وائل ابی ہریرہ۔ ابن عمر علی بن ابی طالب۔ براء بن عازب اسی خیال کی تائید کرتی ہیں کہ کسی میں یہ ہے کہ آپ جب تکبیر کہتے تو ہاتھ شانوں تک اٹھاتے۔ یا جب نماز میں داخل ہوتے تکبیر کہتے۔ ہاتھ اٹھاتے۔ یا جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تکبیر کہتے۔ ہاتھ اٹھاتے۔ کہ ان میں ہر دو افعال کا اظہار شرط وجزا کی شکل میں ہے یا معیت کی صورت میں۔ شرط وجزا بھی مقارنت ومعیت زمانی کو چاہتے ہیں۔ یہ بھی حجت لاتے ہیں کہ ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر کی سنت ہے تو عقلاً اسی کے ساتھ اس کو وجود میں آنا چاہئیے۔ دوسری صورت امام ابوحنیفہ و امام محمد کے مذہب کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کی عقلی حجت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا غیر اللہ کی بڑائی سے انکار ہے اور دست برداری اور تکبیر میں اس کا اثبات ہے اور نفی چونکہ اثبات پر مقدم ہوتی ہے اس لئے رفع ید تکبیر سے پہلے وقوع میں آنا چاہئیے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ میں بھی نفی لا الہ اثبات الا اللہ پر مقدم ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو صحیح بتایا ہے اور عام مشائخ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اس خیال کے حامی اپنے مذہب کی تائید میں ابن عمر کی مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جس کو ابوداؤد و نسائی نے نقل کیا ہے کان یرفع یدیه حذو منکبیه ثم یکبر کہ آپ شانوں تک ہاتھ اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔ اس میں ثم کا لفظ صاف تاخیر کو ثابت کرتا ہے یا ابی حمید ساعدی کے بعض طرق کی حدیث کہ اس میں بھی ثم کا لفظ ہے۔ تیسری صورت کی طرف علامہ ابن ہمام نے اشارہ کیا ہے کہ بعض نے اس کا بھی قول کیا ہے ان کی دلیل یا تو حضرت انس کی مرفوع حدیث ہے جو بیہقی لائے ہیں کہ اذا افتتح الصلوٰة کبر ثم رفع کہ آنحضرت نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے پھر ہاتھ اٹھاتے۔ یا وائل بن حجر کی حدیث بعض طرق سے جس میں یوں ہے فکبر ثم رفع یدیه کہ آپ نے تکبیر کہی اور پھر ہاتھ اٹھائے۔ ان احادیث میں تطبیق کی شکل بہتر یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات کے مختلف عمل ہیں۔ ہر دو کے قیاس جس کو بھی افضل سمجھ لیا جائے +

دوسرے امر یعنی سلام کے بارہ میں ہر سہ ائمہ متفق الرائے ہیں کہ دو سلام ہیں۔ تقریباً پندرہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طرق سے اس کی روایت ہے اور اسی پر آنحضرت کا ہمیشہ عمل رہا اور عام صحابہ و تابعین کا بھی یہی مسلک

Marfat.com

رہا امام مالک اپنے اس خیال میں بالکل تنہا ہیں کہ وہ ایک سلام مانتے ہیں۔ اس طرح کہ اگر تنہا نماز پڑھنے والا ہے تو السلام علیکم کہے اور سر تھوڑا سا سیدھی جانب پھیرے۔ اور پھر سامنے لے آئے۔ اگر مقتدی ہے تو تھوڑا سا سیدھی جانب پھیرے پھر امام کی طرف لے آئے اور اس کی طرف اشارہ کرے۔ اس خیال کی بنیادی حدیث حضرت عائشہ ہے جس میں سند کے اعتبار سے کلام ہے۔ پھر اگر صحیح بھی مانیں تو وہ مطلب برآری نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام ایسی بلند آواز سے پھیرتے کہ ہم کو جگا دیتے اس سے دوسرے سلام سے انکار کب نکلا۔ کیا بعید ہے دوسرا سلام پھیرتے ہوں مگر ایسے زور سے نہیں کیونکہ جگا لے کے لئے اول ہی سلام کافی ہوتا ہے۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال في وائل بن حجر اعرابي لم يصل مع النبي صلى الله عليه وسلم صلوة قبلها قط أهو أعلم من عبد الله و اصحابه حفظ ولم يحفظوا يعني رفع اليدين. وفي رواية عن ابراهيم انه ذكر حديث وائل بن حجر فقال اعرابي صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم ما صلى صلوة قبلها هو اعلم من عبد الله.

وفي رواية ذكر عنده حديث وائل بن حجر انه رأى النبي صلى الله عليه وسلم رفع يديه عند الركوع وعند السجود فقال هو اعرابي لا يعرف الاسلام لم يصل مع النبي صلى الله عليه وسلم الا صلوة واحدة وقد حدثني من لا احصي عن عبد الله بن مسعود انه رفع يديه في بدء الصلوة فقط وحكاه عن النبي صلى الله عليه وسلم وعبد الله عالم بشرائع الاسلام وحدوده متفقد لاحوال النبي صلى الله عليه وسلم ملازم له في اقامته وفي

حضرت وائل بن حجر کے بارہ میں ابراہیم نخعی کہتے ہیں وہ ایک دیہاتی آدمی ہیں انہوں نے اس سے پہلے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی کیا وہ زیادہ جاننے والے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب سے کہ انہوں نے وائل نے تو یاد کر لیا اور اصحاب عبداللہ رفع یدین کو یاد نہ رکھ سکے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ابراہیم نے وائل بن حجر کی حدیث بیان کی پھر کہا کہ وہ تو دیہاتی آدمی ہیں اس سے پہلے کوئی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں پڑھی کیا وہ زیادہ واقف کار ہیں عبداللہ بن مسعود سے؟

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان کے سامنے حدیث وائل بن حجر کا ذکر آیا کہ انہوں نے دیکھا [illegible] علیہ وسلم کو کہ آپ نے [illegible] کے وقت تو انہوں نے [illegible] آدمی ہیں [illegible] پڑھتے نہیں [illegible] تو انہوں نے [illegible] علیہ وسلم کے ساتھ [illegible] راویوں نے عبداللہ بن مسعود [illegible] [illegible] شرائع [illegible] کے حالات [illegible]

سفارہ وقد صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما لا یحصی ۔

ہیں آنجناب کے رفیق و دمساز ہیں۔ اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے گنتی نمازیں پڑھی ہیں۔

ف: مسئلہ رفع یدین مختلف فیہ مسائل میں ہیولیٰ کا مسئلہ ہے جس میں ائمہ کرام کی آراء کا سخت ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اور ہر فریق نے اپنے مذہب کے ثبوت میں اس پر شاہین دلائل پر مورچے قائم کئے ہیں۔ اور فریق ثانی کی رائے کی کمزوری پر پورا پورا زور ڈالا ہے۔ چنانچہ یہ حدیث اس اہم مسئلہ کی پہلی کڑی ہے۔ مسئلہ کی تحقیق اور اس میں اختلاف کا بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ یہاں حدیث ذیل میں ابراہیم نخعی کی ایک رائے کا ذکر ہے اور ان کے انصاف فیصلہ کا بیان جو انہوں نے وائل بن حجر اور عبداللہ بن مسعود کی احادیث میں کیا ہے۔ اور ہر دو شخصیتوں کا آپس میں موازنہ کیا ہے۔ کیونکہ کلام کا وزن متکلم کے حالات سے ہوتا ہے اور اس کے مقدار علم سے مگر فریق ثانی نے ابراہیم کی اس حق پسند بات پر وہ اُلٹے سیدھے اعتراضات جڑ دیئے جنکو مطلب کلام سے کوئی ربط اور مقصد متکلم سے کوئی مناسبت نہیں۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ ہر دو اعتراضات کے حالات بتاتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث بہ نسبت وائل بن حجر کے مقابلہ میں زیادہ وزنی۔ قابل حجت اور قابل اعتماد ہے کون نہیں جانتا کہ وائل بن حجر کو خود دربار رسالت میں کبھی کبھی اعزاز و فخر حاصل رہا ہو مگر آنجناب کے ساتھ صحبت و رفاقت دمسازی و راز شناسی میں عبداللہ بن مسعود سے ان کو کوئی بھی نسبت نہیں۔ تو ایسے مختلف الحال شخصیتوں میں کسی بات پر رائے کا ٹکراؤ ہو جائے تو کس کی بات کا وزن ہوگا۔ ہر عقلمند جانتا ہے یہی انصاف پسند بات ہے جو ابراہیم کہتے ہیں۔ بات تو حق تھی مگر چونکہ مذہب پر ٹھیس لگتی تھی اس لئے بات کو بھیر پھار کر اعتراض کے قابل بنایا۔ اور پھر اس پر اعتراضات کی ‌اولہ باری شروع کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ وائل ہی کی حدیث ماننی پڑے گی۔ اور ان سے کم مرتبہ آدمی کے قول سے اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ ابراہیم اپنے قول سے ان کی حدیث کو کب رد کر رہے ہیں۔ بلکہ حضرت عبداللہ کی حدیث کو حضرت وائل کی حدیث پر بنا بر حالات واقعیہ ترجیح دے رہے ہیں بخاری کہتے ہیں کہ یہ محض ابراہیم کا گمان ہے۔ وائل نے اور اصحاب کو رفع کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر بات اصل نقطہ بحث سے ہٹ گئی۔ کہ معرفت مسائل میں وہ عبداللہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور عبداللہ سے ابراہیم کو عدم رفع کی روایات تواتر پہنچی ہیں۔ تو اب گمان کس میں رہ گیا۔ بعض نے ابراہیم کو چھوڑا حضرت عبداللہ کے پیچھے لگ گئے۔ کہ وہ بہت سی باتیں بھول جایا کرتے تھے۔ تو کیا عجب ہے یہ بھی بھول گئے ہوں مثلاً قرآن میں معوذتین کا بھول جانا جمع صلوٰۃ کی کیفیت بھول جانا۔ وغیرہ وغیرہ اس سے بھی ان کے کلام کی تردید نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ پیش کردہ امور جو نماز کے مقابلہ میں نادر الوقوع ہیں۔ ان میں بھول چوک کا امکان ہے مگر نماز جو دن رات میں پانچ وقت ادا ہوتی ہے۔ اور جبکہ حضرت عبداللہ خدمت نبوی میں ہر وقت حاضر ہوں کیا اس میں بھی بھول چوک کا احتمال ہے۔ پھر یوں بھول کس کو نہیں ہوتی۔ نبی بھی بھولے ہیں کہ فرمایا فنسی ولم نجد له عزما۔ یا لیلۃ القدر میں آنجناب کے بھول جانے کا قصہ۔ یا ذی الیدین کا قصہ۔

سفیان بن عیینۃ قال اجتمع ابو حنیفۃ والاوزاعی فی دار الحناطین بمکۃ ۹۴

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اور اوزاعی مکہ میں گیہوں کی منڈی میں ایک دوسرے سے ملے تو اوزاعی

فقال الاوزاعی لابی حنیفة ما بالکم لا ترفعون ایدیکم فی الصلوٰة عند الرکوع وعند الرفع منه فقال ابوحنیفة لاجل انه لم یصح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فیه شیٔ قال کیف لا یصح وقد حدثنی الزهری عن سالم عن ابیه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة وعند الرکوع وعند الرفع منه فقال له ابوحنیفة حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن ابن مسعود ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوٰة ولا یعود لشیٔ من ذلك فقال الاوزاعی احدثك عن الزهری عن سالم عن ابیه وتقول حدثنی حماد عن ابراهیم.

فقال له ابوحنیفة کان حماد افقه من الزهری وکان ابراهیم افقه من سالم وعلقمة لیس بدون ابن عمر فی الفقه وان کانت لابن عمر صحبة وله فضل صحبة فالاسود له فضل کثیر وعبد الله هو عبد الله فسکت الاوزاعی.

نے ابوحنیفہ سے کہا: آپ کو کیا ہوا کہ نماز میں رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ ابوحنیفہ بولے اس سبب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث بغیر معارض کے نہیں ملی۔ اوزاعی نے کہا صحیح حدیث کیوں نہیں ہے۔ اور البتہ حدیث بیان کی مجھ سے زہری نے انہوں نے سالم سے روایت کی انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہاتھ اٹھایا کرتے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کرتے اور اس سے اٹھنے کے وقت۔ تو ابوحنیفہ نے ان سے کہا کہ روایت بیان کی مجھ سے حماد نے انہوں نے روایت کی ابراہیم سے انہوں نے علقمہ و اسود سے انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر شروع نماز میں۔ اور پھر دوبارہ ایسا کچھ (یعنی ہاتھ اٹھانا وغیرہ) نہ کرتے تھے۔ اس پر اوزاعی کہنے لگے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں زہری سے وہ سالم سے اور وہ اپنے والد سے گویا علو سند کی وجہ سے حدیث کو ترجیح دینا چاہتے ہیں اور تم کہتے ہو حدیث بیان کی مجھ سے حماد نے اور انہوں نے ابراہیم سے گویا اس سلسلہ کو وہ برتری نصیب نہیں۔ تو ابوحنیفہ نے اس کا جواب دیا ان کے خیال کی تکذیب کرتے ہوئے کہ حدیث کو ترجیح تفقہ راوی سے ہوتی ہے نہ کہ علو روایت سے کہ حماد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ اور علقمہ حضرت ابن عمر سے تفقہ میں کچھ کم نہیں (زیادہ فقیہ ہیں) اگرچہ ابن عمر کو شرف صحبت نبوی نصیب ہے۔ تو اسود کو بھی بہت فضیلت حاصل ہے۔ اور عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں۔ اس پر اوزاعی خاموش ہو گئے۔

ف: امام اوزاعی وامام ابوحنیفہ میں یہ مناظرہ چونکہ حقائق مفیدہ کا سرچشمہ ہے اور ایک حیثیت سے

سبق آموز اور نصیحت بخش۔ اس سے امام صاحب کی اس خلاف معمول قوت دماغی اور تیز و رسا سمجھ کا اندازہ ہوتا ہے جس کی روشنی میں آپ احادیث نبویہ کو پرکھا اور جانچا کرتے۔ اور ان سے مسائل اخذ کیا کرتے۔ حدیث کی صحت کا مدار چونکہ رواۃ پر ہوتا ہے اس لئے آپ رواۃ کی جانچ میں ایسی کڑی پرکھ سے کام لیتے کہ گویا بال کی کھال نکالتے۔ فضیلت و برتری میں جو ایک دوسرے کو آپس میں یا ایک سی فوقیت نصیب ہوتی ہے۔ اس کو بھی نظر انداز نہ کرتے۔ لہذا یہ مناظرہ اگر ایک طرف امام صاحب کی اس صفت کو بے نقاب کرتا ہے تو دوسری طرف ان غلط بیانی سے کام لینے والوں کا منہ توڑ جواب دیتا ہے جو آپ کو صاحب الرائے کہتے ہیں کہ گویا آپ اپنے مذہب کا مدار عقل و رائے و قیاس پر رکھتے ہیں۔ کیا امام اوزاعی کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی رائے پیش کی۔ یا حدیث نبوی پھر وہ حدیث باعتبار سند حدیث اوزاعی سے قوی تر تھی یا کمزور۔

یہ بحث رواۃ کو پرکھنے کا ایک بہترین اصول بھی سامنے رکھتی ہے کہ رواۃ کی برتری تفقہ و تبحر علمی پر موقوف ہے نہ علو سند یا عدالت پر۔

اس مناظرہ سے اس کا بھی انکشاف ہوا کہ صحبت نبوی گو زبردست فضیلت ہے مگر فقاہت اور تبحر علمی اس سے بڑھ چڑھ کر ایک خوبی ہے۔ جو روایت حدیث میں زیادہ قابل لحاظ ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ علقمہ ابن عمرؓ سے کچھ کم نہیں غرض یہ حکایت امام صاحب کی منقبت کا ایک باب کھولتی ہے۔ اور آپ کی حدیث دانی پر چار چاند لگاتی ہے۔

اس مسئلہ رفع یدین کی نوعیت اور اس میں اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ اٹھانے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ابتدائے نماز کے علاوہ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت بھی ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک رفع یدین صرف شروع نماز میں ہے بعد میں پوری نماز میں کہیں نہیں۔ امام مالک سے دو روایتیں ہیں۔ ایک امام شافعی کی موافقت میں۔ اور دوسری امام صاحب کی تائید میں۔ مگر ان کے زیادہ تر شاگرد پہلی روایت کے حامی ہیں۔ شافعیہ اپنے مذہب کی تائید میں بہت سے صحابہ سے روایتیں لاتے ہیں۔ جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ باعتبار متن احادیث یا الفاظ روایات ان کی نقل کردہ احادیث دو قسم پر تقسیم ہوتی ہیں ایک وہ جن میں رکوع میں جانے اور اس سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا ہے۔ اور باقی جگہ سے انکار۔ اور بعض میں اور جگہ بھی رفع یدین کا ثبوت ہے مثلاً سجدوں سے اٹھتے وقت یا ہر تکبیر کے وقت یا ہر مرتبہ جھکتے اور اٹھتے وقت بہرحال باقی حدیثوں میں اضطراب ہے جن سے صحیح مقصد کی راہنمائی نہیں ہوتی۔ بلکہ مخالف خیال بات کی بھی اس میں آمیزش ہے جس کو نہ وہ مانتے ہیں نہ ہم۔

لہذا درحقیقت ان کی صحیح مطلب برآری کی وہی حدیثیں ہیں جن میں رکوع کے علاوہ اور جگہ رفع یدین سے انکار ہے۔ پھر یہ بات بھی خیال میں رکھیں کہ صحابہ میں عبداللہ بن مسعود سے جس قدر بھی روایات ہیں خواہ ان کو شافعیہ لائے ہوں یا حنفیہ ان سے عدم رفع کا ہی ثبوت ہے۔ رفع کا نہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے صحابہ سے مثلاً خلفاء سے رفع کی روایتیں لاتے ہیں اور حنفیہ عدم رفع کی۔ اس لئے ان میں سے جو یہ کہے کہ عدم رفع میں عشرہ مبشرہ یا خلفاء ہمارے ساتھ ہیں یا کوئی اس غلط بیانی سے بھی کام لے کہ سب صحابہ ہمارے ساتھ ہیں تو اس کو قطعی نغو سمجھیں۔

Marfat.com

اب روایات کے میدان میں آئیے۔ اور دیکھیئے کہ حق کدھر ہے اور انصاف کا حامی کون۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے اس مضمون کی حدیث ہے کہ آنحضرتؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ شانوں کے برابر آجاتے۔ اور رکوع کے لئے تکبیر کہتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی ایسا ہی کرتے اور سجدوں میں ایسا نہ کرتے۔ مسلم میں بھی اسی کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ یا مثلاً حضرت علی کی روایت جو اصحاب سنن لائے ہیں اس میں آخر میں یہ بھی ہے کہ جب آپ سجدوں سے اٹھتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے۔ یہ رفع یدین کے [illegible] ثبوت کا استدلالی پہلو ہے
اب ہم احناف کا استدلالی رخ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس سبب سے کہ یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔

سب سے پہلے تو ان کے پاس یہی حدیث ذیل عبد اللہ بن مسعود جس میں صاف لا یعود کا لفظ ہے اس کے راویوں کے خلاف تو کوئی دم کیوں مارے جب ان کے امام الائمہ اوزاعی جنکی ہم رکابی میں اپنے کو امام مالک وثوری جیسی جلیل القدر ہستیاں اپنے لئے فخر جانیں دم بخود ہیں۔ تو ان کے چیلوں کو کیا مجال کلام اور تاب گفتگو۔ جب معاملہ دیگر راویوں سے گذر کر صحابیوں تک آیا تو اس کو امام صاحب نے مختصر الفاظ سے یوں حل فرمایا۔ کہ عبد اللہ تو پھر عبد اللہ ہی ہیں۔ یہ الفاظ ان کی ساری برتری کو شامل ہیں۔ جو ان کے حالات پڑھیگا وہ آنحضرت کے سفر ہم کے ساتھی و رفیق ہیں، فوراً یہ باور کرنے پر مجبور ہوگا۔ کہ ان کی بات بوقت ٹکراؤ سب پر وزنی ہونی چاہئے چنانچہ پچھلوں میں ابن حجر نے اصابہ میں عبد اللہ بن مسعود کو ابن عمر پر ترجیح دی ہے۔ اور ان کی فضیلت ثابت کی ہے۔ طحاوی حصین وابراہیم کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود سوائے شروع نماز کے کہیں ہاتھ نہ اٹھاتے امام محمد بھی اپنی موطا میں اسی معنی کے الفاظ لائے ہیں۔ ابوداؤد اپنی سنن میں عاصم بن کلیب سے اور وہ عبد الرحمن بن اسود سے اور وہ علقمہ سے اور وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں الا اصلی لکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ کہ انہوں نے کہا کہ کیا میں تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں کہا کہ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ صرف شروع مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔ مخالف مذہب حدیث اگر مخالف ہی کی کتاب میں آجائے تو بادل ناخواستہ گوارا کی جا سکتی ہے۔ مگر جو بہ صورت اپنے خیال کو اونچا رکھنا چاہے اور دوسرے کو نیچا اس سے یہ کب گوارا ہو سکتا ہے کہ ہم مشرب ہی کی کتاب میں مخالف حدیث آجائے۔ چنانچہ بیچارے عاصم بن کلیب کو نشانہ ملامت کے لئے تاک لیا۔ ایک نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں۔ ایک بولا ضعیف ہے کسی نے کہا صحیح نہیں۔ اور کسی نے اور کچھ کہا۔ نووی تو اکثر ایسے موقعوں میں دو قدم آگے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ نہ معلوم انہوں نے اتفاق کن افراد کے اجماع کا نام رکھا ہے اور اپنی رائے کو اتفاق تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ زرکشی نے [illegible] سمجھے کہ نقل الاتفاق لیس بجید کہ اتفاق کا نقل کرنا تو [illegible] ہے جبکہ ابن حزم دارقطنی ابن قطان نے اس کی تصحیح کی ہو اور نسائی نے ترک رفع یدین کی رخصت پر باب باندھا [illegible] اب یہی عاصم جن کی بنا پر [illegible] مسلم نے [illegible] کی ہے۔ اور شیخ نے امام میں کہا ہے کہ عاصم ثقہ ہے [illegible] عبد الرحمن بن [illegible] ابن مسعود [illegible]

ہیں۔ تو اب حدیث میں کیا سقم نکل آیا۔ غیر کی حدیث کو اس قسم کی جتھہ بندی سے کمزور دکھانا علماء کے شایان
شان نہیں۔ پھر خدارا یہ تو دیکھا کریں کہ یہ کہیں ہماری کسی کتاب میں تو نہیں آگیا ہے۔ اسی عاصم کے طریق سے
عبداللہ بن مسعود سے یہی حدیث ترمذی بھی لائے ہیں اور کہا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث حسن ہے۔
اور بہت اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین اہل علم اس طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی
مسلک ہے جب خود ان کے مذہب کے علمبردار اس حدیث کے راویوں کو مانیں اور اس حدیث کو حسن کہیں
تو پھر دوسروں کو اس کو ضعیف ٹھہرانے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ بعض نے یہ باریکی نکالی کہ عبدالرحمن کو علقمہ سے سماع
نہیں۔ کیا خوب۔ جب عبدالرحمن کی وفات ننانوے کی ہے جو ابراہیم نخعی کی حیات کا زمانہ ہے اور ان کو تو علقمہ سے
بالاتفاق سماع ہے تو کیا عجب ہے اور کیا بعید کہ عبدالرحمن کو بھی سماع ہو۔ مزید برآں خطیب نے کتاب المتفق والمتفرق
میں عبدالرحمن کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے بھی سماع حدیث کیا ہے اور علقمہ سے بھی۔ لہذا
اب ہر پہلو سے حدیث کا دامن اعتراض و سقم سے پاک ہو گیا۔

اب آئیے خلفاء میں سے ابوبکر اور عمر رض کے مذہب کا پتہ لگائیے اور معلوم کیجئے کہ یہ خلفاء کس کے ساتھ ہیں۔
دار قطنی اور ابن عدی محمد بن جابر سے حدیث نقل کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں حماد بن ابی سلیمان سے وہ
ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ عبداللہ بن مسعود سے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
ابی بکر و عمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلوۃ۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ نماز پڑھی اور ابوبکر و عمر کے ساتھ تو انہوں نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے مگر نماز شروع کرتے وقت اس میں
ان کو محمد بن جابر بن سیار ملے جن کو قابل گرفت سمجھا اور کہنے لگے کہ محمد بن جابر میں کلام ہے اور مجال گفتگو۔ اس
کے متعلق مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ جن محمد بن جابر سے ایوب ابن عوف، ہشام بن حسان، ثوری، شعبہ، ابن
عیینہ جیسے جلیل القدر اصحاب نے روائت کی ہو وہ کیا کچھ درجہ علمی نہ رکھتے ہوں گے۔ ان کے مرتبہ کو کون گرا سکتا
ہے۔ پھر ابن عدی نے کہا ہے کہ اسحاق بن اسرائیل محمد بن جابر کو ایسی جماعت پر فضیلت دیا کرتے جو ان سے
افضل ہوتی۔ تقریب میں کہا ہے کہ محمد بن جابر بن سیار بن طارق الحنفی الیمامی ابو عبداللہ اصلہ من الکوفۃ صدوق
کہ یہ کوفہ کے رہنے والے ہیں اور صدوق ہیں۔ لہذا ان جلیل القدر والشان خلفاء کی موافقت مذہبی سے مذہب
حنفیہ کی صحت و حقانیت میں نہائت وزنی اور بھاری ہو گیا۔ عبداللہ اول تو خود کیا کچھ کم ہیں پھر وہ تصدیق
میں آنحضرت کے ساتھ ابوبکر صدیق کی صداقت اور عمر فاروق کی فقاہت کو بھی ملالیں تو نور علی نور۔ بلکہ یہ حدیث
درحقیقت حدیث شیخین ابوبکر و عمر کی ہوئی جو از سرتاپا نمونہ رسول ہیں۔ اور جن کا ایک قدم عمل نبوی سے سرمو نہیں
ہٹ سکتا۔ یہ حدیث گویا حصار حنفیت کا دوسرا مورچہ ہے۔

اب خاتم الخلفاء حضرت علی کے مذہب کا سراغ لگائیے کہ وہ کیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ کو طحاوی
اور امام محمد کی صحیح حدیث نظر پڑے گی کہ وہ روائت کرتے ہیں ابی بکر نہشلی سے وہ عاصم سے وہ اپنے باپ
سے ان علیا کان یرفع فی اول تکبیرۃ من الصلوۃ ثم لا یعود کہ علی اول تکبیر کہتے وقت نماز میں ہاتھ
اٹھاتے پھر دوبارہ ایسا نہ کرتے دار قطنی نے بھی ان نہشلی سے یہ حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث

Marfat.com

موقوف صحیح ہے نہ مرفوع۔ محمد بن ابان بھی عاصم سے ایسی ہی روایت کرتے ہیں۔ دارمی نے عجیب نوعیت کا اس پر اعتراض اٹھایا ہے کہ جواب دینے سے پہلے انسان اس پر ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ان کے الفاظ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "علی سے واہیات طریق سے روایت ہے کہ وہ اول تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے پھر ایسا نہ کرتے بالکل کمزور بات ہے کیونکہ علی کے بارہ میں ایسا کیسے گمان کیا جائے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کریں۔ حالانکہ آپ سے یہ مروی ہے کہ آپ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے"۔ کیا خوب یہ تو آپ کی من مانی بات ہے اور آپ کا علی سے حسن ظن کہ وہ اس کی آنحضرت کی آخری سنت یا غیر منسوخ عمل مانتے تھے۔ آپ کا خصم یعنی احناف کیوں ماننے لگے۔ وہ تو یہ کہیں گے کہ علی کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ہے اور وہ رفع یدین کے نسخ کو ثابت کرتا ہے۔ آپ اپنے خیال کے موافق ایک بنیاد قائم کرتے ہیں اور اسی پر اعتراض کی عمارت اٹھاتے ہیں ماشاء اللہ۔ دارمی پر گرفت کے بعینہ یہی الفاظ ابن دقیق العید نے کہے ہیں جو امام میں مذکور ہیں۔

حضرت علی سے ہی رفع یدین کے حامی مرفوع روایت پیش کرتے ہیں جس کو ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ اور ترمذی نقل کرتے ہیں۔ مگر غلطیوں سے بھری۔ اول تو ابو داؤد کی روایت میں عبدالرحمن بن زناد ہیں۔ تقریب میں کہا ہے کہ یہ صدوق ہیں۔ مگر جب بغداد میں آئے تو ان کے حافظہ میں فرق آ چکا تھا۔ [illegible] کہ اس میں اذا قام من السجدتین دفع یدیہ کی [illegible] کی کھٹک ہے جو سب کے نزدیک یا تو منسوخ ہے یا غیر ثابت۔ پھر اگر ابو داؤد کی حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو وہ آخر مرفوع ہے جو آپ کے فعل کو بتاتی ہے اور یہ حدیث مذکور موقوف جو علی کا خود عمل ظاہر کرتی ہے۔ یوں کیوں نہ سمجھا جائے کہ پہلے علی نے نبی صلعم سے روایت کی ہے آپ کے عمل کی پھر جب ان کو رفع کا نسخ ثابت ہو گیا تو خود اس عدم رفع پر عمل کرنے لگے جس کی صحیح حدیث امام محمد سے ابھی نقل ہوئی۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے اور موافق عقل مگر ان کو ایک ہی ترکیب یاد ہے کہ احناف کی حدیث ضعیف کر ڈالو مخالف کی حدیث صحیح مان لو پھر [illegible] اور تطبیق کی دقت کون برداشت کرے۔

آپ نے عمرؓ کا مذہب حضرت ابن مسعود کی زبانی سنا تھا۔ لیجئے اب ایک دوسری روایت [illegible] اس کی تائید سنئے۔ طحاوی اور بیہقی حسن بن عیاش کے طریق سے بسند صحیح اسود سے حدیث لاتے ہیں قال رأیت عمر بن الخطاب رفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود قال ورأیت ابراہیم والشعبی یفعلان ذلک کہ انہوں نے کہا میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ آپ نے اول تکبیر پر ہاتھ اٹھائے پھر ایسا نہیں کیا کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم و شعبی کو بھی ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا۔ اس پر طحاوی فرماتے ہیں کہ حسن بن عیاش [illegible] مدار رکھتی ہے۔ ثقہ ہیں یحییٰ بن معین اور دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ جانتے تھے کہ پوری سند میں نشانہ بازی کے لئے [illegible] کو چھانٹا [illegible] [illegible] دی [illegible] اس کے خلاف [illegible] اس کے طریق سے ابن عمر سے اس کے خلاف [illegible] موجود ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب یہ حدیث [illegible] صحیح [illegible] [illegible]

پھر اس کی تائید مذکورہ حدیث ابن مسعود سے مل رہی ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود کی فضیلت ابن عمر پر جو کچھ ہے وہ تو معلوم ہی ہے۔

اب قائلین رفع کو اس پر ناز ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر کا مذہب ہمارے مذہب کے موافق ہے لیجئے ان کی احادیث کا جائزہ بھی لیجئے۔ کہ یہ کس کے مذہب کے موافق ہیں۔ بخاری نے کتاب المفرد میں بسلسلہ وکیع ابن ابی لیلے حکم مقسم ابن عباس سے حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ صرف سات جگہ اٹھائے جاتے ہیں۔ شروع نماز میں۔ استقبال قبلہ میں۔ صفا و مروہ پر۔ جمع میں۔ منیٰ میں اور جمرتین میں۔ اور بزار نے نافع کے طریق سے ابن عمر رضہ سے یہی حدیث نقل کی ہے۔ تو ان میں رکوع میں رفع ید کا کہاں ذکر ہے۔ ان روایتوں میں یہ خدشہ نکالتے ہیں کہ ابن ابی لیلے قابل حجت نہیں۔ حالانکہ یہ وہ تابعی ہیں جنہوں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا ہے انہیں کی مرفوع حدیث نہ مانی جائے تو کس کی مانی جائے۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ موقوف صحیح ہے جو بطریق وکیع ہے نہ مرفوع۔ خیر ہمارا مطلب اسی میں حل ہوگیا۔ کہ آخر ان ہر دو حضرات کا مذہب ہی تو معلوم کرنا تھا کہ ان کا مذہب کس سے ملتا ہے اور یہ کس کے ساتھ ہیں بات خود ان کے اقرار سے پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ یہ عدم رفع کے قائل تھے۔

احناف ہی کے مذہب کی تائید میں حضرت براء بن عازب حضرت جابر بن سمرہ اور ابو سعید خدری رضہ سے بھی صحیح روایات وارد ہیں۔ جن کے بیان کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کہ بات بہت طول پکڑتی ہے آپنے ملاحظہ فرمایا۔ کہ بحث و مباحثہ کے میدان میں یہ بات ثابت ہوئی کہ احناف کا مسلک صحیح احادیث پر مبنی ہے جو ان کو ضعیف بناتا ہے وہ نہ صرف اپنے منہ سے اپنی جہالت کا اقرار کرتا ہے۔ بلکہ حق و انصاف کو چھپانے کا بھی وہ مرتکب ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس بحث و تمحیص کے بعد احناف اپنا کیا عقیدہ قائم کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو ان کے جذبۂ حق و انصاف پسندی پر داد دینی پڑے گی۔ ان کا یہ مسلک نہیں کہ حدیث دانی کے ٹھیکہ دار ہم ہیں جب کسی مخالف کی حدیث ملے اس کے راویوں کو توڑ مروڑ کر ختم کر دیا جائے اور مشہور کر دیا جائے کہ مخالف کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں۔ یہ تو اہل الرائے ہیں اہل حدیث ہم ہیں۔ یہاں احناف کا انصاف فیصلہ یہ ہے کہ رفع بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور عدم رفع بھی اور ان ہر دو نوع احادیث میں صاف تعارض ہے۔ تو لامحالہ تطبیق کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ تطبیق اس طرح کہ رفع و عدم رفع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات کے دو مختلف عمل ہیں۔ بعد میں رفع منسوخ ہوا۔ عدم رفع باقی رہا چنانچہ بعض بعض صحابہ مثلاً ابن عمر رضہ وغیرہ جو رفع کے راوی ہیں خود رفع نہیں کرتے۔ ان کا یہ عمل صاف راہنمائی کرتا ہے کہ وہ نسخ مان چکے تھے۔ کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ جب کوئی صحابی حدیث کی روایت کر کے خود اس کے خلاف کرے یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک اس کا نسخ ثابت ہو چکا۔ ورنہ حضرت ابن عمر حضرت علی وغیرہما کے بارہ میں کیسے متصور ہو سکتا ہے اور کس طرح ممکن کہ وہ حدیث رسول کے خلاف کریں۔ ادھر یہ بھی کھلا اصول ہے کہ جب صحیح احادیث آپس میں ٹکرائیں تو بذریعہ قیاس ترجیح دینی مناسب ہے۔ یہاں قیاس کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ عدم رفع ہو۔ کیونکہ رفع سکون خشوع و خضوع میں فرق لاتا ہے جو عین مقصد نماز ہے اور اس کا خاص جوہر۔ نماز میں بہت سے اعمال منسوخ ہوگئے

جو خشوع و خضوع میں فرق لانے تھے۔ کیا عجب یہ بھی انہی میں سے ہو یہاں بعض شافعیہ یہ بھی دعویٰ کر بیٹھے ہیں کہ احادیث رفع متواتر ہیں یا مشہور یہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد بات ہے ہر دو قسم احادیث درجہ احاد میں ہیں اور ان میں تطبیق کی یہی واحد شکل ہے جو بیان ہوئی۔ اس میں حق کا بھی پاس ہے اور مخالف کی بھی دلجوئی۔

۸۵

ابو حنیفة عن طریف ابی سفیان عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الوضوء مفتاح الصلوٰة والتکبیر تحریمها والتسلیم تحلیلها وفی کل رکعتین فسلم ولا تجزی صلوٰة الا بفاتحة الکتاب ومعها غیرها

ابو سعید خدری رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو نماز کی کنجی ہے۔ اور تکبیر تحریمہ اس کی تحریم (یعنی خلاف نماز ہر فعل و حرکت کو حرام کر دینے والی) اور سلام اس کی تحلیل (یعنی سلام نماز کی وجہ سے حرام ہونے والے حرکات و افعال کو حلال کر دیتا ہے) اور ہر دو رکعت پر سلام (یعنی التشہد) ہے اور کوئی نماز بغیر الحمد اور دوسری سورت کے ملائے کافی نہیں ہوتی۔

وفی روایة اخری عن المقری عن ابی حنیفة مثله وزاد فی اخره قلت لابی حنیفة ما یعنی بقوله فی کل رکعتین فسلم فقال یعنی التشهد قال المقری صدق۔

ایک اور روایت میں مقری نے ابو حنیفہ رح سے اسی طرح الفاظ نقل کیے مگر اس کے آخر میں یہ زائد ہے کہ میں نے پوچھا ابو حنیفہ سے کہ ہر دو رکعت پر سلام سے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا اس سے مراد التحیات (التشہد) کا پڑھنا ہے [illegible] مقری نے کہا ٹھیک ہے۔

وفی روایة نحوه وزاد فی اخره ولا یجزی صلوٰة الا بفاتحة الکتاب ومعها شیء۔

ایک اور روایت میں اسی طرح ہے [illegible] میں یہ زیادہ ہے کوئی نماز بغیر فاتحہ الکتاب [illegible] ملائے کے کافی نہیں ہوتی۔

ف اس حدیث کے ذیل میں کئی مسائل حل طلب ہیں [illegible] اس نے اس مسئلہ کی وضاحت نہایت لطیف و عقلی اشارہ سے کی کہ وضو [illegible] کیونکہ جب وضو کی حیثیت نماز کی نسبت سے کنجی کی سی ہوئی [illegible] کرتا ہے اور اس کو وجود میں لاتا ہے جو محض ایک عبادت ہے تو وہ خود عبادت میں شمار ہو [illegible] عبادت ٹھیرا۔ اور نیت عبادت کی صحت کے لیے شرط ہے کہ وہ نیت کے بغیر ثواب سے خالی ہوئی [illegible] ثواب سے خالی ہوئی۔ تو اس کی صحت کی یہ کیفیت آئی عبادات کے ساتھ نہیں۔ باقی اس مسئلہ کی صاف اور کھلے الفاظ میں دلیل ابو داؤد و ابن ماجہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں لا صلوٰة لمن لا وضوء له [illegible] کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو اس کا وضو نہیں (یعنی فضیلت سے محروم) [illegible]

Marfat.com

پر اللہ کا نام نہ لے۔

پھر ارشاد ہوا والتکبیر تحریمہا اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کن الفاظ سے کہی جا سکتی ہے۔ امام شافعی رح کہتے ہیں کہ سوائے اللہ اکبر یا اللہ الاکبر کے کوئی دوسری صورت جائز نہیں یعنی اکبر کو یا نکرہ لایا جائے یا معرفہ۔ امام مالک اور احمد کے نزدیک صرف اکبر یعنی نکرہ ہی کی صورت جائز ہے۔ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ اللہ الکبیر بھی جائز ہے گویا ان کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر یہ سہ صورتیں جائز ہوئیں۔ امام ابو حنیفہ رح و محمد نے ہر اس لفظ کو تکبیر میں ادا کرنا جائز رکھا ہے جس سے اللہ کی تعظیم و بڑائی ظاہر ہو یہ ادائیگی فرض کی حد ہے باقی سنت وہی اللہ اکبر ہے جس کی طرف حدیث کے ظاہری الفاظ مشیر ہیں۔ امام صاحب کا مسلک کسی قدر دقت نظری پر مدار رکھتا ہے اس لئے وہ وضاحت طلب ہے۔ دراصل فرضیت تحریمہ کا ثبوت سب کے نزدیک آیت وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ سے ہے۔ دیگر ائمہ بلحاظ لفظ آیت اس کو لفظ اکبر میں محدود کرتے ہیں اور امام صاحب معنی پر نظر رکھ کر کہتے ہیں کہ تکبیر لغت میں تعظیم سے عبارت ہے جس لفظ سے بھی تعظیم ظاہر ہو اس سے تکبیر تحریمہ کہی جا سکتی ہے اور اس حکم خداوندی کی تعمیل ہو سکتی ہے خواہ وہ اللہ اکبر، یا اللہ اجل۔ اللہ اعظم ہو خواہ الرحمن الرحیم مثلاً دوسری جگہ فرمایا فلما رأینہ اکبرنہ یعنی جب دیکھا انہوں نے اس کو تو بڑا سمجھا اس کو۔ کہ یہاں بھی تعظیم ہی مراد ہے۔ ایک اور جگہ نماز کے سلسلہ میں ارشاد ہوا وذکر اسم ربہ فصلی کہ اس میں ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو گویا یہاں تکبیر کا اطلاق مطلق ذکر پر کیا لہٰذا اس کو کس طرح اکبر ہی کے لفظ سے مخصوص کیا جائے۔ بلکہ لفظ اسم کے پیش نظر فلہ الاسماء الحسنیٰ یا حدیث میں وارد ہے امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ اگر کسی نے کہا لا الہ الا الرحمن تو وہ مسلمان مانا جائے گا۔ اور اس کے قتل سے دست کش ہونا پڑے گا۔ جب اصل ان میں بھی یہ وسعت معتبر رہی تو نماز میں جو اس کی فرع ہے کیوں یہ فراخی ملحوظ نہ رکھی جائے۔

پھر ارشاد ہوا والتسلیم تحلیلہا اس میں شافعیہ و حنفیہ کا اختلاف ہے کہ نماز سے خارج ہونے کے لئے لفظ سلام کی ادائیگی فرض ہے یا واجب۔ امام شافعی و احمد اس کو فرض کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہی مذہب ہے حضرت مرتضیٰ۔ ابن مسعود۔ ابن مسیب۔ ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری۔ اور اوزاعی کا۔ امام شافعی کی دلیل ایک تو حدیث ذیل کے یہی الفاظ ہیں والتسلیم تحلیلہا کہ اس میں بظاہر تحلیل (نماز سے خارج ہونے) کو تسلیم (لفظ سلام کی ادائیگی) میں محدود کیا ہے۔ یا حدیث صلوا کما رأیتمونی اصلی کہ جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ تم بھی ایسی ہی نماز پڑھو اور آپ لفظ سلام ادا فرماتے۔ پھر وہ تکبیر تحریمہ پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر کہنا بالاتفاق فرض ہے تو ایسے ہی سلام کہنا نماز سے خارج ہونے کے لئے فرض ہوگا۔ امام صاحب کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ اذا قلت ھذا او قضیت ھذا فقد قضیت صلوتک کہ جب تو نے ایسا کیا۔ یا اس کو پورا کیا تو تو نے اپنی نماز پوری کر لی۔ کہ اس میں قول و فعل میں اختیار دیا گیا ہے۔ اگر سلام فرض ہوتا تو فرض میں اختیار دیا گیا۔ پھر اعرابی کی وہ حدیث بھی ان کی حجت ہے جس میں آپ نے اس کو نماز سکھائی

Marfat.com

مگر سلام کا ذکر نہ فرمایا۔ اگر فرض ہوتا تو اس کو کیسے ترک فرماتے۔ اور یہ بھی ہے کہ دوسرا سلام تو کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں تو اس پر قیاس کر کے یہ بھی کیوں فرض ہو۔ اب ان کے قیاس کا مسکت جواب یہ ہے کہ تکبیر و سلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ ہر دو آپس میں حقیقت و حالت و تاثیر میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ تکبیر چونکہ محض ثنا ہے اس لئے خالص عبادت ہے یوں ہی تو بحالت استقبال ادا ہوتی ہے اور اس کی تاثیر یہ کہ یہ عبادت نماز میں داخل کر دیتی ہے تو نماز کی طرح یہ بھی فرض ہوئی۔ بخلاف سلام کے کہ وہ ایسا نہیں وہ ایک حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ کا نام سلام پر مشتمل ہے ثنا ہے اور ایک حیثیت سے کہ وہ انسانوں سے خطاب ہے۔ لوگوں سے بات چیت چنانچہ اسی حیثیت سے سلام کرنا منع ہوا نماز میں اور قبلہ سے روگردانی کر کے ادا کیا گیا۔ ایسا ہی وہ تاثیر میں بھی تکبیر سے جدا ہے کہ اگر وہ عبادت میں داخل کا سبب ہے تو یہ اس سے خارج ہونے کا تو اسی فرق کی بنا پر یہ سلام تکبیر کی طرح فرض نہ ہوا مگر ایک حیثیت سے چونکہ یہ سلام ثنا بھی ہے یہ نفل و فرض کے بیچ میں درجہ واجب میں رکھا گیا۔ رہے حدیث ذیل کے یہ الفاظ والتسلیم تحلیلها تو اس سے حصر کا ثبوت نہیں کہ تحلیل سلام ہی سے ہے۔ پھر یہ اخبار آحاد خبر ہیں اور آحاد سے فرضیت کا ثبوت کیسا؟ البتہ آنحضرت صلعم کے ہمیشگی فرمانے یا حکم فرمانے سے وجوب کا ثبوت ملتا ہے۔ اور یہی امام صاحب کا مذہب ہے۔

ایک اور اختلافی مسئلہ لا تجزئی صلوٰۃ الخ کے ماتحت محتاج بیان ہے مگر چونکہ یہی ٹکڑا قریب قریب آئندہ حدیث میں آرہا ہے اس لئے اس کا بیان وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث ذیل میں فی کل رکعتین فسلم کے الفاظ دو معنی کے محتمل ہیں یا تو یہ اپنے ظاہر پر رکھے جائیں اور ہر دو رکعت سے مراد نفل ہوں۔ اور حکم ندب کے لئے ہو مقصد یہ ہو کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرو جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے کہ نفلیں دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔ مطابق حدیث الصلوٰۃ مثنی مثنی یا فسلم میں سلام سے مراد حقیقی سلام مراد نہ ہو۔ بلکہ تشہد مراد ہو جیسا کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے اس کی یہی تشریح فرمائی۔ اس صورت میں یہ مراد نفل ہوں و دو سے معنی فرض کے لئے ہوگا۔ کہ قعدہ تشہد ان میں بیٹھنا واجب ہے یا معنی واجب ہی ہو تین رکعت یا چار رکعت والی فرض نمازوں میں۔

۹۹ ابو حنیفۃ عن عطاء بن ابی رباح عن ابی ھریرۃ قال نادی منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ولو بفاتحۃ الکتاب۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مدینہ میں منادی کی بغیر پڑھنے کوئی نماز نہیں اگرچہ وہ فاتحۃ الکتاب (الحمد) ہی کیوں نہ ہو۔

ف:۔ طبرانی نے اوسط میں امام صاحب ہی کے طریق سے ان الفاظ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے امرنی رسول اللہ صلعم ان انادی فی اھل المدینۃ یعنی یہ کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اہل مدینہ میں یہ ندا دیدوں۔ دارقطنی بھی قریب قریب اسی مضمون کی حدیث لائے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا فرض ہے یا واجب یا سنت

Marfat.com

امام شافعی و امام مالک فاتحہ پڑھنے کو فرض مانتے ہیں اور سورت ملانے کو سنت۔ اور امام ابوحنیفہ فاتحہ پڑھنے اور سورت ملانے ہر دو کو واجب کہتے ہیں۔ امام شافعی و امام مالک کی دلیل فاتحہ کے فرض ہونے پر مسلم کی یہ حدیث ہے من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام کہ جس نے ایسی نماز پڑھی جس میں الحمد نہ پڑھی تو وہ نماز خداج ہے۔ تین بار فرمایا۔ یعنی غیر تام ہے۔ اور سورت ملانے کے سنت ہونے پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ آنحضرت نے اول دو رکعت میں سورت ملانے پر ہمیشگی برتی۔

امام صاحب کے مذہب کے ثبوت پر کئی دلائل ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ فرضیت قراءت قرآن پاک کی آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے ثابت ہے یعنی قرآن کا جس قدر حصہ آسان ہو پڑھو۔ یہ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور کم سے کم ایک پوری آیت تک کو شامل ہیں پھر حدیث ظنی سے قرآن کے قطعی حکم میں فاتحہ کی قید لگا کر اس کے عموم و اطلاق کو کس طرح توڑا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک طرح کا نسخ کہ قیمت ایک شے کل کی حیثیت سے نکل کر جزء میں داخل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی کل کی حیثیت کھو بیٹھتی ہے۔ تو یہ نسخ ہوا۔ اور نسخ کرنے والی شے منسوخ ہونے والی سے اقوی ہونی چاہیے۔ حالانکہ حدیث ظنی قرآن قطعی سے بدرجہا ضعیف تر ہے۔ لہٰذا امام صاحب نے مطلق قرآن کا پڑھنا تو آیت قرآن کے ماتحت فرض مانا اور حدیث چونکہ عمل کے وجوب کو ثابت کرتی ہے اس لئے اس کے پیش نظر قراءت فاتحہ و سورت ملانے کو واجب قرار دیا۔ قرآن و حدیث ہر دو پر عمل ہوا۔ بخلاف فاتحہ کی قراءت کو فرض ماننے والوں کے کہ ان کے مذہب پر آیت قرآنی کا ترک لازم آتا ہے۔ اور سنت پر عمل۔

دوسری حدیث وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت اعرابی کو نماز سکھاتے ہیں کہ پوری شرح و بسط کے ساتھ نماز کی حقیقت کو واضح فرماتے ہیں۔ مگر اس میں فاتحہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر اس کی قراءت فرض ہوتی تو اس کا ترک کیسا؟ البتہ اتنا ضرور فرمایا ثم اقرء ما تیسر معک من القرآن یعنی پھر قرآن جو تجھ کو یاد ہو وہ پڑھو۔

تیسری حدیث یہی ابی ہریرہ جس کو وہ خود اپنی دلیل میں لاتے ہیں کہ اس کے الفاظ درحقیقت ان کے مطلب کی طرف راہنمائی نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ امام صاحب کے مذہب کی طرف۔ کہ فرمایا فہی خداج خداج کے معنی لغت میں ناقص کے ہیں جس کا مقابل تام ہے۔ خود حدیث کے الفاظ غیر تام تبہ دے رہے ہیں کہ ناقص مقابل تام مراد ہے۔ فاسد کے معنی نہیں جو وہ سمجھتے ہیں۔ ناقص ہونے کے معنی یہ ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے سے واجب ترک ہوا۔ تو نماز ناقص ہوئی۔ اگر قراءت فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے ترک سے نماز فاسد و باطل ہوتی نہ ناقص و غیر تام۔

چوتھی دلیل حدیث ذیل ہے کہ اس میں ارشاد ہوا ولو بفاتحۃ الکتاب اگرچہ سورت فاتحہ ہو صاف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ قراءت فاتحہ کی تخصیص نہیں یعنی قرآن کا خواہ کوئی حصہ بھی ہو۔ اگرچہ سورت فاتحہ ہی ہو۔

پانچویں دلیل یہ کہ اگر سورت فاتحہ کو فرض مان کر ان الفاظ حدیث کے یہی معنی مراد لیں کہ نماز سے

Marfat.com

سے ہوتی ہی نہیں۔ تو یہ الفاظ آنحضرت صلعم نے ان احادیث میں بھی فرمائے ہیں لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔ ولا صلوٰۃ للعبد الآبق حتی یرجع کہ بھاگے ہوئے غلام کی نماز نہیں جب تک وہ لوٹے۔ ولا وضوء لمن لم یسم اور نہیں وضو ہے اس کا جو وضو سے پہلے بسم اللہ نہ کہے۔ حالانکہ یہاں کمال کی نفی ہے نہ اصل نماز کی۔

چھٹی دلیل یہ کہ فرضیت فاتحہ کے قول پر ایک اور الجھن آپڑتی ہے وہ یہ کہ سورت کا ملانا بھی ساتھ ساتھ فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے ساتھ وسورۃ معہا وغیرہ کا ٹکڑا بھی ہوتے تو فاتحہ کی حدیث میں سورت ملانے کی فرضیت کا زبردستی اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس پر وہ بھی راضی نہیں۔

لہٰذا ان قوی و سنگین دلائل کی بنا پر صحیح وحق وہی امام صاحب کا مسلک ہے۔

باب ۳۴ لا یجہر ببسم اللہ فی الصلوٰۃ!

ابو حنیفۃ عن حماد عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر لا یجھرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم۔

باب۔ اس امر کے بیان میں کہ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی جائز نہیں!

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر و عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

ف: بسم اللہ کو الحمد سے پہلے زور کی آواز سے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں امام شافعی و امام ابو حنیفہ رح کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کے ہم خیال ابن مسعود، ابن زبیر، عمار بن یاسر، عبد اللہ بن مغفل، حسن، شعبی، نخعی، اوزاعی، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، قتادہ، عمر بن عبد العزیز، اعمش، زہری، مجاہد، حماد، احمد، اسحٰق ہیں۔ اور احادیث صحیحہ سے یہی مذہب پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت انس رض سے بخاری شریف حدیث لائے ہیں جس میں الفاظ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العالمین۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابو بکر و عمر الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منہم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کہ میں نے نماز پڑھی ہے نبی صلعم ابو بکر عمر و عثمان کے پیچھے میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ امام شافعی اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہیں جو دار قطنی میں محمد بن السری سے نقل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے معتمر بن سلیمان کے پیچھے نماز پڑھی بے گنتی مرتبہ صبح و مغرب کی وہ بسم اللہ زور سے پڑھتے۔ اور کہتے کہ میں نقل اتارتا ہوں اپنے والد کی نماز کی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مگر یہ حدیث ٹکراتی ہے ابن خزیمہ اور طبرانی کی روایت سے جو وہ معتمر کے طریق سے انس سے بیان کرتے ہیں اس میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ دبی دبی سی آواز سے پڑھا کرتے۔ غرض ان کی تمام پیش کردہ روایات میں کوئی نہ کوئی خلش ہے۔ اور روایات مستقیم ہیں پھر اگر چاہیں کہ ہر دو نوع احادیث کو جمع کریں تو تاویل کا یہ پہلو نکل سکتا ہے کہ جہر کی مد شجون کو محض تعلیم کے لئے ہیں یا یوں کہیں کہ خفیف سا جہر

تھا۔ جس کو قریب کا آدمی سن سکتا ہے۔ مقتدی اگر امام سے قریب ہو تو اس کی خفیف سی جہر والی آواز بھی سن پاتا ہے۔ یہ صحیح معنی میں جہر نہیں جس طرح روایتوں میں وارد ہے کہ آنحضرت کی ظہر کی سری قراءت میں ایک دو آیتیں اقتدا کرنے والے صحابہ گاہے گاہے سن لیا کرتے۔ یا اس طرح کہا جائے کہ پہلے جہر پر عمل تھا بعد میں ترک ہوا۔ اور منسوخ ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے سعید بن جبیر سے جو روائت نقل کی ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں فامر الله رسوله باخفائها فما جهر حتى مات کہ پھر اللہ نے اپنے رسول کو پست آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے پھر تا وفات جہر نہیں کیا ۔

۲ ابو حنيفة عن ابى سفيان عن يزيد بن عبد الله بن مغفل انه صلى خلف امام فجهر بسم الله الرحمن الرحيم فلما انصرف قال يا عبد الله احبس عنا نغمتك هذه فانى صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلف ابى بكر وعمر وعثمان فلم اسمعهم يجهرون بها وهذا صحابى. قال الجامع وروت جماعة هذا الحديث عن ابى حنيفة عن ابى سفيان عن يزيد عن ابيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قيل وهو الصواب لان هذا الخبر مشهور عن عبد الله بن مغفل ۔

یزید بن عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مغفل نے نماز پڑھی کسی امام کے پیچھے پس اس نے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس سے کہا اے اللہ کے بندے اپنے اس گانے کو بند کر (یعنی زور سے بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے) کیونکہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور ابو بکر، عمر اور عثمان کے پیچھے۔ میں نے ان کو بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے نہیں سنا۔ اور یہ عبد اللہ بن مغفل صحابی ہیں۔ جامع کہتا ہے کہ اس حدیث کو ایک جماعت نے ابو حنیفہ رح سے روائت کیا ہے۔ وہ روائت کرتے ہیں ابی سفیان سے وہ یزید سے وہ اپنے والد (عبد اللہ بن مغفل) سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (گویا یہ حدیث مرفوع ہے) اور یہی ٹھیک ہے کیونکہ یہ حدیث عبد اللہ بن مغفل سے ہی مشہور ہے (تو ان کے صاحبزادہ یزید پر اس کو ختم نہ ہونا چاہیے) ۔

ف: عبد اللہ بن مغفل کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ بھی لائے ہیں۔ ترمذی نے اس بحث کو دو بابوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک باب ترک جہر میں، دوسرا جہر میں۔ پہلے میں عبد اللہ بن مغفل کی حدیث لائے ہیں اور دوسرے میں ابن عباس رض کی حدیث۔ ہم اس مسئلہ کی ضروری وضاحت پیشتر حدیث میں کر چکے ہیں ۔

۳ ابو حنيفة عن عدى عن البراء قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم العشاء وقرأ بالتين والزيتون ۔

حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی عشاء کی تو پڑھی آپ نے اس میں وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۔

ف: یعنی والتین آنجناب نے عشا کی پہلی رکعت میں پڑھی اور دوسری رکعت میں انا انزلناه فی لیلة القدر۔ اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے عشا کی نماز میں اذا السماء انشقت پڑھی۔ اور حضرت معاذ سے مختصر

نے فرمایا ۔ نماز عشاء کے بارہ میں کہ تم اس میں سورہ بروج اور انشقاق کے مانند کیوں نہیں پڑھتے صحاح ستہ نے بھی اس کی روایت کی ہے اور انہی الفاظ سے ترمذی نسائی احمد و مالک نے

ح ۱۰۳ **ابوحنیفة** ومسعر عن زیاد عن قطبة بن مالك قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقرأ فی احدی رکعتی الفجر والنخل باسقٰت لها طلع نضید ۔

حضرت قطبہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی ایک رکعت میں والنخل باسقات لہا طلع نضید ۔ پڑھتے ہوئے سنا (گویا پوری سورت قاف پڑھی) ۔

ف:۔ اسی قسم کی احادیث کے پیش نظر حنفیہ نے فجر کی نماز میں طوال مفصل رکھی ہیں لیکن زیادہ تر مدار ان کے خیال کا حضرت عمر کا وہ فرمان شاہی ہے جو ایک دینی دستور کے طور پر مختلف عمال کے نام دربار خلافت سے صادر ہوا ہے ۔

باب قراءة الامام قراءة لمن خلفه

باب اس بیان میں کہ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے!

ح ۱۰۴ **ابوحنیفة** عن موسی عن عبد الله بن شداد عن جابر بن عبد الله ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من کان له امام فقراءة الامام له قراءة ۔

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کا کوئی امام ہو (یعنی نماز باجماعت پڑھ رہا ہو) تو امام کی قرات اس کی قرات ہے ۔

وفی روایة ان رجلا قرأ خلف النبی صلی الله علیه وسلم فی الظهر او العصر واومأ الیه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنهانی ان اقرء خلف النبی صلی الله علیه وسلم فتذاکرا ذلك حتی سمع النبی صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة ۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ظہر یا نماز عصر میں قرات کی اور ایک شخص نے اشارے سے اس کو اس سے منع کیا ۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو (منع کرنے والے سے) کہنے لگا کیا تو مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے روکتا ہے ۔ پس اس پر بحث کرنے لگے ۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بحث سن لی ۔ اور فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرات اس کی قرات ہے ۔

وفی روایة قال جابر قرأ رجل خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فنهاه رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر نے کہا کہ ایک شخص نے نبی صلعم کے پیچھے پڑھا ۔ تو آپ نے اس کو قرات سے منع فرمایا ۔

وفی روایة قال صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم بالناس فقرأ رجل خلفه

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت جابر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپ کے پیچھے کسی شخص نے قرات کی

Marfat.com

فلما قضى الصلوٰة قال ايكم قرأ خلفي ثلث مرات فقال رجل انا يا رسول الله فقال من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة ۔

وفي رواية قال انصرف النبي صلى الله عليه وسلم من صلوٰة الظهر او العصر فقال من قرأ منكم بسبح اسم ربك الاعلى فسكت القوم حتى سأل عن ذلك مرارًا فقال رجل من القوم انا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لقد رأيتك تنازعني او تخالجني القرآن ۔

جب آپ نے نماز ختم کی تو فرمایا کہ میرے پیچھے تم میں سے کس نے قرات کی۔ تین مرتبہ یہ سوال فرمایا تو ایک شخص بولا میں نے یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کی قرات ہے

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یا عصر سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا تم میں سے کس نے سبح اسم ربک الاعلی پڑھا۔ سب لوگ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے تین مرتبہ یہی سوال فرمایا۔ تو مقتدیوں میں سے ایک بولا میں نے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا البتہ میں نے دیکھا تجھ کو کہ گویا میرے ساتھ قرآن میں جھگڑ رہا ہے۔ یا (یہ راوی کی طرف سے شک ہے۔) قرآن میں مجھ کو خلجان میں ڈال رہا ہے ۔

ف: یہ حدیث ایک اور زبردست اختلافی مسئلہ قرات فاتحہ خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کو سامنے لاتی ہے جس پر ائمہ کرام کی آرا مختلف ہیں۔ صورت اختلاف کی یہ ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ مقتدی خواہ نماز جہری ہو یا سری کسی میں بھی فاتحہ نہ پڑھے یہی مذہب ہے جابر بن عبد اللہ زید بن ثابت علی بن ابی طالب عمر بن خطاب۔ ابوبکر صدیق۔ عبد اللہ بن مسعود کا۔ اور یہی قول ہے سفیان ثوری۔ سفیان بن عیینہ ابن ابی لیلی۔ حسن بن صالح بن حسن۔ ابراہیم نخعی وغیرہ کا۔ غرض مشاہیر صحابہ و تابعین اسی خیال کے پیرو ہیں۔ عینی نے کہا ہے کہ کبار صحابہ میں سے اسی صحابہ منع قرات کے حامی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ تعداد ہے کہ جن کا اتفاق بمنزلہ اجماع کے ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے جبکہ آپ مصر میں تھے کہ ہر دو نوع نماز جہری و سری میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی فرض ہے۔ یہی رائے ہے حضرت عبادہ بن صامت۔ عروہ بن زبیر۔ سعید بن جبیر کی۔ اور اوزاعی حسن بصری۔ لیث بن سعد۔ ابو ثور وغیرہ بھی انہی کے ہم خیال ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ جہری نماز میں امام صاحب کی موافقت کرتے ہیں اور سری میں امام شافعی کی۔ یہی قول ہے سعید بن مسیب۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر کا۔ اور یہی رائے ہے زہری قتادہ۔ ابن المبارک و اسحاق کی۔ امام احمد امام مالک کے ساتھ متفق الرائے ہیں البتہ جہری نماز میں اتنے خفیف سا یہ اختلاف کرتے ہیں کہ اگر مقتدی امام سے اس قدر فاصلہ پر ہو کہ قرات امام نہ سن سکے تو وہ فاتحہ پڑھ لے۔ امام شافعی بھی اسی خیال کے پیرو تھے جب آپ عراق میں تھے۔ یہی مذہب ہے حضرت ابی بن کعب وغیرہ کا۔

امام صاحب کا مذہب نہایت مستحکم و آہنی بنیادوں پر قائم ہے کیونکہ اس کی صحت پر قرآن کریم ناطق ہے اور حدیث نبوی شاہد۔ قیاس اس کی تائید کرتا ہے۔ اور اکثر صحابہ کا اتفاق جو قریب قریب اجماع کے ہے اس کی موافقت

ہیں۔ دین کے یہ مستحکم ستون ہیں جن پر دین کا قرار ہے۔ اور اس کے ثبوت کا مدار پہلے قرآن مجید کی آیت کو سامنے
رکھئے کہ فرمایا اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو۔ اس پر اتفاق
ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے پر اتری تھی جبکہ ایک شخص نے آنحضرت کے پیچھے فاتحہ پڑھ لی تھی۔
بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا ہے اجمع الناس علی ان هذه الآية فی الصلوٰۃ کہ لوگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے
کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں اتری ہے۔ اور مجاہد سے یہ بات نقل کی ہے کہ نبی مسلم نماز میں قراءت فرما رہے تھے کہ
آپ نے ایک انصاری سے قراءت کی آواز سنی۔ تو یہ آیت کریمہ اتری۔ ابن مردویہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے
کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے۔ کہ اصول میں یہ بات
طے پا چکی ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر بحال رہتا ہے۔ اور مقید اپنی تقیید پر۔ جب یہ حقائق سامنے آ گئے۔ تو یوں
ملاحظہ فرمائیں کہ آیت مذکورہ میں اذا قری القرآن میں قراءت مطلق ہے یعنی قراءت جہری و سری ہر دو کو شامل ہے اسی
طرح انصتوا میں انصات خاموش رہنا بھی مطلق و عام ہی ہے خواہ نماز جہری ہو خواہ سری ہر ایک میں چپ رہنے کا حکم
ہے۔ البتہ فاستمعوا میں استماع سننا نماز جہر کے ساتھ مخصوص ہے کہ بغیر جہر کے کوئی کیسے سنے گا تو گویا پوری آیت کے تفصیلی
معنی یہ ہو گئے کہ جب قرآن کی قراءت کی جائے خواہ جہری قراءت ہو یا سری ہو۔ تو جہری میں اس کو سنو اور جہری و
سری ہر دو میں چپ چاپ رہو۔ اب چونکہ اس آیت میں نماز میں اترنا بالاتفاق ثابت ہو گیا۔ تو نماز میں تو بہر حال خصوصاً جہری
میں تو امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہو گا۔ بلکہ خارج نماز بھی چنانچہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص بلند آواز سے
قرآن پڑھ رہا ہے اور اس کے پہلو میں ایک دوسرا شخص فقہ کے لکھنے میں ایسا مصروف ہے کہ قرآن سننے سے عاجز
ہے تو قرآن پڑھنے والا گنہگار ہو گا کیونکہ لکھنے والے پر سننا واجب تھا جب نہ سن سکا تو اس کا گناہ قاری کے
سر پر آیا۔ اسی طرح اگر کوئی قراءت کو چھت پر زور زور سے قرآن پڑھتا ہے اور لوگ سو رہے ہیں تو بھی قاری قرآن ہی
گنہگار ہو گا۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ قرآن کا سننا نماز اور غیر نماز میں واجب ہے اور سبب حکم تو خاص ہو۔ مگر
الفاظ عام ہونے کے سبب حکم عام ہی رہتا ہے۔ بعض لوگوں کو فاستمعوا له وانصتوا میں واؤ کے ایک دوسرے پر عطف
سے اس سے دھوکا لگا ہے وہ ہر دو کو ایک حکم میں لے کر انصتوا کو بھی جہر کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں حالانکہ عطف اس
کو نہیں چاہتا کہ معطوف و معطوف علیہ حکم کے مورد و محل میں بھی ایک ہوں۔ مثلاً اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ
میں یہ نہیں کہ جو بے نماز نہیں تو اس کے مال میں زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ ادا ہو۔ ایسے ہی قرآن سننا
اور چپ رہنا علیحدہ علیحدہ حکم ہیں ایک خاص ہے دوسرا عام۔ نہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ آیت نماز جہری
میں اتری ہے۔ اس لئے ہر دو حکم جہر کے ساتھ مخصوص ہوں گے کیونکہ لحاظ و اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ نہ
خصوص مورد کا۔ اب رہا یہ شک کہ یہ آیت آیت فاتحہ پڑھنا تو بعض حضرات نے کہا ہے۔
جو اپنے عموم کے سبب امام مقتدی سب پر قراءت واجب کرتی ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان
آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بروئے حدیث صحیح قراءة الامام له قراءة مقتدی در اصل پڑھنا ہی تو
مانا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امام کی قراءت حقیقی ہے اور مقتدی کی حکمی یا امام کی ...
اور اس کی سکوت کی صورت میں تو سب آیت فاتحہ کے ...

جواب یہ ہے کہ وہ شخص جو رکوع میں شریک ہو کر رکعت پالے وہ تو بہر حال اس آیت سے مستثنیٰ ہے ہی تو اگر حدیث مذکور کے پیش نظر مقتدی کو بھی مستثنیٰ کر لیں تو اس میں کیا قباحت ہے یوں بھی ہر دو آیات میں تعارض منافیہ ہے حصار حنفیت کا ناقابل شکست قرآنی مورچہ۔ اب آیئے حدیث کے میدان میں قدم رکھئے اور ذرا انصاف کیجئے کہ حق و صداقت کا پلہ نام نہاد اہل الرائے احناف کی طرف جھکتا ہے یا حدیث دانی کے دعویداروں کی طرف۔ قرأت خلف الامام سے ممانعت میں مختلف صحابہ سے احادیث صحیحہ مرفوعہ موقوفہ اور مراسیل مروی ہیں جن میں حضرت جابر بن عبد اللہ۔ ابی ہریرہ۔ ابی الدرداء۔ اور عمران بن حصین بھی ہیں۔ ان میں سے ہم حضرت جابر کی حدیث کا ذکر پہلے لاتے ہیں۔ کیونکہ حدیث ذیل بھی انہیں سے مروی ہے۔ اور یہی دراصل احناف کے مذہب کی زبردست دلیل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یہی وہ حدیث ہے جس کی تردید کے لئے مخالفین نے اپنی پوری طاقت سمیٹ کر لگا دی ہے۔ اور مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لہٰذا ہم بھی اس حدیث کی صحت پر بیان کو قدرے تفصیل دیتے ہیں۔ پھر حدیث کی تشریح کریں گے۔ دراصل یہ حدیث جابر بھی متعدد صحابہ مثلاً عبد اللہ بن عمر ابو سعید خدری۔ انس بن مالک۔ ابو ہریرہ اور ابن عباس سے مروی ہے۔ حدیث جابر ذیل میں مرفوع نقل ہے مخالفین نے جب اس کی سند پر نظر ڈالی۔ تو ان کو اس کی کمزور رگ یہ دکھائی دی کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے اس کو صحیح طریق سے بیان نہیں کیا۔ بلکہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے۔ یعنی عبد اللہ بن شداد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بغیر واسطہ حضرت جابر کے۔ چنانچہ دارقطنی نے جو اپنے زبردست مذہب کے مرد مجاہد ہیں۔ اور جو احناف پر بے باک اور بے دھڑک تلوار چلانے کے ماہر ہیں۔ خاص طور پر عند البند کی کہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے اور مسند صحیح نہیں۔ کیونکہ سفیانین۔ ابا الاحوص۔ شعبہ۔ اسرائیل۔ ابا خالد الدالانی۔ شریک وغیرہ سے یہ حدیث مرسل ہی نقل ہے۔ اور ہم مشربوں نے بھی ان کی ہم نوائی کی۔ اب سوال یہ رہتا تھا کہ آخر امام ابوحنیفہ جیسے جلیل القدر امام سے یہ حدیث مرفوع مروی ہے اس کا کیا جواب ہے۔ یہ تو بہر حال صحیح ماننی چاہیے۔ مگر یہ کس کو بخشنا جانتے ہیں۔ یہ شیر بکری سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں دارقطنی رو میں کہہ گئے هذا الحديث لم يسنده عن جابر بن عبد الله غير ابي حنيفة والحسن بن عمارة وهما ضعيفان کہ اس حدیث کو مسند جابر بن عبد اللہ سے سوائے ابوحنیفہ اور حسن بن عمارہ کے کوئی نہیں لایا اور یہ ہر دو ضعیف ہیں۔ نعوذ باللہ جب اتنا بڑا امام جس میں کسی نے بھول کر بھی کلام نہیں کیا وہ ہی ضعیف ہوا۔ تو اب عدالت کس میں رہ گئی۔ اور قوی کون ٹھیرا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تو نہیں سوچنے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کس کے بارہ میں کہہ رہے ہیں جس کی خود مسند میں احادیث سقیمہ۔ معلولہ۔ منکرہ۔ غریبہ موضوعہ بھری ہوئی ہوں کیا اس کو جرأت ہو سکتی ہے کہ امام صاحب جیسی زبردست ہستی کو ضعیف کہے پہلے اپنی تو خبر لے پھر دوسرے پر زبان کھولے جن کی شان میں مخالف موافق کسی کو نکتہ چینی کے لئے لب کشائی کی تاب نہ ہو سکی ہو جن کے علم و فضل سے سفیان ثوری۔ ابن المبارک۔ حماد بن زید۔ ہشیم۔ وکیع بن جراح جیسے جلیل الشان اشخاص نے خوشہ چینی کی ہو جن کی رائے پر ائمہ ثلاثہ امام مالک۔ شافعی۔ احمد نے فتوی صادر کئے ہوں ان کو ضعیف کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ اور خود اپنی رسوائی کرنا ہے۔ بہر حال اس دلخراش بات کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہارے نزدیک یہ حدیث مسلسل ہی صحیح ہے تو احناف کے نزدیک مرسل بھی قابل حجت ہے۔ تو

جھگڑا رفع ہوا۔ پھر یہ بھی سراسر غلط ہے کہ سوائے ابوحنیفہ کے موسیٰ سے کسی نے اس کو مسند بیان نہیں کیا۔ کیونکہ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں دو صحیح طرق سے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ ایک میں سفیان و شریک موسیٰ سے روائت کرتے ہیں۔ اور دوسرے میں جریر۔ پہلی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے اور دوسری شرط مسلم پر۔ تو اب دارقطنی کا دعویٰ کہ سفیان شریک اور جریر وغیرہ سے بواسطہ موسیٰ یہ حدیث مرفوع نہیں غلط ثابت ہوا۔ پھر بیہقی دارقطنی۔ طحاوی۔ ابن عدی ایک اور طریق سے اس کو مرفوع لاتے ہیں۔ مگر اس میں بیہقی نے جابر جعفی اور لیث بن ابی سلیم کو نشانہ بنایا۔ جو ابی الزبیر سے روائت کرتے ہیں اور کہا جابر و لیث لا یحتج بھما کہ جابر اور لیث قابل حجت نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک راوی کا ضعیف ہونا۔ خود راوی کے حالات پر موقوف نہیں۔ بلکہ ثقہ سے ثقہ راوی کا مخالف کی حدیث میں آجانا بس یہی اس کے ضعف کی زبردست نشانی ہے۔ خیر یہ بھی سہی۔ مگر خدا کے لئے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھ لیا کریں۔ کہ ہم مشربوں میں سے کسی نے اس کی توثیق تو نہیں کی ہے۔ کہ پھر شرمندہ ہونا پڑے۔ احناف کے پاس تو بقول ان کے حدیث بھی نہیں۔ اسماء الرجال بھی نہیں سب کچھ انہی کا ہے۔ مگر حنفیوں کی تردید میں کم از کم ایک زبان تو ہو جائیں۔ حقیقت میں "حق برزبان جاری" انہیں میں سے کسی کے منہ سے اللہ احناف کی موافقت میں بات نکلوا دیتا ہے۔ جو احناف کے لئے حجت بن جاتی ہے۔ ورنہ یہ ہم میں سے کس کی ماننے لگے۔ چنانچہ اسی جابر کی توثیق وکیع۔ شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ جیسے ائمہ جرح والتعدیل نے کی ہے۔ ابن عبدالحکم نے کہا ہے۔ کہ امام شافعی سے بھی اس کی توصیف میں نے سنی۔ اور لیث کے بارہ میں ابن معین نے کہا ہے لا باس بہ عبدالوارث نے کہا ہے۔ کان من اوعیۃ العلم و لھم جس سے شعبہ نے حدیث بیان کی ہو جیسا کہ میزان میں ہے تو اس میں کیونکر شک کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ ابی الزبیر کے واسطہ سے جابر سے یہی مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جوہر نقی میں کہا ہے کہ اس کے رجال سب ثقہ ہیں۔ ابونعیم بھی اس کو مرفوع ہی لائے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے مان لیں۔ کہ یہ حدیث کسی اور طریق سے مرفوع صحیح نہیں۔ تو امام صاحب چونکہ بلاشک وشبہ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔ اور رفع بھی ایک قسم کی زیادتی ہے امام صاحب کا اس کو مرفوع لانا یقیناً قابل حجت ہوگا۔ یہ اس حدیث کے رفع پر بحث تھی۔ یہ موقوف بھی صحیح طریق سے مروی ہے۔ چنانچہ امام محمد امام مالک کے واسطہ سے وہب بن کیسان سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا من صلی رکعۃ لم یقرا فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام کہ جس شخص نے ایک رکعت پڑھی۔ اور اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی تو گویا اس نے نماز نہ پڑھی مگر جبکہ امام کے پیچھے ہو۔

یہ حدیث جابر کی حیثیت سند تحقیق تھی۔ اب حدیث کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ پہلی روائت درحقیقت اصل حدیث کا ایک حصہ ہے جو اور روایات میں مذکور ہے۔ حضرت جابر کبھی تو کل حکم بیان فرماتے ہیں اور کبھی پوری تفصیل سے بیان فرماتے ہیں۔ دوسری چوتھی پانچویں روایات سے دو امور کی وضاحت ہوتی ہے ایک یہ کہ قرات خلف الامام سے ممانعت سری نمازوں میں بھی ہے کیونکہ ظہر عصر جو سری نمازیں ہیں ان کا یہ واقعہ ہے اس سے امام مالک وغیرہ کے مذہب کی تردید صاف۔ کھلے الفاظ میں ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

من صلی خلف الامام کے الفاظ بار بار ایک تناظر حنفی کی عبارت سے قرأت خلف الامام سے منع فرمایا، الفاظ بات کا موقع محل پکار پکار کر اس حقیقت کو کھول رہے ہیں۔ بعض نے یہاں مطلب کو خبط کیا ہے۔ اور مطلب برآری کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت نے صرف یہ فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے اگر چاہے خود بھی پڑھ لے یہ معنی نہیں کہ وہ خود ہرگز نہ پڑھے "بریں عقل و دانش بباید گریست" ۔ اگر ایسا ہوتا تو قاری اور مانع کا جب معاملہ آنحضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ منع کرنے والے کی تائید کیوں فرماتے اور قاری کی تردید کیوں کرتے کیونکہ ان الفاظ میں تو آپ نے کھلم کھلا قرأت سے روکا ہے کہ جب امام کی قرأت کافی ہوئی تو اب تم بلا وجہ کیوں پڑھتے ہو پھر اگر قرأت وعدم قرأت ہر دو کا مجاز ہوتا تو پانچویں روایت میں جو آپ نے سوال فرمایا۔ من قرء منکم سبح اسم ربک الاعلیٰ تو سب کے سب دم بخود رہ گئے کسی نے جواب نہیں دیا معلوم ہوا آں حضرت کے چہرہ و حلیہ سے ناراضگی وخفگی کے آثار نمودار تھے۔ سب اس کو تاڑ گئے اور کسی کو جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی مگر آخر آنجناب کو تین دفعہ سوال کرنا پڑا۔ اگر قرأت جائز ہوتی۔ تو آپ سوال ہی کیوں کرتے اور کرتے بھی تو پڑھنے والا اول ہی مرتبہ کہہ دیتا کہ حضور قرأت میں نے کی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر مان بھی لیں۔ کہ کافی ہونے کے یہ معنی ہیں تو اس کا صاف یہ مطلب ہوگا کہ مقتدی کی قرأت کا رکن تام بس یہی ہے کہ اس کی طرف سے امام قرأت کرے تو اب اگر مقتدی بھی قرأت کرے تو لامحالہ یہ قرأت اس حصہ پر زیادتی ہوگی جو شریعت اس کے لئے مقرر کر چکی ہے۔ اور اس قسم کی زیادتی شرعاً جائز نہیں۔ پھر یہ بھی خلش ہے کہ جب امام کے ضمن میں اس کی قرأت مان لی گئی تو اب اگر یہ خود بھی قرأت کرے تو گویا اس نے ایک نماز میں دو قرائتیں کیں۔ اور یہ بھی جائز نہیں۔ اگر ان سے بھی قطع نظر کر لیں تو حدیث سے بہرحال یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کا بدل ہے اور نائب یا جانشین۔ اب اگر مقتدی خود بھی قرأت کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اصل و نائب یا بدل و مبدل منہ ایک جا جمع ہو جائیں۔ اور یہ ہرگز جائز نہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ آنحضرت کے کلام من صلی خلف الامام کو غور سے دیکھیں تو اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ قرأت کے لئے جہری یا سری نماز کی قید نہیں۔ کیونکہ امام کی قرأت کا مقتدی کی طرف سے بدل ہونے کا سبب صاف امام کے پیچھے اقتدا کرنے کو ٹھیرایا اور منع قرأت کا دارومدار اس پر رکھا اور اقتدا مطلق ہے جہری و سری ہر دو کو شامل ہے تو اب امام مالک وغیرہ کے مذہب کے موافق جہری کی قید اس میں کیسے لگائی جا سکتی ہے۔ اگر یہ قید لگائیں تو منشاء کلام کے خلاف ہوگا۔

تیسری روایت میں فنہاہ کے لفظ سے صاف ممانعت ظاہر ہوتی ہے اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔ اب بحث یہ سامنے آتی ہے کہ نہی جب وارد ہوئی تو اس سے مطلق حرمت قرأت ثابت ہونی چاہئے۔ اور نماز فاسد ہونی چاہئے۔ چنانچہ ایک مرجوح روایت ایسی بھی ہے۔ مگر چونکہ درمیں تعارض واقع ہوا اس لئے یہ حرمت سے نکل کر مکروہ تحریمی رہی اور یہی روایت شیخین سے منقول ہے۔

یہ ساری بحث حضرت جابر کی حدیث ذیل پر تھی۔ حضرت ابو سعید خدری سے ابن عدی اپنی کامل میں انہی الفاظ سے روایت لائے ہیں اس میں سقم یہ نکالتے ہیں کہ اس میں اسماعیل بن عمر حسن بن صالح سے روایت

کرتے ہیں جو ضعیف ہیں تو ان کی کوئی متابعت نہیں کرتا۔ حالانکہ طبرانی اوسط میں یہی حدیث اور یہی سند ذکر کرتے ہیں۔ اس میں نضر بن عبداللہ بھی حسن بن صالح سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ سے دارقطنی اور انس سے ابن حبان کتاب الضعفا میں یہی حدیث مرفوع لائے ہیں۔ جو اپنی جگہ صحیح ہے۔ بلاوجہ اس کے ضعیف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر مان لیا کوئی طریق ضعیف بھی ہو۔ مگر کثرت طرق حدیث کا ضعف جاتا رہتا ہے۔ یہ کھلا اصول بھی تو اپنی جگہ صحیح ہے۔

اب آئیے دیگر صحابہ کی احادیث کی طرف جو قرات خلف الامام سے ممانعت پر بالفاظ دیگر دال ہیں۔ ان میں ایک ابوہریرہ کی حدیث ہے بدیں الفاظ انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم چپ چاپ رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ اس حدیث کو مالک۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ لائے ہیں۔ سب کے سب ایک زبان ہو کر اذا قرء فانصتوا کی زیادتی پر لگ پڑے کہ یہ محفوظ نہیں۔ ابوداؤد۔ ابوحاتم۔ ابن معین۔ حاکم۔ دارقطنی سب نے کہا لیست بمحفوظۃ۔ ابن ہمام نے جواب دیا ہے کہ طریق سند صحیح ہے اور رواۃ بھی ثقہ ہیں تو انتقاد بیجا ہے۔ اسی تنقیدی جوش میں ابی خالد راوی کی طرف ابوداؤد وہم کی نسبت کرتے ہیں۔ منذری نے ابوداؤد کی گرفت کی کہ خدا کے لئے کیا کہتے ہو یہ ابوخالد سلیمان بن حیان وہ ہیں جس سے بخاری مسلم حجت لاتے ہیں اور وہ ثقات میں سے ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابی موسیٰ سے سلیمان تیمی کے واسطہ سے یہ حدیث لائے ہیں۔ اس میں یہ زیادتی موجود ہے۔ اور خود امام مسلم نے ابوہریرہ کی اس حدیث کی تصحیح کی ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ اس کو صحیح بتاتے ہیں تو اپنی کتاب میں کیوں نہیں لاتے آپ نے کہا کہ ہر اس حدیث کو جس کو میں صحیح جانتا ہوں اس کتاب میں نہیں لایا ہوں جس پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے۔ اسی طرح حضرت ابی الدرداء۔ عمران بن حصین۔ ابوہریرہ سے روایات بطریق صحیحہ منقول ہیں جو ممانعت قرات کو ثابت کرتی ہیں۔ اسی سلسلہ میں آثار صحابہ بھی جید اسناد سے مروی ہیں مثلاً ابن عمر سے روایت نقل ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات نہ کرتے۔ ابن مسعود سے نقل ہے کہ ان سے کسی نے قرات کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ چپ رہ۔ امام کی قرات تیرے لئے کافی ہے۔ امام محمد موطا میں عمرؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کاش امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں پتھر ہو۔ اور سعد بن وقاص کے متعلق ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں آگ کی چنگاری ہو۔ غرض اس طرح بہت سے آثار ہیں۔

اب رہے اجماع وقیاس تو جیسا کہ ذکر ہوا جب اسی سے زائد صحابہ سے ممانعت قرات مروی ہے تو یہ قریب قریب اجماع ہی ہوا۔ اور قیاس تو وہ بھی مذہب حنفی کی پوری تائید کرتا ہے کیونکہ امام بر حدیث الامام ضامن قرات کا ذمہ دار ہوا جاتا ہے۔ چنانچہ ممانعت کی احادیث میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرات کا ذمہ دار امام ہی ہے۔ گویا وہ قرات کا ضامن ہے تو اب امام کے پیچھے قرات کرنا گویا

Marfat.com

اس کی ضمانت کو توڑنا ہے اور حکم شرع کی خلاف ورزی جو حرام نہیں تو مکروہ تحریمی ضرور ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ مذہب حنفی بروئے قرآن۔ بلحاظ حدیث نبوی اور بتقاضائے اجماع وقیاس حق ہے۔ اور باور کرنے کے قابل ہے۔

ہیگر مذہب کی تردید گو مذہب حنفیت کے ثبوت کے ذیل میں ہو گئی۔ مگر جہری وسری ہر دو نمازوں میں قرات فرض ماننے والوں کے مذہب کی ہم علیحدہ بھی قدرے تشریح کرتے ہیں۔ اور یہ کہ ان کا حجتی پہلو کس قدر استوار ہے۔ یہ اپنے مذہب پر دلیل نقلی بھی لاتے ہیں اور عقلی بھی۔ نقل میں فرضیت فاتحہ کے لئے ان کے پاس یا تو وہ عام احادیث ہیں جنکا ذکر پیچھے فرضیت قرات فاتحہ کے ذیل میں گذرا۔ اور جن میں امام۔ مقتدی۔ منفرد نماز جہری وسری کسی کی قید وخصوصیت مذکور نہیں۔ ان کے بارہ میں معلوم ہو چکا کہ ان احادیث سے فرضیت کا ثبوت نہیں ملتا۔ پھر یہ عام نہیں۔ بلکہ اقتدا کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر یہاں میں یہ عام ہی ہیں تو ممانعت قرات سے ان کا عموم کٹ جاتا ہے جبکہ مقتدی سکوت سے بھی شرعاً قاری مانا گیا۔ اس کے علاوہ جب رکوع میں شریک ہو کر رکعت پانے والے کو بالاتفاق ان احادیث سے مستثنیٰ کر لیا گیا تو ہم ان ممانعت کی احادیث کے پیش نظر مقتدی کو کیوں نہ مستثنیٰ کر لیں۔ اب خصوصیت کے ساتھ خلف الامام کے بارہ میں ان کے پاس لے دے کر ایک حدیث عبادہ ہے۔ جو ان کے لئے سرمایۂ فخر ہے۔ وہ صحیحین کی روایت کی بنا پر تو عام ہی ہے پوری مطلب برابری سے وہ قاصر ہے کہ اس کے الفاظ میں لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب لہذا اس میں ہمارا وہی جواب ہے کہ مقتدی درامسل قاری ہے۔ اگر خود نہیں تو امام کے ضمن میں۔ نماز فجر کا قصہ ابو داؤد کی روایت سے نقل ہے جو تین طرق سے مروی ہے۔ اور جن کی صحت میں کلام ہے ایک میں محمد بن اسحاق بن یسار ہے جو مدلس ہے۔ اور محدثین میں کسی کے نزدیک قابل حجت نہیں امام مالک نے اس کو کذاب کہا۔ امام احمد نے اس کو ضعیف بتایا۔ دوسرے میں نافع بن محمود ہے جس کو تہذیب التہذیب میں مجہول کہا ہے۔ طحاوی نے کہا لَا یُعْرَفُ۔ تیسرے میں مکحول کو عبادہ سے سماع نہیں۔ تہذیب التہذیب میں اس ابوبکر رازی سے یہی نقل ہے۔ عقلی دلیل کے ذیل میں ایک تو یہ کہتے ہیں کہ قرات ایک رکن ہے نماز کا جس میں امام ومقتدی کو شریک ہونا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن کے مقابلہ میں قیاس ہے۔ جو نا قابل قبول ہے۔ پھر اگر رکنیت میں شریک بھی مانیں تو رکنیت ایک حقیقی قرات کی شکل میں ہے جو امام کے لئے ہے اور ایک سکوت اور سننے کی صورت میں جو بروئے اِذَا قُرِئَ فَاَنْصِتُوْا کے مقتدی کے لئے ہے دوسرے یہ منطق چلاتے ہیں کہ سری نماز میں جب مقتدی قرات نہ سنے گا۔ نہ خود پڑھے گا۔ تو بے کار رہے گا۔ حالانکہ عبادت ایک شغل ہے نہ بیکاری۔ ہم کہیں گے کہ جب شرع نے اس کے سکوت کو قرات مانا تو یہ بیکار کب شمار ہوا۔ پھر یہ بیکار تمہارے مذہب پر بھی لازم آتا ہے۔ کیونکہ آخر فاتحہ پڑھنے کے بعد بھی تو سری نماز میں امام کی فراغت تک بیکار ہی رہا۔ نہ پڑھ رہا ہے نہ سن رہا ہے۔ اسی طرح تشہد میں بھی مقتدی اکثر تشہد صلوٰۃ ودعا پڑھنے کے بعد بیکار ہی بیٹھا رہتا ہے۔ پھر سب سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اس مذہب کے حامیین سے ذرا پوچھئے۔ کہ فاتحہ کب پڑھی جائے کہیں گے سکتہ میں۔ پوچھئے سکتہ کا ثبوت شریعت میں کہاں ہے

تو اس کے جواب میں ان کی طرف سے سکتہ ہے یا سکوت۔ حقیقت اس خیال کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک امام کے لئے چار سکتے ہیں۔ پہلا تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت شروع ہونے تک دوسرا ولا الضالین کے بعد آمین کہنے سے پہلے۔ تیسرا آمین کے بعد مقتدی کو قراءت فاتحہ کا موقع دینے کی غرض سے۔ چوتھا قراءت ختم کرنے پر رکوع میں جانے سے پہلے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف پہلا سکتہ ہے اور نہیں۔ پھر اس میں اور جو اصولی و عقلی پیچیدگی ہے وہ سنئے کہ اول تو اس سکتہ میں اس قدر موقع ملنا دشوار کہ اس میں انسان فاتحہ پڑھ سکے۔ پھر یہ الجھن کہ امام کے لئے ان سکتوں میں ٹھہرنا مستحب گویا وہ مختار ٹھہرے یا نہ ٹھہرے۔ وہ اس کے ترک پر گنہگار نہیں۔ ادھر مقتدی کے لئے قراءت فاتحہ واجب۔ وہ نہ پڑھے تو گنہگار۔ اگر امام نہ ٹھہرے تو مقتدی بیچارے کی بلا وجہ قراءت گئی اور وہ گنہگار ہوا جس کا کوئی چارہ کار نہیں۔ یہ ہے مختصر سی کہانی [illegible] مذہب کی جو آپ نے سنی۔ ہماری زبانی اگر آپ بڑی کتب کا مطالعہ فرمائیں گے تو اس سے زائد پائیں گے۔

باب نسخ التطبیق! ۴۵

باب۔ تطبیق کے منسوخ ہونے کے بیان میں!

ابو حنیفۃ عن ابی یعفور عمن حدثہ عن سعد ابن مالک قال کنا نطبق ثم امرنا بالرکب۔

حضرت سعد بن مالک کہتے ہیں کہ ہم تطبیق کیا کرتے تھے۔ پھر ہم کو حکم ہوا کہ رکوع میں گھٹنے پکڑیں۔

ج ۱ ۱۰۵

ف: تطبیق کی شکل یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ہر دو رانوں کے درمیان دبا لیں۔ پہلے رکوع میں یہ صورت رائج تھی۔ پھر فرمان نبوی سے یہ صورت منسوخ ہوئی اور رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنے کی سنت جاری ہوئی جو اب تک زیر عمل ہے۔ نسخ پر حدیث ذیل بھی دال ہے۔ اور دوسری احادیث صحیحہ بھی اور اسی پر علمائے حنفیہ و دیگر علماء کا عمل ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ان کے تلامذہ تطبیق کے قائل ہیں۔ اس پر بعض غیر مقلدوں کو اپنے زعم پر ابو حنیفہ جو پر زریں گرفت کا موقعہ ہاتھ آیا۔ کہنے لگے کیا خوب رفع یدین کے لئے تو آپ نے تمام صحابہ کو چھوڑا اور ابن مسعود کے دامن کو پکڑا۔ اور یہاں ابن مسعود سے بھی منہ موڑا۔ ذرا گہری نظر سے دیکھیں کہ امام صاحب کا یہ عمل قابل مذمت ہے یا قابل تحسین یا قابل گرفت ہے یا قابل داد۔ ترک رفع یدین پر تو ابن مسعود کی صحیح حدیث مل سکی۔ اور اس کے نسخ پر کوئی حدیث مرفوع [illegible] موقوف صحیح ضعیف صراحۃً و کنایۃً نہ مل سکتی تھی جیسا کہ بیان ہوا اس لئے وہ یہ ماننے پر مجبور ہوئے کہ ترک رفع ہی سنت نبوی ہے یہاں نسخ تطبیق کی صحیح احادیث پہنچیں تو یہاں نسخ کے قائل ہوئے۔ اور اس کے کہ تطبیق مسنون نہیں بلکہ رکوع میں گھٹنوں کو پکڑنا سنت نبوی ہے۔ ان کو سنت نبوی کی تلاش ہے نہ سنت مسعودی کی وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں نہ ابن مسعود پر۔

Marfat.com

۴۶ بَابُ الْاِمَامِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ!

۱۰۶/۱ ابن ابی السبیع بن طلحة قال رأیت ابا حنیفة یسأل عطاء عن الامام اذا قال سمع الله لمن حمده ایقول ربنا لك الحمد قال ما علیه ان یقول ذلك ثم روی عن ابن عمر صلی بنا النبی صلی الله علیه وسلم فلما رفع رأسه من الرکعة قال سمع الله لمن حمده فقال رجل ربنا لك الحمد حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیه فلما انصرف النبی صلی الله علیه وسلم قال من ذا المتکلم بهذه قالها ثلث مرات قال الرجل انا یا نبی الله قال فوالذی بعثنی بالحق لقد رأیت بضعةً وثلثین ملکًا یبتدرون ایهم یکتبها لك اول من یرفعها۔

باب۔ اس امر کے بیان میں کہ امام کو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کے ساتھ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ بھی کہنا چاہئے یا نہیں!

ابن ابی السبیع کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رح کو عطاء بن ابی رباح سے یہ دریافت کرتے ہوئے دیکھا کہ امام جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو کیا ان کے ساتھ ربنا لک الحمد بھی ملائے؟ عطاء نے کہا کہ اس کے لئے یہ کہنا ضروری نہیں۔ پھر عطاء نے ابن عمر سے یہ روایت کی کہ نماز پڑھائی ہم کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ جب آنجناب نے رکوع سے سر اٹھایا۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا۔ تو ایک آدمی نے (مقتدیوں میں سے) ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کہا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان کلمات کو ادا کرنے والا کون تھا؟۔ تین بار یہ سوال فرمایا۔ ایک شخص بولا یا نبی اللہ میں تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو سچا دین دے کر بھیجا۔ البتہ میں نے دیکھا کچھ اوپر تیس فرشتوں کو جھپٹتے ہوئے کہ کون ان میں سے ان کو (کلمات کو) تیرے لئے لکھ لے اور سب سے پہلے ان کو اٹھا لے جائے۔

ف: اس بارہ میں ائمہ سے مختلف روایات وارد ہیں۔ بہر حال اس پر اتفاق ہے کہ منفرد سمع اللہ بھی کہے اور ربنا لک الحمد بھی اور اس پر بھی اکثر کا اتفاق ہے کہ مقتدی سمع اللہ نہ کہے۔ البتہ امام کے متعلق ائمہ مختلف الرائے ہیں۔ شافعی رح کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ امام دونوں کہے اور امام اعظم امام مالک و احمد کا مذہب ہے کہ امام صرف سمع اللہ کہے۔ امام شافعی رح کی دلیل حدیث ابوہریرہ۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجمع بین الذکرین۔ کہ نبی صلعم دونوں ذکروں کو جمع فرمایا کرتے۔ امام صاحب کی دلیل حدیث ذیل اور اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً حدیث ذیل میں آنحضرت نے صرف سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت علماء حدیث کے اسی مقام سے استدلال لا رہے ہیں اور یہی خیال موافق عقل و نقل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے امام و مقتدی پر ہر ایک کے عمل کی تقسیم فرما دی ہے کہ فرمایا اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ - فقولوا ربنا لک الحمد کہ جب امام سمع اللہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو تو امام مقتدی کے کام میں کیونکر حصہ بٹائے اور مقتدی امام کے کام میں کیوں حصہ لے۔ اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث انفرادی حالت پر دال ہے۔

بَابُ هَيْئَةِ السُّجُوْدِ — باب سجدہ کی کیفیت میں!

۱۰۷/۱ ابو حنيفة عن عاصم عن ابيه عن وائل ابن حجر قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه واذا قام رفع يديه قبل ركبتيه

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔

ف: اکثر ائمہ مثلاً ابو حنیفہ، شافعی و احمد اس طرف گئے ہیں کہ سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت یہ ترتیب ملحوظ رکھنی چاہیے اور انکی حجت یہی وائل بن حجر کی حدیث ہے امام مالک اور اوزاعی اس خیال کے حامی ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ ٹکائیں ان کے پیش نظر ابوہریرہ کی یہ مرفوع حدیث ہے۔ اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ۔ کہ جب تم سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھ جائے اور گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ ٹکائے۔ ابوداؤد اس کی روایت کرتے ہیں یا ابن عمر کی حدیث کہ آپ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتے۔ حق مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے کیونکہ وائل بن حجر کی حدیث ابوہریرہ کی حدیث سے صحیح تر، راجح تر اور واضح تر ہے۔ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے۔ اس کے سلسلہ سند میں عبداللہ بن سعید المقبری ہے جس کو یحیی بن سعید القطان نے ضعیف کہا ہے پھر یہ سعد بن ابی وقاص کی حدیث سے منسوخ ہے جس کی روایت ابن خزیمہ نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے لیکن پھر ہم کو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے ٹکانے کا حکم دیا گیا۔ مزید براں حدیث ابوہریرہ گڑبڑی ہے۔ کہ اس کا اول کا حصہ آخری حصہ سے متعارض ہے کیونکہ جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں تو اونٹ کی بیٹھک کی نقل ہوئی۔ حالانکہ ابتداء میں اس سے ممانعت ہے۔

ابن ہمام کہتے ہیں کہ حضرت وائل کی حدیث میں وارد ہے اذا نهض اعتمد على فخذيه کہ جب اٹھتے تو اپنی رانوں سے سہارا لیتے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت [illegible] نے منع فرمایا کہ نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں سے سہارا لیکر اٹھیں۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو زمین سے ٹیک لگا کر اٹھنا منقول ہے اس کو آپ کے بڑھاپے کی حالت پر محمول کیا جائے۔ یا یہ کہ جواز بتانے کی غرض سے آں جناب کا یہ عمل ظاہر ہوا۔

۱۰۸/۲ ابو حنيفة عن طاؤس عن ابن عباس او غيره من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال أوحي الى النبي صلى الله عليه [illegible]

حضرت ابن عباس یا کسی صحابی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی کہ آپ سجدہ [illegible] ساتھ [illegible] پیشانی [illegible]

Marfat.com

ان یسجد علیٰ سبعۃ اعظم۔ ہاتھ ہر دو گھٹنے اور ہر دو پاؤں پر۔

ف: متفق علیہ حدیث میں ہے امرت ان اسجد علیٰ سبعۃ اعظم علی الجبھۃ والیدین والرکبتین واطراف القدمین کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں سجدہ کروں سات ہڈیوں پر پیشانی دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنوں اور ہر دو قدم کے اطراف پر۔ اسی حدیث کے پیش نظر امام شافعی رح نے سجدہ میں ان تمام اعضاء کا زمین پر رکھنا فرض قرار دیا ہے۔ اور اُمِرتُ کے لفظ سے دلیل پکڑی ہے۔ ہدایہ میں ہے و دفع الیدین والرکبتین سنۃ عندنا کہ ہمارے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا سنت ہے۔ یعنی نہ فرض نہ واجب۔ فرض اس لئے نہیں کہ نص قطعی میں مطلق سجدہ کا حکم ہے خبر واحد سے اس پر زیادتی جائز نہیں واجب اس لئے نہیں کہ نبی صلعم نے اعرابی کو جب واجبات کی تلقین فرمائی تو ان میں ان اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے لامحالہ اُمِرتُ کا لفظ ندبیت پر دلالت کریگا نہ فرضیت و وجوب پر۔

۱۰۹ **ابو حنیفۃ عن ابی سفیان عن ابی نضرۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانسان یسجد علیٰ سبعۃ اعظم جبھتہ ویدیہ ورکبتیہ ومقدم قدمیہ واذا سجد احدکم فلیضع کل عضو موضعہ واذا رکع فلا یُدبّج تدبیج الحمار۔**

حضرت ابو سعید خدری رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے۔ پیشانی۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنے اور پاؤں کی انگلیوں کے سروں پر۔ اور جب سجدہ کرے تم میں سے کوئی تو ہر عضو (مذکور) کو اس کی اپنی جگہ پر رکھے۔ اور جب رکوع کرے تو سر جھکا کر گدھے کی طرح نہ جھک جائے۔

ف: اس حدیث میں سجدہ کے ساتھ ہیئت رکوع کی بھی وضاحت ہے کہ رکوع میں سر نہ اٹھا رکھے نہ جھکا ہو۔ بلکہ پشت سے مساوی سطح سے رہنا چاہیے۔ کیونکہ جب سر پشت سے جھکے گا۔ تو پشت میں خم پیدا ہوگا۔ اور پھیلاؤ اور برابری باقی نہیں رہیگی۔ بلکہ ایک کوہانی شکل پیدا ہو جائیگی۔ اور یہ آنحضرت کے عمل کے خلاف ہے اور ممنوع۔ چنانچہ ابن ماجہ وابصہ بن معبد سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب آپ رکوع کرتے تو پشت کو برابر رکھتے۔ یہاں تک کہ اگر اس پر پانی ڈالا جاتا تو ٹھہر جاتا۔

۱۱۰ **ابو حنیفۃ عن ابی سفیان عن ابی نضرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد احدکم فلا یمد رجلیہ فان الانسان یسجد علیٰ سبعۃ اعظم جبھتہ ویدیہ ورکبتیہ ورجلیہ۔**

حضرت ابو نضرہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اپنے پاؤں کو نہ اٹھائے (بلکہ ہموار رکھے) کیونکہ انسان سجدہ کرتا ہے سات ہڈیوں پر۔ پیشانی۔ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر۔

وفی روایۃ اذا سجد احدکم فلا یمد صلبہ

اور ایک اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو نہ پھیلائے اپنی پیٹھ کو۔

وفی روایۃ قال نہٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یمد الرجل صلبہ فی سجودہ ۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان سجدہ میں اپنی پیٹھ پھیلی ہوئی رکھے۔

ف:- یہ حدیث گویا سابق حدیث کی توضیح ہے اور تتمہ ہے۔

ح ۱۱۱/۵ **ابوحنیفۃ** عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم ولا اکف شعرا ولا ثوبا۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا گیا مجھ کو کہ میں سجدہ کروں سات ہڈیوں پر اور نہ سمیٹتا جاؤں بالوں اور کپڑوں کو۔

ف:- اس حدیث میں سجدہ کے بیان کا بجنسہ اعادہ ہے۔ مگر اس مضمون کا مزید اضافہ ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت انسان آگے پیچھے سے بالوں کو سمیٹے نہ کپڑوں کو یہ حکم اتفاقی آستین چڑھانے کو بھی شامل ہے۔ بعض کی عادت ہوتی ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت بالوں یا کپڑوں کو اٹھاتے ہیں یعنی آستین چڑھاتے ہیں کیونکہ یہ عمل مقصد وجوہر نماز یعنی خشوع وخضوع کے سخت خلاف ہے درحقیقت نماز کی تمام حسن وخوبی اسی خشوع وخضوع میں مضمر ہے اور اس کے سارے تحسن اثرات وبرکات اسی پر منحصر ہیں بلکہ نماز پر فلاح وکامرانی کا وعدہ اسی پر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون یعنی وہ مسلمان البتہ کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں پوری خشوع وخضوع کرتے ہیں۔

ح ۱۱۲/۶ **ابوحنیفۃ** عن جبلۃ بن سحیم عن عبداللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی فلا یفترش ذراعیہ افتراش الکلب۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز پڑھے وہ سجدہ میں اپنے بازو کتے کی طرح زمین پر نہ بچھائے۔

ف:- یہ حدیث کتب صحاح میں انہی الفاظ کے ہم معنی الفاظ سے وارد ہے۔ یہاں آنحضرت نے کتے کے ساتھ مثال دی ہے۔ اور کہیں درندے کے ساتھ جیسا کہ ابوداؤد ونسائی وغیرہ میں ہے۔ کہ آنحضرت نے منع فرمایا کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے اور درندے کی طرح بازو پھیلانے سے اور اونٹ کی طرح مسجد کی کسی خاص جگہ کو نماز کے لئے مخصوص کرنے سے۔

بَابُ الْقُنُوْتِ فِی الْفَجْرِ!

باب۔ صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنے کے بارہ میں!

ح ۱۱۳/۱ **ابوحنیفۃ** عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یقنت فی الفجر قط الا شھرا واحدا لم یر قبل ذلک ولا بعدہ یدعو علی ناس من المشرکین۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت کبھی نہ پڑھی مگر ایک ماہ نہ اس سے پہلے آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھا گیا نہ اس کے بعد۔ اس دعائے قنوت میں آپ بد دعا کرتے چند مشرکین کے حق میں۔

ف: وہ مشرکین تھے جو معاہد ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چیدہ بزرگوں قاریوں کو دھوکے سے لے گئے اور بے حد بے دردی و سفاکی سے شہید کر دیا۔ آنجناب کے مزاج اقدس پر اس قدر ملال و صدمہ طاری ہوا کہ ایک ماہ تک مشرکین کے حق میں بددعا فرماتے رہے۔

یہ حدیث مسئلہ دعائے قنوت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو امام اعظم، احمد اور امام شافعی و مالک رحمہم اللہ کے مابین ایک اختلافی خط کھینچتا ہے۔ امام شافعی و مالک کے نزدیک دعائے قنوت فجر میں ہمیشہ پڑھنی مسنون ہے اور امام اعظم و احمد کے نزدیک نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ دعائے قنوت ایک وقتی چیز تھی جو خاص حالات کے باعث شروع ہوئی تھی اور وہ صرف ایک ماہ پڑھ کر ختم ہو گئی۔ یہ آنجناب کا دوامی عمل نہیں کہ سنت مستمرہ کی جگہ لے۔ امام شافعی و مالک کی دلیل ایک وہ حدیث ہے جو دارقطنی وغیرہ ابی جعفر رازی کے واسطے سے حضرت انس سے لائے ہیں ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا۔ کہ آنحضرت نماز فجر میں ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے وصال فرمایا۔

دوسری وہ حدیث جو بخاری ابی ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قریب تر ہوں اور ابو ہریرہ نماز فجر کی رکعت ثانیہ میں سمع اللہ کے بعد دعا کرتے مومنین کے حق میں اور لعنت بھیجتے کفار پر۔ یا ابی ہریرہ کی وہ حدیث جس کے سلسلہ سند میں عبداللہ بن سعید المقبری ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔ بس یہ گویا ان کی حجت کا لب لباب ہے اور نچوڑ۔

اب لیجئے امام اعظم کی حجت کو ملاحظہ فرمائیے اور داد انصاف دیجئے۔ سب سے پہلی دلیل حدیث ذیل حدیث عبداللہ بن مسعود ہے جو اس بات کی حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ فجر کی دعائے قنوت نماز کی شکل میں تھی۔ ایک ماہ عمل رہا اور پھر کبھی نہیں۔ یہ ہی حدیث ابن ابی شیبہ، بزار، طبرانی وغیرہ لائے ہیں۔ پہلے ابن مسعود کی شخصیت کو ذہن میں رکھنا ہے کہ آپ کے ذہن میں ان کی حدیث کا وزن اور اہمیت قائم ہو۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو دنیا و رسالت کے خادموں میں سے خاص نسبت کے حامل ہیں۔ ہر دم ہر گھڑی رفاقت، معیت و صحبت کا فخر انہیں بہت حاصل رہا ہے۔ جو لوگ ان سے واقف ہیں وہ حضرت کے خانگی و بیرونی حالات سے بھی پورے باخبر ہیں۔ کیا ان کے بارہ میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت لزوم کے ساتھ پڑھی جاتی اور یہ اس سے بے خبر ہوتے مسلسل اس پڑھنے سے اور یہ اس سے نا آشنا ہوتے۔

دوسری حدیث ابن عمر کی حدیث ہے جو بیہقی وغیرہ لائے ہیں کہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے نماز فجر ابن عمر کے ساتھ پڑھی انہوں نے دعائے قنوت نہ پڑھی۔ میں نے کہا کہ آپ دعائے قنوت نہیں پڑھتے۔ فرمایا کہ مجھے کسی صحابی سے ایسا عمل یاد نہیں۔ یہ تو ہم بیان کر ہی آئے ہیں کہ بعض صحابہ کا اس کو بھول جانا ان کی تردید نہیں کرتا جو اس کو یاد رکھتے ہیں۔ کیا خوب کہ کوئی ایسی چیز ہے جو سب ہی کو یاد رہی کسی کو یاد نہ رہی۔ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن عمر کا اس کو بھول جانا محالات میں سے ہے۔ جو ہمیشہ صبح کی نماز میں شریک ہوتے۔ جو صحبت نبوی سے کسی دم جدا نہ ہوتے اور جو سنت نبوی کے ایسے دلدادہ تھے کہ جہاں آپ بیٹھتے وہاں جا کر جب بیٹھ جاتے ہیں تو کیسا عجیب عجیب طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ نہ معلوم ان کو بھی بعض آئی

ہے۔ ابن ابی شیبہ سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ عمرؓ فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے۔ شعبی نے کہا کہ عبداللہ قنوت نہ پڑھتے اگر عمرؓ پڑھتے تو یہ بھی پڑھتے۔ ابن ابی شیبہ نے کہا ابوبکر، عمر، عثمان قنوت نہ پڑھتے۔ محمد بن حسن اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں دو سال عمرؓ کے ساتھ رہا۔ میں نے ان کو فجر میں قنوت پڑھتے نہ دیکھا۔ ابن ابی شیبہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دشمن کے دفعیہ کے لئے حضرت علیؓ نے نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھی۔ تو لوگوں نے اس پر تعجب کیا۔ گویا یہ نئی سی بات تھی۔ یہ مقتدی کون تھے صحابہ اور تابعین۔ آپ نے فرمایا کہ ہم دشمن پر مدد چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ تھی اگر ہمیشہ پڑھی جانے والی ہوتی تو صحابہ کیوں کر اس پر تعجب کرتے۔

یہ ہے سنگین زبان دراز کی گوش گزار کیجئے جس کا جواب خاموشی ہے اور کچھ نہیں کہ ابی مالک سعد بن طارق اشجعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی نبی صلعم کے پیچھے آپ نے قنوت نہ پڑھی ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نہ پڑھی عمر کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نہ پڑھی عثمان کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نہ پڑھی علی کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نہ پڑھی۔ پھر کہا اے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے [illegible] کی [illegible] گئی [illegible] ان تمام آثار و اخبار کو پیش نظر رکھ کر ابوحنیفہؒ کی دقت نظر کا اندازہ [illegible] تو اس [illegible] مضمون کو بھی ملاحظہ فرماتے جائیے۔ انس کی حدیث حضرت انس کی [illegible] ابی جعفر رازی [illegible] کے بارہ میں ناقدین کے خیالات سنئے آخر یہ سب کے راوی ابو جعفر ہیں ان کے بارے میں [illegible] ابن معین نے کہا یہ بھی خطا کرتا تھا۔ احمد نے کہا قوی نہیں۔ ابو زرعہ نے کہا اس کو وہم ہو جاتا تھا۔ ابن حبان نے کہا [illegible] نہیں لاتا تھا پھر اس کی تردید ابن خزیمہ کی یہ حدیث ہے جس کو وہ غالب بن فرقد الطحان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں دو ماہ انس کے پاس رہا آپ نے فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھی [illegible] طرح خطیب [illegible] حدیث لائے ہیں کہ نبی صلعم فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے مگر جب کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بددعا کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قنوت نازلہ تھی [illegible] ابوہریرہ کی حدیث جس میں عبداللہ بن [illegible] سے [illegible] تو بھی سابق میں معلوم ہوا [illegible] ثابت نہیں۔ اس کی تردید بھی ابن حبان کی حدیث سے آشکار ہے جو ابوہریرہ سے مروی ہے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقنت فی صلوۃ الصبح الا ان یدعو لقوم او علی قوم کہ آپ نماز فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے مگر جبکہ کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بددعا۔ صاف الفاظ میں [illegible] کہ یہ قنوت نازلہ تھی جس کی روایت ابوہریرہ کر رہے ہیں [illegible] بخاری کی حدیث کا [illegible] مسلم، ترمذی [illegible] میں عشاء کی نماز کے ساتھ مغرب کا بھی ذکر ہے اور مغرب میں مخالفین بھی قنوت مستمرہ نہیں مانتے۔ تو ان کے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ [illegible] ان کو قنوت نازلہ پر محمول کریں۔ ورنہ پھر مغرب کی نماز میں بھی مستمر ہونا چاہئے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے [illegible] احادیث اپنے مطلب کے لئے نہایت صریح اور [illegible] میں بخلاف ان کی احادیث کے کہ قنوت نازلہ میں ان کا [illegible] ہو سکتا ہے [illegible] بھی تمام طول ہوگی

Marfat.com

جو شریعت میں بالکل عام ہے۔ جیسا کہ فرمایا افضل الصلوۃ طول القنوت کہ نماز کی تمام تر فضیلت قنوت یعنی قیام کی درازی میں ہے۔ اور صبح کی نماز تو بہرحال تمام نمازوں میں قیام کے اعتبار سے دراز و لمبی ہوتی ہی ہے۔ اب رہا مسئلہ قنوت نازلہ اب بھی شرعاً جاری ہے یا منسوخ ہو چکی۔ تو خلفاء کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ زیر عمل رہی چنانچہ ابوبکر صدیق رضؓ نے محاربہ کے وقت دعائے قنوت پڑھی۔ حضرت عمر رضؓ نے بھی پڑھی حضرت علی نے حضرت معاویہ کے خلاف میں اور حضرت معاویہ نے حضرت علی کے خلاف لڑائی میں قنوت نازلہ پڑھی۔

ح ۱۱۴ ۲

ابو حنیفۃ عن عطیۃ عن ابی سعید عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ لم یقنت الا اربعین یوما یدعو علی عصیۃ و ذکوان ثم لم یقنت الی ان مات۔

ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نہیں پڑھی۔ مگر چالیس دن۔ بد دعا کرتے تھے (اس میں) آپ قبیلہ عصیہ اور ذکوان پر پھر آپ نے وفات تک قنوت نہیں پڑھی۔

ف:- یہ حدیث حدیث سابق کے ہم معنی ہے اور ہم مضمون۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں قنوت نازلہ پڑھے جانے کی مدت چالیس یوم بتائی ہے۔ اکثر روایت میں ایک ماہ ہے۔ مسئلہ کی تشریح و توضیح ذکر ہوئی۔

باب صفۃ الجلوس فی التشھد ۔ تشہد میں بیٹھنے کی ہیئت شرعی!

ح ۱۱۵

ابو حنیفۃ عن عاصم عن ابیہ عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ اذا جلس فی الصلوٰۃ افترش رجلہ الیسریٰ فقعد علیھا ونصب رجلہ الیمنیٰ۔

حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں پھیلاتے اور اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔

ف:- یہ حدیث بھی ایک مسئلہ اختلافی کی طرف مشیر ہے کہ تشہد میں کس ہیئت سے بیٹھنا مسنون ہے امام اعظم رح ہر دو تشہد میں افتراش کو مسنون قرار دیتے ہیں یعنی بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں کو کھڑا رکھنا امام شافعی پہلے تشہد میں امام صاحب کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور دوسرے میں تورّک (سرین پر بیٹھنے کو) مسنون مانتے ہیں۔ امام مالک ہر دو تشہد میں تورّک کے قائل ہیں۔ امام احمد ایک تشہد والی نماز میں امام ابو حنیفہ رح کے ساتھ ہم نوائی کرتے ہیں اور دو تشہد والی میں امام شافعی کے ساتھ۔ امام ابو حنیفہ کے مذہب کی ترجمانی خود حدیث ذیل کر رہی ہے کہ نماز میں بوقت تشہد الٹا پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھے۔ حضرت وائل ہی کی حدیث کو ترمذی بھی لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو میں نے نبی صلعم کی نماز دیکھی تو آپ تشہد میں جب بیٹھے۔ تو آپ نے الٹا پاؤں بچھایا۔ اور الٹا ہاتھ الٹی ران پر رکھا اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث جو مسلم ابی الجوزاء کے واسطہ سے لائے ہیں وہ بھی امام صاحب کے مذہب کی پر زور تائید کرتی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کان یفترش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ کہ آنجناب بایاں پاؤں بچھاتے اور سیدھا پاؤں کھڑا کر لیتے۔ مزید براں احمد رفاع بن رافع سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا جب تو بیٹھے تشہد میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھ

ذ نے ابن عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا من سنۃ الصلوۃ ان ینصب القدم الیمنی ویستقبل باصابعہا القبلۃ ویجلس علی الیسریٰ کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ سیدھا قدم کھڑا رکھے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ اور الٹے قدم پر بیٹھے۔ یہ قول بھی امام صاحب ہی کے مذہب کی بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے۔ اب جن احادیث میں تورک آیا ہے ان کو کبرسنی اور بڑھاپے کی حالت پر محمول کریں گے۔ کیونکہ سنت تو پہلی احادیث صحیحہ قرار پاچکی جن میں تشہد اولیٰ یا ثانیہ کی کوئی قید نہیں۔ اب چونکہ دوسرے تشہد میں زیادہ دیر بیٹھنا پڑتا ہے اس لئے اس میں مراعات قرین مصلحت ہے اور سہولت قرین قیاس۔ امام شافعی حدیث ابی حمید ساعدی کو دلیل میں لاتے ہیں جو ترمذی لائے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ حضرت وائل کی حدیث کے ذیل میں ترمذی اس مذہب کی اکثر اہل علم کی طرف کرتے ہیں اور جہاں حضرت ابی حمید کی حدیث کا حوالہ دیا ہے وہاں کہتے ہیں وبہ یقول بعض اہل العلم کہ بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ گویا بیان مذاہب ہی میں مذہب امام صاحب کو ترجیح دے گئے۔

۱۲۶/۲ **ابوحنیفۃ** عن نافع عن ابن عمرؓ انہ سئل کیف کن النساء یصلین علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن۔

حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں یعنی تشہد میں کس طرح بیٹھا کرتی تھیں آپ نے کہا کہ چار زانو بیٹھتی تھیں پھر ان کو حکم ہوا کہ اپنے سرین پر بیٹھیں۔

ف: عورت کی یہی شکل ستر پوشی کے لئے زیادہ موزوں و مناسب ہے اس لئے عورتیں اس ہیئت جلوس کے لئے مامور ہوئیں۔

بَابٌ فِی التَّشَهُّدِ!　　باب تشہد کے بیان میں!

ابوحنیفۃ عن ابی اسحاق عن البراء عن النبی صلعم کان یعلمنا التشہد کما یعلم السورۃ من القرآن

حضرت براؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد ایسے سکھاتے جس طرح قرآن کی سورۃ سکھایا کرتے تھے۔

ف: یعنی نہایت اہمیت و صحت الفاظ و درستی ادائیگی کے ساتھ تشہد کی تلقین فرماتے [illegible] جو کہ استثناء کی گنجائش نہ رہے۔

ابوحنیفۃ عن القاسم عن ابیہ عن عبداللہ قال علمنا رسول اللہ صلعم خطبۃ الصلوۃ یعنی التشہد

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ صلوۃ کی تعلیم فرمائی یعنی تشہد کی۔

ف: امام اس حدیث میں تشہد کو خطبہ سے تعبیر کیا کیونکہ جس طرح خطبہ [illegible] صلوۃ [illegible] ہوتا ہے۔

۱۱۹/۲ **ابوحنیفۃ** عن حماد عن ابراہیم عن ابی وائل شقیق بن سلمۃ عن عبداللہ بن مسعودؓ قال کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم نقول السلام علی اللہ۔

[illegible] عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ [illegible] جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو تشہد میں [illegible] السلام علی اللہ۔

وفی روایۃ زیادۃ من عبادہ السلام علی جبریل و میکائیل

ایک روایت میں زیادتی ہے [illegible] من عبادہ [illegible] السلام علی جبریل و میکائیل [illegible]

ما قبل علينا النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان الله هو السلام فاذا تشهد احدكم فليقل التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

سے جبرئیل اور میکائیل پر سلام ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ خود سلام ہے جب تم میں سے کوئی تشہد کے لئے بیٹھے تو کہے التحیات للہ آخر

وفي رواية انهم كانوا يقولون السلام على الله السلام على جبريل السلام على رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقولوا السلام على الله ولكن قولوا التحيات لله والصلوات والطيبات الى اخر التشهد.

ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کہا کرتے السلام علی اللہ السلام علی جبریل السلام علی رسول اللہ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السلام علی اللہ نہ کہو لیکن کہو التحیات للہ والصلوات والطیبات آخر تشہد تک۔

وفي رواية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمهم التحيات الى اخر التشهد.

اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی لوگوں کو التحیات آخر تشہد تک

وفي رواية علمنا.

اور ایک روایت میں علمنا کا لفظ ہے (کہ سکھائی ہم کو)۔

وفي رواية قال كنا اذا صلينا مع النبي صلى الله عليه وسلم نقول اذا جلسنا في اخر الصلوة السلام على الله السلام على رسول الله وعلى ملائكته نسميهم من الملائكة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقولوا كذا وقولوا التحيات لله والصلوات والطيبات.

اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب ہم نماز پڑھتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آخر نماز میں بیٹھتے تو کہتے السلام علی اللہ السلام علی رسول اللہ وعلی ملائکتہ فرشتوں کے نام لیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو اور کہو التحیات للہ والصلوات والطیبات۔

ف تشہد کے الفاظ متعدد صحابہ سے جن کی تعداد بیس سے کچھ اوپر ہے مختلف منقول ہیں۔ ائمہ بھی اس بارہ میں مختلف القول ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح تشہد عبد اللہ بن مسعود کو اختیار کرتے ہیں۔ امام شافعی تشہد ابن عباس رض اور امام مالک تشہد عمر رض کو۔ تشہد ابن مسعود رض بیشتر بلکہ تمام وجوہ سے قابل ترجیح ہے۔ ائمہ حدیث اس کی تصحیح میں ایک زبان اور ایک رائے ہیں۔ ترمذی نے کہا کہ تشہد میں یہ صحیح ترین حدیث ہے اور کہا کہ اکثر اہل علم صحابہ و تابعین کا عمل اسی پر ہے۔ بزار نے کہا کہ میرے نزدیک تشہد میں صحیح ترین حدیث حدیث عبد اللہ بن مسعود رض ہے۔ مسلم نے کہا کہ لوگوں نے کہا عبد اللہ بن مسعود کے تشہد پر اجماع کیا ہے اور ان کے تلامذہ اس میں مختلف نہیں بخلاف دوسرے تشہدوں کے۔ طبرانی نے کہا ہے کہ اس سے اچھی حدیث تشہد میں میں نے نہیں سنی۔

دوسرے چند صحابہ بھی اسی تشہد ابن مسعود کے ساتھ موافقت فرماتے ہیں مثلاً ابوبکر صدیق اور حضرت معاویہ رض۔ پھر اس تشہد کی تعلیم میں وثوق و تاکید بہت ہوتی گئی ہے۔ حماد نے ابو حنیفہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی تعلیم دی اور حماد کا ہاتھ پکڑ کر ابراہیم نے اور ابراہیم کا ہاتھ پکڑ کر علقمہ نے اور علقمہ کا ہاتھ پکڑ کر ابن مسعود نے اور ابن مسعود کا ہاتھ پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

اس کی تلقین فرمائی غرض یہیں سے کچھ اور قوی وجوہ ایسے ہیں جن کے پیش نظر [illegible] عبداللہ بن مسعود [illegible]

١٢٠ ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعود رض قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم عن یمینه السلام علیکم ورحمة الله حتی یری شق وجهه وعن یساره مثل ذلك۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھی جانب سلام پھیرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام میں گردن پھیرتے یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کا رخ دکھائی دیتا اور الٹی جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی کرتے۔

وفی روایة حتی یری بیاض خده الایمن وعن شماله مثل ذلك۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ یہاں تک کہ گردن پھیرتے کہ آنجناب کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی۔ اور الٹی جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی کرتا [illegible]

ف: گویا سلام پھیرتے وقت گردن اس قدر پھیری جائے کہ چہرہ کا ایک رخ دکھائی دے [illegible] کے پیش نظر یہی مسئلہ حق ہے۔

١٢١ ابو حنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبد الله قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم عن یمینه وعن یساره تسلیمتین۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے [illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تھے [illegible] دو سلام۔

ف: یہ تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے۔ صرف امام مالک کو اس سے اختلاف ہے [illegible] وہ حدیث عائشہ کو پیش نظر رکھتے ہیں جس میں ہے کان یسلم فی الصلوٰۃ [illegible] کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا جو حال حضور [illegible] نہیں۔ دو سلاموں کی تمام ترجیح روایات دو سلام ہی کی ڈال [illegible] ڈال چکے ہیں۔

بَابُ تَخْفِيفِ الْاِمَامِ الصَّلٰوةَ　　　باب۔ امام کا نماز کو ہلکی پڑھنا [illegible]

١٢٢ ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال کان عبد الله بن مسعود وحذیفة و ابو موسی وغیرهم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم اجتمعوا فی منزل فاقیمت الصلوٰة فجعلوا یقولون تقدم یا فلان لصاحب المنزل فابی فقال تقدم انت یا ابا عبد الرحمن فتقدم فصلی صلوٰة خفیفة وجیزة اتم الرکوع والسجود

[illegible] عبداللہ بن مسعود، حذیفہ، ابو موسیٰ [illegible] اللہ علیہ وسلم [illegible] صاحب خانہ [illegible] جناب [illegible] عبداللہ بن مسعود [illegible] آپ [illegible] امام [illegible] رکوع سجود [illegible]

Marfat.com

فلما انصرف قال القوم لقد حفظ ابو عبد الرحمن صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔

پڑھائی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سامعین نے کہا کہ ابوعبدالرحمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو خوب یاد کیا ہے (کہ قرات وغیرہ بس ہلکی اور مختصر ہے۔ اور رکوع سجدہ میں پوری) ۔

ف :- اس حدیث سے بیک وقت کئی مسائل شرعیہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ مقتدیوں کی رعایت سے آنحضرت خود بھی خفیف و ہلکی نماز پڑھتے جس کی نقل ابن مسعود نے اتاری اور اصحاب کو بھی اسی کی ہدایت پر زور و تاکیدی الفاظ میں فرماتے۔ ایسی نماز پڑھانے پر سخت خشمگیں ہوتے جو مقتدیوں پر دو بھر ہو اور بار جس سے لوگ اکتائیں اور گھبرائیں جس کی وجہ سے لوگ جماعت سے بچیں اور جان چرائیں۔ چنانچہ حضرت ابی مسعودؓ انصاری سے ابن ماجہ وغیرہ اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ ایک شخص آنجناب کی خدمت میں آیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ میں فلاں شخص کی وجہ سے جماعت نماز فجر میں شرکت سے بچتا ہوں کیونکہ وہ لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دن کے علاوہ میں نے آنجناب کو نصیحت کرتے وقت کبھی اس قدر ناراض و خشمگیں ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فرمایا اے لوگو تم لوگوں کو نماز سے نفرت دلاتے ہو۔ تم میں جو بھی نماز پڑھائے وہ مختصر نماز پڑھائے۔ کیونکہ مقتدیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے اور حاجتمند بھی۔ اسی طرح آنجناب ایک مرتبہ لمبی نماز پڑھانے پر حضرت معاذ پر بہت ناراض ہوئے۔

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں گو دیگر جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ مگر امامت کے لئے ابن مسعودؓ چنے گئے۔ کیونکہ امامت کے لئے شرعاً افقہ زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے۔ گویا تمام حاضرین نے آپ کو افقہ جانا کہ امامت کا شرف آپ کو نصیب ہوا۔ اس واقعہ سے ابن مسعود کی فضیلت و برتری علمی پر روشنی پڑی چنانچہ کہا گیا ہے کہ خلفائے اربعہ کے بعد تفقہ میں آپ ہی سب سے مقدم تھے۔ اسی واقعہ سے اس کی بھی ہدایت ملی کہ مقتدیوں کی رعایت سے گو نماز کی قرات مختصر ہو مگر ارکان نماز کی ادائیگی میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ حسب ہدایت شرع وہ نہایت قرار و سکون طمانیت و وقار سے ادا کئے جائیں۔ اسی لئے حدیث ذیل میں صلوٰة خفیفہ کے ساتھ اَتَمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ کی قید لگائی۔

باب الصلوٰة علی الحصیر!

باب - بوریئے پر نماز پڑھنے کے بیان میں!

ابو حنیفة عن ابی سفیان عن جابرؓ ۱۲۲/۱
عن ابی سعید انه دخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فوجده یصلی علی حصیر یسجد علیه ۔

حضرت ابی سعید سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو بوریئے پر نماز پڑھتے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

ف :- اس حدیث سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچا کہ زمین پر کوئی فرش وغیرہ بچھا کر نماز پڑھی جائے تو بغیر کراہت جائز ہے۔ اور یہ مذہب جمہور کا ہے خواہ وہ فرش زمین پر اگنے والی شے سے بنا ہوا ہو یا نہیں۔ یہاں

بعض اصحاب کو خفیف سا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ زمین پر نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے اور مستحب۔ اس نقطہ نظر سے کہ نماز کا اصل جوہر خشوع وخضوع اور عاجزی ہے اور ان کا اظہار جس قدر زمین پر ہوتا ہے کسی دوسری شے پر نہیں۔ ترمذی باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الحصیر کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ زیادہ تر اہل علم اسی طرف گئے ہیں الا ان قوما من اہل العلم اختاروا الصلوٰۃ علی الارض استحبابا یعنی بعض اہل علم نے زمین پر نماز پڑھنے کو مستحب جانا ہے۔ نووی نے بھی اس سلسلہ میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ اگر جائے نماز جنس ارض سے نہ ہو تو نماز زمین پر افضل ہے لان الصلوٰۃ سرھا التواضع کیونکہ نماز میں تواضع و فروتنی کا راز مضمر ہے ۔

باب ۵۲ صلوٰۃ المریض! باب۔ مریض کی نماز کے بیان میں!

۱۲۴ / ۱ **ابوحنیفۃ** عن عطاءٍ عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّٰی قاعدًا وقائمًا ومحتبئًا ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی بیٹھ کر۔ کھڑے ہو کر اور گوٹ مار کر ۔

ف:۔ یہ صورت فرضوں میں بحالت عذر یا نفلوں میں جائز ہے ۔

۱۲۵ / ۲ **ابوحنیفۃ** عن ابی سفیان عن الحسن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّٰی محتبئًا من رمد کان بعینہ ۔

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ دکھنے کے باعث یعنی اس میں درد کے سبب، گوٹ مار کر نماز ادا فرمائی ۔

ف:۔ اس سے سابق حدیث کی وضاحت ہوتی کہ ایسی شکل عذر کے وقت جائز ہے ۔

۱۲۶ / ۳ **محمد** بن بکیر قاضی الدامغان قال کتبت الی ابی حنیفۃ فی المریض اذا ذھب عقلہ کیف یعمل بہ فی وقت الصلوٰۃ فکتب الی یخبرنی عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد اللہ قال مرضت فعادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ ابوبکر وعمر وقد اغمی علیّ فی مرضی وجاءت الصلوٰۃ فتوضأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصبّ علیّ من وضوئہ فافقتُ فقال کیف انت یا جابر ثم قال صلّ ما استطعت ولو ان تومی ۔

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو لکھا کہ بے ہوشی کے باعث (جب بیمار کی عقل جاتی رہے تو وہ نماز کے وقت کیا کرے یعنی نماز ادا کرے) تو انہوں نے مجھ کو لکھ بھیجا۔ محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہوئے کہ جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ ایک مرتبہ [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر کی معیت میں میری عیادت کو تشریف لائے اور بیماری میں مجھ پر بے ہوشی طاری ہو چکی تھی کہ نماز کا وقت آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کا باقی ماندہ پانی مجھ پر [illegible] ہوش میں آیا۔ آپ نے فرمایا جابر تمہارا کیا حال ہے [illegible] پڑھو جب تک طاقت رکھو۔ [illegible] کر اشارہ کرتے جاؤ [illegible] ۔

ف:۔ یہ بیمار کی مزید تشریح ہے کہ بیمار کسی حال میں نماز کو نہ چھوڑے خواہ کھڑے ہو کر [illegible] کر خواہ لیٹ کر سر کے اشارہ سے [illegible]

احادیث مروی ہیں اور اسی قسم کی تفصیل ان میں وارد ہے۔

ح ۱۲۷ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عائشة أم المؤمنين قالت لما اغمى على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مُرُوا أبا بكرٍ فليصل بالناس فقيل ان ابا بكر رجل حصر وهو بنفسه يكره ان يقوم مقامك قال افعلوا ما امركم به ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیہوشی طاری ہوئی تو آپ نے فرمایا ابوبکر رض سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ ابوبکر ایک رقیق القلب آدمی ہیں کہ اضطراب کے وقت قرات سے قاصر رہتے ہیں اور وہ خود اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کی جگہ وہ کھڑے ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا جیسا میں تم سے کہتا ہوں ویسا کرو۔

ف: یہ حدیث حضرت ابوبکر رض کی فضیلت و برتری کو روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ امور دینیہ میں ہر حیثیت سے آپ ہی کو فوقیت اور بلندی تقدم و سابقیت حاصل ہے۔ چنانچہ خود جناب سرور کائنات کی زبانی منصب امامت صغریٰ کے لئے آپ کا چناؤ ہوا۔ کیونکہ امامت کے لئے علم و فقہ اور تقویٰ پرہیزگاری کے آدمی کا انتخاب مناسب ہے۔ نماز چونکہ اصل اصول دین ہے اس لئے گویا صرف امامت کا منصب آپ کو عطا نہ ہوا بلکہ پورے دین و مذہب کی سرداری و سرکردگی کا سہرا آپ کے سر بندھا۔ یہ حضرت صدیق کی زندگی کا وہ طرۂ امتیاز ہے جس پر آپ کو جس قدر فخر ہو کم ہے۔ یہ حدیث شیعہ و تفضیلیہ کے عقیدہ پر ایک کاری ضرب ہے کہ وہ آپ کے مرتبہ کو گھٹاتے ہیں اور آپ کی اس فضیلت میں شک لاتے ہیں۔ پھر ان کو شک کرنے کا کیا حق رہتا ہے۔ جبکہ خود حضرت علی نے بوقت انتخاب خلیفہ ان کی فضیلت کا ان کھلے الفاظ میں اقرار فرماتے ہیں کیف لا نؤثره علينا فى امر دنيانا وقد اثره النبى صلى الله عليه وسلم علينا فى امر ديننا اگر دنیوی امر میں ہم ان کو اپنا خلیفہ کیوں نہ چن لیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی امر میں ان کو ہماری پیشوائی کے لئے چنا۔ انہیں روایات کے پیش نظر اہل سنت خلفاء اربعہ کی ترتیب کو حق مانتے ہیں۔

ح ۱۲۸ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عائشة ام المؤمنين قالت لما اغمى على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مروا ابا بكر فليصل بالناس فقيل له يا رسول الله ان ابا بكرٍ رجل حصر وهو يكره ان يقوم مقامك فقال مُرُوا ابا بكر فليصل بالناس باصوحبات يوسف وكرر ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ابوبکر رقیق القلب آدمی ہیں کہ قلبی کیفیت سے قرات سے رک جاتے ہیں اور وہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا اے یوسف کی ساتھنو ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور مکرر ارشاد فرمایا۔

ف: یہ حدیث شریف ہدایات و نصائح کا سرچشمہ ہے۔ سب سے پہلے انتخاب خلافت میں جو جھگڑا پیش آنے والا تھا۔ اس واقعہ سے اس کی جڑ کٹتی ہے اور خلافت میں حضرت صدیق کی اقدمیت واضح ہوتی

پر فیصلہ کن حکم ملتا ہے کہ جب نماز جیسے اہم امر دینی میں آپ کا سب سے پہلے انتخاب ہوا تو دنیوی امر امام
خلافت میں جو اس سے بدرجہا کمتر ہے کیوں آپ کا چناؤ نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تمام مومنین آپ کی خلافت
پر متفق الرائے ہوئے۔ پھر ایک طرف امامت کا مسئلہ بھی حل ہوا کہ جب نماز کے لئے امام کا انتخاب ہو تو علم
و فضل میں برتر آدمی کو امام بنایا جائے۔ نہ اقرأ کہ جیسا کہ بخاری نے ترجمہ باب انہیں الفاظ سے باندھا ہے۔
ورنہ قرأ حضرت ابی موجود تھے۔ پھر اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امام ہونے کی صورت
میں امام کا عذر سے بیٹھا رہنا اور مقتدیوں کا کھڑا رہنا جائز ہے۔ اگر ابوبکر کو امام مانیں تو اس مسئلہ کا بھی انکشاف
ہوتا ہے کہ افضل برتر مفضول کمتر کے پیچھے نماز ادا کر سکتا ہے اس کا بھی پتہ چلا کہ جب شارع دین کی طرف سے
حکم ملے تو اس میں حیل و حجت نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ اس پر ملامت کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کی
صورت میں مقتدی امام کے برابر دائیں جانب کھڑا ہو سکتا ہے اور بلند آواز سے لوگوں تک امام کی تکبیر
پہنچا سکتا ہے۔

٢٩

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم لما مرض المرض الذى قبض فيه خف من الوجع فلما حضرت الصلوٰة قال لعائشة مري ابابكر فليصل بالناس فارسلت الى ابى بكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرك ان تصلى بالناس فارسل اليها انى شيخ كبير رقيق وانى متى لا ارى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مقامه ارق لذلك فاجتمعي انت وحفصة عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فيرسل الى عمر فيصلي بهم ففعلت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انتن صواحب يوسف مري ابا بكر فليصل بالناس فلما نودي بالصلوٰة سمع النبي صلى الله عليه وسلم المؤذن وهو يقول حي على الصلوٰة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ارفعوني فقالت عائشة قد امرت ابابكر ان يصلي بالناس

عائشہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کی وفات ہوئی اور شدت درد کے باعث ضعیف ہو گئے۔ اور نماز کا وقت آیا تو عائشہ سے آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ نے ابوبکر کو آدمی کے ذریعہ کہلوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر نے عائشہ کے پاس جواب بھیجا کہ میں بوڑھا ہوں رقیق القلب انسان ہوں میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جگہ نہ دیکھوں گا تو دل قابو سے نکل جائے گا تو تم اور حفصہ دونوں مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ کہ وہ عمر کے پاس آدمی بھیجیں کہ وہ نماز پڑھائیں عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم یوسف کی ساتھنیں ہو۔ ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ جب نماز کے لئے اذان دی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن کی حی علی الصلوٰۃ کی آواز سنی تو ارشاد فرمایا کہ مجھے اٹھاؤ۔ عائشہ نے عرض کیا کہ میں نے ابوبکر کو کہا ہے کہ نماز پڑھائیں آپ تو آپ معذور ہیں پھر کیوں زحمت فرماتے ہیں آپ

انت فی عنده قال ارقعونی فانه جعلت
قرة عینی فی الصلوٰة قالت عائشة فرفعت
بین اثنین وقدماه تخدان الارض
فلما سمع ابوبکر لحس رسول الله صلی الله
علیه وسلم تأخر فاومأ الیه رسول
الله صلی الله علیه وسلم فجلس النبی
صلی الله علیه وسلم عن یسار ابی بکر رض
وکان النبی صلی الله علیه وسلم
حذاءه یکبر ویکبر ابوبکر بتکبیر النبی
صلی الله علیه وسلم ویکبر الناس
بتکبیر ابی بکر رض حتی فرغ ثم
ما صلی بالناس غیر تلك الصلوٰة
حتی قبض وکان ابوبکر الامام
والنبی صلی الله علیه وسلم وجع
حتی قبض ؎

نے فرمایا مجھ کو اٹھاؤ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہی میں ہے۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اٹھایا اور دو آدمیوں کے بیچ میں آپ ایسے چلے کہ آپ کے دونوں قدم زمین پر گھسٹتے تھے۔ جب ابوبکر رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ سے پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا۔ پس نبی صلعم ابوبکر رض کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ تاکہ آپ امامت فرما سکیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے برابر میں تکبیر کہتے تھے۔ اور ابوبکر رض آنجناب کی تکبیر کی تقلید کرتے۔ اور لوگ ابوبکر کی تکبیر کی۔ یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہوئی۔ پھر اس نماز کے سوا آنحضرت نے کوئی نماز نہ پڑھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد نمازوں میں ابوبکر ہی امامت فرماتے رہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے یہاں تک کہ آپ نے وصال فرمایا ؎

ف:- اس حدیث میں واقعہ کی مزید تفصیل ہے اور تشریح ؎

باب امامة ولد الزنا والعبد والاعراب!

باب۔ ولد الزنا۔ غلام اور دیہاتیوں کی امامت کے بیان میں!

حماد عن ابیه عن ابراهیم قال ۱۳۰
یؤم القوم ولد الزنا والعبد والاعرابی
اذا قرأ القرآن ؎

ابراہیم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا امامت کرے لوگوں کی ولد الزنا۔ غلام اور دیہاتی جب قرآن پڑھ سکتا ہو ؎

ف:- گویا منشاء حدیث ذیل ان ہر سہ کی امامت جائز نہیں تاوقتیکہ وہ قرآن کی تعلیم حاصل نہ کر لیں امامت کے لئے علم و فضل کی برتری و تقوی و بزرگی کا امتیاز لازمی چیز ہے جو اکثر و بیشتر ان میں مفقود ہوتا ہے اسی لئے ان کی امامت کراہت سے خالی نہیں۔ ولد الزنا اپنی کمتری نسل و رذالت حسبی کے باعث اکثر تہذیب و شائستگی سے دور رہتا ہے اور علم کی روشنی سے عاری اور تقوی کی نعمت سے بے بہرہ۔ اگر وہ علم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو جائے تو شاذ و نادر بے کھٹکے امامت کے منصب کو انجام دے سکتا ہے۔ علم و تقوی اس کی حسبی کمتری کی تلافی کے لئے کافی و افی ہیں۔ کیونکہ مطابق لا تزر وازرة وزر اخری وہ در حقیقت اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اس کے کندھوں پر نہیں ڈالا جا سکتا۔

Marfat.com

یا مثلاً غلام کہ اس کے خدمتگاری کے مشاغل اکثر اوقات علم کے حصول سے مانع رہتے ہیں اور یوں بے علمی کے باعث وہ تقوی و پرہیزگاری سے بھی بے بہرہ رہتا ہے۔ اگر وہ علم کی دولت بے بہا سے مالا مال ہو جائے اور تقوی کی نعمت سے شرف پا لے تو اس کی غلامی اس کو امامت کے لئے نااہل ثابت نہیں کر سکتی۔ شریعت کے نقطہ نظر سے انسانیت کی سب سے بڑی لعنت جہالت ہے اور انسانیت کا سب سے بڑا شرف علم و تقوی ہے۔ علم و تقوی سے سب عیبوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہی حال اعرابی کا ہے کہ عام طور پر دیہاتی کو علم و تقوی سے کیا سروکار اور اس کو ان فضیلتوں سے کیا سروکار تو وہ کیسے امامت صغری کا حقدار ہو سکتا ہے ہاں اگر وہ عالم بھی ہو اور متقی بھی تو نور علیٰ نور اس کی امامت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

باب ۵۵ الاثنين جماعة!

باب اس بیان میں کہ دو کی بھی جماعت ہے!

١٣١ ابو حنيفة عن الهيثم عن عكرمة عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی برجل فصلی خلفه وامرأة خلف ذالك صلی بهم جماعة۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ ایک صاحب تو جوان کے پیچھے تھے اور ایک عورت کہ جوان صاحب کے پیچھے تھیں (یوں) جماعت سے نماز پڑھائی۔

ف: قصہ میں مرد و عورت کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ کون تھے۔ یا تو یہ واقعہ حضرت انس اور ان کی والدہ ام سلیم رضہ کا ہے۔ کہ انس آنحضرت کے پیچھے تنہا تھے اور ان کے پیچھے ان کی والدہ ام سلیم تنہا تھیں یا یہ قصہ حضرت علی اور حضرت خدیجہ کا ہے کہ آنجناب کے پیچھے حضرت علی تنہا تھے اور ان کے پیچھے حضرت خدیجہ تنہا۔ امام صاحب اسی سے دلیل لاتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کی برابری مرد کی نماز فاسد ہو جانے کا سبب ہے ورنہ اگر ایسا نہ ہوتی تو عورت کو مرد کے ساتھ کھڑا کیا جاتا۔ کیونکہ صف میں تنہا کھڑا ہونا بھی تو اپنی جگہ درست نہیں امام صاحب کے نزدیک کراہت نماز کا سبب ہے اور امام احمد کے نزدیک فساد نماز کا۔ مگر جب دو قباحتیں یکجا ہوں تو عقلاً چھوٹی قباحت کو گوارا کیا جاتا ہے۔ یہاں چھوٹی قباحت تنہا کھڑا ہونا ہے بہ نسبت مرد و عورت کے برابر کھڑا ہونے کے لہٰذا اس کو اختیار کیا گیا۔ اور اس سے گریز کی گئی۔

باب ۵۶ فضيلة وصل الصفوف!

باب صفوں کے ملانے کی فضیلت میں!

١٠٢ ابو حنيفة عن عطاء بن يسار عن ابی سعيد الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله وملائكته يصلون علی الذين يصلون الصفوف۔

ابی سعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو صفوں کو برابر کرتے ہیں (یعنی ملاتے اور فرج نہیں چھوڑتے۔

ف: ابن ماجہ یہی حدیث حضرت عائشہ سے مروی لائے ہیں۔ اس میں یہ ٹکڑا بھی زائد ہے من سد فرجۃ رفعہ اللہ بہا درجۃ کہ جس نے فاصلہ کو بھرا۔ اللہ نے اس کی وجہ سے اس کا درجہ بڑھایا۔ احمد، ابن حبان حاکم وغیرہ بھی اس کی روایت کرتے ہیں۔ غرض صف کو ملانے پر متعدد احادیث مختلف اور نہایت تاکیدی الفاظ سے وارد ہیں اور اس میں غفلت برتنے پر سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ حاکم کی روایت میں جو ابن عمر سے یوں وارد ہے کہ جس نے صف کو کاٹا اللہ اس کو کاٹے۔ صف کو ملانا یہ ہے کہ بیچ میں ایک دوسرے کے درمیان فاصلے اور فرج نہ چھوڑے جائیں۔ کاندھے سے کاندھا اور شانے سے شانہ ملایا جائے۔ خلفائے اربعہ اپنی اپنی خلافتوں میں اس کی اہمیت پر بہت زور دیتے حضرت علی و عثمان اس کی بہت دیکھ بھال رکھتے حضرت علی مقتدیوں کو ہدایت کرتے کسی سے کہتے تم آگے بڑھو کسی سے کہتے تم پیچھے ہٹو۔

بَابُ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ!

باب۔ فجر و عشاء کی جماعتوں میں شرکت کرنے کی فضیلت میں!

۱۳۳ / ۱۱ ابو حنیفۃ عن عطاء عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شہد الفجر والعشاء فی جماعۃ کتب لہ براءتان براءۃ من النفاق وبراءۃ من الشرک۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص صبح و عشاء کی جماعتوں میں حاضر رہا تو یہ اس کے لئے دو برات نامے ہیں ایک برات نفاق سے دوسری شرک سے۔

ف: نفاق و شرک سے برات کے لئے نماز پنجگانہ میں سے ان ہر دو نمازوں کو یوں مخصوص فرمایا کہ ان دو اوقات میں انسان پر نیند و سستی کا غلبہ ہوتا ہے۔ طبیعت کے فطری تقاضے جماعت کی شرکت سے مانع ہیں پوری طاقت سے کارفرما ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس کا ایمان قوی ہوتا ہے۔ نفاق و شرک و ریاکاری سے جس کا دامن پاک اور بے لوث ہوتا ہے وہ اللہ کے سچے وعدوں اور اس کے وعیدوں کا خوف دل میں رکھ کر نیند کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتا ہے اور شرکت جماعت کے لئے دوڑ پڑتا ہے جب اس نے ان اوقات میں یہ پختی اور طمانیت دکھائی تو دوسری نمازوں کو یہ کیوں ترک کرنے لگا۔ برخلاف اس کے جو دل میں شرک و نفاق چھپائے ہوئے ہو وہ ان نمازوں سے خاص طور سے جان چرائے گا۔ نیند کے تقاضوں سے بچھڑ جائے گا سستی کے غلبہ سے مار کھائے گا۔ جب اس نے یہاں یہ شرمناک کمزوری دکھائی تو گویا اس نے اپنے نفاق و ریاکاری کا خود ثبوت دیا۔ تو اب اس کے حق میں برات کیسے لکھی جائے۔

۱۳۴ / ۱۲ ابو حنیفۃ عن عطاء عن ابن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دام اربعین یوما علی صلوۃ الغداۃ والعشاء فی جماعۃ کتب لہ براءۃ من النفاق وبراءۃ من الشرک۔

حضرت ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو صبح اور عشاء کی نماز کی جماعتوں میں چالیس روز تک برابر شریک ہوتا رہا۔ اس کے لئے نفاق اور شرک سے برات لکھ دی گئی۔

ف: اس حدیث میں برات کے لکھے جانے کو چالیس روز کی مدت سے مقید فرمایا کہ کم از کم چالیس روز

تک بسم وہ بخشکی اور تیزی سے شرکت جماعت پردہ پابند رہا ہو۔ کیونکہ اس قدر مدت میں کسی کام کو کرنے سے انسان اس کام کا عادی شمار ہونے لگتا ہے اور اس کے بارہ میں عادتاً خیال کیا جاتا ہے کہ اب یہ اس کو ترک نہیں کرے گا۔ اس لئے شریعت نے یہاں برات کے لئے اس مدت کی قید لگائی ہے۔

۱۳۵/۴ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الشعبی عن ابن عمران النبی صلی الله علیه وسلم رخص فی الخروج للصلوٰة الغداة والعشاء للنساء۔ فقال رجل اذاً یتخذونه دغلاً فقال ابن عمر أحدثك عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وتقول هذا۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی عورتوں کو نماز صبح اور عشاء میں حاضر ہونے کی۔ ایک شخص یہ سنکر بولا یہ شخص عبداللہ بن عمر کے صاحبزادہ بلال تھے جیسا کہ دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اب تو لوگ اس حکم کو مکروفریب کا بہانہ بنا لیں گے [illegible] عبداللہ بن عمر [illegible] میں [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان [illegible] [illegible] ہے۔

ف : بعینہ یہی مضمون دیگر احادیث صحیحہ میں وارد ہے [illegible] حضرت بلال ہی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible] کرو وہ بھی مسجدوں سے برکت اندوزی کریں۔ بلال بولے قسم اللہ کی [illegible] حضرت عبداللہ [illegible] فرمایا میں تجھ سے کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] اللہ کی [illegible] منع کریں گے [illegible] مجاہد کے واسطہ سے یہی حدیث لائے ہیں ان میں اس مضمون کا [illegible] اضافہ ہے [illegible] صاحبزادہ سے تا حیات نہ بولے۔ غرض حضرت عبداللہ اس امر پر [illegible] حدیث [illegible] کی [illegible] میں کوئی اپنی عقل چلائے [illegible] اور اس کے خلاف کوئی فیصلہ کرے۔

اس حدیث میں مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ علماء نے اس رخصت کو [illegible] جاتا ہے۔ جو شہوانی جذبات سے خالی ہو چکی ہوں وہ بھی [illegible] پابندی سے [illegible] نہ لگائیں ہوتی زمانہ تو ان کو بھی مکروہ جانا ہے۔ کیونکہ موجودہ دور میں فسق و فجور [illegible] چل رہی ہیں اور بے تمیزی کا ایک طوفان بپا ہے۔ نوجوان [illegible] کے اثرات سے چاہے نوجوان [illegible] سے حضرت بلال نے زمانہ کی اس بڑھتی ہوئی بے حیائی کو دیکھ کر یہ اپنا ارادہ پیش کر دیا [illegible] بے محل و بے موقع تھا کہ گویا حدیث پاک کا صاف [illegible] نظر آتا تھا۔ اس لئے حضرت عبداللہ [illegible] اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت کے زمانہ مبارک میں عورتیں حصول مسائل شرعیہ کے [illegible] حاضر ہو کر دینی آداب [illegible] یہ مقصد بھی فوت ہو گیا۔ دینی مسائل اپنی [illegible] میں نہ عورتیں ان سے ناآشنا اور موجودہ گندی [illegible] پردہ [illegible] ہے۔

باب ۵۸
اِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعِشَاءُ!

باب۔ اس بیان میں کہ جب نماز عشاء کا وقت آجائے اور ادھر کھانا حاضر ہو تو انسان کیا کرے۔ کھانا پہلے کھاوے یا نماز پہلے پڑھے!

۱۴۶ ابو حنیفة عن الزهری عن انس ابن مالك قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم اذا نودی بالعشاء واذن المؤذن فابدؤا بالعشاء ۔

حضرت انس ابن مالک کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز عشاء کے لئے اذان دی جائے اور مکبر تکبیر کہے (اور ادھر کھانا سامنے آجائے) تو کھانا پہلے کھاؤ۔

ف:۔ طبرانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم مغرب کے بارہ میں ہے اور یہ مراعات روزہ دار کے لئے ہے۔ شیخین نے ابن عمر رض سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جب کھانا سامنے آجائے اور ادھر نماز کی اقامت ہو تو پہلے کھانے سے فارغ ہو لو۔ اور فراغت تک جلدی نہ کرو۔ خود ابن عمر کا یہ عمل تھا کہ جب کھانا ان کے سامنے رکھدیا جاتا۔ اور نماز کھڑی ہوجاتی تو آپ نماز میں شریک نہ ہوتے جب تک کھانا کھانے سے فراغت حاصل نہ کرلیتے۔ یہاں تک کہ آپ امام کی قراءت کی آواز بھی سنتے ہوتے۔ یہاں حضرت جابر سے ایک مرفوع حدیث وارد ہے۔ جو بظاہر اس حدیث کے معارض ہے۔ اس میں یوں آیا ہے لا توخروا الصلوٰة لطعام ولا لغیرہ کہ کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو موخر نہ کرو۔ ان احادیث میں تطبیق کی شکل بعض نے یہ نکالی ہے کہ تاخیر نماز کی اجازت اس وقت ہے کہ کھانا کھانا شروع کردیا ہو۔ یا یہ خوف ہو کہ یہ کھانا پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ یا یہ کہ بھوک شدید لگ رہی ہو یہاں ہو کہ اگر نماز پڑھی تو دل کھانے میں پڑا رہیگا۔ جس طرح پیشاب پاخانہ جب ستاتا ہو تو اس وقت بھی تاخیر نماز کی اجازت ہے۔ اور ممانعت کی حدیث اس موقع کے لئے مخصوص ہے کہ نماز کا وقت نکل جانے کا خطرہ ہو یا ابھی کھانا سامنے نہ آیا ہو۔ بلکہ آنے والا ہو تو ان صورتوں میں نماز کو مقدم رکھنا چاہیے۔ گویا ایسی صورت میں ہدایت ہے کہ کھانا سامنے نہ لایا جائے۔ یہ نہیں کہ آنے کے بعد نہ کھاؤ۔ اور دسترخوان پر سے اٹھ جاؤ۔ اور ساری نماز میں سوچتے رہو کہ اب نماز سے فارغ ہوں اور کب کھانا کھائیں۔

باب ۵۹ مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ!

باب۔ اس بیان میں کہ اگر کوئی تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر مسجد میں آئے تو جماعت ہوتی ہو تو وہ کیا کرے!

۱۴۷ ابو حنیفة عن الهیثم عن جابر بن الاسود

حضرت جابر سے مروی ہے کہ دو شخصوں نے

او الاسود بن جابر عن ابیه ان رجلین صلّیا الظهر فی بیوتهما علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وهما یریان ان الناس قد صلّوا ثم اتیا المسجد فاذا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الصلوٰة فقعدا ناحیةً من المسجد وهما یریان ان الصلوٰة لا تحل لهما فلما انصرف رسول الله صلی الله علیه وسلم و رآهما ارسل الیهما فجیئ بهما و فرائصهما ترتعد مخافة ان یکون قد حدث فی امرهما شیٔ
فسألهما فاخبراه الخبر۔
فقال اذا فعلتما ذلك فصلّیا مع الناس واجعلا الاولیٰ هی الفرض۔
وقد روی هٰذا الحدیث جماعة عن ابی حنیفة عن الهیثم فقالوا عن الهیثم یرفعه الی النبی صلی الله علیه وسلّم۔

صلعم کے عہد میں ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لی اس خیال کے ماتحت کہ لوگ جماعت پڑھ چکے ہوں گے۔ پھر جب مسجد میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہیں تو مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ایک دفعہ فرض پڑھ لینے کے بعد اب جماعت میں شریک ہونا ان کے لئے جائز نہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور آپ نے ان کو ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھے ہوئے دیکھا تو آدمی بھیج کر ان کو بلوایا۔ پس وہ لائے گئے اس حال میں کہ ان کے شانوں کا درمیانی گوشت اس خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا کہ شاید ان کے بارہ میں کوئی (نیا حکم) نازل ہو گیا ہے۔ آپ نے ان سے جماعت میں شریک نہ ہونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے آپ کو پورا قصہ سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسا کرو کہ گھر میں نماز پڑھ آؤ تو لوگوں کے ساتھ جماعت میں شرکت کر لیا کرو۔ اور پہلی نماز کو اپنے فرض جانو اور یہ نفل۔ ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ابو حنیفہ سے اور وہ روایت کرتے ہیں ہیثم سے اور ہیثم اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں [illegible] مرسل ہے [illegible]

ف:۔ یہ حدیث اس فقہی مسئلہ کو حل کرتی ہے کہ اگر کوئی گھر میں نماز پڑھ آئے پھر مسجد میں جماعت ہوتی نظر آئے تو اس کو چاہئے کہ جماعت میں شریک ہو علیحدہ جگہ نہ بیٹھے اس حدیث سے اس کی [illegible] ہوئی۔ اس کی تنہا نماز فرض شمار ہوگی جس طرح حدیث میں ہے واجعلا الاولیٰ ھی [illegible] جماعت کے ساتھ نماز نفل ہو گی [illegible] ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں [illegible] نماز فجر و مغرب و عصر خارج ہیں [illegible] کیونکہ فجر و عصر کے بعد [illegible] دارقطنی ابن عمر سے صحیح طریق سے یہی حدیث ان الفاظ سے [illegible] الصلوٰة فصلها الا الفجر والمغرب [illegible] نماز [illegible] اس میں شریک ہو جائے فجر و مغرب میں تو [illegible] اور مغرب [illegible] نفلوں کا ثبوت نہیں اس لئے یہ [illegible] اوقات [illegible] اس حکم سے خارج ہو گئے۔

Marfat.com

بَابُ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ!

۱۳۸ ابو حنیفۃ عن یحییٰ عن عمرۃ عن عائشۃ قالت کانوا یروحون الی الجمعۃ وقد عرقوا وتلطخوا بالطین فقیل لھم من راح الی الجمعۃ فلیغتسل ‌ وفی روایۃ کان الناس عُمّال انفسھم وکانوا یروحون بھالطھم العرق والتراب فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حضرتم الجُمُعَۃ فاغتسلوا ٭

باب - جمعہ کے دن غسل کرنے کے بیان میں!

حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں کہ لوگ جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کے لئے آتے تھے پسینہ میں تر اور مٹی میں لتھڑے ہوئے لہذا ان کو حکم ملا کہ جو جمعہ کی نماز میں آئے اس کو چاہیے کہ غسل کرے۔

ایک روائت میں اس طرح ہے کہ لوگ کاشتکار پیشہ تھے جب نماز جمعہ کے لئے چلتے تو پسینہ اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - جب تم جمعہ کی نماز کے لئے آؤ تو غسل کر کے آؤ ٭

ف :- یہ حدیث غسل جمعہ کی طرف اشارہ کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں بلکہ سنت ہے - یہ جمہور علماء اور اکثر ائمہ کا مذہب ہے - بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں - قاضی عیاض نے امام مالک کا مذہب بھی یہی بتایا ہے - واجب ماننے والوں کی حجت یا تو ابن عمر کی مرفوع حدیث ہے جو شیخین لائے ہیں اذا اتی احدکم الجمعۃ فلیغتسل کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو وہ غسل کرے - بظاہر امر سے وجوب کا پتہ چلتا ہے - یا حضرت ابی سعید خدری رضہ کی مرفوع حدیث جس کو شیخین وغیرہ لائے ہیں کہ غسل الجمعۃ واجب علی کل محتلم کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے - کہ اس میں صاف واجب کا لفظ ہے جمہور علماء کئی صحیح احادیث سے حجت لاتے ہیں - مثلاً ایک تو حدیث ذیل ہی ان کی حجت ہے - کہ اس میں غسل کے لئے اس سبب سے حکم ہوا کہ وہ کاشتکاری دھندے کی وجہ سے مٹی اور پسینے میں لت پت ہوتے اور اسی حال میں نماز جمعہ میں آموجود ہوتے اور نمازیوں کی ایذاء کا سبب ٹھہرتے کیونکہ بو میں سڑتے ہوتے - ادھر تو ان کے کپڑے موٹے ادھر عرب کی شدت کی گرمی اور دوپہر کا وقت پھر ان کا کسانی پیشہ جس میں گرد و غبار سے بچنا غیر ممکن - لہذا ان کے حالات کے تحت میں ان کو غسل کا تاکیدی حکم ملا - مگر جب یہ حالات مٹے تو وہ حکم جو ان حالات سے وابستہ تھا - وہ بھی ختم ہوا - دوسری دلیل حضرت عمر و عثمان کا وہ قصہ ہے جو مسلم وغیرہ میں نقل ہے کہ حضرت عثمان نماز جمعہ میں تاخیر سے تشریف لائے حضرت عمر نے عین خطبہ میں باز پرس فرمائی کہ یہ وقت آنے کا ہے - حضرت عثمان نے عذر بیان کیا - کہ مشغولیت کے باعث اس قدر تاخیر ہوئی کہ صرف وضو کر سکا ہوں اس پر حضرت عمر نے مزید تعجب کیا کہ خوب معلوم ہوا کہ آپ نے غسل کی سنت بھی چھوڑ دی - اگر غسل واجب ہوتا تو حضرت عمر حضرت عثمان کو واپس لوٹاتے اور ان کے صرف وضو پر خاموشی اختیار نہ کرتے - پھر حاضرین صحابہ اس پر کیوں نہ بولے کہ حضرت انہوں نے واجب کو ترک کیا ہے

Marfat.com

ان کو غسل کے لئے واپس لوٹاتا ہے۔ آپ خاموش کیسے رہتے ہیں۔ تیسری حجت عائشہؓ کی حدیث ہے جو مسلم میں ہے جس میں لوگوں سے کہا گیا ہے۔ لو اغتسلتم لکم کیا اچھا ہوتا تم غسل کرتے۔ یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ غسل واجب نہیں۔ چوتھی حدیث سمرہ بن جندب کی حدیث ہے جس کو ترمذی و ابوداؤد وغیرہ لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا من توضا فبہا ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل۔ کہ جس نے وضو کیا تو اس نے سنت پر عمل کیا اور کیا خوب ہے یہ سنت اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔ اب ان احادیث کے پیش نظر جن احادیث سے وجوب کا شبہ ہوتا ہے ان کی تاویل کرنی پڑے گی مثلاً فلیغتسل میں امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے اور واجبٌ کے معنی حقیقی وجوب کے نہیں بلکہ یہ کہ ہر بالغ کو غسل کے لئے تاکید حکم دیا گیا ہے۔ پھر اس غسل کے لئے دوسری غیر واجبی چیزیں بھی تو شریک ہیں یعنی مسواک اور خوشبو لگانا۔ جب وہ واجب نہیں تو غسل کیوں واجب ہونے لگا۔

ابو حنیفۃ والمنصور ومحمد بن بشر کلھم عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الغسل یوم الجمعۃ علی من اتی الجمعۃ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل ہر اس شخص پر ہے جو جمعہ کی نماز میں آئے۔

ف:۔ اس حدیث سے بھی وجوب کا پتہ چلتا ہے لہٰذا اس کے معنی یا تو یہ ہوں گے کہ نماز جمعہ میں شریک ہونے والا نہایت تاکیدی صورت میں غسل کے لئے مامور ہے۔ یا پھر یہ حکم حدیث عائشہ و ابن عباس سے منسوخ ہے۔ بہرحال ان قابل تاویل الفاظ سے صاف اور کھلی احادیث صحیحہ رد نہیں کی جا سکتیں۔ وہ اپنی جگہ بصورت برقرار رہیں گی۔

بَابٌ فِی الْخُطْبَۃِ! باب خطبہ کے بیان میں!

ابو حنیفۃ عن عطیۃ عن ابن عمرؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعۃ جلس قبل الخطبۃ جلسۃ خفیفۃ۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ [illegible] جمعہ کے روز جب منبر پر چڑھتے تو خطبہ سے پہلے [illegible] جلسہ فرماتے۔

ف:۔ ابوداؤد میں حتی یفرغ المؤذن کا لفظ بھی زائد ہے یعنی جب تک مؤذن اذان سے فارغ [illegible] آنحضرت منبر پر بیٹھے رہتے۔

اس مسئلہ پر ہر سہ ائمہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی متفق الرائے ہیں اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ نووی سے غلطی سرزد ہوئی کہ اس جلسہ کو مندوب نہ ماننے کی نسبت امام صاحب کی طرف کر دی۔ چنانچہ حدیث ذیل آپ ہی کے مذہب کی ترجمانی کرتی ہے۔

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم ان رجلا حدثہ انہ سال عبد اللہ بن مسعود عن خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے [illegible] بن قیس [illegible] ابن [illegible] ابن مسعود سے [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

Marfat.com

يوم الجمعة۔
فقال له اما تقرأ سورة الجمعة
قال بلى ولكن لا اعلم۔
قال فقرأ عليه واذا رأوا تجارة او لهوا انفضوا اليها وتركوك قائما۔

خطبہ کی کیفیت دریافت کی کہ آپ خطبہ بیٹھ کر پڑھتے یا کھڑے ہو کر عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ کیا تم سورت جمعہ نہیں پڑھتے۔ اس نے کہا کیوں نہیں مگر میں واقعہ نہیں جانتا۔ تو حضرت عبداللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ واذا راوا التجارة او لهوا انفضوا اليها وتركوك قائما۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود نے آیت سے بہت خوب استدلال فرمایا اور واقعہ زیر بیان سے مسئلہ قیام فی الخطبہ کا لطیف استنباط کیا۔ مقام استشہاد ترکوک قائما ہے یعنی آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔ واقعہ تو بہر حال خطبہ کا ہے تو معلوم ہوا کہ آنجناب کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ آپ سے اور صحابہ سے یہی صورت مروی ہے اور اس سلسلہ میں متعدد صحابہ سے روایات وارد ہیں جن میں جابر بن سمرۃ، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ اور ابن عباس بھی ہیں۔ خطبہ کے ذیل میں چند امور قابل تشریح ہیں۔ اول تو قیام ہی کا مسئلہ ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا محض سنت ہے یا شرط صحت خطبہ۔ امام صاحب اس کو سنت مانتے ہیں یعنی اگر کسی نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو خطبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ خطبہ کی حقیقت محض ایک وعظ و نصیحت کی سی ہے جو بیٹھ کر بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ عمل خلاف سنت رسول اور صحابہ ہے اس لئے یہ عمل مکروہ ہوا۔ البتہ افضل صورت خطبہ میں قیام ہی ہے کہ خطیب کی آواز دور دور تک پہنچ سکے۔ امام شافعی اس کو خطبہ کی شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو گویا خطبہ ہوا ہی نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ سے ایسا ہی ثابت ہے اس کے خلاف ثابت نہیں۔ امام مالک کی بھی ایک روایت میں انہی کے ساتھ متفق الرائے ہیں اور امام احمد بھی اسی خیال کے پیرو۔ امام صاحب کے مذہب پر دلیل کعب بن عجرہ کی حدیث ہے جو مسلم لائے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے عبدالرحمن بن ام الحکم کو بیٹھے ہوئے خطبہ پڑھتے دیکھا تو کہا انظروا الی هذا الخبيث يخطب قاعدا۔

واذا راوا تجارة او لهوا الآية۔ حالانکہ نماز فاسد ہونے پر کسی نے تصریح نہیں کی۔ دوسرا امر محتاج بیان قصر خطبہ وطول صلوة کا ہے۔ مسنون یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اور نماز قدرے لمبی۔ مسلم میں حضرت عمار سے مروی ہے ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فاطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة فان من البيان لسحرا۔ کہ انسان کا نماز کو لمبا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے تفقہ کی نشانی ہے۔ لہذا نماز کو دراز کرو اور خطبہ کو چھوٹا۔ البتہ بعض بیان جادو ہیں۔ مستدرک میں ہے کہ عمار کہتے ہیں کہ آپ ہم کو خطبہ مختصر کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے۔ تیسرا امر مستحق بیان خطبہ میں عصا کا ٹیک لگانا ہے یہ بھی حضور اکرم سے مروی ہے ابوداؤد میں حکم بن حزن کی حدیث کے ذیل میں مروی ہے کہ ہم جمعہ میں حاضر ہوئے۔ تو آپ عصا یا قوس سے سہارا لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ آپ نے عید پہ قوس پر سہارا لے کر خطبہ دیا۔

Marfat.com

باب ۶۲ مَا يُقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

باب۔ اس بیان میں کہ جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے!

ابو حنیفة عن احمد بن محمد بن اسمٰعیل الکوفی عن یعقوب بن یوسف بن زیاد عن ابی جنادة عن ابراهیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی صلعم کان یقرأ فی یوم الجمعة سورة الجمعة والمنافقین۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقین پڑھا کرتے تھے۔

ف:- یہ آنحضرت کا زیادہ تر کا عمل تھا۔ عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ مروان نے کہ جب وقت جب ابو ہریرہ کی امامت پر اپنا جانشین مقرر کیا تو انہوں نے نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ پہلی رکعت میں اور سورۂ منافقین دوسری رکعت میں پڑھی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہی ہر دو سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابو حنیفة عن ابراهیم عن ابیه عن حبیب بن سالم عن النعمان بن بشیر عن النبی صلعم انه کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعة سبح اسم ربک الاعلیٰ وهل اتاک حدیث الغاشیة۔

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین و جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھتے [illegible]

ف:- بعض روایتوں میں سورۂ قٓ اور [illegible] کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت کا عمل مختلف تھا۔

باب ۶۳ فِي فَضِيلَةِ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ وَمَنْ مَّاتَ فِيهَا!

باب۔ شب جمعہ کی فضیلت میں اور اس شخص کی برتری میں جو اس میں مرے!

ابو حنیفة عن قیس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من لیلة جمعة الا وینظر الله عزوجل الی خلقه ثلاث مرات یغفر الله لمن لا یشرک به شیئا۔

حضرت ابن مسعود [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] جمعہ میں اللہ عزوجل اپنی مخلوق کی طرف [illegible] و مغفرت [illegible] اس کی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں [illegible] [illegible]

ف:- ان معاف شدہ گناہوں کے بارہ میں اکثر علماء کا بیان ہے کہ [illegible] کروہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے [illegible] العباد سے تعلق رکھتے ہیں [illegible] حق ہے۔

ابو حنیفة عن الهیثم عن الحسن عن

حضرت ابو [illegible]

ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من مات یوم الجمعة وُقی عذاب القبر ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص جمعہ کے روز مرا وہ عذاب قبر سے محفوظ رہا ۔

ف: ترمذی اور بیہقی ابن عمر سے روایت بیان کرتے ہیں اس میں لیلۃ الجمعہ کا بھی اضافہ ہے یعنی یوں ہے کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو مرتا ہے اللہ اس کو فتنہ قبر سے بچا لیتا ہے۔ بعض روایتوں میں اس طرح وارد ہے کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی حساب نہیں ہوتا ہے۔ حکیم ترمذی اس کے راز کا یوں انکشاف کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن دوزخ کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ اس کی شدت سرد ہوتی ہے اس کی بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آتش ماند اور ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور وہ بقیہ ایام کا سا جوش چھوڑ چکتی ہے۔ تو ایسے مبارک دن میں جب بندہ دنیا سے رخت سفر باندھتا ہے تو یہ اس کی سعادت و خوش نصیبی کی صاف اور بیّن دلیل ہوتی ہے کہ وہ ایسے برکت والے دن دنیا سے چل بسا جبکہ مقام عذاب مسدود ہے ۔

بَابُ الرُّخْصَةِ لِلنِّسَاءِ فِی الْخُرُوجِ اِلَی الْخَیْرِ وَدَعْوَةِ الْمُسْلِمِیْنَ!

باب: عورتوں کو رخصت دیئے جانے میں کہ وہ مقامات خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونے کے لئے نکلیں!

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عمن سمع ام عطیة تقول رخص للنساء فی الخروج الی العیدین حتی لقد کانت البکران تخرجان فی الثوب الواحد حتی لقد کانت الحائض تخرج فتجلس فی عرض الناس یدعون ولا یصلین ۔

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عورتوں کو اجازت دی گئی کہ وہ نماز عیدین میں شرکت کے لئے نکلیں۔ یہاں تک کہ دو لڑکیاں ایک کپڑے (اوڑھنی) میں لپٹی ہوئی نکلتیں بلکہ یہاں تک کہ حیض والی عورت بھی نکلتی اور لوگوں سے ہٹ کر ایک کنارہ میں جا بیٹھتی (ایسی عورتیں) دعا میں شریک ہوتیں اور نماز (بوجہ حیض) نہ پڑھتیں۔

ف: اس حدیث سے ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت کے زمانہ طیبہ میں عورتوں کو مسجدوں اور عیدگاہوں میں جا کر نمازوں میں شریک ہونے کی کھلی اجازت حاصل تھی یہاں تک کہ جوان لڑکیاں اور حیض والی عورتیں بھی پہنچتیں گو نماز میں شرکت نہ کر سکتیں۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے لا تمنعوا اماء الله مساجد الله کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ البتہ خوشبو نہ لگانے کی پابندی ضرور تھی۔ جیسا کہ زینب زوجہ عبداللہ سے مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجدوں میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے لیکن اس کے ساتھ ہی شیخین نے حضرت عائشہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد کی عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ پاتے تو البتہ ان کو مسجدوں میں آنے سے روک

Marfat.com

دیتے۔ یہ ہی وہ نقطہ تحقیق ہے جس کی بنا پر علمائے متاخرین نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روکا۔ عینیؒ نے کہا ہے۔ کہ رخصت اس وقت تھی۔ لیکن اب۔ تو عورتوں کا باہر نکلنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حالت لوگوں کی دگرگوں ہو گئی ؎

ابو حنيفة عن عبد الكريم عن ام عطية قالت كان يرخص للنساء في الخروج الى العيدين من الفطر والاضحى ؎

ام عطیہ کہتی ہیں کہ عورتوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں شریک ہونے کے لئے نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی [illegible] اجازت حاصل تھی [illegible] سے روایت ہے ؎

وفي رواية قالت ان كان الطامث لتخرج فتجلس في مؤخر النساء فتدعو في العيدين ؎

ایک روایت میں یوں ہے کہ الحیض والی [illegible] وہ بھی نکلتی اور عورتوں [illegible] پیچھے [illegible] اور صرف عیدوں کی دعاؤں میں شریک [illegible] کرتی ؎

وفي رواية قالت امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نخرج يوم النحر ويوم الفطر ذوات الخدور والحيض فاما الحيض فيعتزلن الصلوة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين فقالت امرأة يا رسول الله اذا كانت احدانا لم يكن لها جلباب قال لتلبسها اختها من جلبابها ؎

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ام عطیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم عید [illegible] کے دن پردہ نشین اور حیض والی عورتوں کو [illegible] عید میں لے جائیں [illegible] [illegible] مقام عبادت [illegible] [illegible] اللہ اگر ہم میں سے کسی [illegible] آپ نے فرمایا کہ [illegible] [illegible] میں شریک [illegible] ؎

ف :- بخاری میں بھی قریب اسی مضمون کی حدیث ام عطیہ سے [illegible] مبارک کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ سابق حدیث میں معلوم ہوا ؎

بَابُ عَدَمِ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْعِيْدِ وَبَعْدَهَا

باب اس بیان میں کہ نماز عید سے پہلے ہے نہ اس کے بعد

ابو حنيفة عن عدى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج يوم العيد الى المصلى

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی [illegible] اللہ علیہ وسلم عید کے دن عید گاہ میں تشریف [illegible] [illegible] نماز عید سے پہلے [illegible] نماز [illegible]

فلم یصل قبل الصلوٰۃ ولا بعدھا شیئا ۔ نہ اس کے بعد ۔

ف:- یہ حکم عیدگاہ کے ساتھ مخصوص ہے کہ عیدگاہ میں آنجناب نے نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی نہ بعد میں۔ اور بھی کتب صحاح میں اسی طرح روایات وارد ہیں۔ کیونکہ بعض روایات میں اس طرح وارد ہے اذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین کہ آپ جب کاشانہ نبوت میں واپس لوٹتے تو دو رکعات ادا کرتے۔ چنانچہ ابن ماجہ حضرت ابی سعید خدری سے انہیں الفاظ کی حدیث لائے ہیں۔ گویا اب مسئلہ کی پوری حقیقت یہ سامنے آئی کہ احادیث صحیحہ کے پیش نظر نماز عید سے پہلے نہ گھر پر نہ عیدگاہ میں نماز پڑھنا روا ہے اور بعد میں گھر پر دو رکعات ادا کر سکتے ہیں۔ نہ عیدگاہ میں۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد میں عیدگاہ میں نفل ادا کیے تو اس کا یہ عمل اگر مکروہ تحریمی نہیں تو مکروہ تنزیہی ضرور قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ خلاف اولی عمل کا مرتکب ہوا جو کراہت تنزیہی کو مستلزم ہے اگر اس میں کراہت نہ ہوتی تو آنجناب نماز کی شدید حرص رکھتے ہوئے نماز کو کس طرح ترک فرماتے حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ اور شافعی رح وغیرہ بھی اسی خیال کے حامی ہیں بعض نے صرف حنفیہ کو اس کو مکروہ ماننے پر اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ سراسر ان کی ناانصافی ہے اور ان کی خود جہالت کی نشانی ۔

بَابُ تَقْصِیْرِ الصَّلٰوۃِ فِی السَّفَرِ!

باب۔ سفر میں نماز کو چھوٹا کرنے کے بیان میں!

۱۴۹ ح ۱

ابو حنیفۃ عن محمد بن المنکدر عن انس بن مالک قال صلینا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الظھر اربعًا والعصر بذی الحلیفۃ رکعتین ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں مدینہ میں اور ذی الحلیفہ میں جا کر عصر کی پڑھیں دو رکعتیں ۔

ف:- حضرت انس ہی سے یہ حدیث ترمذی لائے ہیں جس کو انہوں نے حدیث صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث سفر میں قصر فی الصلوٰۃ کی دلیل ہے۔ یہ مسئلہ بسط و تفصیل کے ساتھ ہو سکتا حدیث میں آ رہا ہے ۔

۱۵۰ ح ۲

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ بن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی السفر رکعتین و ابوبکر و عمر لا یزیدون علیہ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعتیں پڑھتے اور ابوبکر و عمر بھی اس پر زیادتی نہ کرتے ۔

ف:- یہ حدیث ایک اختلافی مسئلہ کو چھیڑتی ہے۔ صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ مسافر بحالت سفر چار رکعت والی نمازوں کو قصر پڑھے یعنی دو دو رکعت اختلاف اس میں یہ ہے کہ کیا اس کو چار رکعت بھی پڑھنے کا حق حاصل ہے اور اگر چار رکعت پڑھ لیں تو شریعت میں اس کا یہ عمل کیسا شمار ہوگا۔ امام شافعی رح کے نزدیک وہ مختار ہے چاہے پوری پڑھے یا چاہے قصر کرے۔ ایک روایت میں امام مالک اور احمد بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو پوری نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔ قصر کے سوا اس کے لیئے کوئی صورت جائز نہیں ہے اگر اس نے پوری نماز پڑھی تو گنہگار ہوا اور اس کا یہ عمل مکروہ تحریمی قرار پایا۔ امام شافعی قرآن کی اس

Marfat.com

آیت سے دلیل لاتے ہیں فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ قصر کرو نماز میں۔ اس کے الفاظ صاف رخصت واختیار کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یعنی مسافر پر سے پابندی اٹھا دی گئی خواہ قصر سے پڑھے خواہ پوری۔ حدیث میں وہ علی بن ربیعہ کی حدیث کو سامنے رکھتے ہیں کہ انہوں نے عمر سے کہا کہ اب تو دشمن کا خوف بھی نہیں تو اب ہم کیوں قصر کریں۔ کیونکہ فرمایا ان خفتم آپ نے کہا کہ یہی اشکال مجھے بھی درپیش تھا۔ کہ میں نے آنجناب سے اس کو حل کیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ ایک قسم کا صدقہ ہے جو اللہ کی طرف سے تم کو دیا گیا ہے تو اس کو قبول کرو۔ پھر وہ اس کو روزہ پر قیاس کرتے ہیں جس طرح اس میں مسافر مختار ہے خواہ روزہ رکھے یا افطار کرے یہی حال اس میں رہے گا۔ اسی سلسلہ میں ان کو روایات سے اور تقویت ملی ایک حضرت عثمان کی حدیث کہ انہوں نے منیٰ میں مسافر ہوتے ہوئے چار رکعت پڑھیں۔ یعنی پوری نماز دوسری حدیث حضرت [illegible] کے بارہ میں کہ آپ نے بھی نماز بحالت سفر پوری پڑھی۔ یہ ہے مذہب شافعیہ کا خلاصہ اور اس کے استدلال کا لب لباب۔ امام صاحب کے مذہب پر مختلف احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ اول ہی حضرت انس کی حدیث جو کہ محمد بن المنکدر کے واسطہ سے گذری۔ کہ آپ نے ذی الحلیفہ میں قصر فرمایا۔ جس کو ترمذی نے حدیث صحیح کہا ہے۔ دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود کی جو اس معاملہ میں فیصلہ کن ہے اور جو [illegible] کے مسلسل ہی امام صاحب سے مروی ہے۔ اور جو دیگر کتب صحاح میں بھی وارد ہے۔ کہ جب آپ سے کہا گیا کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعت ادا کیں تو آپ نے انا للہ پڑھی اور کہا کہ میں نے آنحضرت کے ساتھ دو رکعت پڑھیں اور ابوبکر وعمر کے ساتھ دو رکعت پڑھیں غرض آپ نے سخت تعجب کا اظہار کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حیثیت اور مقام علمی آپ پہچان ہی چکے ہیں۔ جب وہ کسی امر کو [illegible] کی بات کہیں تو خود سمجھئے کہ اس کی شریعت میں کیا حقیقت ہوگی۔ خصوصاً جبکہ وہ آنحضرت اور شیخین کا عمل بھی پیش کرتے ہیں۔ [illegible] تیسری حجت مذہب حنفیہ کی حضرت عبداللہ کی حدیث ہے جو بخاری لائے ہیں [illegible] کہ ہم نے ان کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی انہوں نے دو دو رکعت ادا کیں [illegible] ابتدائے خلافت میں قصر کیا پھر پوری پڑھی۔ چوتھی حجت ترمذی کی حدیث ہے جو عمران بن [illegible] ہے جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ ان سے صلوٰۃ مسافر کے بارے میں [illegible] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا آپ نے دو رکعتیں [illegible] دو رکعتیں ادا کیں عمر کے ساتھ حج کیا انہوں نے بھی دو رکعتیں پڑھیں [illegible] انہوں نے بھی دو ہی پڑھیں۔ پانچویں دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے [illegible] مضمون کی کہ آنحضرت جب مدینہ سے باہر نکلتے تو دو ہی رکعتیں ادا [illegible] سمجھا۔ عمل آنحضرت وشیخین کی طرف سے [illegible] ثبوت [illegible] انکار نہیں۔ اور اس کا ثبوت بھی [illegible] اس کو شریعت میں [illegible] بالکل ایسی ہوتی جیسے کوئی [illegible]

ابن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے عمرؓ سے روایت لاتے ہیں کہ صلوۃ السفر، صلاۃ الاضحیٰ، صلاۃ الفطر اور صلوۃ الجمعہ یہ سب کی سب دو دو رکعت ہیں۔ گویا یہ سب ایک ہی حکم میں شمار ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے صحیح طریق سے مروی ہے من صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین کہ جس نے سفر میں چار رکعت پڑھیں۔ گویا اس نے حضر میں (بجائے چار کے) دو رکعت پڑھیں۔ گویا ہر دو جگہ حد شرعی کو توڑنا ہے۔ یہ ہے مذہب حنفیہ کا روایتی پہلو جس پر ان کا مذہب برقرار ہے۔ اب مذہب شافعیہ کو ذرا اور گہرائی سے دیکھیے ان کی بنائے مذہب یا بنائے خیال یہ ہے کہ فرض دراصل چار رکعت ہیں اور سفر میں رعایۃً ان کی تخفیف ہو کر دو رکعت کر دی گئی ہیں اور مسافر کو اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ حالانکہ یہ بنائے خیال ہی خلاف روایات صحیحہ اور واقعیت اور حقیقت سے دور ہے۔ کیونکہ معاملہ درحقیقت کچھ اور ہے کہ نماز پہلے دو رکعت کی شکل میں فرض ہوئی تھی۔ پھر حضر میں ان پر دو رکعت کا اضافہ کر کے پوری چار رکعت کر دی گئیں اور سفر میں وہ دو کی دو ہی فرض رہیں۔ یہ نہیں کہ فرض چار رکعت تھیں۔ اس میں رعایت دی گئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی حدیث جو بخاری میں ہے وہ اس بارہ میں ناطق فیصلہ کرتی ہے الصلوۃ اول ما فرضت رکعتان فاقرت صلوۃ السفر رکعتان فاقرت صلوۃ السفر واتمت صلوۃ الحضر کہ پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھیں۔ پھر سفر میں دو کی دو ہی برقرار رہیں اور حضر میں پوری چار ہو گئیں۔ نسائی نے صحیح طریق سے عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے صلوۃ السفر رکعتان تمام غیر قصر علی لسان نبیکم صلعم کہ سفر کی نماز میں دو رکعت ہیں۔ پوری قصر شدہ نہیں۔ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی۔ مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ نے حضر میں چار رکعت فرض کیں اور سفر میں دو اور خوف میں ایک۔ لہذا مذہب شافعیہ کی بنائے خیال ہی استوار نہیں تو اب مذہب میں استواری کیسی۔

رہا یہ امر کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعت کیوں پڑھیں اور حضرت عائشہ نے سفر میں پوری نماز کیوں ادا فرمائی۔ اس کا بھی جواب سنیے کہ حضرت عثمان بعد حج کے اقامت کا ارادہ کر چکے تھے جیسا کہ عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں۔ گویا اس اقامت کو آپ نے توطن کا درجہ دیا۔ اور توطن سے انسان لامحالہ قصر کو ترک کر کے پوری نماز ادا کرتا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے یہی دفعہ نقل کیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ کے اس عمل پر تعجب ظاہر کیا تو آپ نے یہی عذر ظاہر فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے من تاھل فی بلد فلیصل صلوۃ المقیم کہ جب کوئی کسی شہر میں رہ پڑے اور اہل وعیال زندگی اختیار کرے تو پھر وہ مقیم کی سی نماز پڑھے۔ تو اب تو صورت ہی دوسری ہوئی۔ اب آپ مسافر کب رہے۔ یا ممکن ہے آپ اتمام وقصر ہر دو کے جواز کے قائل رہے ہوں۔ جیسا کہ غالبًا عائشہؓ کا خیال تھا۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ کیوں سفر میں پوری نماز پڑھتی ہیں۔ عروہ نے کہا کہ انہوں نے وہی تاویل کر لی جو حضرت عثمان نے کی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ اور شیخینؓ سے اس قصر پر مواظبت ثابت ہوئی تو یہی عمل بنائے مذہب ٹھہرے گا۔ پھر جانے دیجیے سب اول کو بھول جائیے تمام گفتگو کو ہم ایک بات پر اس سے فیصلہ کرتے

ہیں کہ آنحضرت ؐ سے اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح ۔ حسن ۔ ضعیف کبھی کبھی پیش کردیں کہ آپ نے کبھی کبھی سفر میں پوری نماز پڑھی ہو تو ہم سمجھ لیں گے کہ اس مذہب کی کوئی حقیقت اور اس خیال کی کچھ تک ہے جبکہ آنحضرت کو نماز کی حرص تھی ۔ اور آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہی تھی ۔ تو کبھی تو پڑھی ہوتی ۔ جب آپ سے کسی طرح کا ثبوت سوائے قصر کے اس بارہ میں نہیں تو لامحالہ انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا کراہت سے کسی طرح خالی نہیں ۔ یہی مذہب احناف کا ہے ۔

اب آئیے قیاس کی طرف اور ذرا عقل و درایت کے میدان میں قدم رکھئے اور جانچئے کہ مذہب شافعیہ کے قیاس میں استواری کس قدر ہے ۔ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ حضرت یہ دو رکعت جو آپ نے سفر میں نہیں پڑھی ہیں یہ کیا فرض رکعت ہیں ۔ اگر فرض ہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے تو ان کی ادائگی واجب کیوں نہ ہوئی ۔ اختیار پر اس کی بنا کیوں ٹھہری ؟ اسی طرح ہر فرض کی قضا ہوتی ہے ۔ ان کی قضا کیوں نہیں ؟ اور ہر فرض کا ترک گناہ کا سبب ہے ان کا ترک باعث گناہ کیوں نہیں ؟ یہ کیسا فرض ہے کہ فرض کی کوئی علامت نہیں ۔ بلکہ یہ علامات آپ کے مطلب کے خلاف نفلوں کی رکھتا ہے ۔ نہیں ہے وہ جو قیاس کرنے کی جرأت کی کہ روزہ میں گو اختیار ہے ۔ مگر اس میں قضا ہے یہاں وہ بھی نہیں جب یہ صورت حال ہے تو ان فوت شدہ رکعات کو فرض کیسے مان لیں ۔ یوں ان کے قیاس کی پول بھی کھلی ۔ اب حرف آیت رہ گئی جس میں لفظ جناح سے اشتباہ ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصر کرنے یا نہ کرنے میں تم کو اختیار رخصت ہے ۔ بلکہ یہ لفظ دراصل اس لئے بڑھایا کہ یہ وسوسہ نہ پیدا نہ ہو کہ نماز حضر میں کچھ نقصان ہو گیا کہ چار کی دو رہ گئیں ۔ بلکہ یہ علیحدہ فرض ہیں اور پوری ہیں ۔ یہ نماز حضر کی ادھوری شکل نہیں ۔ کہ تم کو نقصان کا شبہ ہو ۔ اور تم اس کو گناہ جانو ۔

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله انه أُتي فقيل صلى عثمان بمنىً اربعًا فقال انا لله و انا اليه راجعون صليتُ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين ومع ابي بكر ركعتين ومع عمر ركعتين ثم حضر الصلوٰة مع عثمان فصلى معه اربع ركعات فقيل له استرجعت وقلت ما قلت ثم صليت اربعًا

قال الخلاف شر قال وكان اول من اتمها اربعا بمنى ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ آپ کے پاس کوئی آیا اور کہا عثمان نے چار رکعت پڑھیں آپ نے [illegible] پھر کہا میں نے [illegible] کے ساتھ دو رکعتیں اور ابوبکر کے ساتھ دو رکعتیں اور [illegible] کے ساتھ دو رکعتیں پھر حضرت [illegible] حضرت عثمان کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے تو ان کے پیچھے چار رکعت پڑھیں [illegible] آپ نے [illegible] چار رکعت پڑھیں آپ نے جواب دیا کہ خلافت [illegible]

ف : مسئلہ کی تشریح سابق حدیث میں گذر چکی ۔

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الرَّاحِلَۃِ!

ح ۱۵۲ ۱ ابو حنیفۃ عن حماد عن مجاھد انه صحب عبداللہ بن عمر من مکة الی المدینة فصلی ابن عمر علی راحلته قبل المدینة یؤمی ایماء الا المکتوبة والوتر فانه کان ینزل لھما عن دابته قال فسألته عن صلاته علی راحلته و وجهه الی المدینة فقال لی کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی علی راحلته تطوعا حیث کان وجهه یؤمی ایماء ۔

باب سواری پر نماز پڑھنے کے بیان میں!

مجاہد کہتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ لوٹتے وقت میں حضرت عبداللہ بن عمر کا رفیق سفر رہا ہیں آپ نے اپنی سواری پر اونٹ پر مدینہ کی طرف رخ کی حالت میں نماز ادا فرمائی۔ رکوع سجود کے لئے آپ اشارہ کرتے جاتے تھے۔ مگر فرض اور وتر کو آپ سواری سے اتر کر پڑھتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے سواری پر نماز پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا۔ جبکہ سواری کا منہ اور رخ مدینہ کی طرف ہے گویا قبلہ سے پھرا ہوا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اپنی سواری پر خواہ کدھر بھی رخ ہو۔ اور رکوع سجود کے لئے اشارہ کرتے جاتے ۔

ف: اس حدیث کے ذیل میں یہ امر حل طلب ہے اور محتاج بیان کہ سفر میں سواری پر کون کون سی نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں اور کونسی نہیں۔ امام شافعی وامام احمد کا مسلک ہے کہ نفل اور وتر ہر دو سواری پر ادا ہو سکتے ہیں محض فرض زمین پر اتر کر ادا کئے جائیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صرف نفل نمازیں سواری پر ادا ہو سکتی ہیں۔ باقی وتر اور فرض زمین ہی پر ادا کئے جا سکتے ہیں نہ سواری پر۔ گویا اس میں سب کا اتفاق ہے کہ فرض زمین پر ادا کئے جائیں اور اس پر بھی سب متفق ہیں کہ نفلیں سواری پر ادا کی جا سکتی ہیں۔ تنازع محض وتروں میں رہ جاتا ہے۔ امام شافعی رح کے مذہب کی دلیل بخاری کی حدیث ہے جو وہ انہیں عبداللہ بن عمر سے بطریق نافع روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں کان ابن عمر یصلی علی راحلته و یوتر علیھا کہ ابن عمر سواری پر نماز پڑھا کرتے اور اسی پر وتر پڑھ لیا کرتے و یخبر ان النبی صلعم کان یفعله اور بیان کرتے کہ نبی صلعم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ یا سعید بن یسار کی روایت ہے جس کو مالک لائے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کا رفیق سفر تھا۔ راستہ میں پیچھے رہ گیا حضرت ابن عمر نے مجھ سے فرمایا۔ کہاں تھے؟ میں نے کہا وتر ادا کر رہا تھا۔ فرمایا کیا تمہارے لئے اس بارہ میں رسول اللہ صلعم کا کوئی اچھا طریق نہیں ہے۔ میں نے آنحضرت صلعم کو دیکھا کہ آپ سواری پر وتر پڑھا کرتے۔ مذہب حنفیہ کا مدار بھی ابن عمر ہی کی حدیث پر ہے جو تین صحیح طرق سے مروی ہے۔ ایک مجاہد کے واسطہ سے جو ذیل میں آپ کے سامنے ہے کہ صاف ناطق ہے کہ ابن عمر فرض نماز اور وتر زمین پر ادا فرمایا کرتے۔ دوسرے جبیر کے واسطے سے جس کو امام محمد مؤطا میں لائے ہیں جس میں ہے فاذا کانت الفریضة او الوتر نزل فصلی کہ جب فرض یا وتر پڑھنے ہوتے تو زمین پر اترتے اور پڑھتے۔ تیسرے نافع ہی کے طریق سے جو طحاوی لائے ہیں جس کے الفاظ ہیں کان یصلی علی راحلته و یوتر بالارض کہ سواری پر نماز پڑھا کرتے اور وتر زمین پر

اب جن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عمر رض نے سواری پر وتر ادا کئے۔ یا سعید بن یسار کا قصہ کہ انہوں نے تو آپ نے اس کے لئے ہدایت کی تو اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ کہ غالباً کسی عذر کے سبب ایسا ہوا ہو گا کہ کیچڑ۔ پانی۔ یا کسی اور خوف سے نہ اتر سکے ہوں گے۔ کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض بھی سواری پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ یا بہت امکان ہے کہ اس وقت تک وتروں کا وجوب جناب کے نزدیک ثابت نہ ہوا ہو۔ اور ان کو وہ اہمیت حاصل نہ رہی ہو جو اب ان کو حاصل ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں بہت سے احکام [illegible] پہلے بہت کچھ آزادی تھی جو بعد میں قیودات اور سختیوں سے بدلتی گئی۔ گویا ان کا شمار محض سنتوں میں رہا ہو۔ جو سواری پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ ورنہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر سے سواری پر وتر پڑھنا مروی ہو اور آپ ہی اس کے خلاف کریں۔ یا اس کے خلاف ہدایت کریں۔ اور نعوذ باللہ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کے مصداق بنیں ۔

بَابُ الْوِتْرِ !

باب۔ وتر کے بیان میں !

ابو حنیفة عن ابی یعفور العبدی عن حدثہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زادکم صلوٰۃ وتر

وفی روایة ان اللہ افترض علیکم وزادکم الوتر۔

وفی روایة ان اللہ زادکم صلوٰۃ الوتر۔

وفی روایة ان اللہ زادکم صلوٰۃ وھی الوتر فحافظوا علیھا ۔

152 حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز فرضوں پر زیادہ کی۔ وہ وتر ہیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کی نماز تم پر اور زیادہ کی تمہارے لئے وتر۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ کی تمہارے لئے نماز اور وہ وتر ہیں [illegible] کر دان کی ۔

ف: حدیث ذیل کے تحت میں یہ امر قابل تنقیح ہے کہ امام اعظم سے وتروں کے بارہ میں [illegible] روایات [illegible] ہیں یعنی کہ آپ ان کو واجب مانتے تھے یا فرض یا سنت۔ واجب ماننے کی روایات صحت سے اقرب [illegible] وتروں کے وجوب پر کئی احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے ان میں سے ایک حدیث ذیل بھی ہے [illegible] حدیث [illegible] صحابہ سے مروی ہے جن میں خارجہ بن حذافہ۔ عمرو بن عاص۔ [illegible] ابن عباس۔ [illegible] ابو سعید خدری وغیرہ ہیں۔ بعض کو ان میں سے کسی کے سلسلہ سند میں کلام ہو [illegible] کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کو قوی کر دیتی ہیں۔ [illegible] حدیث ذیل اپنے الفاظ [illegible] کا پتہ دیتی ہے مثلاً اس میں زادکم کا لفظ ہے جس سے پر زور اشارہ ہے کہ وتر [illegible] واجب ہیں۔ کیونکہ زیادتی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف [illegible] فرض اس لئے نہیں ہوئے کہ یہ دلیل قطعی نہیں لامحالہ سنت و فرض کے درمیان واجب [illegible] کے بھی لطیف اشارہ اس طرف ہے کیونکہ زیادتی [illegible]

ان کی کوئی تعداد یا گنتی متعین و مقرر نہیں کہ ان سے زیادتی کی جائے۔ تیسرے ایک شے پر زیادتی اسی کے جنس سے ہونا اقرین قیاس ہے۔ یہاں مزید علیہ جس پر زیادتی ہوئی ہے فرض ہیں تو یہ بھی فرض ہونے چاہئیں مگر چونکہ ان کے ثبوت میں دلیل قطعی نہیں اس لئے یہ فرض تو نہ ہوئے واجب ضرور ٹھہرے۔ اب دوسرے طرق سے مروی الفاظ پر سرسری نظر ڈالئے۔ دارقطنی میں عمر بن شعیب کے طریق میں ہے کہ ہم کو حکم دیا تو ہم جمع ہوئے حمد وثنا کے بعد یہی الفاظ ادا فرمائے۔ ایک روائت میں یوں ہے کہ آپ نکلے اس حال میں کہ چہرہ سرخ تھا منبر پر چڑھے اور حمد وثنا کے بعد یہ الفاظ ادا کئے۔ لہذا جمع کرنا۔ چہرہ کا سرخ ہونا۔ حمد وثنا کہنا یہ سب ان وتروں کی سنتوں سے زائد اہمیت کو ثابت کرتے ہیں۔ ابوبصرہ کی حدیث میں فصلوھا سے صیغہ امر استعمال کیا ہے۔ عمرو بن شعیب کے طریق میں صاف لفظ امر ہے کہ امرنا کہ ہم کو حکم دیا۔ یہ ساری گفتگو اس حدیث پر تھی۔ اب دوسری احادیث جو اسی سلسلہ میں وارد ہیں وہ اس سے زائد وضاحت کے ساتھ وتروں کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔ ابوداؤد ابی ایوب انصاری سے حدیث لائے ہیں الوتر حق علی کل مسلم حق کی ادائیگی چونکہ واجب ہے اس لئے اس سے بھی وجوب کا علم ہوا۔ ابن بریدہ سے ابوداؤد یہی روایت لاتے ہیں اس میں اس کی زیادتی ہے فمن لم یوتر فلیس منا کہ جس نے وتر ادا نہیں کئے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ لہذا اس سخت وعید اور تین مرتبہ اس کا اعادہ باواز بلند ان کے وجوب پر گویا ہے۔ مسلم میں ابی سعید سے اَوْتِرُوْا کا لفظ مروی ہے جو وجوب کی طرف مشیر ہے۔ امام مالک روائت کرتے ہیں کہ کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ حضرت وتر کیا واجب ہیں آپ نے فرمایا وتر پڑھے آنحضرت نے اور مسلمانوں نے پھر سائل نے وہی سوال کیا تو آپ نے وہی جواب دیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے بھی آشکارا ہے کہ وتر واجب ہی ہیں۔ گویا بدیگر الفاظ یوں فرمایا کہ یہ کیسے واجب نہ ہوں جبکہ آنحضرت اور مسلمانوں نے ان کو ہمیشہ ادا کیا ہو۔ لہذا ان تمام روایات کے الفاظ کوئی صراحتہ کوئی اشارۃً وتروں کے وجوب پر واضح اور بین دلائل ہیں جن میں کوئی مجال شک نہیں ÷

۱۵۴ ابوحنیفۃ عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرۃ قال سألت علیاً رضی اللہ عنہ عن الوتر احق ھو قال اما کحق الصلوٰۃ فلا ولکن سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ینبغی لاحد ان یترکہ ÷

۲ عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رض سے پوچھا۔ وتر کے بارہ میں کہ کیا وہ حق (واجب یا فرض) ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نماز کی طرح تو حق (فرض) نہیں۔ لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ نہیں جائز ہے کسی کے لئے کہ اس کو چھوڑ دے ÷

ف:۔ یہ حدیث بھی وتر کی اہمیت کو واضح کرتی ہے کہ گو وہ فرض کی طرح دلیل قطعی سے ثابت نہیں کہ فرض ٹھیریں البتہ ان کا وجوب سنت نبوی سے ثابت ہے اور ان کا ترک ہرگز جائز نہیں ÷

۱۵۵ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث یقرأ فی الاولیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ بقل یایھا الکفرون

۳ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت ادا فرمایا کرتے۔ اول رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے۔ دوسری میں قل یایھا الکافرون اور تیسری میں

وفی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد ⁂

وفی روایۃ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الرکعۃ الاولی من الوتر بام الکتاب وسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ بام القرآن وقل یا ایھا الکافرون وفی الثالثۃ بام الکتاب وقل ھو اللہ احد ⁂

وفی روایۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلث ⁂

ھو اللہ احد ⁂

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے وتر کی پہلی رکعت میں الحمد اور سبح اسم ربک الاعلی دوسری میں الحمد اور قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں الحمد اور قل ھو اللہ احد ⁂

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے ⁂

ف: حدیث ذیل کے ماتحت تعداد رکعات وتر کا مسئلہ قابل وضاحت معلوم ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی ائمہ کرام کی آراء کے مابین حد اختلاف قائم کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں امام مالک و شافعی ایک رکعت مانتے ہیں۔ ہر دو ائمہ کی اصل اصول اور فیصلہ کن دلیل ابن عمر کی حدیث ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے۔ الفاظ قریب قریب ایک ہیں مثلاً ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شب کی نماز کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا مثنی مثنی فاذا خشیت الصبح فصل رکعۃ توتر لک صلوتک کہ دو دو رکعت ہیں جب صبح ہونے کا تجھ کو خوف ہو تو ایک رکعت پڑھ۔ یہ تیری نماز کو وتر کر دے گی۔ ایک روایت میں فاوتر بواحدۃ ہے کہ ایک رکعت ملا کر دوگانہ کو وتر کر لے۔ اس کی حقیقت کو تم آخر بیان میں کھولیں گے۔ امام صاحب کے مذہب پر سنگین دلائل ہیں جو سپرد قلم ہیں۔ اول حدیث ذیل ہی کہ فرمایا یوتر بثلث کہ آنحضرت وتر کی تین رکعات پڑھا کرتے ہر رکعت کے لئے علیحدہ قرأت کا اظہار [illegible] تیسری رکعت کا وصل ہی ہے بغیر فاصلہ تحریمہ کے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی حدیث جو حاکم شرط شیخین پر لائے ہیں۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرھن کہ آنحضرت وتر کی تین رکعت ادا فرمایا کرتے اور آخر میں سلام پھیرتے۔ یا نسائی کی حدیث کہ عائشہ فرماتی ہیں کان النبی صلعم لا یسلم فی رکعتی الوتر کہ نبی صلعم وتر کی دو رکعت پر سلام نہ پھیرا کرتے تیسرے دارقطنی میں ابن مسعود [illegible] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر اللیل ثلاث کوتر النھار صلوۃ المغرب کہ شب کے وتر تین رکعت ہیں جس طرح دن کے وتر مغرب کی نماز کی تین رکعت ہیں [illegible] ثوری وغیرہ اس کو موقوف لائے ہیں۔ خبر مرفوع صحیح نہ سہی۔ موقوف بھی قابل [illegible] کیسی قوی حجت ہے جس میں مثال تک دیدی گئی کہ اب تیسری رکعت کو دوسرے سے جدا کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ [illegible] کی تقویت یوں ملتی ہے کہ طحاوی ابی خالد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابا العالیہ سے وتر کے بارے میں پوچھا آپ نے کہا کہ اصحاب نبی صلعم نے ہم کو وتر مغرب کی نماز کی طرح سکھائے [illegible] کے وتر ہیں تو دن کے وتر۔ پانچویں بخاری اپنی صحیح میں قاسم بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ [illegible] کو وتر کی تین رکعت پڑھتے ہوئے پایا۔ پانچویں حضرت عمرؓ کا عمل یہی تھا۔ چنانچہ حاکم مستدرک میں [illegible] سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے حسن سے کہا کہ [illegible] [illegible]

حسن بولے کہ عمر ابن عمر سے زیادہ افقہ تھے اور وہ تو دو کے بعد تکبیر کہتے ہوئے اٹھ جاتے۔ چھٹے ابن ابی شیبہ حسن سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا اجتمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی آخر ھن یعنی مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور نہ سلام پھیرے انسان مگر آخر میں۔ پھر امام محمد مؤطا میں ابن مسعود سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک رکعت ہرگز کافی نہیں۔ اب آئیے ہر دو ائمہ کرام کی مذکورہ دلیل کی طرف توجہ کریں۔ توتوتر لک صلوتک یا فاذنتر بواحدۃ اگر مذہب شافعیہ و مالکیہ کے لئے حجت ہے تو مذہب حنفیہ کی بھی یہ ہی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی کیوں نہ کئے جائیں کہ اس دوگانہ نماز کے ساتھ ایک رکعت ملا کر تین رکعت کے وتر کرلے نہ یہ کہ وتر کو نئی تحریمہ سے علیحدہ ایک رکعت کی شکل میں پڑھ لے۔ یہ ترجمانی حدیث کی نہیں بلکہ اپنے خیال کی ہے۔ پھر ایسے الفاظ جو دو معانی کا احتمال رکھتے ہوں وہ نزاع کب چکا سکتے ہیں خصوصاً جبکہ مخالف کے پاس صاف اور کھلے الفاظ میں صحیح احادیث مرفوعہ و موقوفہ موجود ہوں۔ دوسرے یہ حکم فاذا خشیت الصبح کے پیش نظر صبح کے طلوع ہونے کے خوف کے ساتھ مشروط ہے۔ گویا یہ حکم بغیر وجود اس شرط کے کالعدم ہے اور غیر نافذ اور مزید برآں اخبار صحیحہ کی رو سے بغیر کسی صورت جائز نہیں۔ اور ایک رکعت کو دوگانہ سے بذریعہ نئی تحریمہ جدا کر کے پڑھنا صاف بتیرا کی شکل ہے جو ہرگز جائز نہیں۔ یہ ہیں طرفین کے استدلالی پہلو اور ان کا اجمالی بیان یا خلاصہ ؛

156/4 **ابوحنیفۃ** عن زبید بن الحارث الیامی عن ابی عمر عن عبد الرحمن بن ابزی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی وترہ سبح اسم ربک الاعلی وقل یا ایھا الکفرون فی الثانیۃ وقل ھو اللہ احد فی الثالثۃ

وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الوتر فی الرکعۃ الاولی سبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ قل للذین کفروا یعنی قل یا ایھا الکفرون فھکذا فی قراءۃ ابن مسعود وفی الثالث قل ھو اللہ احد ؛

وفی روایۃ انہ کان یقرأ فی الوتر فی الرکعۃ الاولی سبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ قل یا ایھا الکفرون فی الثالثۃ قل ھو اللہ احد ؛

وفی روایۃ کان یوتر بثلث رکعات یقرأ فیھا سبح اسم ربک الاعلی وقل یا ایھا الکفرون وقل ھو اللہ احد

حضرت عبدالرحمن بن ابزی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتروں کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھا کرتے۔ دوسری میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھتے دوسری میں قل للذین کفروا یعنی قل یا ایھا الکافرون اور یہ ہی روایت ہے ابن مسعود کی اور تیسری میں قل ھو اللہ احد ؛

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھتے۔ دوسری میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد ؛

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ وتر کی تین رکعات ادا فرماتے تھے۔ پڑھا کرتے ان میں سبح اسم ربک الاعلی۔ قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ

۱۵۷ **ابوحنیفۃ** عن ابی سفیان عن ابی نضرة عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لافصل فی الوتر ۔

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وتر (شفع اور آخری رکعت کے درمیان) میں کوئی فاصلہ (نئی تحریمہ سے) نہیں ۔

۱۵۸ **ابوحنیفۃ** عن عبداللہ عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول الوتر اول اللیل سخطۃ للشیطان واکل السحور مرضاۃ الرحمٰن ۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شروع رات کے وتر شیطان کو برافروختہ اور رغضناک کرتے ہیں اور رمضان میں سحری کھانا خدائے رحمٰن کی رضامندی وخوشنودی کا سبب ہے ۔

ف : ۔ اول رات کے وتر شیطان کے غصہ کو یوں ابھارتے ہیں کہ ان سے اس کی امیدوں پر پانی پھرتا ہے ۔ اس کے ارادے خاک میں ملتے ہیں اور اس کے سارے منصوبے ہوا ہو جاتے ہیں ۔ اگر نمازی سو جاتا اور غلبہ نیند سے وتر قضا ہو جاتے تو خوشی کے نازیانے بجاتا ۔ مارے خوشی کے پھولوں نہ سماتا ۔ کہ وتر جیسی اہم نماز نیند کا شکار ہوئی ۔ مگر شروع رات میں وتر پڑھنے سے اس کی خوشی رفوچکر ہوئی ۔ بلکہ خوشی کی جگہ حسرت اور صدمہ نے لے لی ۔

سحری کی فضیلت دوسری صحیح احادیث بھی وارد ہیں ۔ کہ حضرت انس سے وارد ہے فی اکل السحور برکۃ کہ سحری کے کھانے میں برکت ہے ۔ اول تو سنت نبوی طریق مصطفوی کی پیروی ومتابعت میں جو خیر و برکت ہے ۔ دوسرے روزہ دار زیادہ نقاہت وکمزوری وناطاقتی وناتوانی کا شکار نہیں ہوتا چستی وچالاکی سے عبادت الٰہی ویاد خداوندی میں دن کاٹتا ہے ۔

۱۵۹ **ابوحنیفۃ** عن حماد عن ابراھیم عن ابی عبداللہ الجدلی عن ابی مسعود الانصاری قال اوتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اول اللیل واوسطہ واخرہ لکی یکون واسعًا علی المسلمین ای ذٰلک اخذ وابہ کان صوابا غیر انہ من طمع لقیام اللیل فلیجعل وترہ فی اٰخر اللیل فان ذٰلک افضل ۔

حضرت ابی مسعود انصاری کہتے ہیں کہ وتر پڑھے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب میں ۔ درمیان شب میں اور آخر شب میں تاکہ مسلمانوں کو عمل کرنے میں فراخی نصیب ہو ۔ اس میں سے جس پر بھی عمل کیا جائے ٹھیک ہے ۔ البتہ جو بھروسہ رکھتا ہو رات کو تہجد کے لئے اٹھنے پر اس کو چاہئے کہ وتر آخر شب میں پڑھے کیونکہ یہ (آخر شب میں وتر پڑھنا) ہی افضل ہے ۔

وفی روایۃ عن ابی عبداللہ الجدلی عن عقبۃ بن عامر وابی موسی الاشعری انھما قالا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر احیانا اول اللیل واوسطہ واخرہ لیکون سعۃ

ایک اور روایت میں عقبہ بن عامر اور ابی موسیٰ اشعری ہر دو اصحاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی وتر شروع رات میں ادا فرماتے کبھی درمیان شب میں اور کبھی آخر شب میں تاکہ مسلمانوں کو اس بارہ میں وسعت اور آزادی نصیب ہو کہ ان ہر سہ اوقات میں سے جس

Marfat.com

لِلْمُسْلِمِيْنَ ؛ وقت میں چاہیں وتر ادا کرلیں موافق سنت ہوا ؛

ف :۔ آنحضرت نے اپنے عمل سے وتروں کے لئے میدان عمل وسیع فرمادیا کہ رات کے جس حصہ میں ادا کئے جائیں موافق سنت ہے اور موجب اجر وثواب۔ اب رہ جاتی ہے افضلیت تو وہ آخر شب میں ہی ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث صحاح میں اس کی وجہ تم فرمائی فان قرأة القرآن فی اٰخر اللیل محضورة وهی افضل کہ آخر شب کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یوں ہی وہ افضل ہے ؛

بَابُ ۶۹ سَجْدَتَي السَّهْوِ ! باب۔ دو سجدہ سہو کے بیان میں !

۱۶۰ خم ۱ أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله ابن مسعودؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلوٰة اما الظهر واما العصر فزاد اونقص فلما فرغ وسلم فقيل له احدث فى الصلوٰة أم نسيت قال أنسى كما تنسون فاذا أنسيتُ فذكروني ثم حول وجهه الى القبلة وسجد سجدتى السهو وتشهد فيهما ثم سلم عن يمينه وعن شماله ؛

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی ظہر یا عصر کی اور اس میں کچھ زیادتی ہوئی یا کچھ کمی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور سلام پھیرا۔ تو آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ حضرت نماز میں کوئی نئی بات رونما ہوئی ہے۔ یا جناب بھول گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں بھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہذا جب بھول جایا کروں تو مجھ کو یاد دلادیا کرو۔ پھر آپ نے اپنا چہرہ قبلہ رخ کیا۔ اور دو سجدے سہو کے کئے اور اس میں تشہد پڑھا۔ پھر دائیں بائیں جانب سلام پھیرا ؛

ف :۔ یہ حدیث ایک الجھن پیدا کرتی ہے کہ آنحضرت نے کلام فرما کر سجدہ سہو کیسے ادا فرمایا۔ کیونکہ کلام منافی نماز ہے۔ اور فعل منافی نماز کے ارتکاب سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور نماز کا اعادہ لازم ہوتا ہے نہ سجدہ سہو۔ اس کا بہتر اور حقیقت سے قریب تر جواب یہ ہے کہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ نماز میں کلام جائز تھا۔ اور نماز کے لئے موجب فساد نہ تھا جس طرح کہ عبداللہ بن مسعود کی ابھی آنے والی حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ یہ تاویل قرین قیاس ہے۔ اور موافق روایت۔ اور اس سے الجھن مذکور بحسن وخوبی رفع ہوجاتی ہے۔ البتہ امام شافعی نے جو یہاں تاویل بیان فرمائی ہے۔ وہ کسی طرح ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ کہ یہ کلام آنجناب کا سہواً تھا نہ عمداً۔ اور سہواً کلام جائز ہے۔ کیونکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو سہواً تسلیم کریں تو ذی الیدین یا دوسرے صحابیوں نے جو کلام کیا تو ان کی نمازیں قابل اعادہ ٹھیرتی ہیں۔ حالانکہ آپ نے ان کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا۔ پھر اگر یہ کہیں کہ بیشک۔ ان کی نمازوں کا اعادہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ مقتدی امام کا تابع ہے۔ اس لئے ان کی نماز میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ جبکہ امام کی نماز قباحت سے پاک ہے۔ پہلی بات سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ صرف مقتدی کی نماز میں جب فساد ہوتا ہے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے نہ امام کی ؛

بَابُ سَجدَۃِ التِّلاوَۃِ! — باب۔ سجدہ تلاوت کے بیان میں!

ابوحنیفۃ عن سماک عن عیاض الاشعری عن ابی موسی الاشعری ان النبی صلعم سجد فی صٓ۔

حضرت ابی موسیٰ اشعری رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ صٓ میں سجدہ کیا۔

ف: آنحضرت صلعم کا یہ سجدہ حضرت داؤد علیہ السلام کی متابعت واقتداء میں تھا۔ اس کو ابوحنیفہ رح اور امام احمد آیات سجدہ میں سے مانتے ہیں۔ نہ شافعی رح۔ ان کے مذہب کی تائید یا تو ابن عباس کی اس حدیث سے نکلتی ہے جو بخاری لائے ہیں کہ کہا سجدہ صٓ عزائم میں سے نہیں ہے۔ یا ابی سعید کی حدیث جس کی روایت ابوداؤد نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھتے وقت سورت صٓ پڑھی تو آپ نے بھی سجدہ ادا فرمایا۔ اور دوبارہ نے بھی پھر پڑھی تو صحابہ نے سجدہ کی تیاری کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو نبی کی توبہ ہے۔ حالانکہ ہر دو احادیث کے ان الفاظ سے ان کے مذہب کی وضاحت نہیں ہوتی۔ عزائم میں سے نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ فرائض میں سے نہیں بلکہ واجبات میں سے ہے جو شکر کے طور پر داؤد علیہ السلام کی اقتداء میں واجب ہوا۔ اور دوسری حدیث میں جو سجدہ کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ تو نبی کی توبہ ہے تو یہ بھی اس کے وجوب کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ تمام فرائض وواجبات اللہ تعالیٰ کی بیش از بیش نعمتوں کے شکر میں تو فرض وواجب ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ امام صاحب کے مذہب کی حجت امام احمد کی حدیث سے نکلتی ہے جو وہ بکر بن عبد اللہ المزنی کے واسطہ ابی سعید خدری رض سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورت صٓ لکھ رہا ہوں جب آیت سجدہ پر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ دوات قلم یا جو کچھ موجود تھا سربسجود ہو گئے ہیں۔ یہ قصہ میں نے آنحضرت سے بیان کیا اس کے بعد آپ سجدہ کرتے رہے۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ اس واقعہ کے بعد سجدہ کا عمل جاری رہا۔ اور اس پر مواظبت رہی۔ اگر تغیار تھا تو اس خواب سے پہلے ہوگا۔ نہ اس کے بعد۔

بَابُ مَنعِ الکَلامِ فِی الصَّلوٰۃِ — باب۔ نماز میں بات چیت منع ہونے کا بیان!

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن ابی وائل عن عبد اللہ بن مسعود رض انہ لما قدم من ارض الحبشۃ سلّم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی فلم یرد علیہ السلام فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن مسعود اعوذ باللہ من سخط نعمۃ اللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وماذاک قال سلمت علیک فلم ترد

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب یہ حبشہ سے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ جبکہ آپ نماز میں مشغول تھے۔ آنجناب نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا پناہ مانگتا ہوں میں اللہ اور اس کی نعمت (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے غصہ سے۔ نبی صلعم نے فرمایا کہ پناہ مانگنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کو سلام

Marfat.com

عَلَیَّ قَالَ اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغُلًا قَالَ فَلَمْ یَرُدَّ السَّلَامَ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ یَوْمَئِذٍ ۔

کیا۔ اور آپ نے جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ نماز میں توجہ الی اللہ ہے اور مشغولیت ہے۔ اس میں دوسرے کام کی مہلت کہاں۔ حضرت ابن مسعود رضہ کہتے ہیں۔ پھر اس دن کے بعد ہم (اصحاب) کسی کے سلام کا جواب نہ دیتے ۔

ف: یہ حدیث اس تاریخی واقعہ کو واضح کرتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں بات چیت اور جواب سلام جائز تھا۔ جیسے جیسے اسلام ترقی کرتا گیا قیود اور بندشیں بڑھتی گئیں۔ چنانچہ شیخین نے زید بن ارقم رضہ سے روایت نقل کی ہے کہ پہلے ہم نماز میں اپنے ساتھی سے بات چیت کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قوموا للہ قانتین کی آیت اتری۔ تو ہم کو سکوت کا حکم ملا اور ہم بات کرنے سے رک گئے۔ لہذا ابن مسعود حبشہ جانے سے پہلے یہ آزادی کا زمانہ دیکھ چکے تھے کہ بات چیت اور سلام کلام کی آزادی و بے پروانگی حاصل تھی۔ جب وہاں سے آئے تو وہی خیال دل میں لے کر آئے۔ حالانکہ اس بیچ میں آزادی سلب ہو چکی تھی۔ بارگاہ الٰہی سے قوموا للہ قانتین کا فرمان شرف صدور پا چکا تھا۔ چنانچہ نبی صلعم کی طرف سے جب سلام کا جواب نہ ملا۔ تو لرز اٹھے۔ کانپ گئے اور سمجھے کہ مزاج اقدس میں ان کی طرف سے کچھ تکدر پیدا ہو گیا ہے۔ پھر خود استفسار فرمایا۔ اور معاملہ کی وضاحت فرمائی کہ نماز تو سراسر مشغولیت اور مصروفیت ہے اس میں کلام و سلام کی کہاں گنجائش اور مولیٰ سے مناجات کے وقت بندوں سے بات چیت کا کیا موقع۔ تو اب دل میں دل آیا۔ طبیعت کو قرار و سکون ہوا۔ اور یہ ممنوع شدہ کلام سہو و عمد ہر دو کو شامل ہے ۔

۱۶۲ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود عن عائشۃ قالت کان النبی صلعم یصلی من اللیل وانا نائمۃ الی جنبہ وجانب الثوب واقع علیّ ۔

حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب کو نماز ادا فرماتے اور میں سوئی ہوئی ہوتی۔ آپ کے پہلو میں اور کپڑہ کا ایک حصہ مجھ پر پڑا ہوا ہوتا ۔

ف: یہ حدیث صحیحین میں یوں ہے کہ نبی صلعم شب کو نماز ادا فرماتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے بیچ میں جنازہ کی طرح لیٹی ہوئی ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عائشہ آنحضرت کے بالکل سامنے لیٹی ہوئی ہوتیں۔ اور حدیث ذیل میں پہلو کا ذکر ہے لہذا یا تو پہلو کے معنی سامنے ہی کے کر لئے جائیں کہ تمام روایات متفق المعنی ہوں یا اس کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جائے کہ عائشہ رضہ آنجناب کے داہنے یا بائیں جانب لیٹی ہوتی ہوتیں۔ مسلک کی رو سے جو تشریح حدیث کی ہونی چاہیے وہ آئندہ سے پیوستہ حدیث میں آ رہی ہے ۔

بَابُ التَّسْبِیْحِ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقِ لِلنِّسَاءِ !

باب۔ اس بیان میں کہ نماز میں مردوں کو تسبیح کہنا چاہیئے اور عورتوں کو تصفیق کرنا مناسب ہے !

۱۶۳ ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر ان

حضرت ابن عمر رضہ کہتے ہیں کہ نماز میں بطریقہ تنبیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن فی الصلوٰۃ اذا نابھم فیہ شیٔ التسبیح للرجال والتصفیق للنساء ۔

گیا۔ کہ جب ان کو (مقتدیوں کو) نماز میں کوئی اچانک بات پیش آ ئے (جس پر امام کو تنبیہ کرنا ہو) تو مردوں کے لئے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لئے ہاتھ پر ہاتھ مارنا۔

ف: عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے یوں روکا گیا۔ کہ اپنی آواز مردوں کو نہ سنائیں۔ کیونکہ بعض علماء کے نزدیک عورت کی آواز بھی ستر میں شمار ہے۔

باب ما یقطع الصلوٰۃ وما لا یقطع!

باب اس بیان میں کہ کونسی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کونسی نہیں!

۱۲۵ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود بن یزید انہ سأل عائشۃ عما یقطع الصلوٰۃ فقالت یا اھل العراق تزعمون ان الحمار والکلب والسنور یقطعون الصلوٰۃ قرنتمونا بھم ادرأ ما استطعت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وانا نائمۃ الی جنبہ علیہ ثوب جانبہ علیّ ۔

اسود بن یزید نے حضرت عائشہؓ سے اس چیز کے بارہ میں پوچھا۔ جو نمازی کے سامنے سے گذر کر نماز کو توڑ دیتی ہے۔ آپ نے کہا اے اہل عراق تم یہ خیال رکھتے ہو کہ گدھا، کتا، بلی نمازی کے سامنے سے گذر کر نماز کو توڑ دیتے ہیں گویا تم نے ہم (عورتوں) کو ان کے ساتھ ملا دیا۔ یہاں تک بس جیسے گذرنے والے کو مجھ سے ہو سکے روکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور میں آپ کے پہلو میں سوئے ہوئے ہوتی آپ کے کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر پڑا ہوتا۔

ف: صحیح مسلم میں اس مضمون کی حدیث وارد ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا عورت گدھے اور کالے کتے کا گذرنا اس کی نماز کو توڑ دیتا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر اصحاب ظاہر کا مذہب قرار پایا کہ ان چیزوں کا گذرنا نماز کے ٹوٹ جانے کا سبب ہے۔ امام ابو حنیفہ ... اس کے خلاف ہے۔ امام احمد عورت اور گدھے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتے ... میں یہ ہے مسئلہ کی نوعیت اور ان میں ... کے اختلاف کی حقیقت ۔ ... ائمہ ثلاثہ کے سامنے دوسری صحیح احادیث اس کے معارض ہیں جن کی بنا پر وہ قطع والی حدیث کے ... یا اس کی تاویل کرے۔ ان میں سے ایک حدیث ذیل حدیث عائشہ ہے جو کتب صحاح میں ... سے وارد ہے اور جس میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ عورت کے معاملہ میں عدم قطع نماز کا ناطق فیصلہ صادر کرتی ہے کہ ان کے سامنے رہنے یا گذر جانے سے نمازی کی نماز میں کوئی فرق نہیں آتا خود آنحضرتؐ کا عمل اس کی دلیل ہے۔ گدھے کے بارہ میں حضرت ابن عباس کی صحیح حدیث ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے تو میں نے گدھے کو صف کے سامنے چھوڑ دیا اور آپ نے اس کی پروا

نہ کی اب رہا کتے کا مسئلہ تو حدیث قاطع میں کتے کا عطف مراۃ وحمار پر ہے۔ جن کا حکم شرعی معلوم ہوا۔ لہٰذا کتے کا عطف ان پر صاف متقاضی ہے کہ یہ بھی قاطع کے نتیجے آکر ان ہی ہر دو کے ساتھ شریک حکم ہوا۔ امام احمد بھی ہر دو احادیث عدم قطع کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت اور گدھے کے بارہ میں قطعی حکم نہ لگا سکے۔ البتہ کتے کے متعلق ان کو چونکہ کوئی معارض حدیث نہ ملی اس لئے وہ اس میں بدستور قطع ہی کے قائل رہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس حقیقت کو کھولا ہے۔ دیگر ائمہ حدیث قطع میں قطع صلوٰۃ سے خشوع وخضوع کا چلا جانا مراد لیتے ہیں نہ نماز کا ٹوٹ جانا جیسا کہ ظاہر الفاظ بتاتے ہیں

باب صلوٰۃ الکسوف

باب۔ نماز کسوف کے بیان میں!

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال انكسفت الشمس يوم مات ابراهيم بن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فخطب فقال ان الشمس والقمر آيتان من آيات الله لا تنكسفان لموت احد ولا لحياته فاذا رأيتم ذلك فصلوا واحمدوا الله وكبروه وسبحوه حتى ينجلي ايهما انكسف ثم نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم وصلى ركعتين

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے بعد سورج گرہن ہوا تو آنجناب کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں۔ ان میں کسی کی موت کے سبب یا کسی کی پیدائش کے باعث گرہن نہیں پڑتا۔ لہٰذا جب تم ان کو ایسا گرہن کی حالت میں دیکھو تو نماز پڑھو۔ اللہ کی حمد کرو۔ تکبیر کہو۔ اور تسبیح پڑھو یہاں تک کہ ہر دو گہن سے نکل جائیں۔ پھر منبر سے آپ اترے اور دو رکعت نماز کسوف ادا فرمائیں۔

ف: یہ حدیث نماز کسوف کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ اس کی ادائیگی میں ائمہ میں قدرے اختلاف ہے جو کچھ تشریح طلب ہے۔ پھر سند حدیث کے ذیل میں اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

ابو حنیفة عن عطاء عن ابيه عن ابن عمر قال انكسفت الشمس يوم مات ابراهيم بن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال الناس انكسفت الشمس لموت ابراهيم فقام النبي صلى الله عليه وسلم قياما طويلا حتى ظنوا انه لا يركع ثم ركع فكان ركوعه قدر قيامه ثم رفع رأسه فكان قيامه قدر ركوعه ثم سجد قدر قيامه ثم جلس فكان جلوسه بين

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کے انتقال کے دن سورج گرہن ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے باعث سورج گرہن واقع ہوا ہے۔ آنحضرت نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور اس قدر لمبا قیام فرمایا کہ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے رکوع کیا تو آپ کا رکوع قیام ہی کے برابر تھا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا۔ تو آپ کا قیام رکوع کے برابر تھا۔ پھر سجدہ کیا قیام کے برابر پھر بیٹھے تو دو سجدوں کے درمیان

Marfat.com

السجدتين قدر سجوده ثم سجد قدر
جلوسه ثم صلى الركعة الثانية
ففعل مثل ذلك حتى اذا كانت السجدة
منها بكى فاشتد بكاؤه فسمعناه و
هو يقول الم تعدني ان لا تعذبهم
وانا فيهم ثم جلس فتشهد ثم
انصرف واقبل عليهم بوجهه ثم
قال ان الشمس والقمر آيتان من آيات
الله يخوف الله بهما عباده لا يكسفان
لموت احد ولا لحياته فاذا كان
كذلك فعليكم بالصلوٰة ولقد رأيتني
أدنيت من الجنة حتى لو شئت
ان اتناول غصنا من اغصان شجرها
فعلت ولقد رأيتني أدنيت من
النار حتى جعلت اتقي ولقد رأيت
سارق رسول الله وفي رواية سارق
بيت رسول الله يعذب بالنار ولقد
رأيت فيها عبد بن دعدع سارق
الحجاج بمحجنة ولقد رأيت فيها
امرأة ادماء حميرية تعذب في
هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم
تدعها تاكل من خشاش
الارض وحشراتها - وفي رواية
نحوه وفيه لقد رأيت عبد بن
دعدع سارق الحجاج بمحجنة
فكان اذا خفي ذهب واذا رآه احد
قال انما تعلق بمحجني -
وفي رواية كان اذا خفي له
شئ ذهب به واذا ظهر عليه قال

آپ کا بیٹھنا سجود کے مقدار تھا۔ پھر سجدہ کیا بیٹھنے کے
مقدار پھر آپ نے دوسری رکعت ادا فرمائی تو ایسا ہی کیا
یہاں تک کہ جب دوسری رکعت کے سجدہ میں گئے۔ تو
بہت زیادہ روئے اور ہم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ
اے اللہ کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں فرمایا کہ تو ان کو عذاب
نہیں کرے گا۔ جب کہ میں ان میں ہوں۔ پھر آپ نے
اور تشہد کیا۔ پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف
رخ فرما کر ارشاد فرمایا کہ سورج اور چاند گرہن اللہ کی نشانیوں
میں سے دو نشانیاں ہیں ڈراتا ہے اللہ ان کے ذریعے
بندوں کو کسی کی موت سے ان میں گرہن واقع ہوتا ہے
نہ کسی کی پیدائش سے سو ایسے موقع پر تو نماز کی پابندی
کرو اور البتہ میں نے خود کو دیکھا کہ مجھ کو نزدیک کیا جنت
سے یہاں تک کہ اگر میں چاہتا تو اس کے درختوں کی کسی شاخ کو بھی
لے سکتا تھا۔ اور مجھ کو نزدیک کیا گیا دوزخ سے یہاں تک
کہ میں اس کی سوزش سے بچنے لگا اور البتہ میں نے دیکھا
رسول اللہ کے چور کو اور ایک روایت میں ہے رسول
اللہ کے گھر کے چور کو جو دوزخ میں عذاب دیا جاتا تھا اور
البتہ دیکھا میں نے اس میں عبد بن دعدع حاجیوں کے چور
کو جو چراتا تھا حاجیوں کے کپڑے وغیرہ اپنی چھڑی سے اور
البتہ میں نے دوزخ میں دیکھی قبیلہ حمیر کی ایک سانولی
رنگت کی عورت کو عذاب دی جا رہی تھی ایک بلی کے
سبب جس کو اس نے باندھ رکھا تھا نہ اس کو کھلاتی
تھی نہ ہی اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے
کھاتی۔ اور ایک روایت میں اسی جیسا ہے اور اس میں ہے
البتہ میں نے دیکھا عبد بن دعدع کو جو اپنی چھڑی سے
حاجیوں کی چوری کرتا تھا۔ جب لوگوں سے چھپ جاتا تو لے
اڑتا اور اگر کسی کی اس پر نظر پڑ جاتی تو کہتا کہ میری چھڑی سے
میں یہ الجھ گیا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ جب کوئی
چیز کسی کی نظر سے اوجھل ہوتی تو اٹھا لیتا اور جب دیکھ

انما تعلق بحجنی ۔ جاتی تو کہتا کہ یہ تو میری ٹیڑھی لکڑی میں الجھ کر رہ گئی تھی ۔

ف :- کیفیت نماز کسوف میں امام شافعی و مالک اور امام اعظم کے باہم اختلاف رائے ہے کہ اس کی ہر رکعت میں ایک رکوع ہے یا دو ۔ ہر دو ائمہ ہر رکعت میں دو رکوع کے قائل ہیں اور امام اعظم دیگر نمازوں کی طرح ایک ہی رکوع مانتے ہیں ۔ ہر دو ائمہ کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے جو صحاح ستہ میں وارد ہے ۔ مگر درحقیقت یہ تعدد رکوع کی حدیث اس قدر مضطرب ہے کہ اس کا یہ شدید اضطراب اس کو نہ قابل احتجاج رکھتا ہے اور نہ قابل عمل ۔ بلکہ ایک راوی کی روایت میں بھی اضطراب ہے مثلاً عائشہؓ سے دو رکوع کی بھی روایت وارد ہے اور تین کی بھی ۔ حضرت جابر سے دو رکوع کی بھی روایت ثابت ہے اور تین کی بھی ۔ حضرت ابن عباسؓ سے چار رکوع کی روایت ہے ۔ اور حضرت ابی سے پانچ کی ۔ لہٰذا حنفیہ نے مجبور ہو کر آنحضرت کی قولی و فعلی ان روایات کی طرف رجوع کیا جو موافق قیاس ہیں یعنی عام نمازوں سے ملتی جلتی ۔ قولی حدیث مثلاً نسائی ۔ نعمان بن بشیر سے روایت لاتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموھا من المکتوبۃ کہ جب سورج یا چاند میں گرہن واقع ہو تو ایسی نماز پڑھو جیسے کہ تم نے ابھی (فجر کی) فرض نماز پڑھی ہے ۔ کیونکہ یہ کسوف اس وقت ہوا تھا ۔ کہ بمطابق حدیث حضرت سمرہ کے سورج دو نیزہ افق سے اٹھا تھا ۔ فعلی حدیث مثلاً حدیث ذیل ہے جس سے ایک ہی رکوع کا ثبوت ہے ۔ پھر بہت ممکن ہے کہ اژدحام کے باعث گڑبڑی پیدا ہو گئی ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ خلاف معمول رکوع میں تاخیر فرمائی ۔ آگے پیچھے کھڑے ہونے والوں نے دھوکے سے سر اٹھا لیا ہو اور ان کو دیکھ کر ان سے پیچھے والوں نے ایسا کیا ہو پھر جب اگلوں نے دیکھا کہ آنحضرت تاہنوز رکوع میں ہیں پھر سر جھکا کر رکوع میں چلے گئے ہوں تو پیچھے والوں نے بھی ان کی متابعت کی ہو ۔ اور یوں دو یا تین رکوع کا دھوکہ لگتا چلا گیا ہو ۔ اور زیادہ بھیڑ میں ایسا اشتباہ ہو جانا بعید از وقوع اور دور از خیال نہیں ۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام میں اختلاف پڑ گیا تھا ۔

بَابُ صَلوٰۃِ الْاِسْتِخَارَۃِ

باب استخارہ کی نماز کے بارہ میں !

۱۶۸/۱ **ابو حنیفۃ** عن ناصح عن یحییٰ عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ کما یعلمنا السورۃ من القرآن ۔

حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم ہم کو استخارہ (اس کی نماز اور دعائے استخارہ وغیرہ) اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے ۔

ف :- تفصیل متصل حدیث میں آرہی ہے ۔

۱۶۹/۲ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامر کما یعلمنا السورۃ من القرآن

وفی روایۃ قال قال رسول اللہ

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرآن کی سورت کی طرح استخارہ کی ترکیب وغیرہ سکھایا کرتے تھے ۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ انہوں نے کہا

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد احدکم
امرًا فلیتوضأ ولیرکع رکعتین من
غیر الفریضۃ ثم لیقل اللّٰھم
انی استخیرک بعلمک واستقدرک
بقدرتک واسألک من فضلک
فانک تعلم ولا اعلم وتقدر ولا
اقدر وانت علام الغیوب اللھم
ان کان ھذا الامر خیرالی فی
معیشتی وخیرالی فی عاقبۃ امری
فیسرہ لی وبارک لی فیہ۔
وزاد فی روایۃ وان کان غیرہ
فاقدر لی الخیر حیث کان ثم
رضنی بہ ؛

کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے جب تم میں کوئی کسی کام کا
ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ وضو کرے۔ دو رکعت نفل
کی پڑھے پھر کہے اے اللہ میں تیرے علم کے طفیل خیر کی
خواستگار ہوں اور تیری قدرت کے صدقہ میں تجھ سے
قدرت کا طالب ہوں اور تیرے فضل کا میں طلبگار
ہوں کیونکہ تو جاننے والا ہے اور میں انجان اور تو قدرت
والا ہے اور میں بے قدرت اور تو چھپی باتوں سے
خوب باخبر ہے۔ اے میرے اللہ اگر یہ کام میرے لئے
بہتر ہے میری زندگی میں اور میرے کام کے نتیجہ میں تو اس
کو میرے لئے آسان کر دے اور اس میں میرے لئے برکت
پیدا کر۔ اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اگر اس کے
خلاف ہے تو میرے لئے بھلائی مقدر کر جہاں کہیں بھی ہو
پھر مجھ کو اس پر راضی رکھ ؛

ف: نماز استخارہ ایسے اہم ضروری اور قلیل الوقوع امور کے لئے ہے جن کے خیر و شر نفع و نقصان کے بارہ میں دل میں تردد واقع ہو اور انسانی عقل کسی خاص رخ کو ترجیح دینے میں متردد و عاجز رہتی ہو مثلاً سفر، تعمیر مکان، معاملت۔ تجارت و پیشہ وغیرہ۔ اور ایسے امور میں استخارہ کا بے جا استعمال ہے جو آئے دن روزمرہ پیش آتے ہیں مثلاً روزانہ کا کھانا پینا وغیرہ ؛

باب صلوٰۃ الضحیٰ

باب۔ چاشت کی نماز کے بیان میں

ابو حنیفۃ عن الحارث عن
ابی صالح عن ام ھانئ ان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ
وضع لأمتہ ودعا بماء فصبتہ
علیہ ثم دعا بثوب واحد
فصلی فیہ وزاد فی روایۃ
متوشحًا ؛

وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وضع لامتہ یوم فتح مکۃ
ثم دعا بماء فاتی بہ فی جفنۃ

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن زرہ اتاری۔ اور
پانی منگا کر غسل فرمایا۔ پھر ایک کپڑا طلب فرمایا۔ اور اس
میں نماز ادا فرمائی۔ اور ایک روایت میں متوشحا کا لفظ
زائد ہے۔ یعنی توشح کی صورت میں کہ ایک کپڑے
کو ہر دو بغل سے نکال کر پیچھے کندھے پر اس میں گرہ دے
لی جاتی ہے ؛

ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و
سلم نے اپنی زرہ اتاری فتح مکہ کے دن پھر پانی طلب
فرمایا تو لگن میں کہ ایک بڑے کونڈے میں تھی پیش کیا

فيها خبز العجين فاستتر بثوب فاغتسل ثم دعا بثوب فتوشح به ثم صلى ركعتين قال ابو حنيفة وهي الضحى و في رواية ان النبي صلى الله عليه وسلم وضع يوم فتح مكة لامته ودعا بماء فاتي به في جفنة فيها اثر عجين فاغتسل وصلى اربعًا او ركعتين في ثوب واحد متوشحًا ٭

گیا۔ جس میں گوندھا ہوا آٹا لگا ہوا تھا۔ آپ نے کپڑے آڑ کی اور غسل فرمایا۔ پھر کپڑا طلب فرمایا۔ اور توشح کیا۔ پھر دوگانہ نماز ادا فرمائی۔ ابو حنیفہ نے فرمایا کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی صلعم نے زرہ اتاری اور پانی طلب فرمایا تو ایک بڑے پیالہ میں جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے نشانات تھے۔ پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور چار رکعت یا دو رکعت ایک کپڑے میں توشح کی شکل میں ادا فرمائیں ٭

ف:۔ یہ نماز چاشت تھی جیسا کہ ابو حنیفہ کی زبانی خود حدیث ذیل میں اس کی وضاحت آئی۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز شکرانہ تھی۔ جو فتح مکہ کی خوشی و مسرت پر ادا کی گئی تھی۔ ایک احتمال ہے کہ یہ آنجناب کا ورد تھا جو فتح مکہ کے ہنگامہ میں قضا ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کو ادا فرمایا ٭

بَابُ الاعتكافِ !

باب۔ اعتکاف کے بیان میں !

ح ۱۶۶ ابو حنيفة عن الهيثم عن رجل عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا دخل شهر رمضان قام ونام واذا دخل العشر الاواخر شد المئزر واحيى الليل ٭

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو شب بیداری بھی فرماتے اور سوتے بھی۔ اور جب پچھلے دس دن آتے تو لنگوٹ باندھ لیتے (یعنی عبادت الٰہی و یاد خداوندی کے لئے نہایت مستعدی سے کمربستہ ہو جاتے) اور شب بیداری فرماتے (اور عورتوں سے اجتناب فرماتے) ٭

بَابُ التَّهجُّدِ !

باب۔ تہجد کے بیان میں !

ح ۱۶۷ ابو حنيفة عن زياد عن المغيرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم عامة الليل حتى تورمت قدماه فقال له اصحابه اليس قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر قال افلا اكون عبدًا شكورًا ٭

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب کے اکثر حصہ میں نماز کے لئے قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ نہیں بخشدئے آپ نے فرمایا کہ کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں ٭

ف:۔ بخاری بھی اس کو حضرت مغیرہ سے مرفوع لائے ہیں اس میں "ساقاہ" کا لفظ بھی زائد ہے یعنی آپ کی پنڈلیاں بھی سوج جایا کرتیں ٭

۱۴۳/۲ ابو حنیفۃ عن ابی جعفر ان صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل کانت ثلث عشرۃ رکعۃ منھن ثلث رکعات الوتر ورکعتا الفجر

حضرت ابی جعفر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب میں تیرہ رکعتیں تھیں۔ ان میں سے تین رکعات وتر کی اور دو رکعات سنت فجر کی۔

ف: یہ حدیث وتر کی آٹھ رکعات کا پتہ دیتی ہے اور اس کے ساتھ وتر کے بارہ میں بھی مذہب حنفیہ پر مہر صداقت ثبت کرتی ہے۔ وتر کا بیان گو مفصل گذر چکا۔ مگر چونکہ حدیث ذیل بھی اس کے سلسلہ ادلہ کی ایک کڑی ہے اس لئے اگر یہاں بھی وتر کے مسئلہ کو قدرے کھولا جائے تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔

تہجد کے ذیل میں ترمذی حضرت عائشہ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد تہجد نہ پڑھا کرتے۔ چار رکعت پڑھتے جن کی درازی و حسن و خوبی کے بارہ میں نہ پوچھو پھر چار رکعت پڑھتے ان کی درازی و حسن و خوبی کے بارہ میں نہ پوچھو۔ پھر تین پڑھتے یعنی وتر۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ مسلم حضرت ابن عباسؓ سے نماز تہجد کے سلسلہ میں حدیث لائے ہیں آخر میں ہے ثم اوتر بثلث کہ پھر تین رکعت وتر کی پڑھیں۔ اب یہ دو احادیث جو نماز تہجد کے ذیل میں تقریباً قطب الاحادیث ہیں۔ اس امر کی بین دلیلیں ہیں اور اس کا کھلا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ وتر کی تین ہی رکعات ہیں۔ اس سے کمی زیادتی کی روایات اس وقت کی ترجمانی کرتی ہیں جبکہ وتر کے معاملے نے قرار نہیں پکڑا تھا۔ بعد میں تین ہی رکعات کی شکل طے پائی۔ اور اسی پر عمل رہا جس کی طرف حدیث عائشہ صاف اشارہ کرتی ہے۔ لہٰذا ان احادیث صحیحہ کے سامنے آجانے پر بھی اگر کوئی مخالف مذہب اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہے اور کہتا رہے کہ وتر کی تین رکعات پر کوئی صحیح حدیث نہیں تو عقل و تہذیب و شائستگی کے دائرہ میں ان کے لئے اب کوئی جواب نہیں۔

فجر کی سنتوں کو نماز تہجد میں شمار کر لیا گیا ہے۔ محض قرب وقت کے سبب اور یہی وجہ ہے کہ اکثر روایات کی رو سے آنجناب ان کے بعد آرام نہیں فرماتے۔ اور بعض روایات میں تو لفظ بین الفجر کے لفظ بھی ہیں یعنی صبح صادق کے بعد سنت ادا فرماتے۔ اس سے حقیقت کی اور وضاحت ہو لی اور کسی میں بین الاذان والاقامۃ کے لفظ ہیں یعنی اذان و اقامت کے درمیان یہ سنتیں ہوتیں۔ بہرحال سب کا اتفاق ہے کہ تہجد کے ساتھ ادا کی جاتیں بلکہ ظہور فجر کے بعد۔

نماز تہجد کے بارہ میں مختلف روایات وارد ہیں کسی میں تیرہ کی تعداد آئی ہے کسی میں گیارہ کی کسی میں سات کی اور کسی میں پانچ کی بھی۔ بہرحال تیرہ سے زائد کوئی روایت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہی اختلافات دراصل نماز تہجد آنحضرتؐ پر فرض تھی یا امت پر بھی پھر بعد میں منسوخ ہوئی۔ ہمارا مذہب ہو چکا ہے ۔

بَابُ سُنَّةِ الْفَجْرِ! باب سنت فجر کے بیان میں!

۱۴۳/۱ ابو حنیفۃ عن علقمۃ عن ابن الاقمر عن حمران قال ما لقی ابن عمر قط الا

حمران کے بارہ میں روایت ہے کہ جب بھی کسی نے حضرت ابن عمر سے ملاقات کی تو ہر ایک مجلس میں

واقرب الناس مجلسًا حمران فقال ذات يوم يا حمران لا اراك تواظبنا الا وانت تريد لنفسك خيرا فقال اجل يا ابا عبد الرحمٰن قال اما اثنتان فانى انهاك عنهما واما واحدة فانى امرك بها فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يامر بها۔

قال ما هى تلك الخصال الثلث يا ابا عبد الرحمٰن۔

قال لا تموتن وعليك دين الا دينا تدع به وفاء۔

ولا تستمعن من تلاوة اية فانه يستمع بك يوم القيمة كما سمعت به قصاصا ولا يظلم ربك احدا۔

واما الذى امرك به كما امرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فركعتا الفجر فلا تدعهما فان فيهما الرغائب۔

آپ سے قریب ترین پایا۔ ایک روز حضرت ابن عمرؓ بولے اے حمران میں تجھ کو ہماری صحبت میں ہمیشہ پیوستہ (غالبًا) صرف اسی لئے دیکھتا ہوں کہ تو (ہماری صحبت سے) اپنے نفس کے لئے کسی بھلائی کا استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا جی بیشک اے ابا عبد الرحمٰن حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ (اچھا تو) میں دو باتوں سے تجھ کو روکتا ہوں اور ایک بات کا تجھ کو حکم دیتا ہوں کیونکہ میں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیتے ہوئے پایا۔ حمران نے کہا اے ابا عبد الرحمٰن وہ تین خصلتیں کون کونسی ہیں آپ نے کہا کہ تو نہ مرے ایسے حال میں کہ تجھ پر قرض ہو۔ مگر اس قدر کہ اس کی ادائیگی کے لائق تو مال چھوڑ جائے۔ اور نہ پڑھ ایک آیت بھی (لوگوں کو) سنانے کے لئے (یعنی ریاکاری کی غرض سے) ورنہ قیامت کے دن تیری تشہیر کی جائے گی۔ جیساکہ تو نے پڑھنے کو (بغرض شہرت) لوگوں نے سنایا۔ یہ محض بدلے کے طور پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ اب وہ چیز جس کا میں تجھ کو حکم دیتا ہوں جس طرح مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا سنت فجر کی دو رکعتیں ہیں پس نہ چھوڑ ان کو کیونکہ ان میں بہت اسباب رغبت ہیں۔

ف اس حدیث میں ریاکاری دکھاوے کی مذمت ہے کہ خدا تعالیٰ چونکہ سمیع و بصیر ہے۔ ہر عبادت اسی کو دکھانا چاہیئے۔ اور قرأت قرآن اسی کو سنانا چاہیئے۔ ان میں نام و نمود، شہرت پسندی سخت حرام و ناجائز ہے اور اس پر سخت وعید ہے کہ قیامت کے روز اس کا قصاص لیا جاوے گا۔ اس حدیث میں سنت فجر کی اہمیت کو بھی واضح فرمایا ہے۔

۲ **ابو حنیفة** عن عطاء عن عبيد ابن عمير عن عائشة قالت ما كان رسول الله صلعم على شئ من النوافل اشد معاهدة منه على ركعتى الفجر۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے نوافل کا اس قدر سختی سے اہتمام نہ فرماتے جس قدر سنت فجر کی دو رکعت کا۔

ف:۔ یہ حدیث اور زیادہ صاف الفاظ میں آنحضرتؐ کے فعل کی روشنی میں اس کی وضاحت کرتی ہے کہ انسان دیگر نوافل وسنن کے مقابلہ میں سنت فجر کا بہت لحاظ رکھے کہ وہ ناغہ نہ ہو جائیں اور ان کی ادائیگی پر سختی سے پابندی رکھے۔ احادیث صحیحہ میں ان کی ممتاز اہمیت مختلف الفاظ میں ظاہر کی گئی ہے۔ کہیں آنحضرتؐ نے ...

فرمایا کہ دنیا و مافیہا سے زیادہ مجھ کو یہ دو رکعتیں محبوب ہیں۔ جیسا کہ مسلم میں ہے۔ کہیں اس طرح ارشاد ہوا کہ ان کو ہرگز نہ چھوڑو اگرچہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں یا کچل دیں۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ طبرانی میں ہے کہ عائشہ کہتی ہیں۔ کہ نبی صلعم نے فجر کی سنتوں کو کبھی بھی ترک نہیں فرمایا۔ نہ سفر میں نہ حضر میں نہ بیماری میں نہ صحت میں۔

اسی اہمیت کے سلسلہ میں یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ احناف اور اکثر ائمہ کے نزدیک مؤکدہ سنتیں پانچ ہیں۔ اول یہی فجر کی سنتیں۔ دوسرے مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت۔ تیسرے ظہر کے بعد کی دو رکعت سنت چوتھے عشاء کے بعد کی دو رکعت سنت۔ پانچویں ظہر کے پہلے چار رکعت سنت۔ ان پانچوں سنن مؤکدہ کی اہمیت بترتیب مذکور ہے ÷

ح ۱۷۶ **ابو حنیفة** عن نافع عن ابن عمر قال رمقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین یومًا او شهرًا فسمعته يقرأ فی رکعتی الفجر بقل هو اللہ احد وقل یا ایها الکٰفرون ۝

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس دن یا ایک ماہ تک کہ آپ سنت فجر کی ہر دو رکعات میں قل هو اللہ احد اور قل یا ایها الکافرون پڑھتے تھے ÷

ف: بہت سی احادیث میں ایسا ہی ہے اور بعض میں مثلاً ابوداؤد میں ابن عباس سے جو روایت ہے وہ یوں ہے کہ آپ سنت فجر کی پہلی رکعت میں آمنا باللہ وما انزل علینا کی آیت تلاوت فرماتے اور دوسری میں آمنا باللہ واشهد بانا مسلمون کی آیت ÷

ح ۱۷۷ **ابو حنیفة** عن سماك عن جابر بن سمرة قال كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلى الصبح لم يبرح عن مكانه حتى تطلع الشمس وتبيض ۝

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر ادا فرما لیتے تو اپنی جگہ سے نہ ہٹتے یہاں تک کہ سورج طلوع کر آتا اور ایک دو نیزہ کی قدار اٹھ کر اس کی روشنی سفید ہو جاتی ÷

ف: غالباً آنجناب کی نشست قبلہ رو نہ تھی بلکہ داہیں بائیں یا قبلہ کو پشت دیے کر لوگوں کی طرف منہ کرتے ہوئے جیسا کہ آنجنابؐ سے مروی ہے بعض نے بعد نماز قبلہ رخ پھرنا مکروہ جانا ہے۔ ابوداؤد سماک سے روایت لاتے ہیں اور وہ حضرت جابر سے کہ آنحضرت نماز فجر کی ادائیگی کے بعد مصلی پر بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ پھر آپ نماز اشراق کے لئے کھڑے ہو جاتے ÷

بَابُ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِى الْمَسْجِدِ!

باب بعد عشاء مسجد میں چار رکعات نفل پڑھنے کے بیان میں!

ح ۱۷۸ **ابو حنیفة** عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلى بعد العشاء اربع ركعات قبل ان يخرج من المسجد عدلن

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے چار رکعت نفل پڑھ لیں تو وہ برابر ہوں گی قدر کی اتنی ہی رکعت کے یعنی گویا کہ اس نے شب قدر

Marfat.com

مثلهن من ليلة القدر ۔ میں چار رکعت نفلیں ادا کیں ۔

ف: - ان نفلوں کی انتہائی فضیلت و برکت کا اظہار ہے جس طرح عشاء کے پہلے چار نفلوں کے بارہ میں آیا ہے کہ جس نے وہ ادا کیں گویا کہ اس نے تہجد کی نماز ادا کی ۔ سعید بن منصور نے اپنی مسند میں اس حدیث کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی نقل کیا ہے ۔

۱۷۹ **ابو حنيفة عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى اربعًا بعد العشاء لا يفصل بينهن بتسليم يقرأ في الاولى بفاتحة الكتاب وتنزيل السجدة وفي الركعة الثانية بفاتحة الكتاب وحم الدخان وفي الركعة الثالثة بفاتحة الكتاب ويس وفي الركعة الاخيرة بفاتحة الكتاب وتبارك الملك كتب له كمن قام ليلة القدر وشفع له في اهل بيته كلهم ممن وجبت له النار واجير من عذاب القبر وروي موقوفا عن ابن عمر ۔**

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص نماز عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے جن کے بیچ میں سلام نہ پھیرے ۔ پہلی رکعت میں الحمد اور تنزیل سجدہ پڑھے ۔ دوسری میں الحمد اور حٰم الدخان ۔ تیسری میں الحمد اور یٰس ۔ اور چوتھی میں الحمد اور تبارک الملک تو اس کے لئے شب قدر میں قیام کا ثواب لکھا جائے گا ۔ اور اس کی شفاعت مقبول ہو گی ۔ اس کے ان تمام گھر والوں کے حق میں جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہے ۔ اور وہ خود عذاب قبر سے چھٹکارا پائے گا ۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے موقوف بھی مروی ہے ۔

ف: - ابوداؤد انہیں چار رکعت کے ثبوت میں حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث لائے ہیں ۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ۔ ماصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم العشاء قط فدخل على الا صلى بعدها اربع ركعات او ستًا کہ آنحضرتؐ جب بھی نماز عشاء ادا فرما کر میرے پاس تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت ادا فرماتے ۔

باب الركعتين بعد صلوٰة الظهر!

باب - نماز ظہر کے بعد دو رکعت ادا کرنے کا بیان!

۱۸۰ **ابو حنيفة عن الحكم عن مجاهد عن ابن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بعد الظهر ركعتين ۔**

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز ظہر دو رکعات ادا فرمایا کرتے تھے ۔

ف: - بہت سی احادیث صحیحہ سے ثبوت ہے کہ آنجناب نے ان دو رکعات پر مواظبت فرمائی ۔ گویا ان کا شمار سنن مؤکدہ میں ہوا ۔

باب الصلوٰة في البيوت!

باب گھروں میں نفل نمازیں پڑھنے کے بیان میں!

۱۸۱ **ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمر قال**

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوھا قبورًا ۔

علیہ وسلم نے کہ گھروں میں نمازیں (سنن و نفل) پڑھا کرو۔ اور ان کو قبریں نہ بناؤ ۔

ف: آنحضرت نے گھروں میں نفل نماز ادا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ بعض روایات میں یوں ہے اجعلوا من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورًا کہ اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں کے لئے بھی رکھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ یہ حدیث سنن و نوافل کے بارہ میں ہے۔ نہ فرضوں کے متعلق۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے افضل الصلوۃ صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ کہ زیادہ فضیلت کی نماز انسان کی اس کے گھر میں ہے سوائے فرض نماز کے۔ بعض اس کو حدیث اجعلوا من صلوتکم الخ کے پیش نظر فرض نماز کے لئے مانتے ہیں۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے لکھا ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ گھر میں بعض فرض نماز پڑھنے سے جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ہیں۔ مثلاً غلام، بیمار، عورتیں وہ بھی شریک جماعت ہو سکیں۔ اور ان کو اقتداء کا موقع مل سکے۔ مگر مختار مذہب پہلا ہی ہے۔

گھروں میں نماز نہ ادا کرنے سے گھروں کو آنحضرت نے قبرستان سے یوں تشبیہ دی کہ قبرستان میں بھی چونکہ نماز نہیں پڑھی جاتی اس لئے نماز نہ پڑھے جانے میں گھر قبرستان کے مشابہ ٹھہرے اور ان سے ملتے جلتے یہ حکم دوسرے اسرار بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے سے ریاکاری، دکھاوے، نام و نمود سے بہت حد تک انسان کو نجات ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہی عبادت پسند و مرغوب ہے جس میں ریاکاری نہ ہو۔ اور گھر میں برکت پھیلتی ہے۔ رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ شیطان بھاگتا ہے۔ ناپاک ارواح کے اثرات کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ مسلم میں حضرت ابی ہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں ان الشیطان ینفر من البیت الذی تقرء فیہ سورۃ البقرۃ کہ اس گھر سے شیطان بھاگتا ہے جس میں جس میں سورت بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ بعض روایات میں آنحضرت کے اس مضمون کے الفاظ ہیں کہ وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ جس میں ذکر نہ ہو یہ ہر دو گھر زندہ اور مردہ انسانوں کی طرح ہیں ۔

باب سنۃ الرکعتین فی الکعبۃ

باب۔ کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھنی

ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمرؓ قال سألت بلالاً این صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبۃ وکم صلی قال صلی رکعتین بین الاسطوانتین المقدمتین تلیان باب الکعبۃ والبیت اذ ذاک علی ستۃ اعمدۃ ۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں کہاں اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ دو رکعتیں ان دو ستونوں کے درمیان جو دروازہ کے نزدیک ہیں اور اس وقت کعبہ کے چھ ستون تھے ۔

ف: یہ فتح مکہ کے دن کا واقعہ ہے جب کہ آنحضرت بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ حضرات اسامہ، بلال اور عثمان بن طلحہ تھے۔ اور دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت ابن عمر آنحضرت کے ساتھ نہ تھے۔ انہوں نے جب آنحضرت باہر تشریف لائے تو حضرت ابن عمر نے حضرت بلال سے آنحضرت کی نماز کے بارہ

میں استغفار فرمایا۔

۱۸۲
ابو حنیفة عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عمر ان رجلا سالہ عن صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبة یوم دخلھا فقال صلی فی الکعبة اربع رکعات فقال لہ ارنی المکان الذی صلی فیہ فقال فبعث معہ ابنہ ثم ذھب تحت الاسطوانة بحیال الجذعة۔

حضرت ابن عمرؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے۔ تو نماز کس جگہ اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے کعبہ میں چار رکعات ادا فرمائیں۔ اس شخص نے کہا کہ ذرا مجھے وہ مقام دکھلایئے۔ جہاں آنحضرتؐ نے نماز ادا فرمائی۔ تو حضرت ابن عمر نے اپنے صاحبزادہ کو اس کے ہمراہ کر دیا کہ وہ جگہ دکھا دیں۔ پھر وہ گئے بیچ کے ستون تک کھجور کے تنے کے مقابل ہیں۔

وفی روایة ان ابن عمر قال صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبة اربع رکعات قلت لہ ارنی المکان الذی صلی فیہ فبعث معی ابنہ فارانی الاسطوانة الوسطی تحت الجذعة۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ نماز پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں چار رکعات۔ تو میں نے (سعید بن جبیر راوی کی حدیث۔ نے ان سے کہا کہ ذرا مجھ کو وہ مقام دکھلایئے جہاں آنحضرتؐ نے نماز ادا فرمائی۔ تو انہوں نے اپنے فرزند کو میرے ہمراہ کیا۔ اور انہوں نے مجھ کو وہ بیچ والا ستون بتا دیا جو تنہ کھجور کے نیچے ہے۔

ف:۔ یہ غالباً حجة الوداع کا واقعہ ہے۔

باب الجنائز!

باب جنازے کے بیان میں!

۱۸۴
ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن میت یموت لہ ثلثة من الولد الا ادخلہ اللہ تعالیٰ الجنة فقال عمر او اثنان فقال صلی اللہ علیہ وسلم او اثنان۔

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں مرتا ہے کوئی مرنے والا ایسا کہ جس کے تین (نابالغ) بچے مر گئے ہوں۔ مگر کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔ حضرت عمر بولے یا دو؟ آنحضرت نے فرمایا (ہاں) یا دو۔

ف:۔ یہ حدیث مختلف مگر قریب الفاظ سے کتب صحاح میں وارد ہے۔ مسلم و ابن ماجہ میں یوں آیا ہے۔ کہ جس کسی مسلمان کے تین بچے نابالغ مر جائیں تو وہ اس کا جنت کے دروازوں پر استقبال کرتے ہیں جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس میں سے وہ چاہے داخل بہشت ہو۔ بعض میں اس طرح ہے کہ اس کو آتش دوزخ برائے نام ہی چھوئے گی۔ بعض میں یوں ہے کہ وہ بچے اس کے لئے مضبوط و سنگین حصار ہو جائیں گے۔

۱۸۵
ابو حنیفة عن عبد الملک عن رجل من

کسی شامی شخص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

اهل الشام عن النبی صلی الله علیه وسلم قال انك لترى السقط محبنطئا يقال له ادخل الجنة فيقول له لا حتى يدخل ابواى ۰

وسلم نے فرمایا کہ تو دیکھے گا حشر میں پیٹ سے گرے ہوئے بچہ کو کسی کی تلاش میں ہکا بکا۔ اس سے کہا جائے گا۔ جا جنت میں چلا جا تو وہ کہے گا نہیں (جاؤں گا جنت میں) جب تک میرے ماں باپ جنت میں نہ جائیں ۰

ف :- اس باب میں کثیر تعداد میں احادیث وارد ہیں جن کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ طبرانی کبیر میں یہی حدیث لائے ہیں۔ اس میں آخر میں یہ ٹکڑا بھی ہے۔ فیقال له ادخل الجنة انت وابواك یعنی اس سے کہا جائے گا کہ جا تو اور تیرے ماں باپ سب کے سب جنت میں جاؤ۔ یہ ہے پروردگار عالم کی بندہ نوازی۔ اور بندہ پروری کہ اول تو نابالغ بچوں کو ماں باپ کے لئے ذریعہ نجات وبخشش ٹھہرایا۔ اور تین بچوں کے مرجانے پر جنتی قرار پائے۔ پھر تین سے گھٹ کر دو کے مرجانے پر بھی یہی فیضان رحمت جاری رہا۔ بلکہ کئی روایات میں ایک تک کی تعداد بھی آئی ہے۔ چنانچہ ابن مسعود سے مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص تین نابالغ بچوں کو لئے آگے اس دنیا سے بھجا دے تو وہ اس کے لئے آگ سے بچاؤ کا قلعہ یا حصار ہوجائیں گے۔ حضرت ابوذر نے عرض کیا میں نے تو دو ہی بھیجے ہیں۔ ارشاد ہوا اگرچہ دو ہی ہوں۔ ادھر حضرت ابی نے اپنی مثال پیش کی کہ میں نے حضرت ایک ہی بھیجا ہے۔ تو ارشاد ہوا اگرچہ ایک ہی ہو۔ پھر یہاں تک پروردگار عالم نے اپنی عنایات خسروانہ کا دائرہ وسیع فرمایا۔ کہ پیٹ کے گرے ہوئے بچہ کو بھی سبب داخلہ جنت ٹھہرایا۔ جس پر حدیث ذیل شاہد ہے ۰

۱۸۶/۲ **ابو حنیفة** عن سلیمان بن عبد الرحمن الدمشقی عن محمد بن عبد الرحمن التستری عن یحیی بن سعید عن عبد الله بن عامر عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مات العبد والله یعلم منه شرا ویقول الناس فيه خیرا قال الله تعالی لملائکته قد قبلت شهادات عبادی علی عبدی وغفرت علمی ۰

حضرت عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ مرتا ہے اور اللہ تعالی اس کی بدکرداری کو جانتا ہے مگر لوگ اس کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالی اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اس بندہ پر اپنے بندوں کی شہادت قبول کی اور بخش دیے وہ گناہ جو میرے علم میں تھے ۰

ف :- اس باب میں کتب صحاح میں بہت سی احادیث مختلف مگر قریب قریب الفاظ میں وارد ہیں۔ جیسا حضرت سلمہ بن الاکوع سے مرفوع روایت لائے ہیں۔ انتم شهداء الله علی الارض والملائكة شهداء الله فی السماء کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اور فرشتے آسمان میں اللہ کے گواہ ہیں ۰

۱۸۰ **ابو حنیفة** عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانی قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم ان الله یغفر له فهو مغفور له ۰

حضرت ام ہانی رض کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جانتا ہے کہ اللہ اسے بخش دے گا تو وہ بخشا ہوا ہے ۰

ف :- اس حدیث کی اصل وہ روایت ہے جو بخاری، مسلم اور نسائی میں وارد ہے کہ ایک بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور کہتا ہے اے رب میں نے گناہ کیا مجھ کو بخش دے۔ اس پر اس کا رب فرماتا ہے کہ کیا میرے بندے نے یہ جانا

کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس میں اس کی گرفت بھی کرتا ہے۔ تو میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا۔ پھر کچھ مدت ٹھیرتا ہے۔ جب تک اللہ چاہتا ہے اور بار دیگر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ اے رب مجھ سے دوسرا گناہ سرزد ہوا۔ اس کی بخشش فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا میرے بندے نے سمجھا کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے۔ پس میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا۔ پھر کچھ مدت ٹھہر کر جب تک اللہ چاہتا ہے تیسری بار گناہ کرتا ہے اور یہی الفاظ زبان پر لاتا ہے کہ اے رب میں پھر گناہ کا مرتکب ہوا لہٰذا میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ کیا اس نے جانا کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر اس کی گرفت بھی۔ پس میں نے اپنے بندہ کا تیسری بار معاف کیا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ ارتکاب گناہ کے بعد ہی توبہ نصوحہ کرنے کا بھی انسان عادی ہو۔ اور پھر جاتا تک تقاضائے انسانیت لغزش سرزد ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس فرمان کے ذریعہ نعوذ باللہ من ذلک انسان کے لیے گناہ کرنے کا ایک وسیع اور سہل تر راستہ کھولا گیا ہے کہ گناہ کرتا رہے اور ہر گناہ وقصور پر بیوقوفی طرح سَیُغْفَرُ لَنَا کا نعرہ لگاتا رہے۔ یہ گناہ کی معافی کی خواستگاری نہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ اللہ کے ساتھ مسخری ہے۔ اور اس کی شان میں گستاخی ۔

۱۸۸ ابوحنیفۃ عن منصور عن سالم بن ابی الجعد عن عُبَید بن نسطاس عن ابن مسعود انہ قال من السنۃ ان تحمل بجوانب السریر فما زاد علے ذٰلک فھو نافلۃ ۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھاوے ایک مرتبہ اب اس پر جو زیادتی ہو وہ نفل ہے (گویا زیادہ بھلائی ہے اور زیادہ موجب اجر و ثواب) ۔

ف:۔ یہ حدیث جنازہ کے اٹھانے کے مسئلہ کو حل کرتی ہے۔ اور ایک اختلافی مسئلہ میں ایک فریق کے لیے حجت قوی ہے۔ امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ جنازہ کو آگے پیچھے یعنی سیردوں کی جانب سے اٹھایا جائے۔ اگلا آدمی اپنی گدی پر رکھے اور پچھلا اپنے سینہ پر۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جنازہ چارپائی کے پایوں سے اٹھایا جائے۔ امام شافعی کے مذہب پر بہت احادیث موقوفہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ جن میں اصل اصول حدیث حضرت سعد بن معاذ کے بارہ میں ہے جس کو ابن سعد طبقات میں نقل کرتے ہیں کہ آپ کے جنازہ کو اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کی دلیل ایک تو یہ حدیث ذیل ہی ہے۔ جو اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے۔ کہ ہر چہار رخ سے جنازہ کا اٹھانا مسنون ہے صحابی کا مِنَ السُّنَّۃ کا لفظ استعمال کرنا حدیث کے مرفوع ہونے کا بین ثبوت ہے۔ پھر دوسری صحیح روایات بھی اس خیال کی تائید و تقویت کرتی ہیں۔ مثلاً ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اپنی اپنی مصنفات میں علی الازدی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمر کو اسی طرح جنازہ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ عبد الرزاق حضرت ابی ہریرہ سے روایت لاتے ہیں کہ جس نے جنازہ کو ہر چہار رخ سے اٹھایا تو اس نے پوری ذمہ داری جو اس پر تھی وہ ادا کی۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ سنت عمل یہی طریقہ ہے نہ کوئی اور۔

اب مذہب شافعیہ پر جس قدر احادیث موقوفہ ہیں وہ محتمل ہیں اور قابل تاویل اور مختلف عذرات پر مبنی مثلاً حضرت سعد کے بارہ میں جو روایت ہے اور جو اس مذہب کا خلاصہ حجت ہے وہ ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے جو ایک خاص عذر پر مبنی تھا۔ کہ ستر ہزار فرشتوں کے ان کے جنازہ میں شرکت کے لیے آئے

سخت اژدحام ہوگیا تھا۔ کہ چلنا تک دشوار ہوگیا تھا۔ جنازہ کو کندھا دینا تو درکنار۔ متولا محالہ پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ جہاں جس کو موقع مل سکا جنازہ اٹھا کر داخل حسنات ہوا۔ یہاں تک آیا ہے کہ خود آنحضرت بسبب اژدحام کے اپنے پاؤں کے پنجوں پر چل رہے تھے۔ بعض وقت راستہ کی تنگی ہوتی ہے۔ تو جنازہ اٹھانے کی یہی شکل اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اور اسی طرح کبھی اٹھانے والوں کی کمی کے باعث بھی یہی صورت بن جاتی ہے۔ کہ مثلاً دو ہی اٹھانے والے ہیں تو وہ لامحالہ اسی شکل سے اٹھائیں گے اور چارہ کار ہی کیا ہے۔ مگر یہ تو نہیں کہ جو صورت ان مجبوریوں کی بنا پر جائز ہو۔ وہ مستقل مسئلہ بن جائے۔ اور ایک مستقل سنت کی جگہ لے۔ پھر قیاس کی رو سے بھی مذہب حنفیہ قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ اس شکل میں میت کا احترام زائد ہے۔ تیز گامی کی سنت بھی بسہولت ادا ہو سکتی ہے۔ ورنہ اس کے خلاف صورت میں تیز چلنا تو کجا بعض وقت اٹھانا اور چلنا ہی دشوار ہو جائے گا۔ اگر اتفاق سے میت ہوئی بھاری جسم کی اور اٹھانے والے ٹھہرے کمزور جسم کے۔ اور شامئی نصیب تو آفت آگئی۔ اور ایک سخت دقت کا سامنا ہوا۔ نہ کہ پھر قبرستان بھی اگر دور ہو تو پھر تو آفت پر آفت ہے۔

پھر جنازہ اٹھانے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر پایہ کو اٹھا کر کم از کم دس قدم چلے کیونکہ ابن عساکر وائلہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ جس نے چاروں طرف سے جنازہ کو اٹھایا اس کے چالیس گناہ معاف ہوئے۔ تو گویا ہر پایہ پر حسب الشان دس قدم چلا تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوا اور ہر پایہ پر دس گناہ یوں چالیس قدم پر چالیس گناہ معاف ہوئے۔

ابوحنیفۃ عن علیؓ بن الاقمر

عن ابی عطیۃ بن الوداعی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج فی جنازۃ فرای امراۃ فامر بھا فطردت فلم یکبر حتی لم یرھا۔

حضرت ابی عطیہ بن الوداعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ساتھ گئے کہ آپ کو ایک عورت اس جنازہ کے پیچھے آتی دکھائی دی۔ آپ نے حکم صادر فرمایا تو وہ نکال دی گئی پھر جب تک وہ نظر سے اوجھل نہ ہوگئی آپ نے تکبیر نہیں کہی۔

ف: سنن بیہقی میں ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جنازہ کے پیچھے جانے میں عورت کے لئے کوئی اجر نہیں۔ طبرانی ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث لاتے ہیں کہ عورتوں کے لئے جنازہ میں کوئی حصہ نہیں۔

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم

عن غیر واحد ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالھم عن التکبیر فقال لھم انظروا اخر جنازۃ کبر علیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدوہ قد کبر اربعا حتی قبض قال عمرؓ

کئی ثقہ لوگوں سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا۔ اور تکبیرات نماز جنازہ کے بارہ میں ان سے سوال فرمایا کہ وہ کتنی ہیں اور کہا کہ یاد کرو کہ آخری جنازہ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ اور تکبیریں کہیں کون سا تھا اور کہ کتنی تکبیریں آپ نے کہیں۔ وہ آخری نماز جو وہ آپ کا عمل ہے جو اصحاب نے ایسی تھا سوچ نکالی۔ اور کہا کہ آپ نے وفات تک چار تکبیریں کہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ میں چار

کبّروا اربعًا ۔ تکبیریں کہے جانے کا حکم صادر فرمایا ۔

ف :- ائمہ اربعہ اس پر متفق الرائے ہیں اور متحد الخیال کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں ۔ کیونکہ اکثر صحابہ کا اسی پر ہے ۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباس سے حدیث بیان کی ہے ۔ کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام پر جب نماز پڑھی تو چار تکبیریں کہیں اور کہا کہ اے بنی آدم تمہارے لئے سنت یہی ہے ۔

ابو حنیفة عن شیبان عن یحیی عن ابی سلمة عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقول اذا صلی علی المیت اللهم اغفر لحینا و میتنا وشاهدنا وغائبنا وصغیرنا و کبیرنا وذکرنا وانثانا ۔ ۱۹۱/۲۸

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کی نماز پڑھتے تو کہتے اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشاهدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا یعنی اے اللہ مغفرت فرما ہمارے زندوں کی اور مردوں کی ہمارے حاضرین کی اور غائبین کی ہمارے چھوٹوں کی اور بڑوں کی ہمارے مردوں کی اور عورتوں کی) ۔

ف :- دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں اللهم من احییتمنا فاحیه علی الاسلام ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان اور بعض میں اس سے بھی زائد الفاظ ہیں ۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال اُلحِدَ للنبی صلی الله علیه وسلم واُخذ من قِبَل القبلة ونُصب علیه اللبِنُ نصبًا ۔ ۱۹۱/۲۹

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ لحد تیار کی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ اتارے گئے قبلہ کی جانب سے اور کچی اینٹیں آپ پر نصب کی گئیں ۔

ف :- حدیث ذیل کے ماتحت دو امور قابل بیان ہیں ۔ جن پر ائمہ کا اختلاف رائے ہے ۔ ایک لحد و شق کا مسئلہ کہ لحد یعنی بغلی قبر میت کے لئے زیادہ افضل ہے یا شق (صندوقی قبر) امام صاحب پہلے خیال کے حامی ہیں ۔ اور امام شافعی دوسرے کے ۔ دوسرا مسئلہ میت کو قبر میں اتارنے کا ہے کہ قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں اتارنا سنت ہے یا سر کی طرف سے ۔ امام صاحب پہلی صورت کو مسنون کہتے ہیں کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو یہی سنت ہے ۔ اور امام شافعی دوسری صورت کو ۔

مسئلہ لحد وشق میں مذہب حنفیہ کی پہلی دلیل ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے جو ترمذی اور ابن ماجہ میں ان الفاظ سے ہے اللحد لنا والشق لغیرنا ۔ کہ لحد ہمارے لئے ہے ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور شق ہمارے غیر کے لئے کیونکہ یہود میں اس شکل کی قبر کا رواج تھا ۔ دوسری دلیل یہ کہ خود آنحضرت کے لئے لحد تیار کی گئی ۔ اس سے بڑھ کر افضلیت کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے ۔ گو صحابہ نے ہر دو قسم کی قبر کھودنے والوں کو بلایا ۔ اور معاملہ قدرت پر چھوڑ کر جو پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے ۔ مگر قدرت کی طرف سے انتخاب کے لئے لحد کا انتخاب ہوا ۔ اور لحد کھودنے والے صاحب پہلے آپہنچے اس لئے آپ کے لئے لحد تیار ہوئی ۔

تیسری دلیل یہ کہ مسلم میں ہے کہ حضرت سعد بن وقاص نے اپنے لئے وصیت فرمائی ۔ کہ میرے لئے لحد تیار کریں ۔ ایسے جلیل القدر صحابی جب اپنے لئے لحد پسند فرمائیں تو یہ اس کی افضلیت کی قطعی دلیل ہے اور پختہ حجت ۔

Marfat.com

دوسرے مسئلہ اختلافی میں امام شافعی کی زبردست دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جو مسند امام شافعی میں مذکور ہے کہ سُلّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبل راسہ کہ آپ سر کی جانب سے نکالے گئے اور قبر میں اتارے گئے۔ اس کی شکل یہی ہے کہ جنازہ کو قبر کی پائنتی رکھا جائے کہ میت کا سر قبر کی پائنتی کے پاس رہے۔ پھر جب قبر میں اتارا جائے تو سر کی جانب سے میت کو اتارا جائے۔ اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ جنازہ کو قبر کے سرہانے رکھا جائے۔ اور میت کے پاؤں قبر کے سرہانے ہوں اور میت کے پاؤں کی طرف سے اس کو اتارا جائے بعض اس طرف بھی گئے ہیں اور ان کے مذہب کی موافقت میں چند روایات بھی ہیں۔ مگر امام شافعی سے یہی شق کی روایت ہے۔ مذہب حنفیہ کی طرف سے استدلال شافعیہ کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت کے دفن کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سخت اضطراب ہے کیونکہ اس مضمون کی بھی صحیح احادیث وارد ہیں کہ آپ کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں اور ابوداؤد اپنی مراسیل میں ابراہیم نخعی سے مرفوعاً مرسل حدیث لائے ہیں کہ آپ کو قبر میں قبلہ کی رخ سے اتارا گیا۔ اور آپ سر کی جانب سے نہیں [illegible] گئے۔ استقبال کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے جانب قبلہ رکھا جائے اور میت کو قبر میں اتارنے والے قبلہ رو ہو کر میت کو قبر میں اتاریں اور اسی طرح ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت ابی سعید خدری سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت کو قبر میں قبلہ کی رخ سے اتارا گیا۔ اور قبلہ رو ہو کر آپ کو لٹایا گیا۔ جب احادیث میں تعارض واقع ہوا تو لامحالہ قیاس کی طرف رجوع کریں گے۔ اور قیاس مذہب حنفیہ کی پر زور تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ہر مرتبہ میں قبلہ کی طرح جہت قبلہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔ نیز اس وقت کہ انسان کو اس کے مولی کے پاس [illegible] ہو [illegible] کی خواہش [illegible] پھر اس تعارض کو بھی جانے دیجئے تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے اور مذہب شافعیہ کی موافقت میں حدیث صحیح ہے تو ہم یہ کہیں گے اس وقت ایک خاص عذر در پیش تھا جس کی بناء پر قبلہ کی سمت میں [illegible] ہو سکی [illegible] کی دیوار تھی اس لئے قبلہ کی جانب جنازہ نہیں رکھا جا سکتا تھا [illegible] اس [illegible] سے [illegible] کہ آپ کو سر کی جانب سے اتارا گیا۔ نہ یہ کہ یہ طریقہ سنت ہے۔ کیونکہ اگر یہ [illegible] [illegible] ہمارے پاس خود آنحضرت کے عمل کی حدیث صحیح اس کے خلاف موجود ہے ترمذی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قبر میں اترے آپ کے لئے چراغ [illegible] آپ نے میت کو قبلہ کی جانب سے لیا اور فرمایا رحم کرے اللہ تجھ پر تو خوف الٰہی میں بہت رونے والا [illegible] اور چار تکبیریں کہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ اور اس حدیث [illegible] صحابہ کا عمل بھی اس پر شاہد ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں [illegible] اور ان کو قبلہ کی طرف سے اتارا۔

بَابُ السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ! ۸۵

باب قبر کے سوال و جواب کے بیان میں!

ابو حنیفۃ عن علقمۃ عن رجل [illegible]

سعد بن عبادة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وضع المؤمن في قبره اتاه الملك فاجلسه فقال من ربك فقال الله قال ومن نبيك قال محمد قال وما دينك قال الاسلام.

قال فيفسح له في قبره ويرى مقعده من الجنة.

فاذا كان كافرا اجلسه الملك فقال من ربك فقال هاه لا ادري كالمضل شيئا فيقول من نبيك فيقول هاه لا ادري كالمضل شيئا فيقال ما دينك فيقول هاه لا ادري كالمضل شيئا.

فيضيق عليه قبره ويرى مقعده من النار فيضربه ضربة يسمعه كل شئ الا الثقلين الجن والانس.

ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحيوة الدنيا وفي الاخرة ويضل الله الظالمين ويفعل الله ما يشاء.

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس وقت مومن اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے اور اس کو بٹھاتا ہے پھر اس سے کہتا ہے تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے اللہ فرشتہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے۔ مومن کہتا ہے۔ محمد پھر سوال کرتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے مومن کہتا ہے اسلام آپ نے فرمایا کہ پھر اس کی قبر فراخ اور کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کو اس کی جنت کی جگہ دکھا دی جاتی ہے۔ اور جب مردہ کافر ہوتا ہے تو فرشتہ اس کو بٹھاتا ہے اور اس سے کہتا ہے۔ کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ایک بھولے ہوئے آدمی کی طرح ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر فرشتہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے وہ کہتا ہے ہکا بکا ہو کر ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر تیسری بار فرشتہ اس سے سوال کرتا ہے۔ تیرا دین کیا ہے، اور وہ کافر اسی عالم حیرانی میں کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے اور دوزخ میں اس کا مقام اس کو دکھا دیا جاتا ہے اور فرشتہ اس پر ایک ایسی ضرب لگاتا ہے کہ جس کی آواز سوائے جن و انس کے ہر شے سنتی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پاک پڑھی۔ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ و یضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشاء۔

ف: قبر کے سوال و جواب کے سلسلہ میں احادیث مختلف عبارات سے وارد ہیں اور بعض زیادہ تفصیلی بیان پر مشتمل ہیں۔

ابو حنيفة عن اسماعيل عن ابي صالح عن ام هانی عن النبي صلى الله عليه وسلم في القبر ثلث سؤال عن الله تبارك وتعالى ودرجات في الجنان وقراءة القران عند راسك.

حضرت ام ہانی رضہ نے روایت کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ قبر میں تین چیزیں پیش آنے والی ہیں (ایک) اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارہ میں سوال (دوسرے) درجات یا مقامات جنت (کا مومن کے سامنے پیش) کیا جانا، (تیسرے) پڑھنا قرآن کا سر کے نزدیک

ف: یہ گویا قبر کی ابتدائی زندگی کا مختصر حال ہے اور اجمالی خاکہ جس کی تفصیل یا ترجمانی دوسری مفصل احادیث

أبو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن أبيه قال خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في جنازة فأتى قبر أمه فجاء وهو يبكي أشد البكاء حتى كادت نفسه أن تخرج من بين جنبيه قال قلنا يا رسول الله ما يبكيك قال استأذنت ربي في زيارة قبر أم محمد فأذن لي واستأذنته في الشفاعة فأبى علي۔

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنازہ کے ساتھ نکلے۔ دوران میں آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب روح پاک جسم اطہر سے پرواز کر جائے گی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی۔ تو مجھ کو اجازت ملی۔ پھر میں نے شفاعت کی اجازت طلب کی تو منظور نہ ہوئی۔

وفي رواية قال استأذن النبي صلى الله عليه وسلم ربه في زيارة قبر أمه فأذن له فانطلق وانطلق معه المسلمون حتى انتهوا إلى قريب من القبر فمكث المسلمون ومضى النبي صلى الله عليه وسلم فمكث طويلا ثم اشتد بكاؤه حتى ظننا أنه لا يسكن فأقبل وهو يبكي فقال له عمر رضي الله عنه ما أبكاك يا نبي الله بأبي أنت وأمي۔

قال استأذنت ربي في زيارة قبر أمي فأذن لي واستأذنته في الشفاعة فأبى فبكيت رحمة لها وبكى المسلمون رحمة للنبي صلى الله عليه وسلم۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اجازت چاہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی۔ پس آپ کو اجازت ملی۔ تو آپ تشریف لے گئے۔ اور آپ کے ہمراہ مسلمان بھی۔ یہاں تک کہ قبر کے قریب پہنچے تو مسلمان تو ٹھہر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر تک تشریف لے گئے۔ اور بہت دیر تک ٹھہرے رہے۔ پھر آپ نے شدید رونا شروع کیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کا رونا نہیں رکے گا۔ پھر ہماری طرف روتے ہوئے پلٹے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جناب کو کس چیز نے رلایا۔ اے نبی اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھ کو اجازت دی اور میں نے شفاعت کی اجازت طلب کی تو منع فرما دیا۔ مجھ کو ان پر شفقت کی وجہ سے رونا آگیا۔ اور مسلمان آپ پر شفقت کرتے ہوئے رو پڑے۔

ف: یہاں ایک نازک اور شدید اختلافی مسئلہ سامنے آتا ہے جس میں علمائے متقدمین و متاخرین آپس میں مختلف الخیال والرائے رہ چکے ہیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت کے والدین نے اسلام پر وفات پائی یا غیر اسلام پر۔ علمائے متقدمین دوسری شق کے حامی ہیں اور متاخرین پہلی کے۔ متقدمین کے سامنے حدیث ذیل اور اس جیسی احادیث ہیں جن سے بظاہر ہر دو اصحاب کے کفر کا پتہ چلتا ہے اور اس کی دلیل میں یہ آیات قرآن کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں کہ ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی یا ارشاد [illegible] ولا تسئل

عن اصحاب الجحیم۔ متاخرین اس امر میں نہایت محتاط ہیں اور وہ اس مسلک پر ہیں کہ آنجناب کے والدین مسلمان ہیں۔ ان کا مسلک درحقیقت تفصیلی پہلو سے تین نقطہ ہائے خیال پر تقسیم ہوتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو زندہ فرما کر ان کو ایمان نصیب فرمایا۔ اس بارہ میں ان کے پاس احادیث موجود ہیں جن کو انہوں نے صحیح یا حسن ثابت کیا ہے۔ اور جن تک ممکن ہے متقدمین کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ دوسرا یہ کہ آنجناب کے والدین نے زمانہ فترت پایا۔ یعنی قبل بعثت کا زمانہ اور اللہ تعالیٰ موحد غیر سرکش کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا ان العذاب علی من کذب وتولی۔ تیسرا یہ کہ وہ قدیم ملت ابراہیمی پر تھے جس کے ماتحت مستحق عذاب نہیں۔ بہرحال یہ مقام نہایت ادب واحتیاط کا ہے بھلا کھلا کفر کی نسبت ان کی طرف کرنی شان ایمانی کے سراسر خلاف ہے۔ اور کسی طرح زیبا نہیں۔ اگر اس باب میں انسان کو کچھ ادلہ بھی ملیں اور خیال ادھر جھکے تو پھر بھی سکوت ہی قرین مصلحت ہے اور موافق ادب کیونکہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ مسلمان کو کہاں زیبا ہے کہ سرور کائنات وسرکار دو عالم کے ماں باپ کو جن کی پوری نوع انسانی ممنون ہے اور مرہون احسان کفر کا مصداق ٹھہرائے۔ پھر یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن پر ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہی ہو کہ بغیر اس فیصلہ کے اس کا ایمان ناقص رہے۔ لہٰذا کیا ضرور ہے کہ ایک غیر ضروری مسئلہ میں پڑ کر اپنی زبان گندی کرے۔ دل میں شکوک لائے اور ایمان کو ٹھیس لگائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل ؂

باب ۸۶ زیارۃ القبور والسلام علی اھلھا

باب۔ قبرستان میں جانے اور مردوں پر سلام کہنے کے بیان میں

ابو حنیفۃ عن علقمۃ بن مرثد حدثنا حدثنا عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلعم انہ قال کنت نھیتکم عن القبور ان تزوروھا فزوروھا ولا تقولوا ھجرًا ؂ ١٩٦/١١

حضرت بریدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا کہ تم قبروں کی زیارت کرو۔ تو اب زیارت کرو قبروں کی۔ لیکن بری بات زبان سے نہ کہو ؂

ف: ابوداؤد کی روایت میں اس کے ساتھ یہ الفاظ زائد ہیں فان فی زیارتھا تذکرۃ کہ البتہ قبروں کی زیارت میں نصیحت ہے۔ ترمذی میں یوں ہے فقد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ کہ البتہ محمد کو اپنی والدہ کی قبر کی اجازت مل گئی تو تم بھی قبروں پر جاؤ۔ کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں ؂

یہاں یہ امر قابل وضاحت ہے کہ قبروں پر جانا شرعاً کیسا ہے تو واضح رہے کہ قبروں پر جانا بالاجماع مستحب ہے۔ کیونکہ اس میں بیش از بیش فوائد ومنافع ہیں۔ دل میں رقت ونرمی پیدا ہوتی ہے۔ آخرت کا خیال بندھ جاتا ہے انسان کو خود اپنی موت یاد آتی ہے۔ دنیا کی فنا و ناپائیداری کا خیال دل میں سماتا ہے غرض دل پر بہت اچھے اثرات طاری ہوتے ہیں۔ جو تقویٰ وپرہیزگاری کے لئے اکسیر اعظم کا کام دیتے ہیں۔ اس میں مشغلہ یہ ہے کہ مردوں کے حق میں دعاء خیر کرے۔ اور ان کے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہو۔ رہا یہ مسئلہ کہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے اوروں کی ارواح سے مدد مانگنا کہاں تک روا ہے تو اکثر علمائے حنفیہ نے تو اس سے روکا ہے۔ اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اس

کی اجازت دی ہے۔ بلکہ اہل کشف وکمال کے تو اس پر فیصلے ہیں۔ شافعی رحمۃ نے تو فرمایا کہ حضرت کاظمؒ کی قبر اجابت۔ دعا کے لئے تریاق مجرب ہے۔ اب اس کے بعد رہ جاتا ہے مسئلہ عورتوں کے قبروں پر جانے کا۔ تو بعض نے ان کو اس سے روکا ہے اس حدیث کے پیش نظر جو ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے بعض نے اجازت دی ہے اس خیال کے ماتحت کہ آنحضرت کا یہ امتناعی حکم اس وقت کا ہے جبکہ مردوں اور عورتوں سب کو زیارت قبور سے روک دیا گیا تھا۔ لیکن جب آنحضرت نے اجازت مرحمت فرمائی جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے تو اس عام اجازت میں عورتیں بھی شامل ہوئیں۔ اور بعض نے جو عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا ہے وہ محض اس بناء پر کہ وہ ضبط وتحمل پر قدرت نہیں رکھتیں۔ اس لئے قبروں پر جا کر جزع فزع کرنے لگتی ہیں اور یہ ناجائز ہے۔ اگر وہ اس سے بچ سکیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں یہ اجازت عام ان کے لئے بھی ہے۔ چنانچہ علمائے حنفیہ نے زیارت قبور کو ان کے لئے جائز جانا ہے۔ جیسا کہ عالمگیری میں ہے +

۱۹۷/۲ ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا خرج الى المقابر قال السلام على اهل الديار من المسلمين وانا ان شاء الله بكم لاحقون نسأل الله لنا ولكم العافية +

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قبرستان میں تشریف لے جاتے۔ تو فرماتے (یہ الفاظ دعا کے زبان مبارک پر ہوتے) السلام علی اہل الدیار من المسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ۔ کہ اے قبروں میں بسنے والے مسلمانو تم پر سلامتی ہو۔ ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کے خواستگار ہیں +

ف: دیگر احادیث صحیحہ میں بھی یہی الفاظ وارد ہیں +

كتاب الزكوٰة

کتاب زکوٰۃ کے بیان میں

باب الركاز

رکاز کا حکم!

۱۹۸/۱ ابوحنیفة عن عطاء عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الركاز هو الركز الذى ركزه الله تعالى فى المعادن الذى ينبت فى الارض +

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکاز وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کانوں میں گاڑا ہے [illegible]

ف: یہ حدیث رکاز کی حقیقت کو کھولتی ہے [illegible]

Marfat.com

کرتا ہے اور جس کی تخلیق زمین ہی میں ہوتی ہے۔ یہ حدیث دراصل امام شافعی و امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے درمیان ایک بحث اختلافی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ہر دو ائمہ کانوں میں زکوٰۃ مانتے ہیں اور رکاز کو ایام جاہلیت کے دفینوں کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور ان میں وہ خمس مانتے ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک رکاز کان اور دفینہ ہر دو کو شامل ہے چنانچہ وہ ہر دو میں خمس کے قائل ہیں۔ امام شافعی و مالک کے مذہب کی عمدہ تر دلیل بلال بن الحارث المزنی والی حدیث ہے جس کو مالک موطا میں لائے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرع کے ناحیہ میں معادن قبلیہ کو بلال بن حارث المزنی کی جاگیر میں دیدیا تھا۔ پس ان معادن سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے آج تک مگر زکوٰۃ

امام صاحب کے مذہب کی حقیقت پر قرآن شاہد ہے۔ سنت رسول حجت ہے اور قیاس اس کا مؤید مگر قبل اس کے کہ ان امور پر بحث ہو۔ لفظ "رکاز" کی لغوی تحقیق سن لیجیے۔ کہ اختلاف کی جڑ ہی سے کٹ جائے۔ درحقیقت زمین سے نکالا جانے والا مال تین ناموں سے موسوم ہے۔ کنز۔ معدن۔ رکاز۔ کنز وہ خزانہ ہے جس کو انسان زمین کے نیچے گاڑے۔ معدن وہ جس کی تخلیق زمین کی تخلیق کے ساتھ ہوئی ہو۔ رکاز ان ہر دو کو شامل ہے۔ اور عام۔ اب قرآن اس طرح مذہب حنفیہ کی حقیقت پر شاہد ہے کہ فرمایا واعلموا انما غنمتم من شیئٍ فان للہ خمسہ کہ جانو تم یہ کہ جو کچھ لوٹ لو کسی چیز سے پس تحقیق واسطے اللہ کے ہے پانچواں حصہ اس کا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دفینہ اور اس کا محل زمین ہر دو پر لفظ غنیمت صادق آتا ہے کیونکہ پہلے وہ کفار کے قبضہ میں تھے۔ پھر مسلمانوں نے ان کو چھینا۔ لوٹا۔ اور قبضہ میں کیا۔ جب یہ غنیمت میں شمار ہوئے تو اس کے حکم خمس کے نیچے بھی آ گئے۔ اور ان میں خمس واجب ہوا۔ سنت کی حجیت اس طرح کہ صحاح ستہ میں حدیث وارد ہے العجماءُ جبارٌ والبئر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس۔ کہ جانوروں میں بدلہ نہیں۔ کنوئیں میں بدلہ نہیں۔ کان میں بدلہ نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔ لہٰذا بنا بر تحقیق لغوی رکاز کے ماتحت معدن بھی آتی ہے۔ اور دفینہ بھی اور ہر دو میں خمس ثابت ہوتا ہے۔ اب بیان بقول شافعیہ رکاز کو صرف دفینہ کے لئے لینا کوئی وجہ نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ خود آنحضرت کی زبانی اس کی تائید ملتی ہو کہ امام محمد نے اپنی مؤطا میں اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آپ نے جب فرمایا کہ رکاز میں خمس ہے تو آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ رکاز کیا چیز ہے آپ نے فرمایا وہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں ان معادن میں پیدا کیا ہو جبکہ آسمان و زمین کو پیدا فرمایا۔ اب شافعیہ کے استدلال کا جواب سنیئے کہ حدیث بلال بن الحارث المزنی اول تو منقطع ہے جیسا کہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں اس کی تصریح کی ہے۔ پھر اس میں اس کا اظہار کب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا۔ کہ معادن سے زکوٰۃ لی جائے۔ بلکہ قرین قیاس ہے کہ یہ اہل ولایت کا اجتہاد ہے۔ کیونکہ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں۔

رہی مذہب حنفیہ کی بروئے قیاس تائید تو وہ بدیں صورت کہ معدن کو پوری پوری غنیمت کی حیثیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ پہلے یہ معدن کی زمین کفار کے قبضہ میں تھی۔ پھر مسلمانوں نے اس کو بقوت وطاقت اپنے قبضہ میں کیا تو غنیمت ہوئی اور غنیمت میں چونکہ بلا شک و شبہ خمس ہے تو اس میں خمس کیوں نہ

نہ ہو

Marfat.com

بَابُ ۸۸ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے!

۱۹۹ ابو حنیفۃ عن عطاء عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل معروف فعلتہ الی غنی وفقیر صدقۃ ۞

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر وہ بھلائی جو تم کسی بھلائی غنی یا فقیر کے ساتھ کرو وہ صدقہ ہے ۞

ف: یہ حدیث بعینہٖ الفاظ یا اس کے قریب قریب الفاظ سے مختلف کتب صحاح میں وارد ہے بخاری میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے اس میں بجائے فَعَلْتَہٗ کے صَنَعْتَہٗ کا لفظ ہے۔ امام بخاری نے جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں اس قسم کا مضمون بھی زائد ہے کہ مسلمان جو خود اپنے نفس پر صرف کرے یا اپنے گھر والوں پر یا اس سے اپنی عزت بچائے تو وہ صدقہ میں لکھ لیا جاتا ہے ۞

بَابُ ۸۹ كَوْنِ الصَّدَقَةِ هَدِيَّةً لِلْغَيْرِ!

فقیر صدقہ کا مال دوسرے کو ہدیہ کے طور پر دے سکتا ہے!

۲۰۰ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ قالت تُصُدِّقَ عَلٰی بَرِیْرَةَ بلحم فراٰہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ ۞

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بریرہ کو گوشت بطور صدقہ دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ گوشت اس کے (بریرہ) لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ۞

ف: آنحضرتؐ کا مقصد کلام یہ ہے کہ مختلف حیثیات سے چیز کے تبادلہ سے حکم بدل جایا کرتا ہے۔ مسئلہ موقع زیر بیان میں بریرہ کی ملک میں آ جانے سے گوشت کا حکم بدل گیا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی فقیر کسی غنی کی ضیافت کرے تو غنی کے لئے صدقہ کی چیز کھانا روا ہے اور جائز ہے اگر غنی اس کو قبول کرے ہے۔ ہاں غنی یا بنی ہاشم کو براہ راست مال صدقہ کو تصرف میں لانا اور اس کو اپنی ملک میں لینا جائز نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے عمل اور الفاظ مذکورہ سے اسی مسئلہ کی وضاحت فرمائی ۞

كِتَابُ الصَّوْمِ!

کتاب۔ روزہ کے بیان میں

بَابُ ۹۰ فَضِيْلَةِ الصَّوْمِ!

روزے کی فضیلت

۲۰۱ ابو حنیفۃ عن عطاء عن ابی صالح الزیات عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالٰی کل عمل ابن اٰدم لہ الا الصیام فھو لی وانا اجزی بہٖ ۞

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے کہ سب عمل انسان کے اس کے واسطے ہیں۔ مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا ۞

ف: یہ حدیث روزہ کی فضیلت و برتری کو انسان کے دیگر اعمال پر نہایت پر زور الفاظ میں ثابت کرتی ہے مقصد کلام یہ ہے کہ انسان کے دیگر اعمال میں ریاکاری۔ دکھاوے۔ نام نمود۔ ظاہر داری کو دخل ہوسکتا ہے۔ اور اس کے امکانات ہیں۔ اور اسی کے باعث انسان کے بہت سے اعمال اللہ کی نظر سے گر جاتے ہیں۔ بلکہ بالکل ضائع ہوجاتے ہیں۔ مگر روزہ میں یہ سب کچھ نہیں۔ یہ محض خدا کے لئے رکھا جاتا ہے اس میں ریاکاری کو کیا دخل۔ اور کیا گنجائش۔ چنانچہ بیہقی شعب الایمان میں ابی ہریرہ سے مرفوع روایت لاتے ہیں کہ الصیام لا ریاء فیہ قال اللہ تعالیٰ ھو لی وانا اجزی بہ یدع طعامہ وشرابہ من اجلی۔ کہ روزہ میں ریاکاری نہیں۔ وہ خالص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار میری خاطر اپنا کھانا اور پینا چھوڑتا ہے۔ اسی بنا پر روزہ کی نسبت اپنی طرف کی۔ پھر اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ہر عمل انسانی کا بدلہ اس کی مشقت کے اعتبار سے ہے جو دس گنا سے بڑھتا ہوا سات سو گنا تک پہنچتا ہے۔ مگر روزہ کے اجر کی کوئی مقدار متعین نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی عنایات خسروانہ سے جو چاہے اور جس قدر چاہے عنایت فرمادے۔

۲۰۲ **ابو حنیفۃ** عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانیؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مؤمن جاع یوما فاجتنب المحارم ولم یاکل مال المسلمین باطلا الا اطعمہ اللہ تعالیٰ من ثمار الجنۃ۔

حضرت ام ہانی رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بھی مومن بھوکا رہے دن بھر اور حرام کاموں سے بچتا رہے (مثلاً غیبت وغیرہ سے) اور نہ کھائے ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کا مال۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا۔

ف: حدیث ذیل میں اگر بھوکا رہنے سے مراد عام بھوکا رہنا ہے۔ خواہ روزہ کی شکل میں ہو یا ویسے کسی مجبوری سے تو روزہ سے اس کا تعلق اس طرح ہے کہ گویا یہ روزہ کی فضیلت ظاہر کرتی ہے اور مومن کی اطاعت و پاسداری کو جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ کہ جب بغیر روزہ کے مومن کا بھوکا رہنا اس قدر خدا تعالیٰ پر شاق ہے۔ کہ اس کے بھوکے رہنے کا اجر جنت کے پھلوں سے فرماتا ہے اور دنیا کی بھوک کو جنت کے پھلوں کی سیری سے بدلتا ہے تو روزہ کی بھوک جو مجسم عبادت ہے اور افضل ترین عبادت اس کا بدل کیا کچھ دیتا ہوگا۔

۲۰۳ **ابو حنیفۃ** عن ابراھیم عن ابیہ عن حمید بن عبد الرحمن الحمیری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل من اصحابہ یوم عاشوراء مر قومک فلیصوموا ھذا الیوم قال انھم طعموا قال وان کانوا قد طعموا۔

حمید بن عبد الرحمن الحمیری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب سے فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ آج روزہ رکھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ کھانا کھا چکے ہیں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ کھانا کھا چکے ہوں (یعنی بلحاظ حرمت دن۔ باقی حصہ دن میں کچھ نہ کھائیں)۔

ف: آنحضرت ؐ نے اس دن کی اہمیت و احترام کو نہایت پرزور الفاظ میں ظاہر فرمایا۔ کہ جس نے کھانا کھا لیا ہے وہ بقیہ دن میں احتراماً کچھ نہ کھائے۔ اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ شام تک اپنا روزہ پورا کرے۔ یہ

رمضان کی فرضیت سے پہلے پہلے کا قصہ ہے کہ جب تک اس کا روزہ لازم تھا یہاں تک کہ صحابہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اور ہمارے بچے روزہ رکھتے۔ غرض اس دن کے روزہ کی اہمیت میں بہت احادیث وارد ہیں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آنحضرت نے فرمایا۔ کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے۔ جو چاہے نہ رکھے

۲۰۴ **ابو حنیفة** عن الهیثم عن موسیٰ بن طلحة عن ابن الحوتکیة عن ابن عمر رضی الله عنهما قال أُتی رسولُ الله صلی الله علیه وسلم بارنب فأمر اصحابَه فاکلوا وقال للذی جاء بها ما لك لا تأکل منها قال انی صائم قال وما صومك قال تطوع قال فهلّا البیض ۔

حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (پکا ہوا) خرگوش پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کھاؤ انہوں نے کھانا شروع کیا۔ آنحضرت نے لانے والے سے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیسا روزہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نفلی روزہ۔ آپ نے فرمایا کہ ایام بیض کے روزے کیوں نہیں رکھتے ۔

ف:۔ یہاں چند امور ہیں جو محتاج بیان ہیں جن کو ہم مختصر قلمبند کرتے ہیں۔ اول ایام بیض کی فضیلت اس حدیث سے صاف آشکارا ہے۔ ایام بیض ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں ہیں۔ ان کی فضیلت دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ دوسرا امر خرگوش کے گوشت کھانے کا ہے۔ کہ اس کی حلت میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک وہ بلاشک مباح ہے اور حدیث ذیل اس پر قوی شاہد ہے۔ تیسرا امر نفلی روزہ کا ہے کہ اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اتفاقی کہ بوجہ عذر مثلاً ضیافت وغیرہ اس کو افطار کر سکتے ہیں اس پر سب متفق ہیں اور روایات سے اس کا ثبوت ہے۔ دوسری اختلافی وہ یہ کہ پھر اس کی قضا واجب ہے یا نہیں۔ پہلی شق مذہب حنفیہ کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم اور حفصہ روزہ سے تھیں ہمارے پاس ایسا کھانا آیا۔ جو ہم کو مرغوب تھا۔ ہم نے اس کو کھا لیا۔ حفصہ نے یہ قصہ آنحضرت سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی جگہ دوسرے دن روزہ قضا رکھو۔ امر للوجوب ہوتا ہے اس لئے اس کے وجوب پر ثبوت ملا۔ اب یہاں یہ شک پیدا کرنا کہ ممکن ہے وہ روزہ قضا یا نذر کا ہو۔ تو یہ بعید از خیال ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے بارہ میں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ … کب ساقط ہوتا ہے۔ کہ اس پر استفسار کا موقع آتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں آنحضرت ان کو اس فعل پر زجر فرماتے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام خود فرائض و واجبات ہی سے پابندی کرتے … کو نہ چھوڑتے۔ نہ کہ ایک ذرا سی کھانے کی لذت یا زبان کے چٹخارہ سے عبادت … پر قربان کر ڈالتے ہیں ۔

۲۰۵ **ابو حنیفة** عن عبد الله عن ابن عمر قال قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ان بلالاً ینادی بلیل فکلوا

حضرت ابن عمر رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں تو تم کھاتے پیتے رہو …

واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم فانہ یؤذن وقد حلت الصلوٰۃ ۔

ابن ام مکتوم اذان نہ دیں۔ کیونکہ وہ اذان دیتے ہیں کہ نماز کا وقت ہو جاتا ہے ۔

ف :۔ یہ حدیث بدیں الفاظ بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں وارد ہے۔ اس کے ذیل میں ایک اور اختلافی مسئلہ محتاج تشریح ہے۔ جو مختصراً سپرد قلم ہے۔ امام شافعی، مالک واحمد اس کے قائل ہیں کہ نماز صبح کی اذان بالخصوص وقت سے پہلے یعنی طلوع فجر کے قبل دینا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وقت سے پہلے نہ تو صبح کی اذان جائز ہے۔ نہ کسی اور وقت کی ائمہ ثلاثہ کی حجت حدیث ذیل ہی ہے۔ احناف کے پیش نظر دیگر صحیح احادیث ہیں جو ناطق ہیں کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ ابوداؤد شداد سے روایت لاتے ہیں کہ حضرت بلال نے ایک مرتبہ طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پکار کر کہہ دیں کہ بندہ یعنی میں وقت سے غافل ہو گیا۔ کہ وقت سے پہلے اذان دے دی۔ یہ صرف اس لئے کہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو۔ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اذان وقت سے قبل جائز ہے۔ اب رہی حدیث ذیل جو ان کو اشتباہ میں ڈالتی ہے۔ تو ہم کو۔ تو اس کے صاف الفاظ اس کے خود مطلب کو حل کرنے کے لئے بس ہیں۔ وہ یہ کہ یہ معاملہ محض رمضان کا ہے۔ جیسا کہ امام محمد نے تصریح کی ہے کہ رمضان میں حضرت بلال کی اذان سحری کھانے کا ایک اعلان سا ہوتا۔ نہ نماز صبح کی معتاد اذان۔ اور ابن ام مکتوم کی اذان محض نماز کے لئے ہوتی۔ اور بعد طلوع فجر تو اس کے بعد کھانا پینا کب جائز ہونے لگا۔ لہذا حضرت بلال کی اذان کو نماز فجر کی اذان خیال کرنا اور سال بھر اس کو قابل عمل جاننا اور کلوا واشربوا کے الفاظ سے چشم پوشی کرنی حدیث کی دور از خیال ترجمانی ہے۔ جو حدیث دانی پر بٹہ لگاتی ہے۔ بہت ممکن ہے بلکہ بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ کی غرض کلام یہ ہو۔ کہ بلال چونکہ غلطی کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے سحری ختم کرنے کا مدار ان کی اذان پر نہ رکھو۔ گویا ان کی اذان قابل اعتماد نہیں۔ بلکہ ابن ام مکتوم کی اذان پر۔ کیونکہ وہ چونکہ نابینا تھے وہ جب ہی اذان دیتے کہ بالکل صبح ہو جاتی۔ اور لوگ ان سے کہتے کہ صبح ہو گئی۔ صبح ہو گئی۔ جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے تو اس وقت البتہ کھانا پینا بند کر دینا چاہیے۔ اب ذرا انصاف کو سامنے رکھ کر خود کیجئے کہ حدیث سمجھنے کا سلیقہ احناف کو حاصل ہے یا حدیث دانی کے دعویداروں کو۔ کیا اب بھی کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ حنفی حدیث کو کیا سمجھیں۔ ان کے پاس محض رائے ہے اور قیاس نعوذ باللہ من ذالک الکذب الصریح ۔

۹۱ نسخ الافطار بالحجامۃ ! — پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم منسوخ ہے !

۲۰۶/۱ ابو حنیفۃ عن ابی السوار ویقال لہ ابو السوار وھو السلمی عن ابی حاضر عن ابن عباس ان رسول اللہ صلعم احتجم بالقاحۃ وھو صائم ۔

حضرت ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے مقام قاحہ میں جبکہ آپ روزہ سے تھے ۔

Marfat.com

وفی روایۃ قال احتجم رسول اللہ صلعم بالقاحۃ وھو محرم صائم۔ وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجم واعطی الحجام اجرہ ولو کان خبیثا ما اعطاہ۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اس کی مزدوری۔ لہٰذا اگر یہ مزدوری حرام ہوتی تو آپ اس کو نہ دیتے۔

ف:۔ حدیث مذکور کے پیش نظر جمہور کا مذہب یہی ہے کہ روزہ میں اگر پچھنے لگوائے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور روزہ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ دوسری روایت حجام کی مزدوری کے مسئلہ کو زیر بیان لاتی ہے۔ کہ وہ جائز ہے یا حرام جن احادیث سے حرمت کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں یا تو حرمت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے یا پھر سرے سے حرمت کو منسوخ مانا جائے۔ جس کو طحاوی نے اختیار کیا ہے۔

۲۰۷/۲ ابوحنیفۃ عن ابی سفیان عن انس قال احتجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما قال افطر الحاجم والمحجوم۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے اس کے بعد کہ آپ فرما چکے تھے کہ پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ جاتا رہا۔

ف:۔ اس روایت سے صاف پتہ چلا کہ ممانعت آنجناب کے خود کے عمل سے جو بعد میں وقوع پذیر ہوا۔ منسوخ قرار پائی۔

۲۰۸/۳ ابوحنیفۃ عن الزھری عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وھو صائم وفی روایۃ قال ابوحنیفۃ اخبرنی ابن شہاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وھو صائم۔ ولم یذکر انسا۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے۔ جبکہ آپ کا روزہ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ کہا ابوحنیفہ رح نے خبر دی مجھ کو ابن شہاب نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے۔ جبکہ آپ کا روزہ تھا گویا اس سند میں حضرت انس کا ذکر نہیں کیا۔

ف:۔ یہ حدیث پچھلی حدیث کے مضمون کا اعادہ کرتی ہے۔

باب ۹۲ الاصباح جنبا فی الصوم!

باب۔ جنابت کی حالت میں صائم کا صبح کرنا!

۲۰۹/۱ ابوحنیفۃ عن عطاء عن عائشۃ قالت کان یصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبا من غیر احتلام ثم یتم صومہ۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت حالت جنابت میں صبح فرماتے بغیر احتلام کے (یعنی بسبب جماع کے) پھر اپنا روزہ پورا فرماتے۔

ف:۔ اس سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوئی کہ صبح ہونے کے بعد ناپاکی کا غسل کرنے سے روزہ میں کوئی شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔

۲۱۰/۲ ابو حنیفة عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الى صلوٰة الفجر ورأسه يقطر ماء من غسل جنابة وجماع ثم يظل صائماً ۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لئے تشریف لے جاتے اور آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوتے غسل جنابت کرنے کے بعد (جنابت) بسبب جماع ہوتی پھر آپ (دن بھر) روزہ دار رہتے ۔

ف:۔ اس حدیث سے بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہوا کہ جنابت روزہ کو فاسد نہیں کرتی۔ لفظ جماع کی زیادتی سے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ جنابت احتلام سے آنجناب منزہ تھے اور پاک کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور آنجناب کی ذات اقدس چونکہ شیطانی اثرات سے پاک رہتی تھی۔ اس لئے جنابت احتلام سے آنحضرت منزہ تھے ۔

باب ۹۲ قُبلة الصائم

باب۔ روزہ کی حالت میں بوسہ لینے کے بیان میں!

۲۱۱/۱ ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الى الفجر ورأسه يقطر ويظل صائماً ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لئے تشریف لے جاتے اور آپ کے سر مبارک سے (غسل کے پانی کے) قطرے ٹپکتے ہوئے (پھر) آپ روزہ دار رہتے ۔

وباسناده كان النبى صلى الله عليه وسلم يقبل نساءه فى رمضان ۔

اور اسی سند سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے اپنی بیبیوں کا رمضان میں ۔

ف:۔ اس حدیث میں اس کی تشریح بھی ملی کہ روزہ میں بوسہ لینے سے روزہ میں فساد نہیں آتا۔ عائشہ سے بخاری میں مرفوع روایت ہے کہ آپ بحالت روزہ بوسہ لیتے۔ مباشرت کرتے۔ اور آنحضرت تم سے زیادہ اپنی خواہشات پر قابو رکھنے والے تھے۔ منشائے کلام یہ ہے کہ آنحضرت کو چونکہ جذبات پر پورا قابو تھا۔ اس لئے آنجناب کے لئے یہ سب کچھ روا تھا۔ مگر تم اس قدر قابو نہیں رکھتے۔ چنانچہ اسی حدیث کے پیش نظر حنفیہ اس کے قائل ہوئے کہ بوسہ بوڑھے آدمی کے لئے جائز ہے نہ جوان کے لئے یا محض اس صورت میں روا ہے کہ انسان کو اپنے جذبات و خواہشات پر پورا بھروسہ و اعتماد ہو۔ اسی لئے کتب فقہ میں قبلہ کے ساتھ ان امن کی قید لگائی ہے کہ وہ جماع تک بڑھ جانے سے بالکل بے خوف ہو امام شافعی اس کی اباحت کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کرتے ۔

۲۱۲/۲ ابو حنیفة عن الهیثم عن عامر الشعبی عن مسروق عن عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصيب من وجهها وهو صائم يعنى القبلة

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ آپ کا بوسہ لیتے تھے ۔

ف:۔ محاذی میں یوں ہے کہ آنحضرت روزہ میں ہمارے چہروں سے پرہیز نہیں فرماتے ۔

Marfat.com

ابو حنیفة عن زید عن عمرو بن میمون عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل وھو صائم۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے (اپنی بیبیوں کا) جب کہ آپ روزہ سے ہوتے۔

ف: اس میں بھی بوسہ کی اباحت ثابت کی ہے۔

۹۲ باب رخصة الافطار فی السفر

باب اس بیان میں کہ سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت ہے!

ابو حنیفة عن الھیثم ابن حبیب الصیرفی عن انس بن مالک قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیلتین خلتا من شھر رمضان من المدینة الی مکة فصام حتی اتی قدیدا فشکا الناس الیه الجھد فافطر فلم یزل مفطرا حتی اتی مکة۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رمضان کی سحری کو مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور آپ روزہ رکھتے رہے یہاں تک کہ آپ قدید پہنچے لوگوں نے آپ سے تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے افطار فرمایا۔ پھر آپ برابر روزہ چھوڑے رہے یہاں تک کہ آپ مکہ پہنچے۔

ف: حدیث کے الفاظ پر یہ امر محتاج بیان ہے کہ جمہور علماء کو اس پر تو اتفاق ہے کہ مسافر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں مختار ہے خواہ رکھے خواہ چھوڑے پھر قضا کرے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا ترک۔ بعض ہر دو صورت میں فرق نہیں کرتے جیسا حدیث ان شئت فصم وان شئت فافطر سے استدلال ہے کہ اگر چاہو روزہ رکھو چاہو نہ رکھو۔ بعض نے روزہ کو افطار پر ترجیح دی ہے اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں۔ امام صاحب اور امام شافعی روزہ کو افضل جانتے ہیں اس شخص کے لئے جو روزہ کی طاقت رکھے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ اسی پر شہادت دیتے ہیں کہ فمنا الصائم ومنا المفطر فمن قدر علیه فصام ومن لا فافطر یعنی ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض افطار کرنے والے جس نے قدرت رکھی اس نے اسی کو اچھا سمجھا اور روزہ رکھا اور جو ایسا نہ تھا اس نے افطار کیا۔

ابو حنیفة عن مسلم عن انس قال۔ سافر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان یرید مکة فصام وصام الناس معه۔

وفی روایة خرج من المدینة الی مکة فی رمضان فصام حتی انتھی الی بعض الطریق فشکا الناس الیه الجھد فافطر فلم یزل مفطرا حتی اتی مکة۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں مکہ کی جانب عازم سفر ہوئے اور روزہ رکھا آپ نے اور آپ کے ہمراہ لوگوں نے۔

ایک روایت میں ہے کہ نکلے آپ مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان میں اور روزہ رکھے یہاں تک کہ پہنچے بعض راستہ میں تو لوگوں نے تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے افطار کیا اور افطار ہی کرتے رہے۔

Marfat.com

وفی روایۃ قال سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان یرید مکۃ فصام وصام المسلمون حتی اذا کان ببعض الطریق شکا بعض المسلمین الجھد فدعا بماء فافطر وافطر المسلمون ۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا مکہ کا ارادہ کرتے ہوئے پس آپ نے بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں نے بھی یہاں تک کہ جب کسی راستہ (مقام) پر پہنچے بعض مسلمانو نے تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے پانی طلب فرمایا اور افطار فرمایا اور مسلمانوں نے بھی افطار کیا ۔

ف :۔ حدیث ذیل میں پہلی حدیث کے مضمون کا اعادہ ہے اور تکرار ۔

باب ۹۵ النھی عن صوم الصمت وعن صوم الوصال

باب اس بیان میں کہ صوم وصال اور صوم صمت (خاموشی) کا روزہ منع ہے !

٢١٦ م ١ ابو حنیفۃ عن علی عن ابی حازم عن ابی الشعثاء عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صوم الوصال وصوم الصمت ۔

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا صوم وصال اور صوم صمت سے ۔

ف : صوم وصال یہ کہ انسان روزہ پر روزہ رکھے اور رات میں کچھ نہ کھائے صوم صمت یہ کہ دن بھر کلام و بات نہ کرنا اور چپ رہے خیر و بھلائی کی بات بھی منہ سے نہ نکالے ۔ صوم وصال کی آنحضرت ؐ نے صاف اور کھلے الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے ۔ دوسری روایات میں اس طرح بھی آیا ہے ۔ کہ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تو رکھتے ہیں یعنی پھر ہم کو آپ کیوں منع فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے مجھ جیسا کون ہے ۔ میں رات گذارتا ہوں اس حال میں کہ مجھ کو میرا رب کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صوم وصال جائز ہے یا حرام یا مکروہ ۔ بعض نے اس کو جائز مانا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ممانعت محض امت پر رحمت و شفقت کی بنا پر تھی نہ حرمت کے باعث ۔ مگر جمہور کا یہی مسلک ہے کہ یہ ناجائز ہے اور مکروہ چنانچہ سوائے امام احمد کے ائمہ ثلاثہ سے اس پر تصریح وارد ہے ۔ صوم صمت نصاریٰ کا دینی شعار ہے اور ان کی رسم مذہبی سو لہٰذا دین اسلام میں اس سے بھی ممانعت وارد ہوئی کیونکہ ان سے مشابہت قطعاً منع ہے ۔

٢١٧ ح ٢ ابو حنیفۃ عن شیبان عن یحییٰ عن المھاجر عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الصمت وصوم الوصال ۔

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم صمت اور صوم وصال سے منع فرمایا ۔

ف :۔ یہ پچھلی حدیث کا اعادہ ہے ۔

باب في النهي عن صيام ايام التشريق

ابو حنيفة عن عبد الملك عن قزعة عن ابي سعيد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن صيام ثلثة ايام التشريق وبه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن صيام اليوم الذى يشك فيه من رمضان.

باب - اس بیان میں کہ ایام تشریق اور شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق کے تین دن گیارہویں۔ بارہویں۔ تیرہویں تاریخ روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ اور اسی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس دن روزہ رکھنے سے جس میں شک کیا جائے رمضان کا یعنی تاریخ ۲۹ شعبان ابر و غبار کے باعث چاند دیکھنے [illegible] یکم رمضان کی ہے یا تیس شعبان کی [illegible] شک کا دن ہے روزہ رکھنا منع ہے۔

ف: - حدیث ذیل میں شک کے دن کا روزہ محتاج تشریح ہے کہ مسئلہ کی رو سے اس کی کیا حقیقت ہے اور اس میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے۔ شک کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کئی اور احادیث سے ثابت ہے۔ ترمذی۔ نسائی وغیرہ میں یوں ہے کہ جس نے اس دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم [illegible] کی [illegible] یہ ممانعت دراصل ایک دور اندیشی پر مبنی ہے اور ایک راز پر دلالت کرتی ہے۔ وہ یہ کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے سے رمضان کے روزوں میں اضافہ سا معلوم ہوتا ہے اور [illegible] کوئی [illegible] کیونکہ ان پر روزے چونکہ موسم گرما میں فرض ہوئے تھے۔ جوان کے لئے ناقابل برداشت تھے [illegible] نے ان کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان پر چند روزوں کی زیادتی کر دی تھی۔ لہذا اگر اس صورت کی عادت [illegible] تو مسلمان اس غلط فہمی کے شکار ہو جائیں [illegible] اختلاف کی وضاحت یہ ہے کہ شک کے دن روزہ کے بارے میں [illegible] شافعی۔ مالک۔ فرض و واجب روزوں کو شک کے دن اسی ممانعت کی حدیث کے پیش نظر [illegible] اور نفل روزے کو نہیں۔ بلکہ اس کو مستحب جانتے ہیں۔ کیونکہ دوسری احادیث میں [illegible] نفل روزہ کی استثناء بھی وارد ہے۔ مثلاً آنجناب کا قول لا تقدموا رمضان [illegible] یوم [illegible] کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھو مگر اس شخص کو جو اس دن روزہ رکھا کرتا ہو وہ اس دن رکھ لے یعنی کوئی شخص کسی دن نفل روزہ رکھنے کا عادی ہے مثلاً دوشنبہ کا دن اور اتفاق سے دوشنبہ شک کا دن پڑتا ہے تو وہ شخص دوشنبہ کے دن حسب معمول روزہ رکھ لے۔ اس صورت میں علماء کرام اور مفتیان کرام کے لئے جائز ہے جو اس کا اعلان نہ کریں اور عوام کے لئے شک کے دن نصف یوم تک انتظار جائز ہے۔ [illegible]

Marfat.com

افطار کر لیں۔ ورنہ عوام کے لئے اس نفلی روزہ کی عادت اسی قباحت کا باعث ہوگی جس کا ابھی ذکر ہوا اور یہ
نفلی روزہ بھی اس مصلحت پر مبنی ہے کہ ہر ماہ کو عبادت یعنی روزہ پر ختم کرنا مسنون ہے لہٰذا اس فخر سے شعبان
کیوں خالی جائے۔ عوام میں چونکہ ایک اور خرابی کا خطرہ تھا۔ اس لئے ان کے لئے اجازت مسدود ہوئی۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ وَالْاِيْفَاءِ بِنَذْرِهٖ

باب۔ اعتکاف اور اپنی نذر پوری کرنے کے بیان میں!

۲۱۹ / ۱
ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب نذرت ان اعتکف فی المسجد الحرام فی الجاهلیة فلما اسلمت سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال أوف بنذرك ۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں مسجد الحرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ جب میں اسلام لایا تو میں نے اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ذکر کیا میں اپنی نذر پوری کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

ف: شیخین بھی اس کی روایت لائے ہیں۔ اس میں رات کا اضافہ ہے یعنی میں نے ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ دوسری روایت میں دن کا لفظ ہے۔ ابوداؤد، نسائی اور طبرانی میں روزہ کا لفظ بھی ہے کہ انہوں نے روزہ کی نذر بھی مانی تھی چنانچہ اس کے جواب میں مروی ہے کہ آپ نے عمرؓ کو روزہ کا حکم بھی دیا۔

كِتَابُ الْحَجِّ

کتاب۔ حج کے بیان میں

بَابُ التَّعْجِيْلِ فِي الْحَجِّ

باب۔ حج میں جلدی کرنے کے بیان میں!

ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اراد الحج فلیتعجل ۔

حضرت ابی سعیدؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ جلد اپنے ارادہ کو عمل میں لانے کے لئے شتابی سے کام لے۔

ف: بیہقی میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں جو حدیث دشتابی کی وجہ کو واضح کرتے ہیں: فان احدکم لا یدری ما یعرض له من المرض ومن الحاجة یعنی تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کو کیا بیماری لگ جائے اور کیا ضرورت پیش آ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ارشاد سے اپنے بندوں کو حج کو پہلی فرصت میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی لیے ہمارے ائمہ میں سے امام ابو یوسف فی الفور حج کے وجوب کے قائل ہیں۔

۹۹ باب مغفرة الحاج

باب حاجی کی بخشش کے بیان میں!

ابو حنيفة عن علقمة عن النبي صلى الله عليه وسلم الحاج مغفور له ولمن استغفر له الى انسلاخ المحرم ۔

علقمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حاجی بخشا جاتا ہے اور وہ بھی بخشا جاتا ہے جس کے لئے حاجی استغفار چاہے انتہائے محرم تک ۔

ف: ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع روایت ہے کہ حج و عمرہ ادا کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں اگر اس سے دعا کریں قبول ہو۔ اگر اس سے بخشش چاہیں [illegible] امام احمد [illegible] روایت کرتے ہیں کہ جب تو حاجی سے ملے تو اس کو سلام کر اور اس سے مصافحہ کر اور اس سے [illegible] آنے سے پہلے [illegible] بخشش کی دعا [illegible] ۔

۱۰۰ باب الحج العج والثج!

باب اس بیان میں کہ حج زور سے لبیک کہنے اور قربانی کا نام ہے!

ابو حنيفة عن قيس بن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل الحج العج والثج فاما العج فالعجيج واما الثج فثج البدن قال فنحر الدم ۔

وفي رواية فاما الثج فنحر الهدى ۔

حضرت ابن مسعود [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل [illegible] اور ثج ہیں عج تو تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) [illegible] آواز [illegible] اور ثج خون قربانی کا [illegible] اور ایک روایت میں ہے کہ ثج [illegible] کرنا ہے ۔

ف: یعنی باعتبار فضیلت [illegible] اعمال حج [illegible] ہے جو دوسرے اعمال کو نصیب نہیں [illegible] ظاہر کرنا ہے جو حضرت باری عزاسمہ کو نہایت محبوب ہے اور قربانی [illegible] ہے جو دربار الٰہی میں بہت قدر و منزلت رکھتی ہے ۔

۱۰۱ باب مواقيت الحج

باب احرام باندھنے کی جگہوں میں نشان دہی ہیں!

ابو حنيفة عن يحيى ان نافعا قال سمعت عبد الله بن عمر يقول قام رجل فقال يا رسول الله اين المهل قال يهل اهل المدينة

حضرت عبداللہ بن عمر [illegible] روایت [illegible]

من ذی الحُلَیفَۃِ وَیہل اہل العراق من العقیق ویہل اہل الشام من الجُحفۃ ویہل اہل نجد من قرنٍ ۝

مدینہ ذی الحلیفہ سے۔ اہل عراق عقیق سے اہل شام جحفہ سے اور اہل نجد قرن سے ۝

ف ان مقامات سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا حرام ہے۔ اگر ان سے آگے جا کر احرام باندھا تو دم لازم آئے گا۔ البتہ اگر بغیر میقات کو لوٹ کر وہاں سے احرام باندھا تو اکثر علماء کے نزدیک دم ساقط ہوا ۝

٢٢٤ ح ٢ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الاسود بن یزید ان عمر بن الخطاب خطب الناس فقال من اراد منکم الحج فلا یحرمن الا من المیقات والمواقیت التی وقتہا نبیکم صلعم لاہل المدینۃ ومن مر بہا من غیر اہلہا ذو الحُلیفۃ ولاہل الشام ومن مر بہا الجُحفۃ ولاہل نجد ومن مر بہا من غیر اہلہا قرنٌ ولاہل الیمن ومن مر بہا من غیر اہلہا یلملمُ ولاہل العراق ولسائر الناس ذات عرقٍ ۝

اسود بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ جو تم میں سے حج کا ارادہ کرے تو وہ نہ احرام باندھے مگر میقات سے جنکو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد فرما دیا ہے (یعنی) اہل مدینہ اور ان کے لئے جو اس کے راستہ سے جائیں ذو الحلیفہ ہے۔ اہل شام اور ان کے لئے جو براہ شام جائیں جحفہ ہے۔ اہل نجد اور ان کے لئے جو براہ نجد جائیں قرن ہے۔ اور اہل یمن اور ان کے لئے جو براہ یمن جائیں یلملم ہے۔ اور اہل عراق اور تمام لوگوں کے لئے ذات عرق ہے ۝

ف: شافعیہ وحنفیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اہل عراق کے لئے ذات عرق کی تعیین و نامزدگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا عمرؓ کی اجتہادی چیز ہے۔ شافعیہ اس خیال کے پیرو ہیں کہ یہ گو صحابہ کا اجماعی مسئلہ ہے مگر یہ عمرؓ کا اجتہاد ہے۔ نبی صلعم سے اس کی توقیت نقل نہیں۔ بخاری کی حدیث جو ابن عمر سے مروی ہے بظاہر اس کی خیال کی تائید کرتی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خود آنحضرت نے اس کی تعیین فرمائی۔ یہ عمر کا محض اجتہاد نہیں ان کی دلیل اول حدیث ذیل ہی ہے۔ یا اس کے ماقبل کی حدیث کہ یہ ہر دو احادیث حنفیہ کی تائید کرتی ہیں ناطق فیصلہ صادر کرتی ہیں۔ دوسرے مسلم ابی الزبیر کے واسطہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور وہ جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں احسبہ رفع الی النبی صلعم کہ میرا خیال ہے کہ اس کو مرفوع بیان کیا۔ یا سے روایت میں گمان کا حکم چونکہ یقین کا سا ہے اس لئے گویا الفاظ رفع حدیث پر صاف دلالت کرتے ہیں نیز ابوداؤد وغیرہ میں عائشہ سے حدیث مروی ہے کہ خود آنحضرت نے اہل عراق کے لئے ذات عرق موضع احرام مقرر فرمایا۔ چوتھے ابن ماجہ کی حدیث جو وہ بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر سے لائے ہیں اس کی تائید کرتی ہے پھر بہت ممکن ہے کہ عمرؓ کی اجتہادی چیز ہو اور نبی صلعم کی توقیت ان تک نہ پہنچ سکی ہو۔ اور عمر کی رائے اور نبی صلعم کی توقیت آپس میں مل گئی ہوں ۝

باب ۱۵۲ مَا یَلبَسُ المُحرِمُ

باب۔ اس بیان میں کہ محرم کیا پہنے

٢٢٥ ح ١ ابو حنیفۃ عن عبد اللہ بن دینارٍ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص

عن ابن عمر انّ رجلا قال یا رسول الله ما یلبس المحرم من الثیاب قال لا یلبس القمیص و لا العمامة ولا القباء ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوبا مسه ورس او زعفران ومن لم یکن له نعلان فلیلبس الخفین ولیقطعهما اسفل من الکعبین ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ محرم کیا کپڑے پہنے آپ نے فرمایا نہ پہنے قمیص نہ باندھے عمامہ نہ پہنے عبا اور پاجامہ نہ اوڑھے لمبی ٹوپی۔ اور نہ پہنے وہ کپڑا جس میں کسم اور زعفران کی رنگت ہو۔ اور جس کے پاس چپلیں نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر چپلیں بنا کر پہن لے ۔

ف: سوال و جواب میں بظاہر مطابقت نہیں ہے کیونکہ سوال ان کپڑوں کے متعلق تھا جو احرام میں پہنے جا سکتے ہیں اور آنجناب نے وہ کپڑے گنائے جو نہیں پہن سکتے۔ دراصل یہ عدم مطابقت کلام رسالت کی فصاحت و بلاغت پر چار چاند لگاتی ہے۔ کیونکہ پہنے جانے کے کپڑے کوئی ایک دو نہیں کہ ان کو کوئی گنا دے البتہ احرام میں نہ پہننے کے کپڑے چند ہی ہیں۔ جو آنحضرت نے گنائے۔ اور جن کے بارہ میں سوال ہونا چاہیے تھا بلکہ درحقیقت جواب میں سوال کی اصلاح ہے اور سائل کو سبق کہ سوال ممنوعہ کپڑوں کے بارہ میں ہونا چاہیے تھا نہ جائز شدہ کپڑوں کے متعلق ۔

ابو حنیفة عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من لم یکن له ازار فلیلبس سراویل ومن لم یکن له نعال فلیلبس خفین ۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس تہبند نہ ہو تو وہ پاجامہ پہنے اور جوتا پائے نعلین تو وہ موزے پہنے (بدستور یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے سے ان کو کاٹ لیا جائے کہ ٹخنے کھلے ہیں) ۔

ف: بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کے لئے بے جوتا تہبند باندھ پائے۔ اور موزے اس کے لئے جو نعلین نہ پا سکے ۔

۱۰۳

بَابُ الطِّیْبِ لِلْمُحْرِمِ!

باب۔ اس بیان میں کہ محرم کے لئے خوشبو کا استعمال کیسا ہے!

ابو حنیفة عن ابراهیم بن المنتشر عن ابیه قال سألت ابن عمر ایتطیب المحرم قال لأن اصبح انضح قطرانا احب الیّ من ان اصبح انضح طیبا فاتیت عائشة فذکرت لها فقالت انا طیبت رسول الله صلی الله علیه وسلم فطاف فی ازواجه ثم اصبح یعنی محرما ۔

منتشر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ کیا محرم خوشبو لگائے آپ نے فرمایا کہ اگر میں صبح کروں ایسی حالت میں کہ مجھ سے قطران کی بو آتی ہو تو یہ میرے نزدیک بہتر ہے اس سے کہ مجھ سے خوشبو کی مہک آتی ہو۔ بعد میں میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور ان کا قول ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خوشبو لگائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو آپ نے طواف کیا اپنی ازواج پر اور صبح کو آپ محرم تھے ۔

Marfat.com

ف : حضرت ابن عمر رض کے قول اور حضرت عائشہ رض کی حدیث میں بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔ اور تعارض مگر در حقیقت ایسا نہیں کیونکہ ابن عمر بحالت احرام خوشبو کے استعمال کو سختی سے ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اور عائشہ رض اس خوشبو کو جائز ٹھہراتی ہیں جو احرام سے پہلے لگائی جائے مگر اس کی مہک احرام کے بعد بھی باقی رہے تو اس میں ہر دو کے نزدیک مضائقہ نہیں اور بحالت احرام خوشبو کا استعمال ہر دو کے نزدیک ناروا ہے لہذا اب کوئی تعارض نہیں۔

بَابُ التَّمَتُّعِ! باب - تمتع کے بیان میں!

أبو حنيفة عن أبي الزبير عن جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر أصحابه أن يحلوا من إحرامهم بالحج ويجعلوا عمرة ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا۔ کہ اپنے احرام حج سے حلال ہوں۔ اور اس کو عمرہ کر دیں۔

ف : اس کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ نے حج کی نیت کی تھی۔ اور آپ نے حج سے حلال کر دیا۔ عمرہ ہے۔ یعنی بعد طواف و سعی حلال ہو گئے۔

أبو حنيفة عن أبي الزبير عن جابر قال لما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بما أمر به في حجة الوداع قال سراقة بن مالك يا رسول الله أخبرنا عن عمرتنا ألنا خاصة أم للأبد قال هي للأبد ۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حکم کیا جو کچھ کیا (کہ حج کو فسخ کرایا اور عمرہ پر بس کیا۔ اور عمرہ حج کے مہینوں میں ادا کرایا) تو سراقہ نے کہا یا رسول اللہ ہمارے عمرے کے بارے میں بتلائیے۔ کہ یہ ہم صحابہ کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

ف : حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ سخت ممنوع تھا اور نہایت بد فعل لہذا آنحضرت نے اس عمل سے اس رسم بد کو توڑا۔ اور اس خیال باطل کی تردید فرمائی۔

أبو حنيفة عن الهيثم عن رجل عن عائشة أنها قدمت وهي متمتعة وهي حائض فأمرها النبي صلى الله عليه وسلم فرفضت عمرتها ۔

حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ وہ داخل ہوئیں بہ نیت تمتع اور حائض ہو گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ کو توڑ دیں۔

ف : حضرت عائشہ قبل طواف حائض ہو گئیں تو آپ نے عمرہ فسخ کرا دیا۔ اور بعد میں قضا عمرہ کی تنعیم سے بمعیت عبد الرحمن بن ابی بکر کرائی۔ اور دم دیا۔

أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة أنها قدمت متمتعة وهي حائض فأمرها النبي صلى الله عليه وسلم فرفضت عمرتها ۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ مکہ میں داخل ہوئیں بہ نیت حج تمتع اور حائض ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عمرہ توڑنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

ف: حج کی تین قسمیں ہیں ایک افراد وہ یہ کہ میقات سے احرام باندھا اور بعد دخول مکہ طواف و سعی کر کے حلال ہو گئے۔ اب موسم پر اہل مکہ کی طرح حج کی نیت کریں گے۔ دوسرے تمتع وہ یہ کہ حج و عمرہ کی ایک ساتھ نیت کی۔ تیسرے قران وہ تمتع سے ملتا جلتا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ تمتع میں بعد ارکان عمرہ حلال ہو جاتے ہیں۔ مگر جماع جائز نہیں ہوتا۔ پھر آٹھویں کو احرام باندھتے ہیں اور قران میں حج تک محرم رہتے ہیں۔

۲۳۱ ۵ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها قد مت متمتعة وهی حائض فامرها رسول الله صلی الله علیه وسلم فرفضت عمرتها واستانفت الحج حتی اذا فرغت من حجها امرها رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تصدر الی التنعیم مع اخیها عبد الرحمٰن۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حج تمتع کی نیت کی تھی وہ پھر بعد تلبیہ و احرام ... ہو گئیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ... اور بوقت حج احرام نئے سرے سے ... پھر جب ارکان حج سے فارغ ہو گئیں ... دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ تنعیم جا کر ... احرام باندھ کر آئیں۔

ف: تنعیم مکہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ وہاں سے عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھتے ہیں اور بعد طواف و سعی و حلق حلال ہو جاتے ہیں۔ عورتیں حلق کے حکم میں شامل نہیں۔

۲۳۲ ۶ **ابوحنیفة** عن الهیثم عن رجل عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ذبح لرفضها العمرة بقرة۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے عمرہ توڑنے کی وجہ سے گائے ذبح کی۔

ف: یہ فسخ عمرہ کی بنا پر دم دینا پڑا۔

ابوحنیفة عن عبد الملک عن ربعی بن حراش عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم امر برفضها العمرة دماً۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے عمرہ فسخ کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دم دینے کا حکم دیا۔

ف: یہ سابق حدیث کا اعادہ ہے۔

۲۳۵ ۸ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها قالت یا نبی الله یصدر الناس بحجة وعمرة واصدر بحجة فامر النبی صلی الله علیه وسلم عبد الرحمٰن بن ابی بکر فقال انطلق بها الی التنعیم فلتهل ثم لتفرغ منها ثم لتعجل علی فانی انتظرها ببطن العقبة۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا نبی اللہ لوگ حج و عمرہ کر کے واپس ہوں گے اور میں صرف حج کر کے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو حکم دیا ... جا کر احرام باندھیں عمرہ کے ... عمرہ سے ... جلد آئیں میں بطن عقبہ میں ... انتظار کروں گا۔

Marfat.com

ف:۔ سابق احادیث میں واقعہ کی تشریح سامنے آئی ۔

۱۰۵ باب اكل المحرم لحم الصيد!

باب۔ اس بیان میں کہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا کیسا ہے!

۲۲۶ / ۱ **ابو حنيفة** عن محمد بن المنكدر عن عثمان بن محمد عن طلحة بن عبيد الله قال تذاكرنا لحم صيد يصيده الحلال فيأكل المحرم ورسول الله صلى الله عليه وسلم نائم حتى ارتفعت اصواتنا فاستيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال فيما بينا تنازعون فقلنا في لحم صيد يصيده الحلال فيأكله المحرم قال فامرنا باكله ۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے اور ہم نے (آپ کے پاس) اس پر بحث چھیڑ دی کہ حلال (غیر محرم شخص) کا مارا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے (یا نہیں) یہاں تک کہ ہماری آوازیں بلند ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ پڑے اور ارشاد فرمایا کہ کس بات میں جھگڑ رہے ہو۔ ہم نے عرض کی کہ اس شکار کے بارہ میں جس کو حلال شکار کرے کیا محرم اس کو کھا سکتا ہے۔ حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ہم کو اس کے کھانے کی اجازت دی ۔

ف:۔ اس حدیث سے اس مسئلہ کا ثبوت ملا کہ شکار اگر غیر محرم شخص کا مارا ہوا ہو۔ خود محرم نے اس کو نہ مارا ہو تو محرم بے کھٹکے اس کو کھا سکتا ہے اور بلا شبہ وہ شکار اس کے لئے حلال ہے۔ مگر اس کے ساتھ حضرت ابی قتادہ کی روحدیث کی رو سے جس کا اختصار متصل ہی آرہا ہے یہ شرط ہے کہ محرم نے غیر محرم کو شکار کے لئے اشارہ نہ کیا ہو۔ یا اور قسم کی مدد نہ پہنچائی ہو۔ ورنہ پھر یہ شکار اس کے لئے ایسا ہی حرام ہو جاتا ہے کہ گویا خود اس نے اس کو شکار کیا ہے ۔

۲۲۷ / ۲ **ابو حنيفة** عن محمد بن المنكدر عن ابي قتادة قال خرجت في رهط من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ليس في القوم حلال غيري فنظرت نعامة فبرزت الى فرسي فركبتها وعجلت عن سوطي فقلت لهم ناولنيه فأبوا فنزلت عنها فاخذت سوطي فطلبت النعامة فاخذت منها حمارا فاكلت واكلوا ۔

حضرت ابی قتادہ رض کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا اور پوری جماعت میں میرے سوا کوئی حلال (غیر محرم) نہ تھا۔ میری نگاہ شتر مرغ پر پڑی۔ میں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور اس پر سوار ہوا۔ مگر جلدی میں اپنا چابک بھول گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ذرا مجھے یہ چابک اٹھا دیجئے۔ انہوں نے اس سے (چابک اٹھانے سے) انکار کیا۔ تو میں خود گھوڑے سے اترا۔ اور اپنا چابک اٹھایا۔ اور پھر گورخروں کے پیچھے ہولیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک کو میں نے شکار کرلیا۔ پس میں نے کھایا اور انہوں نے بھی ۔

Marfat.com

ف: یہ حدیث ابی قتادہ کی جس کی مزید تفصیل دیگر کتب صحاح میں آئی ہے ایک مسئلہ اختلافی میں ایک فریق کے لئے زبردست حجت ہے اور قوی دلیل۔ صورت مسئلہ اور نوعیت اختلاف یہ ہے کہ جس شکار کو حلال آدمی نے مارا اس کو محرم کھا سکتا ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے لئے کھا سکتا ہے بشرطیکہ اس نے شکاری کو کسی قسم کی مدد نہ دی ہو۔ خواہ اسی کی خاطر شکار کیوں نہ کیا جائے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر غیر محرم نے شکار محرم کے لئے مارا ہے تو وہ شکار اس کے لئے حلال نہیں۔ امام شافعی کے مذہب کی دلیل حضرت جابر کی مرفوع حدیث ہے جس کو ابوداؤد ترمذی نسائی ان الفاظ سے لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا صید البر لکم حلال مالم تصیدوہ او یصاد لکم کہ خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے تاوقتیکہ تم اس کا شکار نہ کرو۔ یا وہ تمہارے لئے شکار کیا جائے امام صاحب کے مذہب کی حجت حدیث ذیل ہے جس کی تفصیل دیگر صحاح ستہ میں آئی ہے کہ ایک سفر میں اور چند اصحاب آنحضرت سے پیچھے رہ گئے۔ راہ میں ابوقتادہ نے گورخر شکار کیا بعض اصحاب نے اس کو کھایا۔ اور بعض اس سے پرہیز کیا جب آنحضرت سے آن ملے۔ تو معاملہ آنجناب سے صاف کرنا چاہا۔ آپ نے صرف یہ سوال فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو شکار بتایا تھا۔ یا اس پر آمادہ کیا تھا۔ سب نے اس سے انکار کیا تو فرمایا کہ بقیہ گوشت بھی کھا لو۔ معلوم ہوا کہ گوشت کے حلال نہ ہونے کے اسباب بس یہی تھے جو آنحضرت نے دریافت فرمائے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حلت کو روکنے والی ہوتی مثلاً یہ کہ شکار تمہارے لئے تو نہیں مارا تھا۔ تو آپ اس کو بھی صاف کر لیتے اور کھول کر پوچھ لیتے۔ اب حضرت جابر و حضرت ابی قتادہ کی احادیث میں تعارض واقع ہوا جس میں حضرت ابی قتادہ کی حدیث قابل ترجیح ٹھہرے گی۔ کہ وہ صحیحین میں بھی ہے اور دیگر کتب صحاح میں بھی بخلاف حدیث مخالف کے کہ وہ صحیحین میں نہیں۔ یا حدیث مخالف میں تاویل کریں گے کہ دونوں میں تطابق ہو جائے کہ او یصاد لکم کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے حکم اور فرمائش سے وہ شکار کیا گیا ہو۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ فرمائش ہی سے کسی کے لئے کوئی چیز حاصل کی جاتی ہے۔

بَابُ مَا یَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ قَتْلُہٗ

باب اس چیز کے بیان میں جس کا قتل محرم کے لئے جائز ہے!

ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقتل المحرم الفارۃ والحیۃ والکلب والحداۃ والعقرب

۲۲۸ حضرت ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ محرم [illegible] [illegible] آپ [illegible] قتل اور بچھو۔

ف: جن جانوروں کا بیان [illegible] ان کی تعداد میں روایات مختلف [illegible] کی ہے کہیں کچھ زیادتی۔ بعض میں کلب کے ساتھ عقور کی قید بھی ہے یعنی کاٹ کھانے والا [illegible] [illegible] غراب [illegible] [illegible] جانوروں [illegible] [illegible] [illegible] جانوروں [illegible] خیال [illegible] امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ جانور [illegible]

Marfat.com

محرم کے لئے جائز ہے۔ اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ امام مالک اس خیال کے پیرو ہیں کہ یہ ایذا رساں جانور ہیں اور ہر ایذا رساں جانور کو محرم مار سکتا ہے۔ اسی لئے جو درندے ایذا رساں نہیں مثلاً لومڑی۔ بلی۔ بجو وغیرہ ان کا مارنا محرم کے لئے جائز نہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو مار ڈالے گا تو ان کے نزدیک اس پر فدیہ آئے گا۔ پھر کلب کے بارہ میں راویوں کا اختلاف ہے۔ بعض اس سے معروف کتا مراد لیتے ہیں چنانچہ اوزاعی رح ابو حنیفہ رح وغیرہ سے یہی روایت ہے اور اسی کے حکم میں ہے بھیڑیا اور امام زفر کے نزدیک اس سے صرف بھیڑیا مراد ہے۔

باب نکاح المحرم! باب محرم کے نکاح کے بیان میں!

۱۲۹ ابو حنیفة عن سماك عن ابن جبير عن ابن عباس قال تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم ميمونة بنت الحارث وهو محرم۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا حضرت میمونہ بنت حارث سے جب آپ محرم تھے۔

ف: حدیث ذیل کے ماتحت ایک زبردست اختلافی مسئلہ قابل ذکر ہے اور محتاج بیان۔ اس لئے ہم فریقین کا نقطہ خیال اور وجہ استدلال باختصار قلمبند کرتے ہیں۔ مسئلہ اختلافی یہ ہے کہ محرم اور محرمہ بحالت احرام نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ حنفیہ پہلی شق کے قائل ہیں۔ یہی مسلک ہے عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک کا اور یہی مذہب ہے سعید بن جبیر، عطا، طاؤس، مجاہد، عکرمہ، جابر، عمرو بن دینار اور اہل عراق کا۔ شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ دوسری شق کے حامی ہیں اور یہی تحقیق ہے حضرت عمر و حضرت علی کی۔ مذہب حنفیہ کی صحت پر قرآن ناطق ہے۔ سنت رسول اس پر شاہد اور قیاس اس کا مؤید۔ چنانچہ فرمایا حضرت باری عز اسمہ نے فانكحوا ما طاب لكم من النساء۔ یا انکحوا الایامی منکم کہ یہ حکم مطلق ہے۔ محرم و غیر محرم سب کو شامل ہے۔ خبر واحد سے عدم احرام کی اس میں قید لگانا کتاب پر زیادتی ہے جو کسی طرح روا نہیں۔ احادیث میں حدیث ذیل مذہب حنفیہ کی صداقت پر زبردست حجت اور پختہ دلیل ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں مختلف سلسلہ ہائے سند سے مروی ہے۔ طحاوی، مجاہد، عطا، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، جابر بن زید کے واسطہ سے ابن عباس سے اس کی روایت کرتے ہیں۔ اول تو حضرت ابن عباس کی وسعت علمی، دقت نظری اور آپ کا بے پایاں تبحر خیال میں لائیے کہ آنحضرت کی دعا کی برکت سے آپ علم کے بحر ذخار تھے اور معلومات کے سمندر ناپیدا کنار رکھتے۔ قرآن کے سب سے بڑے ترجمان تھے اور کلام رسول کے معنی شناس۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی صغر سنی نے کبھی آپ کے علم پر دھبہ نہیں لگایا بلکہ اور چار چاند لگائے۔ حضرت عمر رض فرمایا کرتے تھے کہ ابن عباس اگر ہماری جیسی عمر پالیں تو ہم میں سے کوئی ان کا عشر عشیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ کی تنہا حدیث مذہب حنفیہ کی صداقت و ثبوت کے لئے بس ہے۔ مگر پھر اس کے ساتھ اور روایات صحیحہ بھی اس کی مؤید ہیں۔ مثلاً حدیث عائشہ رض جو طحاوی معانی الآثار میں اور بزار اپنی مسند میں لائے ہیں اس مضمون سے کہ آنحضرت نے اپنی بعض عورتوں سے بحالت احرام نکاح کیا۔ سہیلی نے کہا کہ بعض سے مراد حضرت میمونہ ہیں۔ طحاوی کہتے ہیں کہ اس کے سب ناقلین ثقہ ہیں۔ یا حدیث ابی ہریرہ جس کو دار قطنی اور طحاوی لائے ہیں اس مضمون سے کہ آنحضرت نے

Marfat.com

بحالت احرام حضرت میمونہ سے نکاح کیا۔

قیاس کی تائید کئی وجوہ سے ہے۔ اول یہ کہ نکاح دیگر عقود کے مثل ہے۔ جو بحالت احرام جائز ہیں بطریں میں حرمت کی کیا گنجائش ہے۔ دوسرے اگر بحالت احرام نکاح جائز نہ ہوں تو قیاس متقاضی ہیں کہ احرام سے پہلے والا نکاح بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ جو چیزیں نکاح کے منافی ہیں اور اس کو باطل کرنے والی، وہ نکاح ہونے دیتی ہیں نہ اس کو باقی رکھتی ہیں ان میں ابتدا اور بقا ہر دو برابر ہیں۔ تیسرے نکاح تو بہرحال دلی کی طرح تو ہے نہیں کہ محرم کے لئے حرام ہو۔ البتہ یوں کہنا پڑیگا کہ جائز ہے مگر ترک اولیٰ ہے جس طرح خطبہ منگنی کرنا اور آپ کا عمل محض جواز کے لئے ہے۔ اگر کہیں کہ نکاح اس لئے [illegible] ہے کہ یہ وطی کا سبب [illegible] کا باعث ہوتا ہے تو چاہئے تھا کہ بحالت احرام اپنی عورت کو ساتھ رکھنا بھی ناجائز قرار دیا [illegible] بھی تو وطی کا سبب بن سکتی ہے۔ ہاں البتہ [illegible] ہوتا مذہب [illegible] حقیقت [illegible] وطی کے اسباب [illegible] حضرت میمونہ حضرت ابن عباس کی خالہ [illegible] کو نکاح کے بارہ میں جو علم ہو سکتا ہے وہ دوسرے کو کب [illegible] ستون جن پر یہ مذہب برقرار اور ممکن ہے۔

اب آیئے مذہب مخالفین کی طرف۔ ان کے پاس محض احادیث کا ذخیرہ ہے اور [illegible] اور خلاصہ حجت تین احادیث ہیں ایک خود حضرت میمونہ کی حدیث۔ دوسری [illegible] مولی نبی صلعم کی۔ یہ فعلی احادیث ہیں اور ایک قولی حدیث ہے جو حضرت عثمان سے مروی ہے [illegible] احادیث میں حضرت میمونہ کی حدیث ابوداؤد و ترمذی و مسلم وغیرہ [illegible] کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم دونوں حلال تھے [illegible] بات کا ثابت نہ ہونا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں بے شک ان کی بات [illegible] نکاح کے معاملہ میں جس میں یہ صاحب معاملہ [illegible] اور اس کے علم میں ہو اور دیگر صحابہ [illegible] بلکہ حضرت ابن عباس کا قول [illegible] ہے۔ پھر حضرت میمونہ کو آنحضرت سے زیادہ قرب حاصل ہے [illegible] کی صورت میں [illegible] پہلو ملاحظہ ہو [illegible] بخاری نہیں لائے [illegible] ترمذی [illegible] حدیث [illegible] بارہ میں [illegible] کہتے ہیں [illegible] عباس کے مقابلہ میں ان کی حدیث [illegible] کہتے ہیں کہ حضرت عثمان [illegible] اٹھانے ہونے کے [illegible]

Marfat.com

اور مضمون یہی ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا۔ اس کے جواب میں ہم احناف کہتے ہیں کہ اگر ترجیح قرابت ہی پر ٹھہرتی ہے تو ابن عباس کا پلہ پھر بھی بھاری رہتا ہے کیونکہ اگر آپ ایک طرف حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں تو دوسری طرف خود آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی بھی تو ہیں۔ یہ مبارک رشتہ اور یہ قرابت یزید کو کہاں نصیب۔ پھر ہم محض قرابت کو بنائے ترجیح کب قرار دیتے ہیں بلکہ قرابت مع آپ کی ممتاز وجاہت علمی کے۔ یوں بھی کہاں یزید کہاں حضرت ابن عباس چنانچہ عمرو بن دینار سے نقل ہے کہ انہوں نے زہری کو یہ کہہ کر ساکت کر دیا کہ ابن الاصم ایک پیشاب کرنے والا اعرابی کیا جانے کیا تم اس کو ابن عباس کے برابر کرتے ہو۔ اس کے علاوہ یزید کے مقابلہ میں صرف ابن عباس ہی نہیں بلکہ جیسا کہ ابھی بیان ہوا حضرت عائشہ اور ابی ہریرہ بھی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک یزید سے زائد قابل ترجیح ہے اور قابل وثوق۔ لہذا اب یہی صورت رہ جاتی ہے کہ حدیث یزید و حدیث میمونہ رض میں تاویل کر کے ان کو حدیث ابن عباس کے موافق کر لیا جائے۔ اس طرح کہ تزوج سے مراد زفاف ہو نہ عقد۔ کیونکہ تزوج زفاف کے لئے سبب عادی ہے اور بے شک حلال ہونے کی حالت میں ہوا۔ یہ تاویل قرین قیاس ہے اور موافق حقیقت۔ نہ یہ کہ حدیث ابن عباس رض میں احرام کو دخول فی الحرم یا دخول فی شہر الحرام کے معنی میں لیں۔ کیونکہ حقائق شرعیہ معانی لغویہ پر مقدم ہیں ورنہ پھر فقہاء میں یہ نزاع لفظی ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہ تاویل بھی کچھ معنی نہیں رکھتی۔ جیسا کہ بعض شافعیہ نے کی ہے۔ کہ حدیث ابن عباس میں تزوجہا وھو محرم کے یہ معنی نہیں کہ نکاح ہو جانے کا معاملہ اس وقت کھلا ہے اور ظاہر ہوا ہے۔ جبکہ آپ محرم تھے۔ کیونکہ بعینہ یہ تاویل حنفیہ کی طرف سے یزید کی حدیث میں بھی کی جاتی ہے اور یہ قرین قیاس بھی ہے اور موافق۔ بیشتر روایات کہ تزوجہا میمونۃ وھو حلال کے یہ معنی ہیں کہ نکاح ہو جانے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا ہے کہ آپ حلال تھے۔ اکثر روایات اسی پر شاہد ہیں کہ یہ حل ظاہری کا واقعہ ہے گویا نکاح احرام میں ہو چکا تھا۔ واقعہ کی اشاعت حلال ہونے کی صورت میں ہوئی ہے۔ شافعیہ کی تاویل کی بنا اس پر ہے کہ یہ واقعہ حل اصلی کا ہو جو احرام سے پہلے ہوتا ہے۔ اب لیجئے معاملہ ابو رافع کی حدیث کا کہ اس کا بھی ان کے زبردست دلائل میں شمار ہے کیونکہ یہ نکاح کے انعقاد میں سفارت و رسالت کا کام انجام دے رہے تھے۔ اور رسول و سفیر معاملہ کو بہت قریب سے دیکھتا ہے اس کے جواب میں اول تو ہم وہی کہتے ہیں جو حضرت میمونہ کی حدیث کے جواب میں کہا تھا۔ کہ ان کی رسالت و سفارت نکاح کے معاملہ میں ان کی بات کو وزنی کرتی ہے۔ نہ آنحضرت ﷺ کے محرم یا غیر محرم ہونے کے معاملہ میں جس میں در اصل نزاع ہے۔ اور اس میں یہ اور دوسرے صحابہ یکساں ہیں۔ بلکہ دوسرے صحابہ کو خصوصاً حضرت ابن عباس رض کو بہر صورت ان پر ترجیح ہے۔ پھر اسنادی پہلو سے بھی یہ حدیث سقیم ہے کہ اول تو صحیحین میں یہ حدیث نہیں اور ترمذی اس کو لائے ہیں تو انہوں نے اس کو صرف حسن کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صحت کے درجہ تک یہ نہ پہنچ سکی۔ دوسرے اس کے اتصال پر ابن عبد البر کو اعتراض ہے۔ کیونکہ ابو رافع کی وفات سلیمان بن یسار کی ولادت کے تین ہی سال بعد ہوئی ہے۔ تو اب سلیمان کا ابو رافع سے کس طرح سماع ثابت ہو سکتا ہے۔ تیسرے مطر وراق جو اس کی سند میں ہے ضعیف ہے۔ یحیٰی بن سعید اور امام احمد ہر دو نے اس کو ضعیف بتایا ہے۔ فعلی احادیث

کا قصہ یوں ختم ہوا۔ رہی قولی حدیث حضرت عثمان کی تو بے شک یہ اصول اپنی جگہ قابل تسلیم ہے کہ قولی حدیث فعلی پر مقدم ہے مگر یہ جب ہے کہ قولی حدیث فعل سے بلحاظ سند قوی تر ہو اور یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ ابن عباس سے روایت کرنے والے اصحاب فقہا ہیں اور اہل حفظ و ضبط کہ جن کی نکر کا حدیث عثمان میں ایک بھی نہیں۔ مثلاً سعید بن جبیر۔ عطا۔ طاؤس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ جابر بن زید وغیرہ۔ اور حدیث عثمان کی روایت نبیہ بن وہب سے ہے جو نہ عمرو بن دینار کا ہم مرتبہ ہے نہ جابر بن زید کا ہم پلہ۔ نہ ہی مسروق کے مقابلہ کا جو عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ قسطلانی نے ارشاد ساری میں کہا ہے کہ بخاری نے حدیث عثمان کو ضعیف بتایا ہے کیونکہ اس میں نبیہ بن وہب ہے۔ بتغیر دیگر ہر دو احادیث فعلی و قولی میں تطبیق بآسانی دی جاسکتی ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے جس طرح خطبہ و منگنی ایسی نہی تحریمی۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ محرم ہیں کی شان کے خلاف ہے کہ اس قسم کے مشاغل میں مصروف ہو جو اس کی عبادت اور اس کے ساتھ دلبستگی میں رخنہ اندازی کا کام کریں۔ کیونکہ وہ اس سلسلہ میں منگنی کے جھگڑوں میں الجھے گا۔ پیام رسانی۔ جواب و سوال۔ ضیافت مہمانوں کے جھگڑوں سے دوچار ہوگا۔ جو رقت قلبی اس کی ساری ابحسن عبادت کو دھول میں ملا دیں گے۔ البتہ چونکہ آنحضرت کو اپنے تمام قویٰ پر پورا اقتدار و قبضہ حاصل تھا۔ اس لئے آپ کے لئے یہ سب کچھ روا تھا۔ پھر شافعیہ کا خود کا [illegible] اس تاویل کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے ولا یخطب میں نہی تنزیہی مانی ہے تو لا ینکح جو اس کے برابر میں ہے نہی تنزیہی کیوں مراد نہ لیں۔ لہٰذا اس پوری بحث کے اختتام پر یہ ماننا پڑے گا۔ کہ مذہب حنفیہ ہی بروئے قرآن و بلحاظ سنت اور بتقاضائے عقل و درایت حق ہے اور قابل تسلیم۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۱۰۸ باب فی حجامۃ المحرم!

باب اس بیان میں کہ محرم کے لئے پچھنے لگانا کیسا ہے!

ابو حنیفۃ عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلعم احتجم وھو محرمؓ۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے جبکہ آپ محرم تھے۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں پچھنے لگانا جائز ہے اور اس مسئلہ کی [illegible] قرآن کی آیت کریمہ ہے فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ او ایسے عذر کی بنا پر اس پر بھی فدیہ ہے۔

۱۰۹ باب استلام الرکن والحجر!

باب رکن اور حجر اسود کے بوسے دینے میں!

ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال ما ترکت استلام الحجر منذ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستلمہ۔

۲۲۱ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں چھوڑا بوسہ حجر اسود کا جب سے دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ لیتے ہوئے۔

Marfat.com

ف:۔ حجر اسود کو بوسہ دینا تمام ائمہ کے نزدیک سنت ہے اس میں کسی نے خلاف نہیں کیا۔

۲۴۲/۲ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما انتهيت الى الركن اليماني الا لقيت عنده جبرئيل وعن عطاء بن ابي رباح قال قيل يا رسول الله تكثر من استلام الركن اليماني قال ما اتيت عليه قط الا وجبرئيل قائم عنده يستغفر لمن يستلمه۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب بھی رکن یمانی پر پہنچا اس کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کو میں نے پایا۔ عطاء بن ابی رباح سے (مرسل) مروی ہے کہ آنحضرت سے عرض کیا گیا کہ آپ اکثر رکن یمانی کو چھوتے ہیں۔ یا بوسہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کبھی بھی اس کے پاس نہیں آیا مگر کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو اس کے پاس کھڑے ہوئے۔ اور بوسہ دینے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہوئے پایا۔

ف:۔ اس کی تائید بھی ہے اس حدیث سے جس کو ابو الشیخ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اس مضمون سے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں رکن یمانی پر جب بھی گذرا اس کے پاس میں نے ایک فرشتہ پایا جو پکار پکار کر آمین کہتا ہے لہذا تم جب اس کے پاس سے گذرو تو یہ دعا پڑھو ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

۲۴۳/۳ **ابو حنیفة** عن عبد الله عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول بين الركن اليماني والحجر الاسود اللهم اني اعوذ بك من الكفر والفقر والذل ومواقف الخزي في الدنيا والآخرة۔

حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان (کھڑے ہوکر) فرماتے اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ کفر فقر ذلت اور دنیا و آخرت میں رسوائی کی جگہوں سے

ف:۔ اس قسم کی دعاؤں کے ذیل میں جو احادیث وارد ہیں۔ ان میں گو بعض باعتبار اسناد ضعیف ہیں۔ مگر ایک دوسرے سے مل کر یہ قوت پکڑ لیتی ہیں۔ پھر بعض صحیح و حسن بھی ہیں۔ اس کے علاوہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثیں بھی قابل عمل ہوتی ہیں۔

۲۴۴/۴ **ابو حنیفة** عن حماد عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال طاف النبي صلى الله عليه وسلم بالبيت وهو شاك على راحلته يستلم الاركان بمحجنه۔

وفي رواية قال طاف النبي صلى الله عليه وسلم بين الصفا والمروة وهو شاك على راحلته۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا بیت اللہ کا بحالت بیماری اپنی سواری پر، بوسہ دیتے تھے آپ رکن یمانی اور حجر اسود کو اپنی خمیدہ لکڑی سے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس رض نے کہا کہ سعی کی نبی صلی اللہ علیہ نے صفا اور مروہ کے درمیان بحالت بیماری اپنی سواری پر۔

ف:۔ یہ حدیث اس امر کی حجت ہے کہ بسبب بیماری سواری پر سعی جائز ہے۔ ارکان سے رکنین یمانیین

مراد ہیں۔ کیونکہ رکنین شامیین کو بوسہ نہیں دیا جاتا۔ گو بعض سلف نے اس کو مستحب جانا ہے۔ مگر اتفاق اسی پر ہے۔ قاضی ابوالطیب اور نووی نے اس پر ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے ؂

۲۴۵ **ابوحنیفۃ** عن عطاء عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمل من الحجر الی الحجر ؂

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا حجر اسود سے حجر اسود تک (گویا پورے شوط میں) ؂

ف۔ رمل کہتے ہیں سینہ تان کر شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چلنا۔ آنحضرتؐ نے تین دوروں میں رمل ہی کیا۔ اور چار میں حسب عادت رفتار میں چلے۔ حضرت جابر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ صحیحین میں ابن عباس سے ہر دو رکنوں کے درمیان جو صرف مشی کی روایت ہے وہ حدیث جابر سے منسوخ ہے۔ نووی اور قسطلانی نے اس کی تصریح کی ہے کیونکہ حدیث ابن عباس میں عمرۃ القضاء کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو سنہ ۷ھ میں قبل فتح مکہ وقوع پذیر ہوا۔ پھر جب آپ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو رمل کیا۔ لہٰذا چونکہ جابر کی حدیث متاخر واقعہ کو بیان کرتی ہے اس لئے یہی قابل عمل ہے۔

باب فی الجمع بعرفۃ

باب۔ عرفہ میں دو نمازوں کا جمع کرنا

۲۴۶ **ابوحنیفۃ** عن یحیی بن ابی حیّۃ ابی جناب عن ھانی بن یزید عن ابن عمر قال افضنا معہ من عرفات فلما نزلنا جمعًا اقام فصلینا المغرب معہ ثم تقدم فصلی رکعتین ثم دعا بماء فصب علیہ ثم اوی الی فراشہ فقعدنا ننتظر الصلوۃ طویلا ثم قلنا یا ابا عبد الرحمٰن الصلوۃ فقال ای الصلوۃ فقلنا العشاء الآخرۃ فقال اما کما صلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد صلیتُ ؂

ہانی بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ عرفات سے لوٹے تو مزدلفہ میں آپ نے تکبیر اقامت کہی اور ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر آپ آگے بڑھے اور نماز عشاء کی دو رکعات ادا فرمائیں اس کے بعد پانی منگا کر غسل کیا اور بستر استراحت پر جا لیٹے ہم نماز کے انتظار میں بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ پھر ہم نے کہا اے ابا عبدالرحمٰن نماز (یعنی نماز کے لئے تشریف لائیے) آپ نے کہا کونسی نماز ہم نے کہا عشاء کی نماز آپ نے کہا کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی میں نے بھی پڑھ لی۔ (یعنی ہر دو نمازوں کو جمع کر کے)

وفی روایۃ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین المغرب والعشاء ؂

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے مغرب اور عشاء کو جمع کیا ؂

ف۔ اس میں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے کہ ہر دو نمازیں ایک اذان و اقامت سے ادا کی جائیں یا ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اذان و اقامت کہی جائے۔ حنفیہ پہلے خیال کے پیرو ہیں اور شافعیہ اس خیال کے حامی کہ اذان ایک ہے اور اقامت علیحدہ علیحدہ۔ مذہب حنفیہ کے ثبوت پر حضرت ابن عمر کی اگر ...

Marfat.com

احادیث جو صحاح میں مروی ہیں دال ہیں اور بعض روایات حضرت جابر بھی۔ بلکہ ابن عباس اور ابو ایوب کی روایات بھی اسی خیال کی موید ہیں۔ چنانچہ ابن عباس کی حدیث میں جس کو ابوالشیخ اصبہانی نے نقل کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں صاف الفاظ میں صلی المغرب والعشاء باقامۃ واحدۃ کہ آپ نے نماز مغرب وعشا ایک ہی اقامت سے ادا فرمائی۔ اور ایسا ہی مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے حضرت ابی ایوب کی روایت سے اور حدیث ذیل بھی اسی نقطہ خیال کو قوی کرتی ہے۔ شافعیہ کے مذہب کی حجت اسامہ بن زید کی حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے جس کے صاف الفاظ میں فصلی بھما المغرب والعشاء باذان واحد واقامتین کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب وعشا ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں۔ بہرحال روایات میں سخت تعارض ہے۔ جس سے معاملہ زیر بحث میں تردد پیدا ہو گیا۔ تو اصولاً اقل متیقن (ایک اقامت) پر عمل کرنا قرین قیاس ہے۔

۲۲۷/۲ **ابو حنیفۃ** عن عدی عن عبد اللہ بن یزید عن ابی ایوب قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المغرب والعشاء فی حجۃ الوداع بالمزدلفۃ۔

حضرت ابو ایوب سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں بمقام مزدلفہ مغرب وعشا کی نمازیں پڑھیں۔

ف: بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور امام محمد موطا میں یہ ہی حدیث اسی سند سے لائے ہیں۔ طبرانی میں جابر جعفی اور محمد بن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے یہ ہی حدیث اسی سند سے منقول ہے مگر اس میں باقامۃ واحدۃ کا لفظ بھی ہے جو مذہب حنفیہ کی پرزور تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔ جابر الجعفی میں گو ضعف ہے مگر محمد کے ساتھ مل کر اس کا ضعف دور ہوا۔

۲۲۸/۳ **ابو حنیفۃ** عن ابی اسحق عن عبد اللہ بن یزید الخطمی عن ابی ایوب ان رسول اللہ صلعم صلی المغرب والعشاء بجمع باذان واقامۃ واحدۃ۔

حضرت ابی ایوب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب وعشا کی نمازیں ادا فرمائیں مقام مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک تکبیر سے۔

ف: یہ حدیث مذہب حنفیہ کی نہایت صاف الفاظ میں ترجمانی کرتی ہے جس کی تائید میں ہم طبرانی کی حدیث کا حوالہ دے کر آئے ہیں۔

باب رمی الجمار!

باب۔ کنکری پھینکنے کے بیان میں!

۲۲۹/۱ **ابو حنیفۃ** عن سلمۃ عن الحسن عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ عجل ضعفۃ اھلہ وقال لھم لا ترموا جمرۃ العقبۃ حتی تطلع الشمس۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمزور گھر والوں کو (عورتوں۔ بچوں۔ بوڑھوں اور بیماروں کو) جلدی روانہ فرما دیا اور ان سے فرمایا کہ رمی جمرہ عقبہ نہ کریں جب تک آفتاب طلوع نہ ہو۔

ف: یہ عمل اسی مصلحت کے ماتحت تھا کہ اژدحام سے پہلے پہلے یہ رمی سے فارغ ہو لیں۔ ارشاد الساری میں اسی طرح ہے۔

ابوحنیفة عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عمرؓ قال بعث رسول اللہ صلعم ضعفة اھلہ وقال لھم لا ترموا جمرة العقبة حتی تطلع الشمس۔ 250/2

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے کمزوروں کو بھیجا اور فرمایا کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہوئے رمی جمرہ عقبہ نہ کرو۔

ف: حنفیہ کے نزدیک رمی جمرہ رات میں جائز نہیں جس طرح طواف افاضہ صبح سے پہلے ناجائز ہے مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ شافعیہ و حنبلیہ نصف شب کے بعد رمی جائز رکھتے ہیں۔ حنفیہ و مالکیہ کے مذہب پر یہ ہر دو احادیث صاف دال ہیں۔

ابوحنیفة عن عطاء عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبی حتی رمی جمرة العقبة وفی روایة عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اردف الفضل بن عباسؓ وکان غلاما حسنا فجعل یلاحظ النساء والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یصرف وجھہ فلبی حتی رمی جمرة العقبة۔ 251/2

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ عقبہ تک برابر تلبیہ کہتے رہتے۔ اور ایک روایت میں ابن عباس سے اس طرح روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بٹھایا سواری پر فضل بن عباس کو اور یہ خوب صورت نوجوان تھے۔ تو عورتوں کو تکتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا چہرہ پھیر دیتے ان کی یا عورتوں کی طرف سے فتنہ کے خوف سے۔ پس آپ نے تلبیہ کہا رمی جمرہ عقبہ تک۔

وفی روایة عن ابن عباس عن الفضل اخیہ ان النبی صلعم لم یزل یلبی حتی رمی جمرة العقبة۔

اور ایک اور روایت میں ابن عباس اپنے بھائی فضل سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ عقبہ تک برابر تلبیہ کہتے رہے۔

ف: یہاں ائمہ اس امر میں مختلف الرائے ہیں کہ حاجی تلبیہ کب تک کہے۔ امام ابوحنیفہ۔ شافعی۔ سفیان ثوری جمہور صحابہ و تابعین اور فقہائے امصار کا مسلک ہے کہ یوم نحر کی صبح رمی جمرہ کے شروع سے پہلے پہلے تک کہے۔ رمی شروع کرتے ہی بند کر دے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن نماز صبح تک پھر بند کر دے۔ حضرت علیؓ و ابن عمرؓ و عائشہؓ و مالک اور فقہائے مدینہ کا مذہب ہے کہ عرفہ کے دن زوال آفتاب تک تلبیہ کہے وقوف کے شروع ہونے کے بعد نہ کہے۔ احمد و اسحاق۔ اور بعض سلف کا خیال ہے کہ رمی جمرہ عقبہ سے فراغت تک کہے۔ امام ابوحنیفہ شافعی و جمہور علما کی حجت حدیث ذیل ہے اور دیگر احادیث صحیحہ مگر مخالفین کے پاس کوئی معقول حجت نظر نہیں آتی۔ حدیث ذیل کی آخری روایت کے لفظ لم یزل سے شک ہوتا ہے کہ اس سے مذہب امام احمد و اسحاق کا ثبوت ہو۔ مگر نہیں اس شک کو نسائی کی روایت فلما رمی قطع التلبیة رفع کرتی ہے گویا دعوی شروع ہوئی۔ یہی کہ جب رمی شروع کی تو تلبیہ ختم۔

Marfat.com

بَابُ الرُّكُوبِ عَلٰى بُدْنَتِهٖ [۱۱۲]

ابو حنیفۃ عن عبد الکریم عن انسٍ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلاً یسوق بدنۃ فقال ارکبھا ۔ ٢٥

باب - اس بیان میں کہ اپنی قربانی پر سوار ہونا کیسا ہے!

روایت کی عبد الکریم نے حضرت انسؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی قربانی کے جانور کو ہانکتا ہے۔ تو اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو ۔

ف : یہاں اس نقطۂ خیال پر ائمہ مختلف الرائے ہیں کہ قربانی کے جانور پر حاجی سواری لے سکتا ہے یا نہیں۔ بعض اس کے مطلق وجوب کے قائل ہیں بعض مطلق منع کے اور بعض مطلق جواز کے۔ ملا علی قاری اور قسطلانی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ وحنفیہ اس امر میں متحد المذہب ہیں، مگر ترمذی چلپی۔ کرمانی۔ نووی کا کلام پتہ دیتا ہے کہ ان میں اختلاف ہے کہ شافعیہ معمولی ضرورت کے وقت بھی سواری کر جائز رکھتے ہیں اور حنفیہ صرف ایسی ضرورت کے وقت اس کو جائز جانتے ہیں جو سخت مجبوری اور ناگزیر حالت تک پہنچ گئی ہو۔ گویا پیدل چلنا سخت دشوار ہو اور بغیر سواری چارہ کار نہ ہو۔ چنانچہ حضرت جابر۔ ابی ہریرہ۔ انس کی احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بات آشکارا ہے۔ کلام کا موقع محل اس کی پرزور تائید کرتا ہے۔ بخاری میں آنحضرت کی طرف سے سواری کے لئے تین بار امر ہے۔ ابی ہریرہ کی حدیث میں دوسری یا تیسری بار وَيْلَكَ کا لفظ بھی ہے۔ مسلم میں حضرت جابر کی حدیث میں اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا کا لفظ ہے کہ جب تو اس کے لئے مجبور ہو جائے کہیں وَيْلَكَ کی جگہ وَيْحَكَ کا لفظ بھی ہے لہذا یہ تمام حالات ناطق شہادت پیش کرتے ہیں کہ سواری بصورت شدید مجبوری جائز ہے۔ نہ معمولی ضرورت وحاجت پر ۔

بَابُ التَّمَتُّعِ وَالْقِرَانِ [۱۱۳]

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الصُّبَیِّ بن معبد قال اقبلتُ من الجزیرۃ حاجًا فمررتُ بسلمان ابن ربیعۃ وزید بن صوحان وھما شیخان بالعذیبۃ قال فسمعانی اقول لبیك بعمرۃ وحجۃ فقال احدھما ھذا الشخص اضلّ من بعیرہ وقال الاٰخر ھذا اضلّ من کذا وکذا۔ قال فمضیت حتی اذا قضیت نسکی مررت بامیر المؤمنین عمرؓ فاخبرتہ ٢٨

باب - تمتع اور قران کے بیان میں

حضرت صبی بن معبد کہتے ہیں کہ میں جزیرہ سے حج کی نیت سے آیا۔ اور سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان عذیبہ کے دو بڑے شیخوں کے پاس سے میرا گذر ہوا تو انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا لبیک بعمرۃ وحجۃ تو ان میں سے ایک بولے کہ یہ شخص (میں) اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ (مناسک حج سے جاہل) ہے اور دوسرے بولے یہ فلاں فلاں سے بھی زائد بہکا ہوا ناآشنا اور ناواقف ہے۔ مگر میں اپنے کام میں لگا رہا۔ (یعنی ان کے کہنے کی پروا نہیں کی) یہاں تک کہ جب میں ارکان حج سے فارغ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور

Marfat.com

كنت رجلاً بعيد الشقة قاصي الدار اذن الله لي في هذا الوجه فاحببت ان اجمع عمرة الى حجة فاهللت بهما جميعاً ولما انتهيت فمررت بسلمان بن ربيعة وزيد ابن صوحان فسمعاني اقول لبيك بعمرة وحجة معاً فقال احدهما هذا اضل من بعيره وقال الآخر هذا اضل من كذا وكذا وقال فصنعت ماذا قال مضيت فطفت طوافاً لعمرتي وسعيت سعياً لعمرتي ثم عدت ففعلت مثل ذلك ثم بقيت حراماً اصنع كما يصنع الحاج حتى اذا قضيت آخر نسكي قال هديت لسنة نبيك محمد صلى الله عليه وسلم۔

وفي رواية عن الصبي بن معبد قال كنت حديث عهد بنصرانية فقدمت الكوفة اريد الحج في زمان عمر بن الخطاب فاهل سلمان وزيد بن صوحان بالحج وحده واهل الصبي بالحج والعمرة فقالا ويحك تمتعت وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المتعة قالا له والله لانت اضل من بعيرك قال نقدم على عمر وتقدمون فلما قدم الصبي مكة طاف بالبيت وسعى بين الصفا والمروة لعمرته ثم

سے عرض کیا کہ میں دور دراز اطراف ملک کا رہنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے قران کی یہ شکل مقدر فرمائی تو مجھ کو یہ بات پسند آئی کہ میں حج وعمرہ کو جمع کروں لہٰذا میں نے ہر دو کی نیت سے احرام باندھا۔ اور میں نے یہ قصد کیا۔ پھر جب سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے پاس میرا گذر ہوا۔ تو انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا لبیک بعمرۃ وحجۃ (گویا قران کے لئے) تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے زیادہ (مسائل حج سے) نابلد ہے۔ اور دوسرے نے کہا کہ یہ فلاں فلاں سے زیادہ ارکان حج سے ناواقف ہے۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ پھر تم نے کیا کیا۔ میں نے کہا کہ میں بدستور مناسک انجام دیتا رہا۔ میں نے طواف کیا عمرہ کے لئے اور سعی کی عمرہ کے لئے پھر دوبارہ ایسا ہی کیا۔ پھر میں حج کے لئے محرم رہا کہ میں وہی کروں جو ایک حاجی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب میں نے تمام ارکان حج آخر تک بیان کر دئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سنت کے بالکل موافق کیا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ صبی بن معبد نے کہا کہ مجھ کو دین عیسوی چھوڑے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ میں عہد عمر بن الخطاب میں بارادۂ حج کوفہ آیا۔ سلمان اور زید بن صوحان نے صرف حج کی نیت سے احرام باندھا اور صبی (یعنی میں) نے حج وعمرہ ہر دو کی نیت سے احرام باندھا۔ (یعنی قران کی شکل میں) تو اس پر وہ دونوں بولے خانہ خراب متعہ کی نیت کرتا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔ ان دونوں نے اس صبی سے کہا قسم اللہ کی تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ صبی نے جواب دیا کہ ہم تم حضرت عمرؓ کے پاس چل چلتے ہیں۔ پھر جب آپ صبی مکہ میں تو بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان عمرہ کے لئے سعی کی۔ اس کے

Marfat.com

رجع حرامًا لم یحل من شیٔ ثم طاف بالبیت
وبین الصفا والمروۃ لحجتہ ثم اقام
حرامًا لم یحلل منہ حتی اتی عرفات
وفرغ من حجتہ فلما کان یوم النحر
نزل فاہرق دمًا لمتعتہ فلما صدروا
من حجہم مروا بعمر بن الخطابؓ
فقال لہ زید بن صوحان یا امیر
المؤمنین انک نہیت عن المتعۃ
ان الصبی بن معبد قد تمتع قال
صنعت ماذا یا صبی قال اہللت
یا امیر المؤمنین بالحج والعمرۃ
فلما قدمت مکۃ طفت بالبیت
وطفت بین الصفا والمروۃ لعمرتی
ثم رجعت حرامًا ولم احل من شیٔ
ثم طفت بالبیت وبین الصفا و
المروۃ لحجتی ثم اقمت حرامًا
یوم النحر فاہرقت دمًا لمتعتی
ثم احللت قال فضرب عمر علی ظہرہ
وقال ہدیت لسنۃ نبیک صلی
اللہ علیہ وسلم۔

وفی روایۃ عن الصبی قال خرج
ہو وسلمان بن ربیعۃ وزید بن
صوحان یریدون الحج قال فاما الصبی
فقرن الحج والعمرۃ جمیعًا واما سلمان
وزید فافردا الحج ثم اقبلا علی الصبی
یلومانہ فیما صنع ثم قالا لہ انت اضل
من بعیرک تقرن بین الحج والعمرۃ وقد
نہی امیر المؤمنین عن العمرۃ والحج قال

بعد محرم ہی رہے۔ حلال نہیں ہوئے۔ پھر طواف (قدوم) بیت اللہ کا کیا اور صفا و مروہ کے درمیان حج کے لئے سعی کی اور پھر محرم رہے۔ حلال نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ آئے عرفات میں اور ارکان حج سے فراغت حاصل کی پھر جب نحر کا دن آیا۔ تو متعہ کے لئے (قران کے لئے) قربانی کی چنانچہ جب لوگ اپنے حج سے لوٹے۔ تو گئے ہیں حضرت عمرؓ کے پاس انہوں نے حاضری دی اور ان سے زید بن صوحان نے عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ نے تو متعہ (یعنی قران و تمتع ہر دو کو شامل ہے) سے روکا ہے اور صبی بن معبد نے تمتع کیا۔ حضرت عمرؓ نے صبی سے پوچھا صبی تم نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا اے امیر المؤمنین میں نے احرام باندھا حج و عمرہ ہر دو کی نیت سے۔ پھر جب میں مکہ میں آیا۔ تو عمرہ کے لئے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان عمرہ کے لئے سعی کی۔ اس کے بعد محرم ہی رہا۔ حلال نہ ہوا۔ پھر بیت اللہ کا طواف (قدوم) کیا اور صفا و مروہ کے درمیان حج کے لئے سعی کی۔ پھر محرم رہا یہاں تک کہ نحر کے دن متعہ کے لئے قربانی کر کے میں (ہر دو احرام) سے حلال ہو گیا۔ تو کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میری پیٹھ ٹھونکی اور کہا کہ البتہ تو نے پا لیا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سنت۔

اور ایک اور روایت میں صبی سے یوں روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان ہمراہ حج کے ارادہ سے نکلے صبی نے تو قران کی (احرام میں) نیت کی اور سلمان اور زید نے تنہا حج کی۔ تو وہ دونوں (قران) کرنے پر صبی کو ملامت کرنے لگے اور کہا تو اپنے اونٹ سے زیادہ بہکا ہوا ہے کہ تو حج و عمرہ کو (احرام میں اکٹھا جمع کر کے گویا قران کرتا ہے) اور البتہ امیر المؤمنین نے عمرہ اور حج جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ صبی نے کہا ہم تو حضرت

تقدمون على عمر واقدم قال فمضوا حتى دخلوا مكة فطاف بالبيت لعمرته وسعى بين الصفا والمروة لعمرته ثم عاد فطاف بالبيت لحجته ثم سعى بين الصفا والمروة ثم اقام حراما كما هو لم يحل له شئ حرم عليه حتى اذا كان يوم النحر ذبح ما استيسر من الهدى شاة فلما قضوا نسكهم مروا بالمدينة فدخلوا على عمرؓ فقال له سلمان وزيد يا امير المؤمنين ان الصبي قرن بالحج والعمرة قال صنعت ماذا قال لما قدمت مكة طفت طوافا لعمرتي ثم سعيت بين الصفا والمروة لعمرتي ثم عدت فطفت بالبيت لحجتي ثم سعيت بين الصفا والمروة لحجتي قال ثم صنعت ماذا قال اقمت حراما لم يحل لي شئ حرم علي حتى اذا كان يوم النحر ذبحت ما استيسر من الهدى شاة قال فضرب عمر على كتفه ثم قال هديت لسنة نبيك صلى الله عليه وسلم۔

عمرؓ کے پاس چلتے ہیں۔ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے۔ پس وہ چل دیئے یہاں تک کہ داخل ہوئے مکہ میں تو صبی نے عمرہ کے لئے طواف بیت اللہ کیا اور عمرہ کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ پھر دوبارہ حج کیلئے طواف کیا اور سعی کی۔ پھر بحال خود محرم رہے حلال نہیں ہوئے۔ کہ کوئی حرام کی ہوئی چیز ان کے لئے حلال ہوتی۔ پھر جب یوم النحر آیا تو میسر آسکا قربانی کے جانور سے ایک بکری ذبح کی۔ آپ یہ سب مناسک حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں جا پہنچے۔ تو ان سے سلمان اور زید نے کہا اے امیر المومنین صبی نے جمع کیا حج و عمرہ کو۔ تو آپ نے [illegible] فرمایا ہے۔ تو عمر نے صبی سے کہا تم نے کیا کیا۔ انہوں نے کہا میں مکہ میں آیا۔ اپنے عمرہ کے لئے طواف کیا اور عمرہ کے لئے سعی صفا و مروہ کے درمیان کی۔ پھر دوبارہ میں نے حج کے لئے بیت اللہ کا طواف کیا اور حج کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا میں اس کے بعد محرم رہا۔ میں نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی چیز کو حلال نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جب نحر کا دن آیا تو قربانی کا جو مجھے میسر آسکا ایک بکری ذبح کی۔ [illegible] میرے شانے پر ہاتھ مار کر شاباش دی۔ پھر فرمایا [illegible] اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سنت پا لیا۔

ف: حدیث ذیل کے ماتحت دو مسائل ہیں [illegible] ساتھ محتاج تشریح ہیں [illegible] ہے ائمہ کا شدید اختلاف۔ اول یہ کہ تینوں انواع حج افراد، قران، تمتع میں سے کون سی نوع افضل ہے۔ دوسرے یہ کہ قارن دو طواف دو سعی کرے یا ایک ایک۔ پہلے نقطہ اختلاف میں [illegible] امام ابوحنیفہ قران کو افضل جانتے ہیں پھر تمتع کو اور پھر افراد کو۔ امام شافعی و [illegible] افراد کو افضل خیال کرتے ہیں اور امام مالک تمتع کو۔ ثوری، اسحاق اور بہت سے اہل علم حدیث امام صاحب کے ساتھ ہم خیال ہیں۔ ابن عمر، علی، عائشہ، [illegible] عمران بن حصین، سراقہ بن مالک، ابن عمر، ابن عباس، براء بن عازب، حضرت [illegible] ام المومنین سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔ اصل مرکز اختلاف [illegible] حج کا واقعہ [illegible] آنحضرت کا عمل کیا

Marfat.com

تھا۔ ہر ایک نے اپنے مذہب کی بنا اسی واقعہ پر رکھی ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد آنحضرت کا یہی پہلا حج تھا اور یہی آخری۔ اور مسائل دینیہ کا سرچشمہ تھا۔ اور امور مذہبی کے لئے آخر حجت۔ لہذا جو اس میں آپ کا عمل ہوگا وہی افضل ہوگا۔ شافعیہ اپنے مذہب پر روایات سے بھی دلیل لاتے ہیں اور قیاس سے بھی روایات کی رو سے حضرت جابر، ابن عمر، ابن عباس، عائشہ سے روایات نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ نودی نے بہت شد و مد کے ساتھ اس پر ثبوت پیش کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر صحابی کی برتری ثابت کی ہے۔ مزید براں کہتے ہیں کہ خلفاء میں ابوبکر، عمر و عثمان نے اس پر ہمیشگی برتی ہے۔ گویا افراد ہی کرتے رہے۔ پھر اس کو اس قیاس آرائی سے مضبوط کیا ہے کہ افراد میں دم نہیں اور قران و تمتع میں دم جبر ہے۔ جو ان کے نقص کی صاف علامت ہے۔ یہ ہے ان کے دلائل و حجج کا اجمالی خاکہ۔

امام صاحب کے مذہب پر اول تو حدیث ذیل زبردست دلیل ہے کہ حضرت عمر صبی بن معبد کو قران پر شاباش دے رہے ہیں اور اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔ دوسری سنگین حجت عمران بن حصین کی روایت ہے جس کو مسلم لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ کو جمع کیا پھر وفات تک اس سے نہیں روکا۔ نہ اس کی حرمت پر قرآن نازل ہوا۔ تیسرے ابن عمر رض سے نقل کرتے ہیں کہ تمتع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یعنی عمرہ کے لئے بھی احرام باندھا اور حج کے لئے بھی۔ چوتھے عائشہ سے بھی ایسی روایت لائے ہیں۔ پانچویں طحاوی میں ام سلمہ سے ترمذی ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ایک عمرہ حدیبیہ دوسرا عمرۃ القضاء ذی قعدہ میں آئندہ والے سال تیسرا جعرانہ سے۔ چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ۔ لہذا یہ چھ ناقابل شکست دلائل ہیں جو مذہب حنفیہ کو سنت نبوی کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں۔ ساتویں حجت قرآن پاک کی یہ آیت ہے واتموا الحج والعمرۃ للہ کہ حاکم اپنی مستدرک میں شرط شیخین پر یہ روایت لاتے ہیں کہ علی سے کسی نے اس آیت کے بارہ میں سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اتمام کی شکل یہ ہے کہ تو حج و عمرہ کے لئے اپنے گھر سے احرام باندھے۔ یعنی قران کرے۔ ابن مسعود سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ چنانچہ یہی افضل ہے اگر انسان اس پر قادر ہو۔ کیونکہ اس میں مشقت بھی زائد ہے۔ اور تعظیم بیت اللہ بھی زائد۔ تو جب قرآن پاک میں قران کا ذکر آئے تو یہ باقی انواع پر افضل کیوں نہ ہو۔ پھر قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ قران کی صورت میں دو عبادتیں یک جا جمع ہو جاتی ہیں جو بہر حال ایک عبادت سے اچھی ہیں اور افضل مثلاً کوئی روزہ دار بھی ہو اور معتکف بھی یا کوئی حراست فی سبیل اللہ میں بھی مصروف ہو اور تہجد گذاری میں بھی۔ اب مذہب شافعیہ کی کجکلگی کو ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے دیکھا کہ جن صحابہ سے یہ روایات لاتے ہیں کہ اپنے مذہب کی تائید کریں انہی سے خود انہیں کی کتابوں میں اس کے خلاف بھی یعنی مذہب حنفیہ کی تائید میں روایات ثابت ہیں مثلاً عائشہ رض ابن عمر رض یا ابن عباس جن کی حدیث ابھی آرہی ہے۔ البتہ یہ جس چیز کو اپنے مذہب کے بچاؤ میں ناقابل فتح مورچہ سمجھتے ہیں وہ حضرت عمر و عثمان کی سختی سے ممانعت ہے کہ لوگ تمتع نہ کریں۔ اس کی حقیقت سنئے کہ خود مسلم ابی موسیٰ سے روایت لاتے ہیں کہ وہ متعہ کے لئے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان کو حضرت عمر کا حوالہ دیا اور ٹوکا کہ آپ اس فتویٰ سے باز آئیے۔ چنانچہ انہوں نے جب خود حضرت عمر سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں خود جانتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا۔ اور آپ کے اصحاب نے بھی مگر میں اس کو برا سمجھتا

ہوں کہ لوگ حلال ہو جائیں اور عرفات کی طرف نکلنے تک عورتوں سے وطی کریں اور ایسی حالت میں نکلیں کہ ان کے سروں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوں۔ لیجئے وجہ ممانعت کھل گئی۔ اور ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا بھی پتہ چلا۔ ان کو حضرت عمرؓ کا انکار تو دکھا۔ مگر یہ نہیں دیکھا کہ یہ علانیہ سے اقرار کس بات کا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ترمذی محمد بن عبد اللہ بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن وقاص اور ضحاک بن قیس میں تمتع کے بارہ میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ ضحاک بولے یہ تو کوئی جاہل کرتا ہوگا۔ سعد نے کہا بھائی یہ کیا کہتے ہو۔ ضحاک نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔ سعد نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ اور ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ایسا ہی ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے تمتع کے متعلق پوچھا تو آپ نے کہا کہ وہ حلال ہے۔ تو اس نے کہا کہ آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ اگر میرے والد نے اس سے روکا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے تو میرے والد کی بات قابل اتباع ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قابل امتثال۔ اس شخص نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

حضرت عثمان کے بارہ میں بھی مسلم میں روایت ہے کہ حضرت علی نے ان کو یاد دلایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا ہے۔ اور حضرت عثمان نے اس سے انکار نہیں کیا۔ پھر حضرت ابوبکر کے متعلق بھی یوں سن لیجئے کہ ترمذی طاؤس سے روایت لائے ہیں اور وہ روایت کرتے ہیں ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا۔ اور ابوبکر اور عمر و عثمان نے اور سب سے پہلے جس نے اس سے روکا وہ معاویہ ہیں۔ اب ان کی قیاس آرائی کا جواب یہ ہے کہ تمتع و قران کا دم۔ دم جبر نہیں کہ ان کے نقصان کی نشانی ہو بلکہ دم فضل و ثواب ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے ان سب دلائل کو نظر انداز کر دیں اور صرف ایک بات کو پیش نظر رکھیں تو وہ بھی مذہب حنفیہ کے ثبوت کے لئے بس ہے وہ یہ کہ اس کا تو شافعیہ کو بھی اقرار ہے کہ آنحضرت نے پہلے افراد کیا۔ پھر عمرہ کا احرام باندھا۔ تو پھر آنحضرت قارن نہیں ہوئے تو کیا ہوئے۔ اور اسی سے روایات کے اختلاف کا راز بھی کھلا کہ جنہوں نے افراد کی روایت کی انہوں نے آنحضرت کے اول امر کی ترجمانی کی۔ جنہوں نے قران کی روایت کی انہوں نے آنجناب کے آخری امر کی جس پر بات ٹھہری ذکر کیا۔ کیونکہ اعتبار انجام کار کا ہوتا ہے اور جس نے تمتع کی روایت کی اس نے تمتع کو معنی لغوی لیا۔ کہ ایک سفر میں دو نسک کو جمع کر لیا یعنی احرام قران سے اور یہ ہو بھی تو نہیں سکتا۔ کیونکہ جس نوعیت کا افراد یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اور جو تمتع و قران کا مد مقابل ہے وہ یہ کب ہوا جو آنحضرت نے کیا۔ البتہ یہ قران ہو گیا کیونکہ حج کا احرام باندھا اور اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھا قبل ادائیگی اس کے افعال کے یا اس کا عکس کر لیا یہ ہر دو شکلیں قران کی ہیں۔ اور یہ صورت عقل قران ہی کی فضیلت کی متقاضی ہے۔ کیونکہ تمتع کی شکل میں حج کی ہوتا ہے اور افراد کی صورت میں عمرہ کی اور قران کی صورت میں حج و عمرہ دونوں شہرت۔ لہذا یہی ہر دو سے افضل ہوا۔ مزید اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت سے افردت یا تمتعت کے الفاظ مروی نہیں البتہ قرنت کی روایت ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ آپ قارن تھے اور قران کی فضیلت کی طرف مشیر ہے اور سنت نبوی اس پر دال اور اقوال صحابہ اس کی تائید میں اور عقل و درایت اس کی متقاضی اور یہی مذہب احناف ہے۔

Marfat.com

دوسرے لفظ اختلافی ہیں صورت نزاع یہ ہے کہ بروئے مذہب شافعی قران میں طواف وسعی ہر دو ایک ایک ہیں اور مذہب حنفیہ کی رو سے دو طواف اور دو ہی سعی ہیں۔ ابن سیرین۔ حسن۔ طاؤس۔ زہری۔ مالک۔ احمد سے مذہب شافعیہ کی موافقت میں روایات ہیں۔ اور مجاہد۔ جابر بن زید۔ شریح۔ علی بن حسین۔ زین العابدین۔ ابراہیم نخعی۔ ثوری سے مذہب حنفیہ کی تائید ہیں۔ مذہب شافعیہ کی حجت یا مسلم کی روایت ہے جو جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے صفا و مروہ کے درمیان ایک ہی سعی کی۔ یا ترمذی کی روایت جو حضرت ابن عمر سے مرفوع منقول ہے کہ جو حج و عمرہ کے لئے احرام باندھے اس کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے جب تک دونوں سے حلال ہو۔ مذہب حنفیہ کی دلیل اول یہی حدیث ذیل ہے۔ کہ صبی بن معبد کے عمل سے دو طواف اور دو سعی کا صاف ثبوت ملتا ہے اور پھر حضرت عمرؓ کی اس پر شہادت کہ یہ عین سنت نبوی ہے۔ دوسرے نسائی سنن کبریٰ میں ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ سے روایت لاتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کے ہمراہ طواف کیا جب کہ آپ نے حج و عمرہ کو جمع کیا تھا۔ انہوں نے دو طواف کئے اور دو سعی۔ اور مجھ سے حدیث بیان کی کہ حضرت علی نے بھی ایسا ہی کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا۔ تیسرے دارقطنی عمران بن حصین سے روایت لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف کئے اور دو سعی۔ ابی بکر بن ابی شیبہ زیاد بن مالک سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ قران میں دو طواف ہیں اور دو سعی۔ لہٰذا جب ایسے جلیل القدر صحابہ حضرت عمر۔ علی۔ ابن مسعود۔ عمران بن حصین سے مذہب حنفیہ کی موافقت میں روایات مروی ہیں تو یہی مذہب انصافاً قابل ترجیح قرار پایا۔ اور صحیح اور ان کی جانب حدیث ترمذی میں یہ سقم ہے کہ یہ ابن عمر سے مرفوع صحیح نہیں۔ طحاوی نے اس پر تصریح کی ہے اور اس میں خطا کی نسبت دراوردی کی طرف کی ہے۔

بَابُ [۱۱۲] فَضِیْلَۃِ الْعُمْرَۃِ فِیْ رَمَضَانَ!

رمضان میں عمرہ کی فضیلت کے بیان میں!

ابو حنیفۃ عن عطاء عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال عُمْرَۃٌ فی رمضان تعدل حجۃً ۔ ح ۲۵۴ / ۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا عمرہ رمضان میں (باعتبار ثواب کے) حج کے برابر ہے۔

ف: عمرہ کی فضیلت و برتری میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ کہیں یوں آیا ہے العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینہما کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کی مدت میں جو گناہ سرزد ہوں ان کے لئے عمرہ کفارہ ہے۔ ابو بکر بن عبد الرحمٰن سے موطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں حج کے لئے پوری تیاری کر چکی تھی مگر مجھ کو کوئی عارضہ پیش آ گیا کہ ادائیگی حج سے قاصر رہی آپ نے اس سے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرے کیونکہ رمضان میں عمرہ ایک حج کے برابر ہے۔ مقصد کلام یہ ہے کہ عمرہ گو حج سے کم سمجھا جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ ایک بابرکت اور سعادت کا عمل ہے اگر ماہ رمضان میں اس کو ادا کیا جائے جو خود ایک مبارک

Marfat.com

مہینہ ہے تو عمرہ کی فضیلت اس مبارک ماہ کی فضیلت سے مل کر ایک حج کے برابر اللہ کے نزدیک شمار ہوتی ہے۔ گویا اس طریقے سے عمرہ کی ادائیگی کی طرف زبردست ترغیب دلائی گئی ہے۔

ابوحنیفة عن عبد الله عن ابن عمر قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة على بعير أورق الى سواد وهو الناقة القصوىٰ متقلدا بقوس متعمما بعمامة سوداء من وبر۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاکستری مائل اونٹنی پر سوار تھے جو ناقۃ القصوی سے مشہور ہے آنجناب کے گلے میں کمان پڑی ہوئی اور اون کا سیاہ عمامہ باندھے ہوئے۔

ف:۔ مکہ میں آنحضرت کا بغیر احرام کے داخلہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

باب [115] زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کے بیان میں!

ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال من السنة ان تأتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة وتجعل ظهرك الى القبلة وتستقبل القبر بوجهك ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر قبلہ کی جانب سے آئے۔ قبلہ سے پیٹھ کئے ہو۔ اور قبر کی طرف اپنا چہرہ پھیر کے تو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ف:۔ امام محمد مؤطا میں عبداللہ بن دینار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ جب سفر پر جانے کا ارادہ رکھتے یا سفر سے لوٹتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آتے۔ آپ پر درود بھیجتے اور دعا فرماتے پھر واپس ہوتے۔

كتاب النكاح

کتاب نکاح کے بیان میں

باب [116] خطبة النكاح

باب۔ خطبہ نکاح کے بیان میں!

ابوحنيفة عن القاسم عن ابيه عن عبد الله قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبة الحاجة يعني النكاح اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَسْتَهْدِيْهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ حاجت یعنی خطبہ نکاح اس طرح سکھایا ہے ترجمہ خطبہ سب تعریف اللہ کو ہے ہم اسی کی ہم تعریف کرتے ہیں اور ہم اپنے کاموں میں مدد چاہتے ہیں اس سے ہم اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اس سے ہدایت کے طلب گار ہیں جس کو اللہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنے

Marfat.com

فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا۔ یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔

والا کوئی نہیں اور جس کو گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور گواہی دیتے ہیں کہ محمد اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول (پھر یہ آیات قرآن پاک تلقین فرمائیں) یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون واتقوا اللہ الذین تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا۔ یصلح لکم اعمالکم ولیغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔

ف: حاجت سے مراد نکاح لیا۔ حقیقت میں نکاح انسان کے لئے ایک حاجت ہے اور شدید ترین حاجت خصوصاً جوان عمر شخص کے لئے۔ اس کے بغیر انسان کی تمدنی و معاشرتی زندگی تلخ و بے مزہ ہے۔ قوائے شہوانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اس کے بغیر اور کوئی معقول و مناسب طریقہ و اسلوب نہیں۔ امور خانگی چلانے کے لئے اور خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے نکاح کی طرف انسان سخت محتاج و ضرورت مند ہے۔ پھر نسل کے باقی رکھنے کے لئے انسانیت کے دائرہ میں اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔ لہٰذا نکاح انسان کی سب سے بڑی حاجت ہے۔

یہ تشہد حاجت (نکاح) ہے ایک تشہد صلوٰۃ ہے جو نماز میں التحیات کی شکل میں پڑھا جاتا ہے سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک نکاح بغیر خطبہ کے جائز ہے۔ ابوداؤد کی حدیث ان کے خیال پر دال ہے۔ لیکن یہ بہت بڑا مستحب امر ہے اور مسنون طریقہ۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ کل خطبۃ لیس فیھا تشھد فھی کالید الجذماء کہ جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ اس ہاتھ کے مانند ہے جس کو جذام کی بیماری لگی ہوئی ہو۔ یا وہ کٹا ہوا ہو۔ گویا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ خطبہ دراصل یوں رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح کا اعلان و اشاعت ہو سکے۔ کیونکہ نکاح کے اعلان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تاکید منقول ہے کہیں آپ نے اعلنوا النکاح کا لفظ ارشاد فرمایا اور کہیں اظھروا النکاح کا۔ شافعی کے نزدیک تمام لین دین کے معاملات میں مثلاً خرید و فروخت نکاح وغیرہ میں خطبہ سنت ہے۔

باب الامر بالنکاح

باب نکاح کے حکم میں!

15/1 ابوحنیفۃ عن زیاد عن عبد اللہ بن الحارث عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرو کیونکہ میں

اللہ علیہ وسلم تزوجوا فانی مکاثر بکم الامم ۔

روز قیامت، تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔

ف :۔ دوسری روایات میں کچھ کمی بیشی یا کچھ تبدیلی سے الفاظ وارد ہیں۔ ابوداؤد میں تزوجوا کے ساتھ الولود الودود کے الفاظ بھی زائد ہیں۔ جو حقیقت میں پوری حدیث کی شرح وتفسیر کرتے ہیں، اور تزوجوا کے حکم کو فانی مکاثر بکم الامم کی علت سے جوڑتے ہیں کہ فرمایا تزوجوا الولود الودود یعنی بچے جننے والی اور محبت مزاج عورتوں سے نکاح کرو۔ ولود کا لفظ اس راز کو کھولتا ہے کہ جب عورتیں زیادہ کثرت سے بچے جنیں گی۔ اور توالد تناسل زائد ہوگا تو لامحالہ امت کی تعداد بڑھے گی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے روز فخر کا موقع ملے گا۔ کیونکہ حضرت اپنی امت کے لئے راہ خیر کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں اور طریق شریعت وسنت کو رواج دینے والے۔ اور بمطابق احادیث الدال علی الخیر کفاعلہ کہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والے کا وہی اجر ہے جو بھلائی پر چلنے والے کا ہے یا من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا لا ینقص من اجورھم شیئا۔ کہ جس نے کسی اچھے طریقہ کو رائج کیا اس کے لئے اس بھلائی کا اجر ہے اور اس کا اجر بھی جو اس پر عمل کرے اور عمل کرنے والوں کے اجر میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ آپ کی امت کے افراد جس قدر کثرت سے ہوں گے اسی قدر ان سب کا اجر آنحضرت کو ملے گا۔ اور آپ کو کثرت ثواب والے پر فخر فرمائیں گے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو۔ کہ امت کے افراد بڑھیں۔ ودود کا لفظ اس مضمون کی ترجمانی کرتا ہے کہ جب عورتیں محبت والفت مزاج ہوں گی تو شوہر وزوجہ میں شدید اتحاد ہوگا اور گہرا انس اور یہ گہرا انس توالد وتناسل کے سلسلہ میں ممد ثابت ہوگا۔ اور کثرت سے اولاد پیدا ہونے کا سبب بنے گا۔ یہی سبب ہے کہ جب زوجین میں توافق مزاجی نہ ہو اور ایک دوسرے سے انس نہ رکھیں تو اکثر وبیشتر بے اولاد ہوتے ہیں اور اگر اولاد ہوتی بھی تو ایک دو ہی۔

بَابُ الحث علی نکاح الابکار [۱۱۹]

کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنے کی طرف ترغیب دلانے کے بارہ میں!

ابوحنیفۃ عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکحوا الجواری الشواب فانھن انتج ارحاما واطیب افواھا واعز اخلاقا ۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرو کنواری لڑکیوں سے کیونکہ ان کے رحم جلد بچے دینے کی قابلیت رکھتے ہیں اور وہ پاکیزہ دہن ہوتی ہیں اور خوش اخلاق ۔

ف :۔ پہلی صفت سے یہ مقصد ہے کہ بسبب جوانی ان کے رحموں میں حرارت ہوتی ہے جس کے سبب نطفہ جلد قرار پکڑتا ہے، اور بغیر کسی خرخشہ یا دقت کے مدت حمل کے تمام مراحل کو بوجہ قوت جوانی آسانی سے کر لیتی ہیں اور یوں نسل کی فراوانی وکثرت کا سبب بنتی ہیں۔ دوسری صفت سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ بسبب صحت وتندرستی اور معتدل مزاجی کے باعث ان کا لعاب دہن میٹھا وشیریں ہوتا ہے یا یہ کہ وہ جس کلام ہوتی ہیں در تہذیب، شرم وحیا لحاظ وادب کا ان پر غلبہ ہوتا ہے۔ زبان سے بیہودہ بات نکالتی نہیں کیونکہ ...

مجابی ایک حدتک آ کر رہتی ہے۔ جو اس کی گفتگو پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تیسری صفت سے یہ غرض ہے کہ ان کے اخلاق پسندیدہ۔ برتاؤ خوشگوار میل جول دل پسند ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی نہایت بہتر گذرتی ہے اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں کہیں کہیں خفیف سا ردوبدل ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت میں ارضی بالیسیر کا لفظ ہے کہ وہ تھوڑی سی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی نظر میں پچھلی کوئی مثال نہیں ہوتی کہ اس سے مقابلہ کر کے تھوڑی چیز پر بے صبری ظاہر کریں۔ ایک روایت میں اقل خبا کا لفظ ہے یعنی ان میں دھوکے بازی کم ہوتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں یہی الفاظ ہیں اور ان کے بعد یہ عبارت زائد ہے الم تعلموا انی مکاثر بکم یا تم اس کو نہیں جانتے کہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ذرا بتایئے اگر آپ ایسے درخت پر گذریں جو چرایا جا چکا ہے اور ایسے پر جسکو کسی نے نہیں چرایا ہے تو آپ اپنے اونٹ کو کونسا درخت چرائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ درخت جس کو کسی نے نہیں چرا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے علاوہ کسی اور کنواری کو نکاح میں نہیں لائیں گے چنانچہ قرآن پاک میں حوروں کی مدح سرائی کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان کہ ان سے پہلے نہ کوئی انسان ان کے نزدیک پھٹکا نہ کوئی جن۔ تو گویا ان کا اچھوتا ہونا یہی ان کی سب سے بڑی تعریف ہے اور مدح۔

باب ۱۱۹ تنزیہ نکاح العجائز والثیب ذات الولد!

۲۶۰ ح ۱ ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اخبرنی شیخ من اهل المدینة عن زید بن ثابت انه جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال له هل تزوجت قال لا قال تزوج تستعف مع عفتك ولا تزوجن خمسا قال ما هن قال لا تزوجن شهبرة ولا لهبرة ولا نهبرة ولا هيدرة ولا لفوتا قال زيد يا رسول الله لا اعرف شيئا مما قلت قال بلی اما الشهبرة فالزرقاء البذية واما النهبرة فالطويلة المهزولة واما اللهبرة فالعجوز المدبرة واما الهيدرة فالقصيرة

باب۔ اس بیان میں کہ بوڑھی اور رانڈ مطلقہ۔ بچہ والی عورتوں کے نکاح سے اجتناب کیا جائے!

حضرت زید بن ثابت رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم نے نکاح کیا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جیسی عفیف پاکدامن عورت ڈھونڈو۔ اور پانچ قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرنا حضرت زید نے پوچھا وہ کون سی ہیں۔ آپ نے فرمایا نہ نکاح کرو شہبرہ سے نہ نہبرہ سے نہ لہبرہ سے۔ نہ ہیدرہ سے۔ اور نہ لفوت سے۔ اس پر حضرت زید بولے یا رسول اللہ جو الفاظ آپ نے ارشاد فرمائے ان میں سے ایک کے معنی بھی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا تو اچھا شہبرہ کرنجی موٹی بدن کی۔ نہبرہ لمبی بہت دبلی۔ لہبرہ بوڑھی جذبات شہوانی سے خالی۔ ہیدرہ ہونی بدشکل اور لفوت وہ

الذميمة واما اللفوت فذات الولد من غيرك قال الشيباني ضحك ابو حنيفة من هذا الحديث طويلاً۔

جو دوسرے خاوند سے بچہ لائے۔ شیبانی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح اس حدیث سے دیر تک ہنستے رہے۔

ف:۔ یہ نہی تنزیہی ہے اور استحبابی جس طرح کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنے کا امر استحبابی ہے۔ کیونکہ خود آنحضرت کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ رض کے تمام ازواج ثیبہ تھیں حضرت سودہ فربہ لمبے قد والی تھیں اور حضرت خدیجہ بوڑھی تھیں۔ چالیس برس کی عمر میں آنحضرت کے نکاح میں آئیں اور ساٹھ برس سے زائد مدت تک بقید حیات رہیں اور آنحضرت کے نکاح میں۔ پھر حضرت خدیجہ اور حضرت ام سلمہ ہر دو اپنے پچھلے خاوندوں سے اولادیں لائی تھیں۔

باب ۱۲۰ اجتناب عن نكاح العقيم!

ابو حنيفة عن عبد الملك عن رجل شامي عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاه رجل فقال يا رسول الله اتزوج فلانة فنهاه عنها ثم اتاه ايضاً فنهاه عنها ثم اتاه فنهاه عنها ثم قال سوداء ولود احب الي من حسناء عاقر۔

باب۔ بانجھ عورت سے نکاح کرنے سے اجتناب کے بیان میں!

۱۶۱/۱ ایک رجل شامی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور آپ سے پوچھا یارسول اللہ کیا میں فلاں عورت سے نکاح کر دوں۔ آپ نے اس کو اس سے روکا۔ پھر وہ آپ کے پاس آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ پھر وہ آپ کے پاس آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ اور فرمایا کالی بچے دینے والی مجھ کو زیادہ پسند ہے خوبصورت بانجھ سے۔

ف:۔ کیونکہ آنحضرت کو علم تھا کہ جس کے بارے میں استفسار کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ وہ جمیلہ ہے اور خوبصورت مگر بانجھ ہونے کا وہ عیب رکھتی ہے۔ اس لئے آنحضرت نے اس کو اس عورت کے نکاح سے باز رکھا۔ بعد تیسری بار آنجناب نے اس حکم امتناعی کی وجہ کھولی اور فرمایا کہ میں کالی بچہ جننے والی کو حسین بانجھ پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور یہ ترجیح اس فلسفہ پر مبنی ہے کہ نکاح کا مقصد اصلی درحقیقت بقائے نسل ہے۔ نہ محض شہوت رانی اور اس مقصد کے حصول کے لئے بچہ جننے کی صفت سب سے پہلے مدنظر رہے نہ حسن و جمال اگر صرف تقاضائے خواہش نفسانی مدنظر ہوتی تو حسن و جمال کو ترجیح دی جاتی۔

باب ۱۲۱ شوم المرأة!

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة قال تذاكر الشوم ذات يوم عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال

باب عورت کے منحوس ہونے کے بیان میں!

۱۶۲/۱ حضرت ابن بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نحوست کا ذکر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ نحوست تین میں ہے۔ گھوڑے میں

الشؤم فی الدار والفرس والمرأۃ فشؤم الدار ان تکون ضیقۃ لھا جیران سوء وشؤم الفرس ان تکون جموحًا وشؤم المرأۃ ان تکون عاقرًا زاد الحسن بن سفیان سیئۃ الخُلُق عاقر۔

اور عورت میں۔ گھر کی نحوست یہ کہ تنگ ہو اور پڑوسی بُرے ہوں۔ گھوڑے کی نحوست یہ کہ سرکش ہو۔ اور عورت کی نحوست یہ کہ بانجھ ہو۔ حسن بن سفیان نے (اپنی مسند میں) اس میں زیادتی کی اور کہا کہ بدخلق ہو اور بانجھ۔

وفی روایۃ ان یکن الشؤم فی شئ ففی الدار والمرأۃ والفرس فاما الدار فشؤمھا ضیقھا واما المرأۃ فشؤمھا سوء خُلُقھا وعقر رحمھا واما شوم الفرس فان تکون جموحًا۔

اور ایک روایت میں ہے اس طرح ہے۔ کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہے تو گھر۔ عورت اور گھوڑے میں ہے۔ گھر کی نحوست اس کی تنگی ہے۔ عورت کی نحوست اس کی بدخلقی اور بانجھ پنا ہے۔ گھوڑے کی نحوست اس کا سرکش اور منہ زور ہونا ہے۔

ف: حدیث ذیل کی ہر دو روایات مختلف کتب صحاح میں وارد ہیں۔ اس کے تحت میں مسئلہ نحوست قابل تشریح ہے اور محتاج بیان کیونکہ اس کے بارہ میں روایات مختلف الفاظ سے وارد ہیں اور علماء کی آراء بھی آپس میں مختلف۔ بعض روایات میں صاف وارد ہے کہ نحوست گھر۔ گھوڑے۔ عورت ہر سہ اشیا میں ہے۔ جس طرح امام صاحب کی پہلی روایت میں ہے اور بعض میں تعلیق و شرط کے ساتھ جس طرح دوسری روایت میں ہے اس کی تشریح میں علما مختلف الرائے ہیں۔ بعض کے نزدیک ان الفاظ سے نحوست کا ثبوت ہے کہ نحوست کسی چیز میں نہیں مگر ان تین میں اور بعض کے نزدیک اس سے نحوست کا ثبوت نہیں گویا ان کے نزدیک فرض و تقدیر کی صورت ہے۔ کہ اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی۔ لیکن چونکہ اس کا وجود نہیں تو ان میں بھی نہیں۔ یہ بالکل ایسا ہے کہ کہا گیا لو کان شئی سابق القدر لسبقتہ العین کہ اگر کوئی شے قضا و قدر سے سبقت کرتی تو نظر بد اس سے سبقت کرتی۔ حضرت ابن عربی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شوم کو کسی چیز میں پیدا کرتا تو ان اشیاء میں پیدا کرتا ماذری نے اس کی یوں تشریح کی ہے کہ اگر شوم حق ہوتی تو یہ اشیاء اور اشیاء کے لحاظ سے اس کی زیادہ حقدار تھیں۔ کہ ان میں نفس کو شوم ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس ذہنی روایت کی تشریح وہ روایت کرتی ہے جس میں صاف طور سے نحوست کا ثبوت ہے۔ مثلاً یہاں روایت اول میں یا مسلم میں انما الشوم فی الثلاثۃ کے الفاظ سے۔ یا بخاری میں کتاب النکاح میں ابن عمر رض سے الشوم فی الدار والمرأۃ والفرس کے الفاظ سے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ شوم و نحوست سے کیا مراد ہے اس کے حقیقی اور ظاہری معنی کہ یہ ہر سہ نامبارک ہیں اور ہلاکی و تباہی کا باعث۔ یا یہ کہ یہ تینوں چیزیں تکلیف و پریشانی اور عاقبت میں نتیجہ بد کا سبب بنتی ہیں۔ پہلے خیال کی روایت مالک سے ہے چنانچہ ابوداؤد میں ابن قاسم سے روایت کرتے ہیں اور وہ مالک سے کہ انہوں نے اس کی تفسیر میں کہا کتنے گھر ایسے ہیں کہ لوگ اس میں آباد ہوئے۔ اور ہلاک ہو گئے پھر دوسرے آ بسے وہ بھی ہلاک ہو گئے پھر کہا کہ ہمارے نزدیک اس کی یہی تفسیر ہے۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ یہ نحوست قضا و قدر سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے خلاف ہو۔

Marfat.com

اصحاب دوسرے خیال کے حامی ہیں وہ اپنے سامنے مختلف روایات رکھتے ہیں جن سے شوم کی تفسیر ملتی ہے اس تفسیر میں بھی روایات مختلف اللفظ ہیں۔ حدیث ذیل میں شوم کی جو تفسیر ہے وہ سامنے بعض سے یوں نقل ہے کہ گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ کیا جائے۔ اور عورت کی نحوست یہ کہ اس کا مہر بہت بھاری ہو۔ طبرانی میں حضرت اسماء کی حدیث میں یوں ہے ان من شقاء المرء فی الدنیا سوء الدار والمرأۃ والدابۃ کہ انسان کی بدبختی دنیا میں گھر۔ عورت اور سواری کا برا ہونا ہے اس سے شوم کی مزید وضاحت ہوئی۔ امام احمد حضرت سعد بن وقاص سے مرفوع روایت لائے ہیں من سعادۃ ابن آدم المرأۃ الصالحۃ والمسکن الصالح والمرکب الصالح ومن شقاء ابن آدم ثلثۃ المرأۃ السوء والمسکن السوء والمرکب السوء کہ انسان کی نیک بختی تین چیزوں سے ظاہر ہے پارسا عورت۔ آسائش کا گھر اور آرام دہ سواری۔ اور اس کی بدبختی تین چیزوں سے بری عورت۔ برا مکان اور بری سواری۔ گویا انسان کی خوشحالی و بدحالی کا راز ان ہی اشیا کی اچھائی برائی میں مضمر ہے۔ اگر یہ چیزیں اچھی ہیں تو اس کا نصیب کھلا۔ زندگی خوشگوار ہوئی اور زندگی کے دن فراغت سے کٹے ورنہ قسمت پھوٹی۔ برے دن سامنے آئے تکلیفوں کا میدان سامنے کھلا۔ عورت سے زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ خوش نصیبی کا مدار اس پر کیوں نہ ہو۔ گھر میں ہر وقت کا رہنا بسنا اگر اس میں تنگی وغیرہ کے باعث تکلیف ہو تو زندگی تلخ ہے اور ہر وقت کا سوہان روح۔ سواری سے ہر وقت کا سابقہ ہوا اگر وہ منہ زور ہے تو یہ سواری نہیں ہے بلکہ مصیبت کی نشانی ہے اور جی کا جنجال غرض ان تمام تفاسیر کی رو سے شوم کا اطلاق اسی شے پر ہوا جس کو انسان ناپسند کرے۔ وہ اس کی طبیعت کے ناموافق ہو اور آگے چل کر اس کے لئے خلجان کا سبب بنے۔ ارشاد الساری میں شیخ تقی الدین السبکی کا یہ کلام نقل ہے کہ ان اشیا کے ساتھ نحوست یوں مخصوص فرمائی کہ ان کی طرف سے عادتاً فتنہ کا احتمال ہے نہ یہ جیسا کہ بعض سمجھ گئے ہیں کہ ان ہی میں کچھ تاثیر ہے۔ یا ان کو قضا و قدر میں دخل ہے کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ اس کو نری جہالت سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ شریعت نے ایسے شخص کو جو بچھڑنے یا الو بولنے کا قائل ہو کافر ٹھہرایا ہے تو جو بدفالی کی نسبت عورت کی طرف کرے وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہوا۔ البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ قضا و قدرت سے موافق ہو جاتا ہے اور یوں آدمی کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے تو انسان اس کو چھوڑ دے نہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ برائی اس سے سرزد ہوئی ہے۔

باب ۱۲۲ استیذان بکر و ثیب!

باب۔ کنواری اور بیوہ عورت سے اجازت لینے کے بیان میں!

۲۶۲ ابوحنیفۃ عن عطاء عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر لفاطمۃؓ ان علیاً یذکرک۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ علی تمہارا ذکر کرتے ہیں (یعنی تمہارے لئے پیغام بھیجتے ہیں)

ف:۔ یہ مرضی طلب کرنے اور اذن و اجازت حاصل کرنے کا نہایت مہذب طریقہ ہے۔ جو پیغام

منگنی کے وقت ضروری امر ہے۔ صاف اور کھلے الفاظ میں استفسار کرنے سے حجاب مانع ہوتا ہے۔

٢٦٤/٢ **ابوحنیفة** عن شیبان عن یحیی عن المهاجر عن ابی هریرة رض قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اراد ان یزوج احدی بناته یقول ان فلانا یذکر فلانة ثم یزوجها۔

حضرت ابی ہریرہ رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ارادہ فرماتے کہ اپنی کسی صاحبزادی کا کسی سے نکاح کریں تو فرماتے کہ فلاں شخص (اس کا نام لیکر) فلاں کا (یعنی اپنی صاحبزادی کا) ذکر کرتا ہے۔ پھر صاحبزادی کی طرف سے اس پر سکوت پانے پر) ان کا نکاح اس شخص سے کر دیتے۔

وفی روایة عن ابی هریرة رض قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا زوج احدی بناته اتی خدرها فیقول ان فلانا یذکر فلانة ثم یزوجها۔

ایک روایت میں حضرت ابی ہریرہ رض سے یوں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی صاحبزادی کو کسی کے نکاح میں دینا چاہتے تو ان کے پردہ کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں کا (یعنی اپنی صاحبزادی کا نام لیتے) ذکر کرتا ہے۔ پھر ان کا نکاح ان صاحب سے پڑھا دیا کرتے۔

وفی روایة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا خطب الیه ابنة من بناته اتی خدرها فقال ان فلانا یذکر فلانة ثم ذهب فانکح۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جب آپ کی کسی صاحبزادی کا پیغام منگنی آپ کے پاس آتا تو آپ ان کے پردے کے پاس تشریف لے جاتے۔ اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں کا ذکر کرتا ہے۔ پھر (خائبانہ) اپنی صاحبزادی کا نکاح پڑھا دیا کرتے۔

ف:۔ گویا اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلہ میں آنجناب کا یہی طریقہ تھا جس پر عمل رہا۔

٢٦٥/٣ **ابوحنیفة** عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد الله ان عائشة زوجت یتیمة کانت عندها فجهزها رسول الله صلی الله علیه وسلم من عنده۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رض سے روایت ہے کہ عائشہ رض نے نکاح کیا ایک یتیم بچی کا جو آپ کے پاس تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس سے جہیز دیا۔

ف:۔ آنجناب نے اپنے اخلاق کریمانہ سے یتیمہ کا جہیز خود بنفس نفیس مہیا فرما دیا۔

باب [۱۲۳] استیمار البکر و استیذان الثیب

باب۔ اس بیان میں کہ باکرہ کی مرضی لی جائے اور ثیبہ سے اجازت

٢٦٦/١ ابوحنیفة عن شیبان بن عبد الرحمن عن یحیی بن ابی کثیر عن المهاجر بن عکرمة عن

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باکرہ کا نکاح نہ کیا جا

ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنكح البكر حتى تستأمر ورضاها سكوتها ولا تنكح الثيب حتى تستأذن ۔

وفی رواية لا تزوج البكر حتى تستأمر ورضاها سكوتها ولا تنكح الثيب حتى تستأذن ۔

وفی رواية لا تنكح البكر حتى تستأمر وإذا سكتت فهو اذنها ولا تنكح الثيب حتى تستأذن ۔

جب تک اس کی رضامندی نہ لے لی جائے اور اس کی خاموشی ہی اس کی رضامندی ہے۔ اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا جب تک اس سے اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔

ایک روایت میں ہے نہ نکاح کیا جائے باکرہ کا تاوقتیکہ اس کی مرضی حاصل نہ کر لی جائے اور اس کا سکوت ہی اس کی مرضی ہے اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا تا آنکہ اس سے اجازت نہ لی جائے ۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ نہ نکاح کیا جائے باکرہ کا جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے اور جب وہ چپ ہو گئی تو یہی اس کی اجازت ہے۔ اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا جب تک اس سے اجازت نہ حاصل ہو ۔

ف: صحاح ستہ میں یہ حدیث وارد ہے۔ اس سلسلہ میں ایک نقطہ پر ائمہ کا زبردست اختلاف ہے جس کا مشرح بیان اور مناسب تشریح متصل حدیث میں آ رہی ہے ۔

باب ۱۲۳ عدم جواز النكاح بغير رضا المرأة!

باب۔ اس بیان میں کہ بغیر رضامندی عورت کے نکاح جائز نہیں!

ابو حنيفة عن عبد العزيز عن مجاهد عن ابن عباسؓ ان امرأة توفى عنها زوجها ثم جاء عم ولدها فخطبها فابى الاب ان يزوجها وزوجها من الآخر فاتت المرأة النبى صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فبعث الى ابيها فحضر فقال ما تقول هذه قال صدقت ولكنى زوجتها ممن هو خير منه ۔ ففرق بينهما وزوجها عم ولدها ۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔ اس کے دیور نے اس کے لئے پیغام منگنی بھیجا۔ مگر (عورت کا) باپ اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اس کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے دیا۔ تو عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ اور آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس کے باپ کو بلوایا۔ وہ آیا۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ یہ عورت کیا کہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سچ کہتی ہے۔ مگر میں نے اس کا نکاح ایسے سے کیا ہے۔ جو اس کے دیور سے بہتر ہے۔ اس پر آنحضرت صلعم نے شوہر و بیوی میں تفریق کرا دی۔ اور اس کا نکاح اس کے بچے کے چچا سے جس پر وہ راضی تھی کرا دیا ۔

Marfat.com

وفی روایۃٍ عن ابن عباسؓ اَنَّ اسماء خطبھا عمّ ولدھا و رجل اٰخر الیٰ ابیھا فزوّجھا من الرّجل فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فاشتکت ذٰلک الیہِ فنزعھا مِنَ الرّجل وزوّجھا عمّ ولدِھا۔

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ اسماء کو مانگا اس کے دیور اور ایک اور شخص نے اس کے باپ سے۔ اس کے باپ نے دیور کے علاوہ دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے اس بات کی شکایت کی۔ لہٰذا آپ نے اس شخص سے چھڑا کر اس کے دیور سے اس کا نکاح کر دیا۔

وفی روایۃ ان امرأۃ تُوفّیَ عنھا زوجھا فخطبھا عمّ ولدھا فزوّجھا ابُوھا بغیر رضاھا مِنْ رجل اٰخر فاتت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فذکرت ذٰلک لہٗ فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ازوجتھا بغیر رضاھا قال زوّجتُھا مِمّن ھو خیرٌ مِنہُ ففرّق النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم بینھا وبین زوجھا وزوّجھا مِنْ عمّ ولدھا۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔ تو اس کے دیور نے اس کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا۔ اور باپ نے عورت کی بلا مرضی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ لہٰذا وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے قصہ بیان کیا۔ آپ نے اس کے باپ کو طلب فرمایا۔ اور اس سے فرمایا کہ کیا تو نے اس کا (اپنی لڑکی کا) نکاح اس کی بغیر رضامندی کے دیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کا نکاح ایسے کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر اور زوجہ کے درمیان تفریق کرادی۔ اور اس کا نکاح اس کے دیور سے کرادیا۔

وفی روایۃٍ انّ امرأۃ توفّی عنھا زوجھا ولھا منہ ولدٌ فخطبھا عمّ ولدھا الی ابیھا فقالت زوّجنیہِ فابٰی وزوّجھا مِنْ غیرہ بغیر رضیً منھا۔ فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ذٰلک لہ فسألہ عن ذٰلک۔ فقال نعم زوّجتُھا من ھو خیرٌ من عمّ ولدھا۔ ففرّق بینھما وزوّجھا مِنْ

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر چکا تھا۔ اور اس سے اس کا ایک لڑکا تھا۔ تو دیور نے اس کے باپ کے پاس اس کے لئے پیام منگنی بھیجا۔ اس عورت نے اپنے باپ سے کہا میرا نکاح اس سے کر دو۔ اس کے باپ نے اس سے انکار کیا اور اس کے خلاف مرضی کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور آپ کو پورا قصہ کہہ سنایا۔ آپ نے اس کے باپ سے واقعہ کی تصدیق فرمائی۔ اس نے کہا۔ جی بے شک میں نے اس کا نکاح اس کے دیور سے بہتر آدمی کے ساتھ کر دیا ہے۔ لہٰذا آنجناب نے شوہر بیوی میں تفریق کرادی۔ اور اس عورت کا نکاح

عضلوها ۔ اس کے [illegible] کر دیا۔

ف: حدیث ذیل کے ماتحت ایک امر اختلافی محتاج تشریح ہے۔ وہ یہ کہ اگر عورت بالغہ، عاقلہ ہو تو اس کا اپنا خود نکاح کر لینا جائز ہے یا نہیں۔ امام شافعی عدم جواز کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ جواز کے مگر ان کے نزدیک ولی کو غیر کفو میں دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ ہر سہ ائمہ قرآن سے بھی دلیل لاتے ہیں اور حدیث نبوی سے بھی اور عقل و درایت سے بھی اس کو حق ثابت کرتے ہیں۔ قرآن سے اس طرح کہ اولیاء کو حکم ہوا فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن کہ عورتوں کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو معلوم ہوا کہ ولیوں کو نکاح کرانے کا حق کلی حاصل ہے۔ جب ہی تو ان کو حکم ہوا کہ وہ ان کو نکاح کرنے سے نہ روکیں۔ ورنہ اگر وہ مختار نہ ہوتے تو ان کو منع کرنے کے کیا معنی تھے۔ روایت کے میدان میں کئی احادیث سے دلیل لاتے ہیں جن میں چیدہ دو ہیں ایک ابی موسیٰ کی مرفوع حدیث جس کو ترمذی وغیرہ بایں الفاظ لائے ہیں لا نکاح الا بولی کہ بغیر ولی کے کوئی نکاح نہیں۔ دوسری حضرت عائشہ رض کی مرفوع حدیث جس کو ابو داؤد و نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی لائے ہیں اس کا مضمون ہے کہ جس عورت نے بغیر اجازت ولی اپنا نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تین مرتبہ آنحضرت نے اس کو دہرایا۔ عقل و درایت کی رو سے یوں کہ نکاح کی مقاصد کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ نسل باقی رہے پھلے پھولے خانگی نظام قائم ہو اور صلاحیت پذیر ہو۔ بغرض طمانیت [illegible] کرو۔ اور عورت چونکہ ناقص العقل ٹھہری۔ وہ عاقبت اندیشی اور دوراندیشی سے عام طور پر عاجز۔ اس لئے انتخاب زوج کا بار اس پر ڈالنا کہ وہ ایسے شوہر کو چنے جس سے یہ مقاصد حاصل ہوں قرین قیاس نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی بہترین ترجمانی ہے۔

امام ابو حنیفہ رح کے مذہب پر بھی قرآن، حدیث، و قیاس سے حجت لائی جاتی ہے۔ قرآن سے اس طرح کہ فرمایا حتی تنکح زوجا غیرہ کہ اس میں نکاح کی نسبت صاف لفظوں میں عورت کی طرف ہوئی کہ وہ مختار ہے۔ جب ہی تو فعل نکاح کی فاعل ٹھہرائی گئی۔ یا فرمایا ان ینکحن ازواجهن کہ نکاح کریں اپنے خاوندوں سے۔ یا ارشاد ہوا فلا جناح علیهن فیما فعلن فی انفسهن کہ ان پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں جو وہ اپنی ذات میں کریں کہ ان سب آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہوئی جس سے اس بارہ میں ان کے اختیار کی ترجمانی ہوتی ہے۔ روایت کے ذیل میں حدیث ذیل ہی ایک حجت ہے کہ آنحضرت نے نکاح رد کرا دیا۔ [illegible] اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ابن قطان نے لکھا ہے کہ ابن عباس کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ عورت خنساء بنت خذام تھیں جن کی حدیث بخاری لائے ہیں کہ اس کا نکاح آنحضرت نے رد فرما دیا [illegible] خنساء ثیبہ تھی اور یہ باکرہ۔ بلکہ بعض نے خنساء کو بھی باکرہ بتایا ہے۔ چنانچہ نسائی [illegible] اپنی جگہ صحیح ہو اور واقعہ متعدد ہو [illegible] دارقطنی ابن عباس سے حدیث لائے ہیں [illegible] اور ثیبہ کا نکاح رد فرما دیا [illegible] دوسری قسم دلیل مذہب [illegible] وارد ہے الایم احق بنفسها من ولیها [illegible]

Marfat.com

وہ باکرہ ہو یا ثیبہ خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ جب اس کے معنی حقیقی مراد لیتے ہیں کوئی قباحت نہیں تو بکر کے مقابلہ میں اس کے معنی مجازی ثیبہ کیوں مراد لیں۔ جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ گویا ولی کو نکاح پڑھانے اور نکاح باندھنے کا جو حق حاصل ہے اس میں یہ بھی اس کے ساتھ شریک ہے۔ بلکہ احقیت کے ساتھ۔ اور اس سے بھی پختہ اور ناقابل رد دلیل خود آنحضرت کے عمل کی ہے کہ بوقت نکاح ام سلمہ جب حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ حضور میرا کوئی ولی نہیں تو آپ نے فرمایا کہ حاضر یا غائب تمہارا کوئی ایسا ولی نہیں جو اس امر کو ناپسند کرے۔ پھر عمر بن ابی سلمہ کو حکم دیا جو بالاتفاق چھوٹے تھے اور ولایت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ کہ وہ نکاح پڑھائیں۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم کی۔ اگر ولی کی موجودگی انعقاد نکاح کے لئے لابدی ہوتی تو ام سلمہ کا نکاح کیسے صحیح ہوتا۔ لہٰذا ان معقول دلائل کے ماتحت مذہب حنفیہ ہی قابل ترجیح ہے۔ اب مذہب مخالف کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن میں ان کو سراسر دھوکہ لگا ہے۔ کیونکہ وہاں اولیاء کو حکم نہیں کہ انکے خیالات کی ساری کڑیاں بجھتی چلی جائیں۔ بلکہ خاوندوں کو ہے۔ کلام خود بتاتا ہے کہ اس سے پہلے فرمایا۔ وإذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن لہٰذا یہاں اولیاء مراد لینا نص قرآنی کے خلاف ہے۔ احادیث کے سلسلہ میں یوں سمجھئے کہ ہر دو احادیث باعتبار سند مخدوش ہیں اور محل کلام۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے ضعف کی طرف خود ترمذی نے زہری کے حوالے سے اشارہ کیا ہے۔ اس میں سلیمان بن موسیٰ ہے۔ جس کو بخاری نے ضعیف بتایا ہے۔ نسائی نے کہا کہ اس کی حدیث میں سقم ہے۔ اسی طرح حدیث ابی موسیٰ میں اہل علم نے کلام کیا ہے بخلاف ان احادیث کے جو مذہب حنفیہ کے ثبوت میں پیش ہوئیں کہ صحیح ہیں۔ اب ان کی قیاس آرائی کا جواب تو وہ یہ ہے کہ تصرفات معاملات میں اختیار کا مدار بلوغ پر ہے۔ کیونکہ بلوغ کے بعد انسان اپنے تمام مصالح و مفاد کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ البتہ غیر کفو میں عورت کی سوء تدبیری کا شبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں ولی کو دخل اندازی کا حق دیا گیا۔

باب ۱۲۵ امتناع الجمع بين المرأة وعمتها وخالتها

باب اس بیان میں کہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا

۲۶۸ **ابوحنیفة** عن عطية العوفي عن ابي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تنكح المرأة على عمتها وخالتها ۔

حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کیا جائے۔

ف: یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ اور یہ مصلحت پوشیدہ کہ شریعت اسلام میں قطع رحمی سخت ممنوع ہے اور یہ شدید ترین دشمنیاں آتی ہیں اور اگر کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح میں لایا جائے تو رشتہ قرابت داری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا گیا۔ اور ایک دائمی دشمنی کا بیج بو دیا کیونکہ سوتنوں میں آپس میں بغض و کینہ ... فطری چیز ہیں جو رشتہ کی جڑ کاٹ دیتی ہیں چنانچہ طبری کی روایت میں ...

Marfat.com

ساتھ یہ ٹکڑا بھی زائد ہے جو اس حکم کی وجہ کھولتا ہے کہ آپ نے فرمایا فانکم اذا فعلتم ذالک فقد قطعتم ارحامکم یعنی اس لئے کہ جب تم نے ایسا کیا تو گویا تم نے اپنے رحم کے رشتے کو کاٹ دیا۔

دادا اور پردادا کی بہنیں اور نانی اور پرنانی کی بہنیں بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ علماء نے اس کے لئے یہ ضابطہ نکالا ہے کہ ہر دو ایسی عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو مرد فرض کیا جائے تو ان دونوں میں نکاح حرام ہو۔

رضاعی رشتے سے پھوپھیاں اور خالائیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

ابوحنیفة عن الشعبي عن جابر بن عبد الله وابي هريرة قالا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها ولا تنكح الكبرى على الصغرى ولا الصغرى على الكبرى ۔ ۲۶۹/۲

حضرت جابر بن عبداللہ اور ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت سے اس کی پھوپھی اور خالہ پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ نکاح کیا جائے بڑی عمر والی سے چھوٹی عمر والی پر اور چھوٹی عمر والی سے بڑی عمر والی پر۔

ف: یہ حدیث صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت کی عظمت [illegible] جلیل القدر والشان صحابہ سے بہ طرق صحیحہ مروی ہے۔ لہٰذا اس سے کتاب پر زیادتی جائز ہے۔ گویا آیت واحل لکم ما وراء ذلکم [illegible] میں اس سے تخصیص کی جا سکتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ آیت کا عموم بہر حال [illegible] وغیرہ سے مخصوص ہے [illegible] لہٰذا یہ اگر خبر واحد ہوتی تو بھی اس سے تخصیص کی جا سکتی تھی [illegible]

باب ۱۲۶ حرمة المتعة

باب متعہ کی حرمت میں!

ابوحنیفة عن الزهري عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعة ۔ ۲۷۰/۲

حضرت انس [illegible] سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ سے۔

ف: متعہ [illegible] کسی عورت سے [illegible] کی مدت مقرر کر کے نکاح کیا جائے [illegible] اس کو یوں کہا گیا کہ اس میں محض تمتع اور وقتی لطف اندوزی کی غرض کار فرما ہوتی [illegible] توالد و تناسل یا خانگی نظام کی [illegible] پیش نظر نہیں ہوتے [illegible]

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر عن المتعة ۔ ۲۷۱/۲

حضرت ابن عمر سے روایت ہے [illegible] منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ سے۔

ف: حضرت علی کی حدیث میں بھی [illegible] اور [illegible] اصحاب [illegible] ابوداؤد [illegible] اس میں گدھوں کے گوشت کی حرمت بھی ساتھ ساتھ ثابت ہے۔

ابوحنیفة عن محارب عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن متعة النساء ۔ ۲۷۲/۲

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ [illegible] نے [illegible] سے منع فرمایا۔

ف: متعہ کے بارے میں [illegible]

سے پیوستہ حدیث میں آرہی ہے۔

۲۷۳ ح۴ ابو حنیفۃ عن الزھری عن رجلٍ من اٰل سبرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن متعۃ النساء یوم فتح مکۃ وفی روایۃٍ عام الفتح۔

آل سبرہ کے ایک شخص سے جو غالباً ربیع بن سبرۃ ہیں۔ جیسا کہ ابو داؤد کی روایت سے پتہ چلتا ہے، روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال۔

ف:۔ متعہ نساء کہہ کر متعہ حج سے تمیز پیدا کی ہے۔ کیونکہ اس پر بھی لفظ متعہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

۲۷۴ ح۵ ابو حنیفۃ عن یونس بن عبداللہ عن ابیہ عن ربیع بن سبرۃ الجھنی عن ابیہ قال نھیٰ رسول اللہ صلعم عن متعۃ النساء یوم فتح مکۃ۔

حضرت سبرۃ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن۔

وفی روایۃٍ نھیٰ عن المتعۃ عام الحج۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے منع فرمایا متعہ (النساء) سے حج کے سال۔

وفی روایۃٍ نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن متعۃ النساء یوم الفتح۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن۔

ف:۔ مسئلہ متعہ میں تحقیق حسب ذیل ہے۔ بعض غزوات میں لوگوں نے آنحضرتؐ سے خصی ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور ان کو متعہ کی اجازت دی۔ پھر آگے چل کر متعہ سے ہمیشہ ہمیش کے لئے ممانعت فرمادی۔ اور اب امت مسلمہ کا اسی پر اتفاق ہے محض فرقہ شیعہ کو اس میں اختلاف ہے اور وہ اس کو اب بھی جائز جانتے ہیں صحابہ میں کچھ عرصہ اس مسئلہ میں اختلاف رہا۔ مگر اکثر حرمت ہی کی قائل رہی پھر حضرت عمرؓ کی خلافت میں سب کا اس کی حرمت پر اجماع ہوگیا۔ اس کے بعد کسی اہل سنت وجماعت کو اس میں مجال گفتگو بھی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اس کی حرمت وحلت کے بارہ میں روایات وارد ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ دو سے زائد مرتبہ حلال وحرام ہوا۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ صرف دو ہی مرتبہ یہ حلال ہوا۔ اور دو ہی مرتبہ یہ حرام ہوا۔ اور پھر جب آخری مرتبہ یہ حرام ہوا تو ہمیشہ ہمیش کے لئے۔ یعنی یوم خیبر سے پہلے یہ حلال تھا۔ اور یوم خیبر میں یہ حرام ہوا۔ فتح مکہ کے دن یہ حلال ہوا اور تین دن کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام ہوگیا۔ اور حجۃ الوداع میں یہ پچھلی ثابت شدہ حرمت پر محض تاکید تھی۔ اور اس کا ایک عام قطعی اعلان نہ یہ کہ اس کو اس روز حرام ٹھیرایا گیا۔ صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ اور جابر یا چند اور کو اس میں کچھ دن اختلاف رہا۔ مگر حضرت ابن عباس رضؓ نے اپنے خیال سے رجوع فرمالیا۔ جیسے کچھ ترمذی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ متعہ آغاز اسلام میں جائز تھا۔ ایک شخص اپنی شہر میں آتا جہاں اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی تو وہاں کسی عورت سے کچھ مدت کے لئے نکاح کرلیتا یعنی جب تک قیام کا ارادہ ہوتا۔ وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی چیز بھی ٹھیک

Marfat.com

کرتی - یہاں تک کہ آیت الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم اتری - پھر ابن عباس رض نے فرمایا - تو اب ان کے علاوہ ہر فرج حرام ہے - اور جابر بن زید ابو الشعثاء نے روایت کی ہے کہ ابن عباس دنیا سے نہیں گئے - مگر کہ انہوں نے دو چیزوں سے رجوع فرما لیا - ایک صرف دوسرے متعہ سے - حضرت جابر کا واقعہ یہ ہے کہ ابن عبد البر نے بیان کیا ہے کہ جابر نے کہا کہ عمر رض کی نصف خلافت تک ہم متعہ کرتے رہے - پھر آپ نے لوگوں کو منع فرما دیا معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کو حرمت کی حدیث نہ پہنچنے پر اب بھی کچھ شک باقی رہا ہوگا - مگر حضرت عمر رض کے اعلان عام کے بعد کسی کو اس کی حرمت میں شک نہ رہا - یہ نہیں کہ حضرت عمر نے اپنے عہد میں اس کو اپنی رائے سے حرام کیا اب آیئے روایت کے میدان میں تو احادیث صحیحہ جو تواتر کی حد تک پہنچی ہیں اس کی حرمت ہی پر دال ہیں اور اس کے نسخ کو ثابت کرتی ہیں - مثلاً احادیث ذیل جو مختلف صحابہ سے مختلف طرق سے مروی ہیں - یا سبرۃ بن معبد الجہنی رض کی حدیث جو مسلم اور دیگر سنن میں باب الفاظ ان میں ہے نھی عن المتعۃ وقال الا انھا حرام من یومکم ھذا الی یوم القیامۃ کہ آپ نے متعہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ خبردار یہ آج کے دن سے قیامت تک حرام ہے یہ گویا فتح مکہ کے دن کی آخری حرمت ہے یا حضرت علی کی حدیث جو ترمذی میں ہے کہ آنحضرت نے منع فرمایا متعہ نساء سے اور گدھوں کے گوشت سے خیبر کے زمانہ میں - لہذا ثابت ہوا کہ متعہ کی حرمت قیامت تک باقی رہے گی - یہ خاص مجبوریوں اور خصوصی ضرورت کی بناء پر حلال کیا گیا تھا - کہ ادھر مجاہدین اسلام کا تجرد کا عالم اور اس کے فطری تقاضے اور ادھر سفر کی بے سرو سامانی اور جہاد کی پیش از بیش مشغولیتیں کہ ان الجھنوں میں سوائے اس عارضی رخصت کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا - چنانچہ آنحضرت نے ان حالات کے باعث وقتی اجازت مرحمت فرمائی - یہ نہیں کہ اب بھی اپنے وطنوں میں رہتے ہوئے اس حکم کو باقی جان کر جذبات شہوانی کے پورا کرنے کا ایک ناجائز راستہ کھولا جائے - اور شریعت کی آڑ میں زنا کاری کو آزادی دی جائے - چنانچہ حازمی نے بعینہ اسی بات کو ظاہر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کبھی اپنے گھروں وطنوں میں رہتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دی بلکہ خاص ضرورت کے ماتحت ایسی اجازت دی تھی پھر وہ بھی حجۃ الوداع میں موقع پر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اور اب سوائے شیعہ کے کسی کو متعہ کی حرمت میں شک نہیں ہے ٭

۲۷۵/۲ ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام غزوۃ خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ وعن متعۃ النساء ٭

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا غزوہ خیبر کے سال شہری گدھوں کے گوشت سے اور متعۃ النساء سے ٭

ف :- اس مسئلہ کی مناسب وضاحت پیچھے بحث میں گذری ٭

باب العزل! [۱۲۷]

باب عزل کے بیان میں!

۲۷۶/۱ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ والاسود ان عبد اللہ بن مسعود سئل عن العزل قال ان رسول اللہ صلی اللہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے عزل کے بارہ میں پوچھا گیا - تو آپ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جس جی کو پیدا کرنے کا ارادہ

علیه وسلم قال لوان شیئاً اخذ الله میثاقہ استودع صخرة لخرج ۔

عہد کیا جو پتھر میں بھی چھپائی ہے ۔ تو البتہ وہ نکل کر رہے گی (تو گویا عزل سے کوئی فائدہ نہیں) ۔

ف : امام احمد حضرت انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں اس مضمون سے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس پانی کو جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کسی چٹان پر ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بچہ پیدا کر دے گا ۔ عزل اس کو کہتے ہیں کہ عورت سے صحبت کرو تو جب انزال قریب ہو تو آلہ تناسل کو شرمگاہ سے نکال کر منی کو باہر خارج کیا جائے

مسئلہ عزل میں حنفیہ و مالکیہ اور شافعیہ کے مابین اختلاف ہے ۔ حنفیہ و مالکیہ آزاد عورت سے عزل بغیر اس کی اجازت کے مکروہ جانتے ہیں اور منکوحہ چھوکری میں بغیر اس کے آقا کی اجازت کے اور اپنی چھوکری میں بغیر کراہت کے عزل جائز خیال کرتے ہیں ۔ شافعیہ بغیر کراہت کے سب میں بلا امتیاز جائز قرار دیتے ہیں مگر یہ کہ اولاد سے بچنے کی غرض سے ہو تو اس وقت یہ ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے ۔ شافعیہ کی دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے جو بخاری میں مروی ہے بایں الفاظ کنا نعزل علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عزل کیا کرتے تھے ۔ یہ دوسرے طریق سے عطاء سے روایت ہے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ کنا نعزل والقرآن ینزل کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا ۔ حنفیہ و مالکیہ کئی احادیث سے حجت لاتے ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا تستامر الحرة وتعزل عن الامة کہ آزاد عورت سے اجازت چاہی جاتی ہے اور چھوکری سے عزل کیا جاتا ہے ۔ عبدالرزاق اور بیہقی ابن عباس رض سے روایت لائے ہیں انہوں نے نھی عن عزل الحرة الا باذنہا کہ انہوں نے آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل سے منع کیا ۔ بیہقی ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی چھوکری سے عزل کیا کرتے تھے اور آزاد سے اجازت چاہتے تھے ۔ ابن ماجہ حضرت عمر رض سے روایت نقل کرتے ہیں نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرة الا باذنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل کیا جائے ۔ مذہب حنفیہ کی بنا اس وجہ عقلی پر ہے کہ جماع دراصل عورت کا حق ہے اور تنفیس جماع وہ ہی مانا جاتا ہے جس میں عزل نہ ہو ۔ لہذا اگر اس کے خلاف یعنی عزل کی صورت مطلوب ہو تو صاحب حق یعنی عورت سے اجازت طلب کرنی ضروری ہے ۔ اب مسلم میں حدیث جذامہ میں جو یوں نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزل وأد خفی ہے ۔ یعنی یہ ایک چھوٹی قسم کا زندہ درگور کرنا ہے تو یہ عزل حرہ کے بارہ میں ہے کہ جماع کا زیادہ تر اطلاق اسی پر ہے ۔

باب ۱۲۸ اتیان النساء بای جهة کان

عورتوں کے پاس جس طرف سے بھی چاہیں آنا !

ح ۲۷۷ حماد عن ابی حنیفة عن ابی الهیثم عن یوسف ابن ماهك عن حفصة زوج النبی صلی الله علیه وسلم ان امرأة

حضرت حفصہ ام المومنین رض کہتی ہیں کہ ایک عورت نے ان کے پاس آکر کہا کہ میرا خاوند میرے پاس آتا ہے (مجھ سے وطی کرتا ہے) پہلو سے اور

انّھا فقالت ان زوجی یاتینی مجبّیۃ و مستقبلۃ فکرھتہ فبلغ ذٰلک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا بأس اذا کان فی صمامٍ واحدٍ۔

سامنے سے اور میں اس کو بُرا سمجھتی ہوں یہ بات آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں اگر ایک سوراخ میں ہے۔

ف: یہ گویا عورت سے ہر جہت سے وطی کرنے کی کھلی پروانگی ہے اور صاف اجازت جبکہ موضع وطی فرج ہو نہ دُبر۔ طبرانی میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں اقامت پذیر ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ عورتوں سے ان کی پشت کی جانب سے ان کی فرجوں میں وطی کریں۔ وہ اس پر راضی نہیں ہوئیں اور مذہبی قباحت کے خوف سے وہ ام سلمہ کے پاس آکر مسئلہ کو حل کرنا چاہا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے استفسار کیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انّی شئتم کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس جدھر سے چاہو اپنی کھیتی کے پاس آؤ۔ بخاری میں ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جو اپنی عورت سے اس کی پشت کی جانب سے وطی کرے تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نساؤکم حرث لکم الخ اتری۔

باب ۱۲۹ حُرمۃ وطی المرأۃ فی دُبُرھا

باب اس بیان میں کہ دُبر میں عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے!

حماد عن ابیہ عن حُمید الاعرج عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیان النساء نحو المحاش حرام۔

حضرت ابی ذرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷۸/۱
نے فرمایا کہ دبر کی جانب سے عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے (یعنی دبر میں)۔

ف: عورت کی دبر میں وطی کرنا اس حدیث سے حرام ثابت ہوا۔ [illegible] جو کچھ تحقیق ہے وہ متصل حدیث میں آرہی ہے۔ دراصل دونوں کی رو سے بھی یہ فعل نہایت مکروہ [illegible] ہے کہ ہر مزاج سلیم اور طبع مستقیم اس سے خود بخود نفرت کرتی ہے۔ اور اس کو ایک زبردست [illegible] ابن قیم نے اس کے نقصانات پر تفصیلی نظر ڈالی ہے۔ ہم ان میں سے چند [illegible] فعل کی حقیقی قباحت و برائی ظاہر ہو۔

اول تو یہ غلاظت و گندگی کے خارج ہونے کا خاص مقام ہے [illegible] غلاظت و گندگی ہی کی جگہ سے کیا علاقہ۔ اور کیا واسطہ بلکہ ایسے موقع پر تو [illegible] ہے۔ قطع نظر حکم شریعت کے ہر پاکیزہ طبع انسان اس سے فطرۃً متنفر ہے [illegible] میں عورت سے نزدیکی حرام ہوئی۔ کیونکہ گندگی کے اخراج کے دوران میں اس کو [illegible] وطی عورت کا حق [illegible] الاداء اور وہ حق اس شکل میں [illegible] کیونکہ فرج [illegible]

دیتی ہے جو طبیعت کے لئے راحت و خفت کا سبب بنتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ دبر میں یہ خاصیت نہیں۔ اس میں اخراج کی طاقت ہے۔ جذب کی نہیں۔ لہذا منی کا کچھ حصہ مرد کی منی کے راستہ میں رہ جاتا ہے جو کئی بیماریوں کا باعث ہوتا ہے۔ اور طبیعت میں بھی گرانی کا باعث بنتا ہے۔ پانچویں اس صورت میں رگوں پر خلاف فطری زور پڑتا ہے۔ جو رگوں کے لئے مضر ہے۔ اور اسی طرح دیگر معائب ہیں جن کا پتہ مبسوط کتب سے چل سکتا ہے۔ لہذا انہیں نقائص کے پیش نظر شریعت نے سخت انتہائی احکام سے اس فعل بد کا انسداد کیا ہے۔

۲۷۹/۲ **ابو حنیفۃ عن معن قال وجدت بخط ابی اعرفہ عن عبد اللہ بن مسعود قال نھینا ان ناتی النسآء فی محاشھن ٭**

حضرت عبد اللہ بن مسعود رض کہتے ہیں کہ ہم کو منع کیا گیا۔ کہ ہم عورتوں کے پاس آئیں اور ان سے جماع کریں ان کی دبر میں ٭

ف :۔ دبر میں وطی کرنا بروئے روایات صحیح حرام ہے۔ اور اس پر شریعت میں شدید تہدید اور سنگین دھمکیاں وارد ہیں۔ کہیں اس کو چھوٹی قسم کی لواطت کہا ہے۔ چنانچہ احمد و طحاوی عمرو بن شعیب کے واسطہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ سے ایسے شخص کے بارہ میں پوچھا گیا۔ جو عورت کی دبر میں وطی کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ چھوٹی قسم کا اغلام ہے۔ احمد ابو داؤد و نسائی وغیرہ حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا۔ کہ وہ شخص ملعون ہے جو عورت کی دبر میں وطی کرے۔ ترمذی۔ احمد حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں کہ جو شخص حیض والی عورت کے پاس آیا۔ یا اس نے عورت کی دبر میں وطی کی یا کاہن کے پاس آیا۔ اور اس کی تصدیق کی تو وہ اس چیز کے ساتھ کافر ہوا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔ اور صحاح میں یہ بھی ہے لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی رجل اتی امراۃ فی دبرھا۔ کہ اللہ قیامت کے روز ایسے شخص کی طرف نہیں دیکھے گا۔ جس نے اپنی عورت کی دبر میں وطی کی۔ انہیں احادیث کے پیش نظر تقریباً تمام صحابہ اس کی حرمت کے قائل تھے۔ صحابہ میں حضرت ابن عمر رض کا خلاف منقول ہے۔ چنانچہ بخاری میں آیت فاتوا حرثکم کی تفسیر میں ابن عمر کی یہ تفسیر مروی ہے یاتیھا فی دبرھا طبرانی میں بھی اسی کی تصریح ہے۔ ائمہ میں امام مالک کا مذہب بھی یہی مشہور ہے۔ کہ وہ اس کو جائز جانتے تھے۔ چنانچہ ابو بکر جصاص نے اس کی تصریح کی ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ ابن عمر بھی اس کو حرام ہی جانتے تھے چنانچہ بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے کنی میں اور ایسے ہی صحب نے آیت نساؤکم حرث لکم کی تفسیر میں ابن عمر کا یہ قول مروی ہے قبلاً ودبراً فی المأتی واحد یعنی آگے پیچھے جہاں سے چاہو مگر وہی صرف آنے کی جگہ میں نہ کسی اور میں۔ معلوم ہوا کہ ان کا صحیح مذہب یہی تھا کہ دبر میں وطی حرام ہے۔ اور امام مالک کے بارہ میں بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حرمت ہی کے قول کی طرف رجوع کیا تھا۔ چنانچہ خطیب نے اسرائیل بن روح کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے امام مالک سے اس کے بارہ میں پوچھا۔ تو انہوں نے کہا کہ عورت کھیتی کاشت کی جگہ ہی تو ہے۔ اہذا فرج سے آگے نہ جاؤ۔ میں نے کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں ... انہوں نے دو مرتبہ کہا کہ وہ مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی روایت ...

کرتے ہوئے ان کے پچھلے شاگردوں نے ان کا مذہب حرمت ہی قرار دیا۔ اسی لئے ابن قیم نے نہایت وثوق سے کہا ہے کہ وطی فی الدبر کی حلت کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اور جس نے سلف سے اس کی روایت کی ہے اس کو دھوکہ لگا ہے۔

اسی ذیل میں یہ امر بھی قابل اشارہ ہے کہ عورت کو اپنے مرد کا ستر اور مرد کو اپنی عورت کا ستر دیکھنا روا ہے یا نہیں۔ تو تحقیق اس میں یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ حرام نہیں۔ کیونکہ ابن سعد طبقات میں اور طبرانی کبیر میں سعد بن مسعود سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ جعلہا لک لباسا وجعلک لہا لباسا۔ واھلی یرون عورتی وانا اری ذلک منہم کہ اللہ تعالیٰ نے تیری عورت کو تیرے لئے لباس بنایا۔ اور تجھ کو اس کے لئے اور میرے اہل میرے ستر کو دیکھتے ہیں اور میں ان کے ستر کو۔ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے ھن لباس لکم وانتم لباس لھن کہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس۔ اسی طرح سنن اربعہ میں بہز بن حکیم کے واسطے سے روایت ہے کہ معاویہ بن حیدہ نے نبی صلعم نے ارشاد فرمایا احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت یمینک کہ اپنے ستر کی حفاظت کر رکھنے سے مگر اپنی عورت یا مملوکہ چھوکری سے لیکن صحاح میں حضرت عائشہ رضہ سے انکار ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت کا ستر نہیں دیکھا۔ اس لئے بوقت جماع عورت کی فرج دیکھنے کو آداب جماع کے خلاف لکھا ہے۔ ابن عدی ابن عباس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی عورت یا چھوکری سے جماع کرے تو اس کی فرج کو نہ دیکھے کیونکہ یہ عمل بینائی کو کھوتا ہے۔ بہرحال شریعت سے اس امر کی اجازت مطلق ثابت ہے اور نص قرآنی سے بھی اسی اجازت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر ادب وہی ہے جو ذکر ہوا۔

۲۸۰/۲ **حماد** عن ابیہ عن ابی المنہال عن ابی القعقاع الجُعْفِیّ عن ابن مسعود قال حرام ان تؤتی النساء فی المحاش۔	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حرام ہے کہ عورتوں کے پاس آیا جائے (ان سے جماع کی جائے) ان کی دبر میں۔

ف:- اس مسئلہ کی مناسب وضاحت لکھی جا چکی۔

۱۲۰ بَابُ النَّسَبِ لِصَاحِبِ الْفِرَاشِ! باب اس بیان میں کہ نسب صاحب فراش کا ہے!

۲۸۱/۱ **ابوحنیفة** عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراهیم عن الاسود عن عمر بن الخطاب ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال الولد للفراش وللعاھر الحجر۔	حضرت عمر بن الخطاب رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

ف:- فراش منکوحہ بیوی ہوئی۔ یا مملوکہ چھوکری۔ ان کو فراش اس لئے کہا کہ [illegible] اور یہاں فراش سے مراد یہ مرد نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ صاحب فراش یعنی خاوند یا آقا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ زانی کے لئے پتھر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو [illegible]

سنگساری نسب سے محروم نہیں کرتی۔ بلکہ پتھر سے مراد ناکامی اور محرومی ہے۔ عرب کا محاورہ ہے کہ ناکامی کو پتھر اور ڈھول سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلکہ خود ہماری اُردو زبان میں محاورہ ہے کہ اس کے نصیب میں خاک دھول ہے۔ یا کہا جائے یعنی اس کے نصیب میں سراسر ناکامی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نسب کے سارے حصے مثلاً ورثہ وغیرہ خاوند اور مالک ہی کو ملیں گے۔ زانی ان سے محروم ہوگا۔

یہاں امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک و شافعی رح کے درمیان خفیف سا اختلاف بھی ہے وہ یہ کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس ثبوت نسب میں امکان وطی کی شرط نہیں۔ صرف نکاح ہوجانا ثبوت نسب کے لئے کافی ہے۔ نکاح کے چھ ماہ بعد جو بچہ ہوگا۔ وہ اسی شوہر کا ہوگا۔ اور نسب کے سارے حقوق کا یہی حقدار مانا جائے گا۔ نہ زانی خواہ اس بیچ میں وطی کا امکان ہو یا نہ ہو۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کہتے ہیں کہ عقد کا بعد وطی کا امکان بھی شرط ہے ورنہ اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ عقل و قیاس و قرینہ امام صاحب کے خیال کو حق ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ عقد چونکہ وطی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا داعی ہے اس لئے وہ گویا وطی کا قائم مقام ٹھیرا جو حکم وطی کا ہے وہی اس کا۔ مثلاً سفر مشقت کا سبب ہے اور اس پر دال تو گویا وہ مشقت کا رعایات شرعیہ میں قائم مقام سمجھا گیا۔ اور اس کا نائب خواہ اس میں مشقت ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح یہاں۔ دوسرے حدیث کے الفاظ مطلق ہیں اس میں امکان وطی کی قید کہاں۔ اور قید لگانے کی دلیل بھی کیا۔ تیسرے شریعت میں اس کی مثال ایک نہیں کئی ایک ہیں۔ مثلاً ایک منکوحہ عورت جس کا خاوند عرصہ سے سفر میں ہے اور اس بیچ میں کئی مرتبہ اس کو حیض آچکا ہے جس سے معلوم ہے کہ اس کا رحم نطفہ سے خالی ہے۔ مگر پھر بھی اگر یہ خاوند طلاق دے گا تو وہ عدت کرے گی۔ عدت رحم کی جانچ کے لئے کرائی جاتی ہے کہ اس کے رحم کے نطفہ تو نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی صورت میں عدت نہیں ہونی چاہیے تھی مگر شریعت نے عدت لازم قرار دی کیونکہ محض نکاح وطی کے قائم مقام ہے۔

كتاب الاستبراء

کتاب رحم کو صاف اور بری کرنے کے بیان میں!

باب الاستبراء (131)

رحم کو صاف اور بری کرنے کے بیان میں

282/1 ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان توطأ الحبالى حتى يضعن ما في بطونهن ۔

حضرت ابن عمر رض کہتے ہیں کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حاملہ عورتوں سے وطی کی جائے جب تک کہ وہ جن نہ لیں۔ اپنے پیٹوں کے بچے۔

ف: یہاں حاملہ عورتوں سے مراد قید کی ہوئی چھوکریاں ہیں۔ کیونکہ امام صاحب سے دوسرے طریق سے روایت ہے جس میں حبالی کے ساتھ من السبی کی قید بھی ہے۔ یعنی قید کی ہوئی حاملہ عورتوں کے لئے یہ حکم ہے۔ امام احمد ابوداؤد ابی سعید خدری سے حدیث لائے ہیں۔ اوطاس کے قیدیوں کے بارہ میں کہ

وطی کی جائے حاملہ سے جب تک وضع حمل نہ ہو لے اور نہ غیر حاملہ سے جب تک اس کو ایک حیض نہ آجائے گویا یہ رحم کی صفائی کا حکم یا تو اس حاملہ کو شامل ہے جس کو خرید اجائے یا وہ جس کا حمل زنا سے ہو یا وہ عورتیں جن کا نکاح ان کے حربی خاوندوں سے بوجہ اسلام یا ہجرت ٹوٹ چکا ہو۔ اور ہماری ملک میں آچکی ہوں۔ یہ حکم نہ منکوحہ حاملہ کو شامل نہیں نہ اس زنا کی حاملہ کو جس کا شوہر خود زانی ہو۔ اور اس نے اس سے قبل نکاح زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہو گئی ہو۔ نہ ہی یہ حکم اس عورت کو شامل ہے جو مہاجرہ مسلمہ ہو اور حاملہ بھی ہو۔ کہ اس سے نکاح ہی جائز نہیں تو وطی کیا جائز ہوگی۔ کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور قبل انقضائے عدت نکاح کیسے جائز ہوگا۔

كِتَابُ الرَّضَاعِ

کتاب دُودھ پلانے کے بیان میں!

بَابُ مُسَاوَاةِ الرَّضَاعِ وَالنَّسَبِ فِي التَّحْرِيمِ!

دُودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتہ سے!

ابو حنيفة عن الحكم عن القاسم عن شريح عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب قليله وكثيره ۔

۲۸۳/۱ حضرت علی سے روایت ہے۔ کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتہ سے۔ خواہ دودھ کم پیا جائے یا زیادہ۔

ف: یہ حدیث رضاع کے ایک اختلافی مسئلہ میں احناف کے مسلک کی ایک سنگین دلیل ہے۔ اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بچہ کا ایک مرتبہ بھی دودھ پی لینا اور اس کے پیٹ میں جا نا حرمت کے لیے کافی ہے۔ یہی مذہب ہے حضرات علی و ابن مسعود۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ حسن بصری۔ سعید بن مسیب۔ طاؤس۔ عطا۔ مکحول۔ زہری۔ قتادہ وغیرہم کا۔ ابن المنذر نے کہا کہ اکثر فقہاء اسی پر متفق الرائے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک یا دو یا پانچ مرتبہ سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ مذہب شافعیہ پر حدیث عائشہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا لا تحرم المصۃ ولا المصتان کہ ایک یا دو مرتبہ دودھ چوس لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ سے اس قول کی بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن میں دس دفعہ چوسنے کا حکم تھا۔ تو اس میں پانچ دفعہ کا منسوخ ہوا۔ اور پانچ دفعہ کا باقی رہا۔ جو آخر وفات آنحضرت تک۔ باقی رہا حنفیہ کے مذہب پر قرآن بھی حجت ہے۔ اور احادیث صحیحہ بھی۔ قرآن میں یوں آیا ہے۔ وامهتكم اللاتی ارضعنكم کہ تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ اس میں مطلق دودھ پلانے کو حرمت کا سبب ٹھیرایا ہے۔ اس میں ایک یا دو مرتبہ

چوسنے کی قید کہاں۔ اور خبر واحد یا قول واحد سے قید کس طرح لگائی جا سکتی ہے۔ احادیث میں حدیث ذیل بھی قوی دلیل ہے۔ کہ اس میں حرمت کے لئے کمی زیادتی کا سوال اٹھا دیا۔ امام محمد موطا میں سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور ابن عباس سے آثار بھی لائے ہیں۔ جو ایک مرتبہ بھی دودھ چوس لینے کو حرمت کا سبب قرار دیتے ہیں اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ بھی دودھ چوس لیا۔ تو گویا اس نے دودھ پی لیا۔ الوبکر رازی نے کہا ہے کہ دودھ تھوڑا ہو یا بہت حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ جس طرح تھوڑا یا بہت کھا لینا افطار روزہ کا باعث ہے۔ اور حدیث عائشہ جس سے شافعیہ دلیل لاتے ہیں مضطرب ہے۔ لہٰذا مذہب حنفیہ ہی موافق قرآن ہے اور مطابق احادیث نبویہ و آثار صحابہ و عقل و درایت ٭

۲۸۴/۲ ابو حنیفة عن الحکم عن عراك ابن مالك عن عروة بن الزبير عن عائشة قالت جاء افلح بن ابی القعیس لیستاذن علی عائشة فاحتجبت منه فقال تحتجبین منی وانا عمك فقالت فكیف ذلك قال ارضعتك امرأة اخی بلبن اخی قالت فذكرت ذلك لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم تربت یداك اما تعلمین انه یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ٭

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ افلح بن ابی القعیس نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی (آیت حجاب کے نزول کے بعد) تو آپ نے ان سے پردہ کیا۔ اس پر وہ (افلح) بولے کہ کیا تم مجھ سے پردہ کرتی ہو۔ حالانکہ میں تمہارا (رضاعی) چچا ہوں۔ حضرت عائشہ رض نے کہا یہ کیسے۔ انہوں نے کہا کہ میری بھاوج نے میرے بھائی کا دودھ تم کو پلایا ہے۔ (حضرت عائشہ) کہتی ہیں کہ میں نے (اس بات) کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا خاک آلود ہوں تمہارے ہاتھ کیا تم اتنا نہیں جانتیں کہ دودھ سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں (یعنی وہ تمہارے چچا ہی تو ہوئے۔ اگر نسب سے نہیں تو رضاعت سے) ٭

ف: - اس حدیث سے بھی رضاعت مطلق ثابت ہوتی ہے اور حدیث سابق کی تائید ملتی ہے ٭

كتاب الطلاق!

کتاب طلاق کے بیان میں!

باب ۱۳۳ الهزل فی الطلاق!

طلاق میں مسخری کے بیان میں!

۲۸۵/۱ ابو حنیفة عن عطاء عن یوسف بن ماهك عن ابی هریرة رض ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ثلثة جدهن جد وهزلهن جد۔ الطلاق والنكاح والرجعة ٭

حضرت ابی ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق۔ نکاح۔ اور رجعت یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی اور مسخری ہر دو کا شمار سنجیدگی میں ہے۔ (یعنی ان پر خاص خاص نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ان پر احکام لازم آتے ہیں) ٭

Marfat.com

ف: یعنی جس شخص نے مثلاً مذاق و دل لگی میں طلاق دی یا نکاح کیا یا عورت سے رجعت کر لی تو ہر سہ پر اثرات مرتب ہوئے۔ اور احکام شرعیہ کا ان پر نفاذ ہوا۔ گویا طلاق واقع ہو گئی۔ اور شوہر و زوجہ میں جدائی ثابت ہو گئی۔ نکاح بندھ گیا۔ اور رجعت شرعاً صحیح مان لی گئی۔ خواہ شوہر کس قدر عذر کرتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ مسخری کے طور پر کیا تھا۔ میری نظر ان الفاظ کے معانی یا ان کے نتائج پر ہرگز نہ تھی۔ شریعت میں اس کا یہ عذر نامسموع ہو گا۔ عقود و تصرفات کا یہی حکم ہے مثلاً بیع ہبہ وغیرہ۔ ان میں مذکورہ بالا سہ اشیاء کو اس لئے بیان کے ساتھ مخصوص فرمایا کہ ان کی اہمیت دیگر تصرفات سے زائد ہے۔

بَابُ العِدَّةِ! [۱۳۴] — باب عدت کے بیان میں!

ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لسودة حین طلقها اعتدی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہ کو طلاق دے دی تھی تو فرمایا عدت کرو۔

ف: یہ امر مختلف فیہ ہے کہ آنحضرت نے حضرت سودہ کو طلاق دے دی تھی۔ اور پھر حضرت سودہ کے التماس سے آپ نے رجعت فرما لی۔ یا طلاق دی نہیں تھی بلکہ محض ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت سودہ نے التجا کی کہ آپ کے نکاح میں رہیں تو آنجناب نے طلاق کا ارادہ ترک فرمایا۔ آخری شق صحیح تر ہے کیونکہ کتب صحاح ستہ میں لما اراد طلاقہا و جعلت یومہا لعائشة کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے طلاق کا ارادہ ہی فرمایا تھا۔ حضرت سودہ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو بخش دیا۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ … حضرت سودہ طلاق سے خوف زدہ ہوئیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو بخش دی۔ طبرانی میں بھی ارادہ طلاق … کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے … طلاق کا ارادہ ہی فرمایا تھا۔ ان … سے پتہ چلا کہ آنجناب نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ حضرت سودہ نے … باری حضرت عائشہ کو دے دی۔ اور ارادہ طلاق کو ترک کرا لیا۔ بیہقی … معنی ارادہ طلاق کے کئے ہیں اور ہم نے بھی حدیث میں اسی خیال کو پیش نظر رکھا ہے … سے مرسل حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ آنحضرت نے حضرت سودہ کو طلاق دی۔ پھر جب آپ … لئے تشریف لے گئے تو حضرت سودہ نے … عرض کیا کہ مجھ کو مردوں کی حاجت نہیں … فطرتی تو … سے خالی نہیں۔ مگر میرا ارمان ہے کہ … ازواج میں اٹھوں … آنحضرت نے رجعت فرما لی۔ ابن سعد بھی اسی کے ہم معنی الفاظ سے حدیث لائے ہیں … حضرت سودہ نے اپنی باری کا دن اور رات حضرت عائشہ کو بخش دی۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لسودة حین طلقها اعتدی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو کہا کہ عدت میں بیٹھو۔

Marfat.com

ف: - اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جب عورت کو طلاق دی جائے تو مطلقہ کے لئے عدت لازمی ہے۔ نہ غیر مدخولہ کے لئے نہیں کو حضرت ابن عباس نے بھی ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے فما لکم علیهن من عدة باقی تفصیلی واقعی مباحث وتشریح عدت بابوں میں گذری ۔

۱۳۵ بَابُ الطَّلَاقِ فِی الْحَیْضِ!

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن رجل عن ابن عمر انه طلق امراته وهی حائض فعیب ذلك علیه فراجعها فلما طهرت من حیضها طلقها واحتسب بالتطلیقة التی کان اوقع علیها وهی حائض ۔

باب حیض میں طلاق دینے کے بیان میں!

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت آمنہ بنت غفار کو طلاق دی جب کہ وہ حائضہ تھیں۔ اس بنا پر ان پر عیب والزام لگایا گیا تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ پھر جب ان کی بیوی حیض سے پاک ہوئیں تو انہوں نے ان کو آمنہ کو طلاق دی اور وہ طلاق شمار میں لائی گئی جو وہ ان کو بحالت حیض دے چکے تھے ۔

ف: - یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی وضاحت ہوئی کہ حیض کے وقت کی دی ہوئی طلاق لغو نہیں گئی۔ بلکہ شمار میں آئی۔ اور طلاق مانی گئی۔ اس میں ظاہریہ خارجی اور رافضی اختلاف کرتے ہیں۔ روایت سے کوئی دلیل لاتے ہیں اور قیاس سے بھی کام لیتے ہیں۔ روایت کے سلسلہ میں ابی الزبیر کی روایت کا جو وہ ابن عمر سے کرتے ہیں اور ابوداؤد میں نقل ہے پیش نظر رکھتے ہیں کہ اس میں لم یرها شیئا کے الفاظ آئے ہیں گویا اس کو کچھ نہیں سمجھا اور طلاق کو شمار میں نہیں لیا۔ اور قیاس آرائی یہ کرتے ہیں کہ حیض کے وقت کی طلاق حرام و ناجائز ہے اور جب حرام و ناجائز ہوئی تو کیسے مانی جائے گی۔ اور شمار میں کس طرح آئے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روایت ابی الزبیر میں لم یرها شیئا کے الفاظ کے غیر محفوظ ہونے پر تمام ناقدین حدیث اور ناقلین روایات کا اتفاق ہے ابوبکر بن ... کے شاگردوں سے جو ابی الزبیر سے کہیں زیادہ ثقہ ہیں اور قابل اعتبار ہیں ہرگز نقل نہیں بلکہ اس کے خلاف نقل ہے۔ خود صحیحین میں یہی حدیث نقل کی ہیں۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ تمام روایات میں آتی کہ ابی الزبیر کی روایت میں رجعت کرنے کا حکم ہے اور رجعت طلاق ہی کے بعد ہوتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی تو رجوع کرنا کیسا اور کیا ممکن ہے۔ لم یرها شیئا کے یہ معنی ہوں کہ اس طلاق کو ٹھیک عمل اور ایک مناسب فعل نہیں سمجھا نہ یہ کہ یہ طلاق ہی نہیں ہوئی۔ دوسرے ان کی قیاس آرائی بھی غلط ہے کیونکہ یہ کیا ضروری ہے کہ جو چیز حرام و ناجائز ہو وہ نتائج کی موجب نہ ہو اور اس پر احکام مرتب نہ ہوں۔ مثلاً غصب کی ہوئی زمین پر نماز ناجائز ہے۔ مگر پھر بھی صحیح ہے ۔

Marfat.com

باب ۱۳۶ حُرمة اللعب بالطلاق!

باب طلاق کے ساتھ کھیل کرنے کے حرام ہونے میں!

۲۸۹/۱ ابو حنیفة عن ابی اسحٰق عن ابی بردة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما بال قوم یلعبون بحدود الله یقولون قد طلقتك قد راجعتك ۔

حضرت ابی موسیٰ اشعری [illegible] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی حدود کے ساتھ کھیلتے ہیں! اپنی بیویوں [illegible] تجھ کو طلاق تو [illegible] کہتے [illegible] رجوع کر لیا ۔

ف: لوگ عورتوں کو تنگ کیا کرتے تھے طلاق دیتے [illegible] عدت [illegible] طلاق [illegible] رجوع کر لیتے اور یوں بے چاری عورتوں پر مصیبت کو تنگ کرتے [illegible] اس سلسلہ میں [illegible] فرماتے کہیں طلاق [illegible] کا اصول تمام [illegible] کے اس حرکت سے روکا [illegible] اس [illegible] کی مذمت فرمائی [illegible] آیات کے ساتھ [illegible] تعلق [illegible] حد بندیاں ہیں [illegible] ان سے آگے نہ بڑھو [illegible] حدیث ذیل [illegible] ۔

باب ۱۳۷ عدم وقوع طلاق المعتوه!

باب اس بیان میں کہ مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی!

۲۹۰/۱ ابو حنیفة عن منصور عن الشعبی عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یجوز للمعتوه طلاق ولا بیع ولا شراء

[illegible]

ف: نسائی، ابن ماجہ [illegible] حضرت عائشہ [illegible] فرمایا تین سے قلم اٹھا لیا گیا یعنی احکام [illegible] سے بری ہو [illegible] بچہ جب تک نہ بڑا ہو [illegible] مجنون تا آنکہ وہ افاقہ پائے [illegible] کی حدیث نقل ہے جس کو ترمذی لائے ہیں [illegible] ابتداء [illegible] بیع و شراء موقوف [illegible] اس میں حدیث رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه [illegible] حنبلی [illegible] ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس پر [illegible] یہ نہیں کہ فعل مع اپنے حکم کے [illegible] ثابت [illegible] مثلاً [illegible] جائے گا [illegible] اس طرح کی [illegible] مل سکتی ہیں ۔

Marfat.com

بَابُ ۱۳۸ عَدمُ الطَّلَاقِ بِمُجَرَّدِ التَّخْيِيرِ!

باب اس بیان میں کہ عورت کو صرف اختیار دینے سے اس کو طلاق نہیں ہو جاتی !

ح ۲۹۱ / ۱ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ خیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخترناہ فلم یعد ذلک طلاقا ٭

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا (طلاق لے لینے کا) تو ہم نے آپ کو اختیار کر لیا (گویا طلاق نہ لی) تو یہ صورت طلاق میں شمار نہیں ہوئی ٭

ف : اس حدیث سے یہ بات منکشف ہوئی۔ کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لینے کا اختیار دے اور وہ اپنے نفس کو طلاق دے تو طلاق ہوئی ورنہ اگر وہ بجائے طلاق لینے کے شوہر کو پسند کر لے تو کچھ بھی نہیں۔ شوہر کی طرف سے محض ایسا اختیار مل جانا طلاق کے حکم میں نہیں ٭

بَابُ ۱۳۹ خِیَارُ العِتْقِ!

باب اس بیان میں کہ منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرے یا علیحدگی اختیار کر لے !

ح ۲۹۲ / ۱ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ انھا اعتقت بریرۃ ولھا زوج مولی لآل ابی احمد فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاختارت نفسھا ففرق بینھما وکان زوجھا حرا ٭

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بریرہ (چھوکری) کو آزاد کیا جس کا خاوند آل ابی احمد کا آزاد کردہ غلام تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (بریرہ) کو اختیار دیا کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں رہے یا اس سے علیحدگی اختیار کر لے، چنانچہ اس نے علیحدگی چاہی تو آپ نے ان کے درمیان تفریق کرا دی۔ حالانکہ اس کا شوہر آزاد تھا ٭

ف : حدیث ذیل ایک اختلافی امر میں شافعیہ اور مالکیہ کے خلاف حجت ہے۔ صورت اختلاف کی یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک چھوکری کو مذکورہ خیار عتق حاصل ہے۔ خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ امام شافعی و مالک رح کے نزدیک یہ خیار محض اس صورت ہے کہ باندی کا خاوند غلام ہو۔ یہاں یہ سوال ہے کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا۔ یا آزاد۔ حدیث ذیل چونکہ آزادی پر دال ہے اس لئے یہ ان کے خلاف حجت ہے دراصل ابن عباس

سے تو یہی مروی ہے کہ یہ آزاد تھا۔ اور حضرت عائشہ رضہ سے دو طریق سے اس کی روایت ہے ایک اسود کے واسطہ سے۔ دوسری عروۃ القاسم کے واسطہ سے۔ اسود کی روایت اس کے آزاد ہونے کو ہی ثابت کرتی ہے اور عروہ سے بھی دو روایات ہیں ایک سے اس کا آزاد ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری سے اس میں شک کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں اس کی آزادی کا وثوق ہوا اور یہ ضعیف سا شک جو عروہ کی ایک روایت ظاہر کرتی ہے وہ کالعدم ثابت ہوا۔

باب طلاق الامۃ — باب باندی کی طلاق کے بیان میں

۲۹۳/۱ ابوحنیفۃ عن عطیۃ عن ابن عمر رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق الامۃ اثنتان وعدتھا حیضتان۔

حضرت ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق باندی کی دو ہیں۔ اور اس کی عدت دو حیض۔

ف : یہ حدیث دو امور اختلافیہ میں شافعیہ و مالکیہ کے خلاف حنفیہ کے لئے قوی حجت ہے اور مسکت دلیل۔ اول یہ کہ تعداد طلاق کا دارومدار عورتوں پر ہے یا مردوں پر۔ دوسرے یہ کہ عدت حیض سے ہے یا طہر سے حنفیہ ہر دو امور میں پہلی شق کے قائل ہیں اور شافعیہ مالکیہ دوسری شق کے۔ یعنی امر طلاق میں اگر شوہر مثلاً غلام ہو اور بیوی آزاد تو حنفیہ کے نزدیک وہ عورت تین طلاقوں سے اس پر حرام ہوگی۔ اور شافعیہ کے نزدیک دو ہی سے۔ اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو اور عورت باندی ہو تو حنفیہ کے نزدیک دو ہی طلاقوں سے وہ عورت شوہر پر حرام ہو جائے گی۔ اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک تین سے۔ [illegible] شافعیہ کی حجت ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں الطلاق بالرجال والعدۃ بالنساء کہ طلاق مردوں کے لحاظ سے [illegible] اور عدت عورتوں کے لحاظ سے۔ احناف کی زبردست حجت یہی ذیل کی مرفوع حدیث ہے [illegible] کہ طلاق تعداد میں عورتوں پر مدار رکھتی ہے نہ مردوں پر۔ اب [illegible] دونوں فریق [illegible] اور انصاف کیجئے کہ رو سے روایت کس کا خیال پختہ ہے۔ ان کی حدیث کسی [illegible] نہیں بلکہ موقوف ہے۔ حافظ ابوالفرج ابن جوزی کے قول کے مطابق [illegible] یزید بن ثابت کا قول ہے۔ حنفیہ کے پاس حدیث قبل مرفوع ہوتی ہے [illegible] ابن جوزی کے طریق سے لائے ہیں اور وہ مظاہر [illegible] روایت کرتے [illegible] محض صحابی کے قول کے مقابلہ میں حدیث مرفوع [illegible] ہوتا۔ اور ان کے پاس مرفوع حدیث تو اس [illegible] ترکیب کامیابی کی اور یاد ہے [illegible] ہو تو اس کے کسی راوی کو جرح و قدح کا نشانہ بنائیے [illegible] یہاں بھی مظاہر پر ہم مشرب [illegible] نے کہا کہ یہ حدیث مجہول ہے ترمذی [illegible] کہ علاوہ مظاہر کے یہی حدیث معروف ہے ذہبی نے میزان میں کہا کہ ابی عاصم [illegible] ابن معین۔ ابی حاتم

الرازی اور بخاری نے اس کو ضعیف بتایا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ کہا کہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ابن حبان کی توثیق تو خود ذہبی نے نقل کی ہے اور حاکم ابن عباس سے یہ حدیث لائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے۔ مگر شیخین نہیں لائے۔ پھر حدیث عائشہ نقل کر کے کہتے ہیں کہ مظاہر بن اسلم بصرہ کے ایک شیخ ہیں۔ ہمارے پیشین مشائخ میں سے کسی نے ان پر جرح نہیں کی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی نے مظاہر کو وضاع کذاب نہیں کہا۔ نہ حفظ و ضبط یا ان کی عدالت میں کوئی خامی نکالی۔ جہالت کا سوال جو ابو داؤد نے اٹھایا ہے۔ اور جس کی طرف کلام ترمذی بھی مشیر ہے تو یہ سوال یوں دور ہو جاتا ہے کہ جہالت راوی یہ ہے کہ ایک سے زیادہ اس سے کوئی روایت کرنے والا نہ ہو۔ یہاں ایسا نہیں۔ مظاہر سے ابن جریج۔ ثوری ابو عاصم نے روایتیں کی ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ واسطہ سے ابی ہریرہ سے روایت لائے ہیں کہ آنحضرت سورت آل عمران کی آخری دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ تو اب ظاہر ہے جہالت کہاں رہی۔ اور یوں بلاوجہ مذہب کمزور دکھانے کے لئے یہ جرح ناسموع ہے۔ پھر حقیقی صورت میں شافعیہ کا مذہب بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن ابان نے خود امام شافعی کو ایک پیرا میں ایسا قائل کیا کہ ان سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ عیسیٰ نے ان سے پوچھا کہ اگر شوہر آزاد ہو اور اس کی عورت باندی مدخولہ ہو اور شوہر طلاق سنت دینی چاہے تو کیا کرے۔ امام موصوف نے فرمایا کہ طہر میں طلاق دے پھر حیض سے پاک ہو کر دوسرے طہر میں اور کہنا ہی چاہتے تھے کہ حیض سے پاک ہو کر پھر تیسرے طہر میں کہ عیسیٰ نے کہا کہ بس حضرت رک جائیے اب طلاق کیسی کہ عدت تو ختم ہوئی۔ کیونکہ عدت تو ان کے نزدیک بھی عورت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ امام محمد یہاں آیت قرآنی سے ایک لطیف استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں فطلقوهن لعدتهن ہے کہ ان کو طلاق دو ان کی عدت کے لئے گویا طلاق عدت کی رو سے دو۔ مثلاً اگر شوہر غلام ہے اور اس کی بیوی آزاد تو بلحاظ اجماع اس کی عدت تین قروء ہے تو اسی کی رو سے طلاقیں بھی تین ہوئیں یا مثلاً شوہر آزاد ہے اور اس کی زوجہ باندی تو اس کی عدت تین قروء ہیں تو لامحالہ اس کی طلاق بھی بلحاظ عدت دو ہی ہوں گی۔ یہ ساری مسئلہ طلاق پر بحث تھی۔ اب لیجیے عدت کا مسئلہ تو اس میں شافعیہ و مالکیہ حضرت عائشہ۔ زید بن ثابت اور ابن عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت بعد تحقیق ان کے پاس حضرت عائشہ رض کا ہی قول رہ جاتا ہے۔ کیونکہ زید بن ثابت اور ابن عمر رض سے طحاوی کے نزدیک اس کے خلاف روایت ثابت ہے۔ ادھر احناف کی طرف خلفائے اربعہ۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ ابی الدرداء۔ عبادہ بن صامت۔ ابی موسیٰ اشعری وغیرہ ہیں۔ پھر طاؤس۔ عطا۔ ابن المسیب۔ سعید بن جبیر مجاہد۔ حسن بصری۔ ثوری۔ اوزاعی وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام احمد نے بھی اسی طرف رجوع کر لیا۔ غرض احناف پر قرآن و حدیث شاہد ہیں اور عقل و درایت بھی۔ قرآن اس طرح کہ فرمایا واللائی یئسن من المحیض کہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں۔ اس سے صاف اشارہ فرمایا کہ قروء سے مراد حیض ہے۔ پھر عدت کے لئے ثلاثة قروء کا لفظ استعمال فرمایا گویا جمع کی شکل میں یعنی کم از کم مکمل تین طہر اور جمع کی یہ صورت ممکن نہیں جبکہ طلاق طہر میں دی جائے۔ جیسا کہ وہ سنت ہے کیونکہ باقی کے دو طہروں میں عدت ختم ہوگی تو پہلا طہر تو ناقص ہی پورا طہر کب شمار ہوا۔ اور حقیقت میں دو طہر مکمل شمار میں آئے۔ اور قروء سے حیض مراد لینے کی صورت میں یہ

Marfat.com

نہیں کہ اس صورت میں مکمل تین حیض ہو سکتے ہیں۔ احادیث میں حدیث ذیل زبردست حجت ہے عقل درست ہے یوں کہ براءت رحم کا پتہ درحقیقت حیض ہی سے چلتا ہے تو طہر سے عدت ماننا ... قریں قیاس ہے ٭

بَابُ النَّفَقَةِ وَالسُّكْنٰى لِلْمَبْتُوتَةِ!

أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود قال قال عمر بن الخطاب لا ندع كتاب ربنا وسنة نبينا صلى الله عليه وسلم بقول امرأة لا ندري صدقت أم كذبت المطلقة ثلثا لها السكنى والنفقة ٭

باب اس بیان میں کہ تین طلاق دی ہوئی عورت کے لئے مکان ہے اور نفقہ بھی!

حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ ہم نہیں چھوڑیں گے اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے کہ ہم نہیں جانتے اس نے سچ کہا یا جھوٹ۔ تین طلاق دی ہوئی عورت کے لیے جائے رہائش بھی ہے اور خرچ بھی ٭

ف: عورت سے مراد فاطمہ بنت قیس بن خالد الفہری ہے جو ضحاک کی بہن ہیں اور مہاجر عورتوں میں سے ہیں۔ یہ حدیث اس بحث کو سامنے لاتی ہے کہ تین طلاقیں دی ہوئی عورت کے لئے سکنی ہے اور نفقہ بھی یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ سکنی اور نفقہ ہر دو اس کے لیے مانتے ہیں۔ امام احمد اس کے لئے نہ سکنی مانتے ہیں نہ نفقہ۔ امام شافعی اور مالک اس کے لیے سکنی مانتے ہیں نہ نفقہ۔ مذہب حنابلہ کی دلیل حدیث فاطمہ ہے جو کتب صحاح میں منقول ہے جس کی رو سے مطلقہ ثلثہ کے لئے نہ سکنی ہے نہ نفقہ۔ کیونکہ وہ کہتی ہے کہ مجھ کو میرے خاوند نے طلاق دی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے میرے لئے سکنی اور نفقہ ہر دو تجویز نہیں فرمائے۔ شافعیہ ... اس کے لئے سکنی تو اس آیت قرآنی کے تحت مانتے ہیں کہ فرمایا اسکنوھن من حیث سکنتم کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور حدیث فاطمہ مذکور کے پیش نظر اس کے لیے نفقہ کے قائل نہیں ہیں۔ مذہب حنفیہ کے ... دلائل قرآن کی صریح آیات دال ہیں کہ در بارہ سکنی فرمایا لا تخرجوھن من بیوتھن کہ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ یا ارشاد ہوا اسکنوھن من حیث سکنتم کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور بسلسلہ نفقہ ارشاد ہوا للمطلقٰت متاع بالمعروف کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ دینا ہے اچھی طرح۔ یا فرمایا لینفق ذو سعۃ من سعتہ کہ کشائش والے کو چاہئے اپنی کشائش سے خرچ کرے۔ یا کہا وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن اور اس پر جس کا لڑکا ہے ان کا کھانا اور کپڑا ہے۔ روایت کے میدان میں مذہب حنفیہ کی زبردست دلیل اور تائید حضرت عمرؓ کی حدیث ذیل ہے جو دیگر کتب صحاح میں بھی مذکور ہے اور جس میں آپ حضرت نہایت ... حدیث فاطمہ کی تردید کرتے ہیں کہ ایک عورت جس کی سچائی اور جھوٹ کا کچھ علم نہیں ہم اس کے قول سے قرآن عظیم اور سنت نبوی کو کس طرح چھوڑ دیں۔ حقیقت میں حضرت عمرؓ کی شان عظمت و وجاہت علمی کو دیکھ کر حدیث

فاطمہ کو کمزور ثابت کرنے کے لئے یہی حدیث عمرؓ بس ہے اور کافی۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ رفع حدیث کے مرادف ہیں کہ گویا وہ اس حدیث کی مرفوع روایت کرتے ہیں کیونکہ اصول حدیث میں یہ طے شدہ بات ہے کہ صحابی کا یہ کہنا کہ ہمارے نبی کی سنت ہے۔ اس حدیث کا عین رفع ہے۔ پھر ان سے ابراہیم کے واسطے سے یہ مرفوع بھی ثابت ہے طحاوی اور دار قطنی سے یہ زیادتی بھی ثابت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت کو یہ کہتے سنا کہ مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنیٰ اور نفقہ ہے اسی طرح ابن مسعود، اسامہ اور عائشہ سے بھی حدیث فاطمہ کی تردید ثابت ہے۔ حضرت عائشہ سے بخاری و مسلم میں نہایت صاف الفاظ میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے کہ ایسے الفاظ نقل کرتی ہے۔ بخاری میں یوں ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ کیا فاطمہ خدا سے نہیں ڈرتی کہ ایسی بات کہتی ہے حضرت عائشہ کے بخاری کو ایک طرف سامنے رکھئے دوسری طرف ان کی سنگین تردید کو۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا۔ یہ وہ تابعی ہیں جو عائشہ کے معاصر ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کے خلاف صحابہ کا اتفاق پایا۔ مسلم میں ہے کہ مروان نے کہا کہ ہم اس عورت کے کہنے سے اس مضبوط بات کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ لوگ کون صحابہ۔ تو یہ اجماع صحابہ نہیں تو کیا ہے۔ دوسری روایات بھی دال ہیں کہ مطلقہ کے لئے سکنیٰ و نفقہ ہے۔ طبرانی میں ابراہیم کے واسطے سے ابن مسعود و عمرؓ سے روایت ہے کہ ہر دو اصحاب نے مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنیٰ و نفقہ تسلیم کیا۔ دار قطنی میں حضرت جابر سے ایسی ہی روایت ہے۔ مسلم و ابو داؤد میں حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حضرت جابر سے طویل حدیث ہے۔ جس میں ہے ولہن علیکم رزقہن و کسوتہن کہ ان کے لئے تم پر خرچ ہے اور کپڑا۔ تو گویا حدیث فاطمہ سے دو روایات صحیحہ بھی متعارض ہوئیں

پھر حدیث فاطمہ میں سخت اضطراب ہے۔ جو اس کو کمزور بناتا ہے کیونکہ اضطراب حدیث کے ضعف کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے شوہر نے اس کو غائبانہ طلاق دی تھی۔ بعض کے نزدیک وہ طلاق دے کر سفر کر گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ وہ خود آنحضرت سے پوچھنے گئی تھی۔ دوسرا قول ہے کہ چند لوگ گئے تھے۔ ایک خیال ہے کہ اس کا شوہر ابو عمرو بن حفص تھا۔ دوسرا خیال ہے کہ اس کا خاوند ابو حفص بن مغیرہ تھا۔ علاوہ ازیں اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو صحیح تسلیم کر لیں تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرت کا یہ حکم کسی خاص عذر کی بنا پر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زبان دراز تھی اس لئے اس کو جائے رہائش سے محروم کیا گیا کیونکہ اس کا یہ عیب شارع کے نزدیک اس کے نکالنے سے زیادہ سنگین تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی بد خلقی کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ نفقہ کے بارہ میں یہ ہے کہ اس کا شوہر غائب تھا۔ اس نے شوہر کے متعلقین سے نفقہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارا کوئی نفقہ نہیں۔ یہی فیصلہ آنحضرت نے صادر فرمایا کہ چونکہ اس کے شوہر نے کوئی مال نہیں چھوڑا اس لئے اس کا نفقہ و سکنیٰ اس کے شوہر کے متعلقین پر واجب نہیں۔ فاطمہ نے اس خصوصی حال پر غور نہیں کیا اور اس نے بے سوچے سمجھے عمومی پیرایہ میں روایت کر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ کے لئے نفقہ و سکنیٰ نہیں رکھا۔ لوگ اسی مطلق انکار پر چل پڑے۔ لہٰذا اس بحث کے اختتام پر ماننا پڑے گا کہ حدیث فاطمہ بغیر ان تاویلات کے قابل قبول نہیں۔ قرآن پکار پکار کر اس کی تردید کر رہا ہے۔ کبار صحابہ اس کو بے بنیاد ثابت کر رہے ہیں۔ روایات صحیحہ اس کے معارض ہیں۔ اضطراب اس میں موجود ہے۔ کمزوری و ضعف کے ثبوت ہیں اور کیا چاہیے۔ اسی بنا پر ان مذاہب کی پختگی و استحکام کا خود بخود دینے لگا ہے

Marfat.com

جو اپنے مذہب کی بنا فاطمہ کی حدیث پر رکھتے ہیں۔ کہ ایسے مذاہب کہاں تک قابل اعتنا ہیں۔ اسی لئے ہم ان کی تردید چھوڑتے ہیں۔ اب کون ظالم یہ کہہ سکتا ہے کہ حنفی صحیح حدیث کی مخالفت کرتے ہیں جو ان کے مذہب کی بنا محض قیاس پر ہے۔ نعوذ باللہ ایسا کہنا انصاف کا سراسر خون کرنا ہے اور حق پر پردہ ڈالنا۔ بلکہ اپنی جہالت کا خود اپنی زبان سے اقرار کرنا ہے۔ بھلا یہاں مثلاً حنفی فاطمہ کی حدیث کو مانتے ہیں۔ اور اپنے مذہب کی بنا اس پر رکھیں؟ حنفی واقعی ایسی احادیث کو نظر انداز کرتے ہیں اور نامنصفوں کی نظروں میں مجرم ٹھہرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

باب عدة المتوفى عنها زوجها

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود ان سبيعة بنت الحارث الاسلمية مات عنها زوجها وهي حامل فمكثت خمسا وعشرين ليلة ثم وضعت فمر بها ابو السنابل بن بعكك فقال تشوفت تريدين الباءة كلا والله انه لابعد الاجلين

فاتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فقال كذب اذا حضر فاذنيني۔

باب۔ اس عورت کی عدت کے بیان میں جس کا خاوند مر گیا ہو!

٢٩٥/١ اسود سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ حارث کی بیٹی کا خاوند مر گیا جب کہ وہ حاملہ تھی [illegible] گذرے تھے کہ بچہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے ابو السنابل بن بعکک اس کے پاس آیا اور اس کو دیکھ کر کہا کہ تو نے سنگار کیا ہے کیا تیرا نکاح کا ارادہ ہے۔ ہرگز نہیں قسم اللہ کی تیری عدت لمبی مدت ہے (یعنی) [illegible] اور چار مہینہ دس دن سے پہلے وضع حمل [illegible] چار مہینہ دس دن سے ہوگی [illegible] اور وضع حمل نہ ہو تو مدت وضع حمل ہے تو وہ سبیعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور [illegible] ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ اس نے غلط [illegible] مجھ کو خبر کرنا کہ اس کو صحیح بات [illegible]

ف: یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کا اتفاقی مسئلہ ہے اور سلف وخلف اس پر متفق الرائے ہیں کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ اس میں خلاف صرف حضرت علی سے ایک منقطع طریق سے [illegible] ابن عباس سے صحیح طریق سے لیکن آپ نے اپنے خیال سے رجوع فرمایا۔ جیسا کہ عبد الرحمن [illegible] میں علماء کا اختلاف ہے کہ عورت نفاس ختم ہونے سے پہلے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ مسلم [illegible] روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور علماء پہلی شق کے قائل ہیں۔ البتہ شوہر کو چاہئے کہ خون نفاس کے ختم ہونے سے پہلے قربت نہ کرے۔

Marfat.com

بَابُ[۱۴۲] نسخ عدة الوفاة فی البقرة

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم ۲۵۶
عن علقمة عن عبد الله قال من شاء باهلته
ان سورة النساء القصریٰ نزلت بعد الطولیٰ
وفی روایة عن عبد الله بن مسعود
عن النبی صلی الله علیه وسلم قال
نسخت سورة النساء القصریٰ کل عدة
اولات الاحمال اجلهن ان یضعن
حملهن ؎

سورۃ بقرہ میں وفات کی جو عدت ہے اُس کے نسخ کے بیان میں !

حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ نساء (سورۃ طلاق) لمبی سورت (سورہ بقرہ) کے بعد اُتری ہے۔

ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یوں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹی سورۃ نساء نے حاملہ کی سب عدتوں کو منسوخ کر دیا۔ یعنی حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جنیں ؎

ف : مسئلہ کی مزید وضاحت یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں آیت وارد ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا کہ تم میں جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو بیویاں انتظار کریں اپنے نفسوں کے ساتھ چار ماہ دس دن تک۔ اس آیت کے عموم کے ماتحت ہر اس عورت کی عدت چار ماہ دس دن کی قرار پاتی ہے جس کا خاوند مر جائے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ پھر سورۃ طلاق میں یوں وارد ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن کہ حمل والیوں کی مدت (عدت) یہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کو جن لیں تو اس آیت کی رو سے عدت حاملہ کی خواہ اس کا خاوند مرا ہو وضع حمل سے ثابت ہوتی ہے۔ چاہے کسی کم مدت میں وضع حمل ہوا ہو لہذا حضرت علی سے ہر دو آیات کو جمع کرنے کے لئے احتیاط کی صورت مروی ہے یعنی ابعد الاجلین پر عمل کرنا چاہیے۔ کہ اگر وضع حمل چار ماہ دس دن کے بعد ہو تو وضع حمل سے عدت ختم ہو گی۔ اور اگر پہلے تو چار ماہ دس دن کے بعد۔ شافعیہ بھی اس میں گڑبڑائے ہیں کہ آیت بقرہ کو حدیث سبیعہ سے مخصوص مانیں یا منسوخ پایا گیا؟ مگر احناف کے نزدیک سبیعہ کی حدیث سے یہ آیت بقرہ نہ مخصوص ہو سکتی ہے نہ منسوخ۔ کیونکہ خبر واحد آیت کی مخصص نہیں نہ اس کی ناسخ البتہ سورۃ طلاق کی آیت اولات الاحمال سے آیت بقرہ کا نسخ مانتے ہیں۔ کیونکہ حدیث عبد اللہ بن مسعود اس پر صراحۃً دال ہے اور ثابت کرتی ہے کہ سورۃ طلاق کی آیت نزول میں متاخر ہے تو اس کی ناسخ ہوئی گویا تاریخ کا پتہ خبر واحد سے چلتا ہے مگر آیت بقرہ کا نسخ آیت طلاق سے ہے نہ خبر واحد سے۔ معجم طبرانی میں حضرت ابی سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اولات الاحمال کی آیت تین طلاقوں والی عورت کے لئے ہے یا اس کے لئے جس کا شوہر مر چکا ہو آپ نے فرمایا کہ ہر دو کے لئے۔ خلاصہ یہ کہ حاملہ کی عدت آیت طلاق سے وضع حمل متعین ہو گئی۔ چاہے شوہر کی وفات کے ایک ساعت بعد ہی وضع حمل ہوا ہو۔ مؤطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل ہے کہ اگر حاملہ عورت نے بچہ اسی وقت جنا کہ اس کے شوہر کی لاش ابھی تختہ پر ہے وہ دفن نہیں ہوئی تب بھی اس کی عدت ختم ہو گئی ہے۔

باب[۱۲۴] فی المرأة توفی عنها زوجها ولم یفرض لها صداقا ولم یدخل بها

باب۔ اس عورت کے بیان میں جس کا شوہر مرگیا ہو نہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو اور اس کے شوہر نے اس کے ساتھ خلوت صحیحہ کی ہو!

۲۹۰ ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه فی المرأة توفی عنها زوجها ولم یفرض لها صداقا ولم یکن دخل بها صداق نسائها ولها المیراث وعلیها العدة فقال معقل بن سنان الاشجعی اشهد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قضی فی بروع بنت واشق مثل ما قضیت ۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس عورت کے لئے جس کا خاوند مر گیا ہو اور اس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اور اس کے ساتھ خلوت صحیحہ کی نوبت نہ آئی ہو مہر مثل ہے اور اس کے لئے میراث ہے اور اس پر عدت وفات بھی واجب ہے۔ اس پر معقل بن سنان اشجعی بولے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے بارہ میں تمہارے فیصلہ کے مانند فیصلہ صادر فرمایا۔

ف ۔ حضرت علی سے اس مسئلہ میں خلاف منقول ہے کہ وہ ایسی عورت کے لئے مہر نہیں مانتے کیونکہ اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ مگر ان کا یہ مذہب بروایت صحیحہ منقول نہیں۔ ادھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حدیث صحیح طرق سے مروی ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ پھر معقل حضرت عبد اللہ کی رائے پر حدیث مرفوع سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اشجع کے بہت سے لوگ بھی یہی شہادت دیتے ہیں جن میں جراح اور ابو سنان بھی ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد کی روایت سے جو بطریق قتادہ مروی ہے صاف آشکارا ہے۔ لہذا حضرت عبد اللہ کی رائے بلا شک وشبہ درجہ ثبوت کو پہنچی۔ بلکہ ابو داؤد و ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ جب یہ شہادت سنی تو بہت ہی خوش ہوئے۔ کہ آپ کی رائے آنحضرت کے فیصلہ کے موافق ہوئی اب اس کی صحت میں کوئی شبہ ہی باقی نہ رہا۔ حضرت شافعی سے اس بارہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک حضرت علی کی موافقت میں۔ دوسری حضرت عبد اللہ کی پیروی میں۔ بلکہ یوں منقول ہے کہ حضرت امام شافعی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی موافقت میں اپنی رائے ظاہر کی۔

باب[۱۲۵] فی الایلاء بالکلام!

باب۔ ایلاء بالکلام کے بیان میں!

۲۹۱ حماد عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة قال فی المولی فیئه الجماع الا ان

حضرت علقمہ سے ایلاء کرنے والے کے بارہ میں منقول ہے کہ اس کا رجوع جماع ہے [illegible]

يكون له عذر نفيئه باللسان ٭

ہو۔ عورت کا مقام مرد کو معلوم نہ ہو۔ ان کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہو۔ مرد عنین یا مقطوع الذکر ہو یا عورت کسی اور دیگر جسمانی نقص سے ناقابل جماع ہو وغیرہ وغیرہ) تو ایسی صورت میں اس کا رجوع زبان سے ہے ٭

ف :- ایلار کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی کے پاس چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک نہیں جاؤں گا۔ تو یہ مُولی ہوا۔ اور اس کا یہ فعل ایلار۔ اس کے بارہ میں قرآن کی یہ آیت وارد ہے۔ للذین یؤلون من نسائھم الآیۃ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے اس مدت میں وطی کر لی تو یہ حانث ہوا اور اس پر کفارہ یمین واجب ہوا۔ اور ایلار جاتا رہا۔ اور اگر مدت متعینہ میں وہ بیوی کے پاس نہیں گیا۔ یہاں تک کہ مدت گذر گئی تو اب اس میں شافعیہ۔ مالکیہ۔ حنبلیہ اور حنفیہ کے مابین اختلاف ہے۔ مذکور الصدر مذاہب کی رو سے مدت گذر جانے پر اس کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور مجبور کیا جائے گا یا وہ طلاق دے یا رجوع کرلے۔ گویا مدت گذر جانے پر بھی مولی کو ان کے نزدیک رجوع کا حق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مدت گذر جانے پر خود بخود ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اور پھر اس کو رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔ مدت کے دوران میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ نزلعد میں جمہور صحابہ کا وہی مسلک ہے جو حنفیہ کا ہے۔ جن میں سے عمر۔ عثمان۔ علی۔ ابن عمر۔ ابن مسعود۔ ابن عباس۔ زید بن ثابت وغیرہ حضرات ہیں۔ اکابر تابعین مثلاً عطا۔ عکرمہ۔ سعید بن مسیب۔ ابی بکر بن عبد الرحمن۔ مکحول۔ ابن الحنفیہ۔ شعبی۔ نخعی۔ مسروق۔ وغیرہ بزرگ بھی احناف کے ساتھ متفق القول والرائے ہیں۔ یہ بات بے بنیاد و بے اصل ہے کہ جمہور صحابہ حنفیہ کے خلاف ہیں۔ اور روایات صحیحہ ان کی تردید ہیں۔ بلکہ صحیح تر روایات احناف کے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ عبد الرزاق روایت لائے ہیں کہ عثمان و زید بن ثابت ایلار میں کہا کرتے تھے کہ جب چار ماہ گذر جائیں تو ایک طلاق ہے اور عورت اپنے نفس کی زیادہ مختار ہے اور وہ مطلقہ کی سی عدت کرے۔ پھر قتادہ کے واسطہ سے حضرت علی و ابن مسعود و ابن عباس سے روایت لائے ہیں جس کے الفاظ یہی ہیں۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ ابن عباس و ابن عمر سے روایت لائے ہیں کہ مدت گذر جانے پر ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ ان روایات کے رجال شیخین کے رجال ہیں۔ یا ان کی شرط پر۔ اسی طرح قرآن کی آیت بھی اپنے الفاظ سے مذہب حنفیہ کی تائید کرتی ہے۔ جس کو علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں خوب واضح فرمایا ہے ٭

باب الخلع ! ۱۲۶ — باب۔ خلع کے بیان میں !

۲۹۹ حماد عن ابیه عن ایوب السختیانی ان امرأة ثابت بن قیس اتت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت لا انا ولا ثابت

حضرت ایوب سختیانی سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی عورت نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ نہ میں ثابت کے پاس رہ سکتی ہوں۔ نہ ثابت میرے ساتھ بسر کر سکتے ہیں

Marfat.com

فقال اتختلعين منه بحديقته فقالت نعم وازيد قال اما الزيادة فلا ۔

(گویا ہم میں نباہ نہیں ہو سکتا) آپ نے فرمایا کہ کیا تو خلع کرتی ہے ثابت سے اس کا باغیچہ واپس دے کر اس نے کہا ہاں اور زائد دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں زائد نہیں ۔

ف:۔ اس حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خلع میں مہر پر زیادتی نہیں۔ احناف اسی خیال کے ہیں۔ ابن جریج عطاء سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد خلع کی ہوئی عورت سے اس مہر سے زیادہ نہ لے جو وہ دے چکا ہے عبدالرزاق حضرت علی سے بروایت نقل کرتے ہیں لا تاخذ منها فوق ما اعطيتها کہ تو اپنے دیئے ہوئے مہر سے زائد عورت سے کچھ نہ لے۔ طاؤس سے بھی ایسی روایت ہے ۔

كتابُ النفقاتِ!

کتاب نفقوں کے بیان میں!

ابوحنيفة عن حماد عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا بات احدكم مغموما مهموما من سبب العيال كان افضل عند الله تعالى من الف ضربة بالسيف فى سبيل الله ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی رات گزارے اہل وعیال کے سبب۔ (کہ ان کے لئے کسب حلال کہاں سے اور کیسے لایا جائے) غمزدہ اور رنجیدہ ہو کر تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ کے راستے میں تلوار کی ہزار ضربوں سے افضل و بہتر ہے ۔

ف:۔ اس سلسلہ میں اور بہت احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ مسلمان کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا موجب ثواب ہے اور باعث اجر۔ بخاری میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے اہل پر خرچ کرے اور محض خدا کی خوشنودی مدنظر ہو تو یہ خرچ اس کے حق میں صدقہ شمار ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے تو جو خرچ کرے اور اس میں محض اللہ کی خوشنودی مدنظر ہو تو وہ تیرے لئے باعث اجر ہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تو عورت کے منہ میں دیتا ہے۔ مسلم کی روایت بھی اسی مضمون کو ظاہر کرتی ہے ۔

ابوحنيفة عن عطاء عن ابيه عن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انك لن تنفق نفقة تريد بها وجه الله الا اُجِرتَ عليها حتى اللقمة ترفعها الى فى امرأتك ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تو نہیں خرچ کرے گا کوئی خرچ جس سے تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی و خوشنودی کا خواہاں ہو مگر تجھ کو اس پر اجر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تو اپنی عورت کے منہ میں دیتا ہے

ف:۔ یہ اللہ رب العزت کی بندہ پروری ہے اور بندہ نوازی اور نہایت ہی مہربانی کا فرمانا کہ جو امور ہمارے حظ نفس کا ذریعہ ہیں۔ اور فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے اسباب ہیں نیت کی درستی سے انہیں میں ثواب و اجر پوشیدہ ہے۔ مثلاً اہل وعیال کی پرورش اور ان کی خاطر کسب معاش ہیں جو کہ ہمارے فطری جذبات کے

Marfat.com

ماتحت ہے اور اس میں ہمارے نفس کے لئے سرمایہ مسرت ہے۔ لیکن اگر یہی جفاکشی اور دوڑ دھوپ اس غرض کے پیش نظر ہو کہ ان حقوق سے سبکدوشی حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ نے سرپرست مرد کے ذمہ اس کے اہل وعیال کے رکھے ہیں تو اسی میں اس کے لئے اجر و ثواب بھی ہے۔ ذرا سی نیت بدل جانے سے دنیا و آخرت۔ دو کے مزے وہ لوٹتا ہے۔ دل کو بھی وہ خوش کرتا ہے اور اللہ کو بھی راضی۔ دنیا بھی بنتی ہے۔ اور آخرت بھی۔

كتاب المدبر!

باب بيع المدبر!

أبو حنيفة عن عطاء عن جابر بن عبد الله أن عبدا كان لإبراهيم بن نعيم النحام فدبره ثم احتاج إلى ثمنه فباعه النبي صلى الله عليه وسلم بثمان مائة درهم۔

وفي رواية أن النبي صلى الله عليه وسلم باع المدبر۔

کتاب مدبر کرنے کے بیان میں!

باب۔ مدبر کی بیع کے بیان میں!

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابراہیم بن نعیم النحام (القرشی) کا ایک (یعقوب نامی قبطی) غلام تھا جس کو انہوں نے مدبر کر دیا۔ پھر اس کی قیمت کی ان کو ضرورت ہوئی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو درہم میں (ان کی طرف سے) اس کو بیچ دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بیچا مدبر غلام کو۔

ف: مدبر وہ غلام ہے جس کا آقا اپنے غلام سے کہہ دے کہ اگر میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے۔ حدیث ذیل کے ماتحت ایک اختلافی مسئلہ قابل تشریح ہے اور محتاج بیان۔ بنائے اختلاف یہ ہے کہ مدبر غلام کی بیع جائز ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مدبر کی بیع جائز ہے ان کی دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے بخاری میں یہی مضمون مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام کو مدبر کیا اور اس کے سوا اس کے پاس کوئی اور مال نہ تھا۔ اس کی خبر آنحضرت کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کون مجھ سے خریدتا ہے۔ نعیم بن عبد اللہ نے اس کو آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ اور آپ نے اس کی قیمت نعیم کو دے دی۔ نسائی میں یوں ہے کہ وہ شخص قرض دار تھا۔ اور محتاج آپ نے اس غلام کو بیچا اور فرمایا کہ اس کی رقم سے قرض چھوڑا دے۔ پھر یہ حدیث ذیل بھی بظاہر اسی خیال کی تائید کرتی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک مدبر کی بیع جائز نہیں۔ ان کی حجت ابن عمر کی مرفوع حدیث ہے جو دارقطنی ان الفاظ سے لائے ہیں المدبر لا يباع ولا يوهب وهو حر من ثلث المال۔ کہ مدبر غلام نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور وہ ثلث مال سے آزاد ہے۔ اس کی رفع کی صحت میں بعض کلام کرتے ہیں۔ بہرحال موقوف تو بلاشک صحیح ہے۔ دارقطنی نے بھی اس کو موقوف صحیح مانا ہے۔ تو گویا یہ قول صحابی ہوا اور صحابی کا قول ایسے امر میں جس میں قیاس کو کوئی دخل نہ ہو۔ مرفوع کے مرتبہ میں مانا گیا ہے۔ لہذا یہ قول

Marfat.com

حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا۔ ۲۔ حدیث جابر کا سوال تو وہ اس حدیث موقوف کے معارض نہیں۔ کیونکہ حضرت جابر کی حدیث ایک خاص واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ جو حدیث ابن عمرؓ کے رتبہ کو نہیں توڑتی۔ ہاں تعارض جب ہوتا کہ ان الفاظ کی کوئی حدیث وارد ہوتی۔ بیع المدبر کہ مدبر غلام بیچا جاسکے۔ پھر وہ حدیث جو حضرت ابی جعفر سے دارقطنی اور بیہقی لائے ہیں۔ دارقطنی عبدالملک بن ابی سلیمان کے واسطہ سے۔ اور بیہقی حکم کے واسطہ سے حدیث جابر کی اس فعلی حدیث کی ترجمانی کرتی ہے۔ اور اس تعارض ظاہری کو بالکل رفع کردیتی ہے کہ اس کا مدلول یوں ہے۔ لا باس ببیع خدمۃ المدبر کہ مدبر غلام کی خدمت کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن قطان نے اس کو وصلاً اور ارسالاً ہر دو طریق سے صحیح بتایا ہے گویا اس حدیث کی روشنی میں حدیث جابر کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ بیع خدمت مدبر کی تھی۔ جو جائز ہے۔ نہ مدبر کی بیع۔ مدبر بدستور معہود آقا کے مرنے پر آزاد ہوگا۔

بابُ الوَلاءِ! ۱۲۹

باب۔ ولا کے بیان میں!

۳۰۲ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ انھا ارادت ان تشتری بریرۃ لتعتقھا فقالت موالیھا لا نبیعھا الا ان نشترط الولاء لنا فذکرت ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الولاء لمن اعتق۔

اسود سے روایت ہے کہ عائشہؓ نے بریرہؓ کو خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کریں۔ تو اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم نہیں بیچیں گے اس کو مگر اس شرط سے کہ اس کا حق ولا ہم کو ملے۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر آنحضرتؐ سے کیا۔ آپ نے فرمایا ولا کا حق اس کو ہے جو اس کو آزاد کرے۔

ف: آزاد شدہ غلام کے مرنے پر اگر اس کے ذوی الفروض یا عصبات نہ ہوں تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے آقا کو پہنچے گا۔ اور اسی حق کو ولا کہتے ہیں۔ یوں شریعت نے آزاد کرنے والے کو بھی عصبہ مانا ہے۔ مگر نسبی عصبہ سے کم درجہ پر۔

بابُ النَّھی عَنْ بَیعِ الوَلاءِ وَھِبَتِہٖ!

باب ولا کو بیچنا اور ہبہ کرنے کی ممانعت کے بیان میں!

۳۰۴ ابو حنیفۃ عن عطاء بن یسار عن ابن عمرؓ عن النبی صلعم انہ نھی عن بیع الولاء وھبتہ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا حق ولا کی بیع و ہبہ سے۔

ف: یہ حکم سابق کے ماتحت ہے کہ جب آزاد کرنے والے کے لئے متعین ہو گیا۔ تو اس کی بیع یا اس کا ہبہ کس طرح جائز ہو اور یہ اپنے حق کو کیونکر منتقل کرے نہ وہ بدلے کر ایسا کر سکتا ہے۔ د مفت۔ اس پر سلف و خلف سب کا اتفاق ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا کہ جنہوں نے اہل اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور اس کو جائز قرار دیا ہے ان کو غالباً یہ حدیث نہیں پہنچی۔

کتاب الایمان!

باب النهي عن يمين الفاجرة

۲۰۵ ابو حنيفة عن ناصح بن عبد الله يقال ابن عجلان يحيي بن يعلى واسحق بن السلولي ابو عبد الله محمد بن علي بن نفيل عن يحيي بن ابي كثير عن ابي سلمة عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلعم ليس مما يعصي الله تعالى به شئ هو اعجل عقابا من البغي وما من شئ اطيع الله تعالى به اسرع ثوابا من الصلة واليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع ۔

وفي رواية ليس شئ اعجل ثوابا من صلة الرحم وليس شئ اعجل عقوبة من البغي و قطيعة الرحم واليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع ۔

وفي رواية ما من عمل اطيع الله تعالى فيه باعجل ثوابا من صلة الرحم وما من عمل عصي الله تعالى به باعجل عقوبة من البغي واليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع ۔

وفي رواية ما من عقوبة مما يعصي الله تعالى فيه باعجل من البغي ۔

کتاب قسموں کے بیان میں!

باب جھوٹی قسم کی ممانعت میں!

حضرت ابی ہریرہ رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بغاوت سے زیادہ جلد تر عقاب و عذاب کی مستحق بنا دے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاریوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو صلہ رحمی سے تیز تر سزا اور ثواب واجر ٹھہرا دے۔ اور جھوٹی قسم شہروں کو اجاڑ کر ڈالتی ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کوئی چیز صلہ رحمی سے جلد تر ثواب کی مستحق نہیں کرتی۔ اور کوئی چیز بغاوت وقطع رحمی سے تیز تر سزا اور عقاب نہیں دیتی اور جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر دیتی ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کوئی عمل جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے صلہ رحمی سے بڑھ کر جلد مستحق ثواب بنانے والا نہیں۔ اور کوئی عمل جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جائے بغاوت سے بڑھ کر جلد سزا اور عقاب بنانے والا نہیں۔ اور جھوٹی قسم شہروں کو اجاڑ دیتی ہے۔

اور ایک اور روایت میں اس طرح ہے۔ کہ نہیں ہے کوئی نافرمانی جو اللہ تعالیٰ کی شان میں کی جاوے بغاوت سے جلد تر عذاب کا سبب بننے والی ہے۔

ف: یہ قسم غموس کا اثر ہے جو گذشتہ بات پر قصداً کھائی جاتی ہے۔ اس کو غموس اس لئے کہا گیا کہ گویا قسم کھانے والے کو دنیا میں گناہ میں اور آخرت میں آتش دوزخ میں ڈبو دیتی ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ مالک۔ احمد اوزاعی۔ ثوری۔ اسحق کے نزدیک اس میں کوئی کفارہ نہیں۔ ابن مسعود کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور اسی پر قرآن زبانی اور سنت نبوی شاہد ہیں۔ شافعی رح اس میں کفارہ مانتے ہیں مگر ان کی حجت کا پتہ نہیں کہ وہ کس حدیث

Marfat.com

سے احتجاج کرتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جھوٹی جھوٹی بات۔ امام حق کے ساتھ بغاوت اور قطع رحمی یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ بغاوت کے بارہ میں سخت وعیدیں اور شدید دھمکیاں احادیث میں وارد ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ طبرانی کبیر میں بخاری تاریخ میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور والدین کی نافرمانی دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ بندہ کو جلد از جلد دنیا میں پکڑ لیتا ہے۔ احمد اپنی مسند میں بخاری ادب المفرد میں۔ ابن حبان اور حاکم اپنی اپنی صحیح میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں جلد از جلد پکڑے علاوہ اس عذاب کے جو اس کے لئے آخرت میں رکھا جاتا ہے۔ بہرحال کتاب و سنت سے اس کا سنگین گناہ ہونا ثابت ہے اور علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ بعض صدر اول کی بغاوت میں علماء مختلف القول ہیں اور متنوع الرائے۔ مثلاً جنگ صفین میں بعض اس طرف گئے کہ یہ بغاوت نہ تھی۔ اہل السنت والجماعت کے نزدیک یہی قول احتیاط سے قریب تر ہے۔ اور موافق ادب۔ اکثر کا خیال ہے کہ یہ بغاوت تھی۔ مگر چونکہ وہ بزرگ جو معروف بہ بیکار تھے اہل اجتہاد تھے اس لئے وہ اپنے اجتہاد پر بجائے اس کے کہ نعوذ باللہ گناہگار ہوں عنداللہ ماجور ہوں گے۔ جیسا کہ اجتہاد کا حکم ہے۔ ایک فریق اس طرف بھی گیا ہے کہ گویہ درحقیقت تھی مگر ان بزرگوں کو یہ احادیث اس وقت تک عدم شہرت کی بنا پر نہ پہنچ سکی تھیں تو وہ معذور تھے۔ مگر یہ قول قابل پذیرائی نہیں۔ کہ ایسی مشہور متواتر احادیث کیسے ان بزرگوں پر پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں۔ اسی لئے اکثر نے اس کو بغاوت مانا ہے مگر یہ اجتہادی امر ہے جو موجب اجر و ثواب ہے۔ نہ سبب گناہ چہ جائیکہ نعوذ باللہ گناہ کبیرہ ہو۔ پھر ایسے خیال کا کیسے خلود ہو جبکہ خود حضرت علی رض سے ابن عدی اپنی کامل میں مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ ڈرو بغاوت سے کیونکہ بغاوت کے علاوہ کسی چیز کی سزا تیز تر پہنچنے والی نہیں۔ رہا جنگ جمل کا واقعہ تو وہ نہ قصد و عمد سے وقوع پذیر ہوا۔ نہ اس میں انکار خلافت تھا کہ وہ بغاوت میں شمار ہوتا۔ تو وہ محل اختلاف نہیں بن سکتا۔ پھر جبکہ خود حضرت عائشہ سے ترمذی و ابن ماجہ اس مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ وہ بھلائی جو کو تیز تر پہنچائے خیر رسانی اور صلہ رحمی ہے اور وہ بدی جو سزا کو جلد تر پہنچائے بغاوت اور قطع رحمی ہے۔

باب[۱۵۲] نذر معصیۃ وفیہ الکفارۃ وعدم الوفاء!

باب۔ گناہ پر نذر ماننے میں اور اس میں کفارہ ہے اور اس کا پورا نہ کرنا!

ابو حنیفۃ عن محمد بن الزبیر عن الحسن عن عمران قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا

حضرت عمران رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے منت مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے گا یعنی کسی جائز و نیک کام کو انجام دے گا تو اس کو چاہئے کہ اطاعت کرے اور اس مباح فعل کو عمل میں لا دے۔ اور جو منت مانے کہ اللہ کی نافرمانی کرے گا یعنی

Marfat.com

یعصه ۔ ولا نذر فی غضب ۔

(کسی ناجائز اور گناہ کے کام کی نذر مانے) تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ (یعنی نذر کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب نہ کرے) اور نہیں نذر ہے غصہ میں ۔

ف:۔ حدیث ذیل میں آخری جملہ کی ترجمانی یا تو یہ ہے کہ بحالت غصہ نذر کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ جوش غضب میں انسان شعور سے باہر ہوتا ہے اور اس کے افعال اعتبار سے خارج۔ اور اس کیفیت غضبی میں اس کا فعل اضطراری ہوتا ہے نہ اختیاری کہ اس پر حکم شرعی مرتب ہو۔ یا یہ کہ ایسے امر میں نذر نہیں جو موجب غضب خدا ہو اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ پہلی صورت گویا حضرت علی کے مذہب کی ترجمانی ہے اور قسم لغو کی ایک شکل کہ آپ کا یہ قول منقول ہے اللغو ھو الیمین فی الغضب کہ بحالت غضب قسم کھانا قسم لغو ہے طاؤس بھی اسی خیال کے پیرو ہیں ۔

ابو حنیفة عن محمد بن الزبیر الحنظلی عن الحسن عن عمران بن حصین قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا نذر فی معصیة الله تعالی وکفارته کفارة یمین ۔

حضرت عمران بن حصین رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بات میں منت کا پورا کرنا نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے ۔

ف:۔ اس حدیث میں کفارہ کا مسئلہ ائمہ کرام کے مابین ایک نقطہ اختلافی ہے۔ امام شافعی و مالک رح کے نزدیک نذر معصیت میں کوئی کفارہ نہیں۔ کیونکہ نذر معصیت لغو و عبث ٹھیری۔ تو اب اس میں کفارہ کا کیا کام اور احادیث کے باب میں یہ ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہیں جن میں کفارہ کا ذکر نہیں اور یا محض یہ الفاظ ہیں کہ لا وفاء النذر فی معصیة کہ گناہ کی بات میں نذر کا پورا کرنا نہیں یا لا نذر فی معصیة الله کہ معصیت اللہ میں نذر کا پورا کرنا نہیں۔ امام ابو حنیفہ و امام احمد و اسحٰق کا مسلک ہے کہ نذر معصیت میں کفارہ یمین ہے۔ روایت کے میدان میں ان کی حجت ایک تو حضرت عمران کی حدیث ذیل ہے جو صاف الفاظ میں گویا ہے کہ اس میں کفارہ یمین ہے۔ پھر مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر سے مرفوع روایت ہے کفارة النذر کفارة الیمین کہ نذر کا کفارہ یمین کا سا کفارہ ہے۔ اگر مذہبی چشمک سے کسی کو حضرت عمران کی حدیث کو صحیح ماننے میں کچھ سبکی محسوس ہوتی ہو تو مسلم کی حدیث میں کون کلام کر سکتا ہے۔ مزید براں ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہ سے بھی مرفوع حدیث ہے اور یہی الفاظ مروی ہیں کہ نذر کا کفارہ یمین کا سا کفارہ ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں قائلین کفارہ کی تردید میں بڑے شد و مد سے کہا ہے اما حدیث کفارته کفارة الیمین فضعیف باتفاق المحدثین کہ کفارته کفارة الیمین کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ حافظ سے نہ رہا گیا آخر کہا کہ اس حدیث کو طحاوی اور ابن السکن نے صحیح کہا ہے۔ تو اب اس کے ضعف پر اتفاق کب رہا۔ پھر قیاس بھی اسی مذہب کی تائید کرتا ہے کیونکہ یمین لوازم نذر سے ہے بدیں صورت کہ نذر نام ہے ایجاب مباح کا یعنی ایک مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا اور یہ مستلزم ہے تحریم حلال کو جو عین یمین ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی یمین کی ترجمانی فرماتے ہوئے فرمایا لم تحرم ما احل الله لک آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس کو جس کو آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ منہ الملحاظ

روایت و درایت مذہب حنفیہ ہی حق ہے اور قابل قبول و تسلیم ۔

باب ۱۵۳ یمین اللغو!

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت سمعت في قول الله عز وجل لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم هو قول الرجل لا والله وبلى والله ۔

باب یمین لغو کے بیان میں!

۲۰۸ / ۲۱ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کی تفسیر میں لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم کہ اللہ تمہاری لغو قسموں کے بارہ میں تم سے مواخذہ نہ کرے گا۔ سنا ہے کہ اس سے مراد انسان کا یہ قول ہے کہ شلا لا واللہ وبلیٰ واللہ یعنے نہیں قسم اللہ کی۔ اور ہاں قسم اللہ کی ۔

ف :۔ یہ حدیث دراصل قسم لغو کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہاں اقسام قسم کی مختصری وضاحت ضروری نظر آتی ہے کہ بات زیر بیان صفائی کے ساتھ سامنے آجائے۔ قسم کی تین قسمیں ہیں ایک یمین غموس ہے وہ یہ کہ گذشتہ بات پر قصداً جھوٹی قسم کھائی جائے اس پر انسان گنہگار ہوتا ہے اور شریعت میں اس پر بڑی تہدیدیں وارد ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا جس نے جھوٹی قسم کھائی۔ اللہ اس کو آتش دوزخ میں داخل کرے گا۔ اور اسی کا یہ مہلک اثر ہے کہ یہ آبادی کو اجاڑ دیتی ہے جیساکہ ماسبق حدیث میں بیان ہوا۔ اس کا تدارک توبہ و استغفار ہے۔ اس میں حنفیہ کے نزدیک کفارہ نہیں شافعیہ کے نزدیک کفارہ ہے۔ چنانچہ عبارت بالا میں یہ بھی سہو قلم ہوا۔ دوسری منعقدہ وہ یہ کہ کسی بات پر انسان قسم کھائے۔ کہ وہ مستقبل میں اس کو کرے گا۔ یا نہیں کرے گا۔ اس میں حانث ہونے پر کفارہ ہے اور انسان قابل گرفت۔ کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولکن یواخذکم فیما عقدتم الایمان تیسری لغو اس کی تفسیر میں صحابہ بھی اور بعد کے لوگ بھی مختلف القول ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک وہ یہ ہے کہ انسان بے سوچے سمجھے قسم کے الفاظ منہ سے نکالے جیساکہ بعضوں کی عادت ہو جاتی ہے اور اس کو وہ اپنا تکیہ کلام کر لیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک وہ یہ ہے کہ انسان کسی گذشتہ بات پر قسم کھائے اور دل میں یہ جانتے کہ میں صحیح قسم کھا رہا ہوں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ واقعہ کچھ اور تھا اور میں نے جھوٹی قسم کھالی۔ گویا اس کو غلط فہمی ہوئی قسم بہر حال اس نے اپنے علم کے لحاظ سے صحیح کھائی۔ مثلاً ایک کام کے بارہ میں اس کو یقین ہے کہ میں نے کہا ہے تو اس نے اس کے کہنے پر قسم کھالی۔ بعد میں سوچا کہ میں نے اس کو نہیں کہا تھا۔ یا اس صورت کا الٹ کیا۔ یا مثلاً دور سے ایک آدمی دیکھا اور کہا کہ قسم اللہ کی یہ زید ہے بعد میں پتہ چلا کہ یہ زید نہیں تھا۔ بلکہ عمر تھا۔ اس میں کوئی کفارہ نہیں حضرت ابن عباس۔ مجاہد۔ حسن۔ نخعی۔ قتادہ۔ مکحول وغیرہ کی لغو کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ حضرت علی رض کے نزدیک لغو وہ قسم ہے جو غصہ میں کہی جائے۔ سعید بن جبیر کے نزدیک وہ قسم ہے جو معصیت میں کھائی جائے۔ یہ مسئلہ کی ایک عمومی وضاحت تھی۔ اب حدیث ذیل کے بارہ میں یہ امر قابل حل ہے کہ یہ حدیث بظاہر مذہب شافعیہ کی ترجمانی کرتی ہے نہ مذہب حنفیہ کی۔ امام محمد نے اپنی موطا میں اس الجھن کو حدیث کی تاویل کر کے دور کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان یہ الفاظ منہ سے نکالے۔ اور

Marfat.com

اس کو گمان ہو کہ میں صحیح سمجھ رہا ہوں اور صحیح سمجھ رہا ہوں پھر بعد میں واقعہ اس کے خلاف ثابت ہو اور اس کا گمان غلط نکلے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قصد کو یمین لغو میں دخل ہے۔ شافعیہ کے نزدیک نہیں۔ پھر یہ بھی کہ یہ امام صاحب سے ضعیف طریق سے مروی ہے۔ بہرحال امام صاحب کا مشہور مذہب اپنی جگہ صحیح مانا جائے گا۔

۳۰۹/۲ حماد عن ابیه عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة فی قول الله عزوجل لایؤاخذکم الله باللغو فی ایمانکم قالت هو قول الرجل لاوالله وبلی والله مما یصل به کلامه مما لایعقد علیه قلبه حدیثا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ عزوجل کے قول لایؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم کی تفسیر میں فرماتی ہیں، مثلاً آدمی کا کہنا لا واللہ و بلی واللہ اس کا ایسا کلام جس میں اس کا دل کسی بات پر قسم کا قصد نہ کرے (گویا تکیہ کلام کے طور پر اور ایک عادت کی بنا پر جس میں سوچ بچار کو چنداں دخل نہ ہو)۔

ف:۔ مسئلہ کی رو سے پورا معنی حدیث کے اعتبار سے حدیث کی وضاحت و تشریح گذر چکی۔

باب الاستثناء فی الیمین یبطلها

باب اس بیان میں کہ قسم میں جملہ استثناء لانا اس کو باطل کر دیتا ہے!

۳۱۰/۱ ابوحنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من حلف علی یمین واستثنی فله ثنیاه۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی کسی بات پر اور استثناء کیا اس میں تو اس کے لئے اس کی استثناء ہے (یعنی استثناء معتبر ہوئی اور قسم منعقد نہ ہوئی)۔

ف:۔ استثناء سے مراد جملہ انشاء اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اگر یہ قسم کے متصل ہی بولا گیا تو قسم کو لغو کر دے گا۔ اور یہ معنی ابوداؤد۔ نسائی۔ حاکم ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بطریق صحیح یوں روایت لائے ہیں من حلف علی یمین فقال انشاء الله فقد استثنی۔ یعنی جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور کہا انشاء اللہ تو اس کا استثناء صحیح مانا گیا اور یمین منعقد نہ ہوئی۔

۳۱۱/۲ حماد عن ابیه عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابیه عن ابن مسعود قال من حلف علی یمین وقال ان شاء الله فقد استثنی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور کہا ان شاء اللہ تو اس کی استثناء صحیح ہوئی۔ (یعنی قسم واجب نہ ہوئی)۔

ف:۔ گویا استثناء کا صحیح مانا جانا۔ قسم کے لغو ہونے کے مرادف ہے۔

Marfat.com

كِتَابُ الحُدُودِ!

کتاب شرعی سزاؤں کے بیان میں!

بَابُ حُرْمَةِ الخَمْرِ وَالقِمَارِ وَغَيْرِهِمَا ۱۵۵

باب شراب، جوئے اور دوسری چیزوں کی حرمت کے بیان میں!

۳۱۲ / ۲۱

ابو حنيفة عن مسلم عن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان الله كره لكم الخمر والميسر والمزمار والكوبة۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے حرام کیا تم پر شراب جوئے، آلۂ طرب اور طبلہ کو۔

ف:۔ حدیث میں لفظ کوبۃ کی تفسیر بعض نے نرد وشطرنج سے کی ہے اور بعض نے چھوٹے طبل اور بربط سے بہرحال یہ سب چیزیں ممنوع الاستعمال ہیں جو یہاں مراد لی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح مزمار ان آلات کو شامل ہے جو گانے بجانے کے کام میں آتے ہیں۔ مثلاً عود وطنبورہ وغیرہ۔ شراب و آلات طرب وغنا کی حرمت پر بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ مسلم میں حضرت بریدہ سے یوں روایت ہے کہ جس نے نرد شیر سے کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگا۔ امام احمد حضرت ابی امامہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو عالم والوں کے لئے موجب رحمت اور سبب ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں دنیا سے آلات طرب وعیش، بت پرستی، صلیب پرستی اور جاہلیت کو مٹا ڈالوں اور یہ کہ میرے رب نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ہر جو بندہ بھی شراب کا ایک گھونٹ لے گا میں اس کو اسی مقدار میں پیپ پلاؤں گا اور جو میرے ڈر سے اس کو چھوڑ دے گا تو میں اس کو حیاض قدس سے سیراب کروں گا۔ فقہاء کرام اس پر متفق ہیں کہ [illegible] گانا آلات طرب سے بھی خالی ہو اور دیگر حرام چیزوں سے بھی پاک مثلاً عورت یا مرد کی آواز [illegible] کوئی دخل ہو اور کسی مسلم کی ہجو یا دین ومذہب کی توہین سے وہ بری ہو تو ایسا گانا جائز ہے [illegible] بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور اکثر اس کی کراہت کے۔ شراب وجوئے کی حرمت اور ان کی برائی میں کئی آیات قرآنیہ وارد ہیں مثلاً يسئلونك عن الخمر والميسر آخر آیت تک۔ انما الخمر والميسر والانصاب والازلام [illegible]

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ وَحَدِّ السَّرِقَةِ ۱۵۶

باب۔ شراب نوشی اور چوری کی سزا کے بیان میں!

۳۱۳ / ۲۱

ابو حنيفة عن يحيى عن ابن مسعود قال اتاه رجل بابن اخ له نشوان قد ذهب عقله فامر به فحبس

[illegible] ابن مسعود کے پاس ایک شخص نے بھتیجے کو لایا جو مست تھا۔ اور بوجہ نشہ اس کی عقل گم تھی آپ کے حکم سے اس کو قید کیا گیا۔

Marfat.com

حتى اذا صحا وافاق عن المسكر
دعا بالسوط فقطع ثمرته ثم رقه
ودعا جلادا فقال اجلده على
جلده وارفع يدك في جلدك
ولا تبد ضبعيك۔

قال وانشأ عبد الله يعدّ حتى
اكمل ثمانين جلدة خلى سبيله
فقال الشيخ يا ابا عبد الرحمن والله
انه لابن اخي ومالي ولد غيره
فقال شر العم والي اليتيم انت كنت
والله ما احسنت ادبه صغيرًا
ولا سترته كبيرًا۔

قال ثم انشأ يحدثنا فقال ان
اول حد اقيم في الاسلام لسارق
اتى به الى النبي صلى الله عليه وسلم
فلما قامت عليه البينة قال انطلقوا
به فاقطعوه فلما انطلق به نظر الى
وجه النبي صلى الله عليه وسلم كانما
سُفّ عليه والله الرماد فقال
بعض جلسائه يا رسول الله لكأن
هذا قد اشتد عليك فقال وما يمنعني
ان يشتد علي ان تكونوا اعوان
الشياطين على اخيكم قالوا فلولا
خليت سبيله قال افلا كان
هذا قبل ان تأتوني به فان الامام
اذا انتهى اليه حد فليس ينبغي
له ان يعطله قال ثم تلا
وليعفوا وليصفحوا ۔

یہاں تک کہ جب اس کا نشہ اُترا اور اس کو نشہ اور
سرمستی سے افاقہ ہُوا۔ تو حضرت ابن مسعود نے کوڑا
منگوایا اور اس کا پھندنا کاٹ ڈالا پھر اس کو نرم کیا۔
اور جلاد کو بلایا۔ اس کو حکم کیا کہ اس کی جلد پر چابک مار
(یعنی اس کو ننگا کر کے) اور مار مارتے وقت اپنا ہاتھ اٹھا
مگر نہ اتنا کہ تیری بغلیں دکھیں۔ یحییٰ نے کہا کہ خود عبداللہ
درّوں کو گننے بیٹھے۔ یہاں تک کہ جب اسی کوڑے
ہو گئے تو اس کو چھوڑ دیا۔ تو اس بوڑھے نے (شراب
خور کے چچا نے) کہا اے ابا عبدالرحمن قسم اللہ کی۔ یہ میرا
بھتیجا ہے اور اس کے سوا میری کوئی اولاد نہیں۔ آپ
نے کہا کہ تو بُرا چچا ہے کہ تو یتیم کا والی ہوا اور قسم اللہ کی
نہ تو نے بچپن میں اس کو ادب دیا اور نہ بڑے پن میں
اس کی عیب پوشی کی۔ یحییٰ نے کہا کہ پھر ابن مسعودؓ
ہم سے حدیث بیان کرنے لگے اور کہا کہ اول حد جو
اسلام میں لگائی گئی وہ ایک چور پر تھی جو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس لایا گیا۔ جب اس پر گواہی گذر گئی۔ تو
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ
کاٹو جب اس کو لے جانے لگے تو آپ کے چہرہ مبارک
کا رنگ متغیر ہو گیا۔ بعض حاضرین نے عرض کیا یا رسول
اللہ گویا یہ امر آپ پر سخت شاق گذرا۔ آپ نے فرمایا
کہ یہ مجھ پر شاق کیوں نہ ہو کہ تم شیطان کے مددگار بن
جاؤ۔ اپنے بھائی کے معاملہ میں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ
پھر آپ نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ
کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا پہلے اس کے کہ تم اس کو میرے
پاس لاتے۔ البتہ امام کے سامنے جب جرم قابل حد
ثابت ہو جائے تو اس کے لئے روا نہیں کہ پھر اس کو
چھوڑ دے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔
فلیعفوا ولیصفحوا یعنی تم کو چاہیے کہ معاف کر
دو اور منہ پھیر لو۔

وَفِی رِوَایَةٍ عن ابن مسعودٍ رضہ ان رجلا اتی بابن اخ له سكران فقال ترتروه و مزمزوه واستنكهوه فوجد وامنه ريح شراب، فامر بحبسه فلما صحا دعا به ودعا بسوط فامر به فقطعت ثمرته وذكر الحديث ◆

اور ایک روایت میں ابن مسعودؓ سے یوں نقل ہے کہ ایک شخص اپنے مست بھتیجا کو لایا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے حکم دیا کہ اس کو ذرا حرکت دو اور جنبش میں لاؤ اور اس کی بو سونگھو۔ تو اس سے شراب کی بو آتی ہوئی پائی۔ آپ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جب اس کا نشہ اترا۔ تو آپ نے اس کو بلایا۔ اور ایک چابک بھی منگوایا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کی چوٹی کاٹی گئی۔ باقی حدیث مثل سابق ہے ◆

وَفِی رِوَایَةٍ عن ابن مسعودٍ قال ان اوّل حد اقيم فی الاسلام ان رسول الله صلی الله عليه وسلم أُتی بسارقٍ فامر به فقطعت يده فلمّا انطلق به نظر الی رسول الله صلی الله عليه وسلم كانما يسف فی وجهه الرماد فقال يارسول الله كانه شق عليك فقال الا يشق علیّ ان تكونوا اعوانا للشيطان علی اخيكم قالوا فلا ندعه قال افلا كان هذا قبل ان يؤتی به وان الامام اذا رفع اليه الحد فليس ينبغی له ان يدعه حتی يمضيه ثم تلا وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا الآية ◆

اور ایک اور روایت میں ابن مسعودؓ سے یوں مروی ہے کہ اول حد جو اسلام میں لگائی گئی یہ تھی کہ ایک چور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ جب اس کو لے کر چلے تو صحابہ کی نظر آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک پر پڑی گویا اس پر راکھ پڑی ہے یعنی چہرہ مبارک بالکل متغیر تھا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ حکم آپ پر شاق ہوا۔ آپ نے فرمایا مجھ پر شاق نہ ہو کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بن جاؤ۔ سب نے عرض کیا تو کیا ہم نہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے کیا تم نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ امام کے سامنے جب کوئی حد ثابت ہو جائے تو اس کو نہ چاہئے کہ اس کو چھوڑے تا وقتیکہ اس کو جاری نہ کر دے۔ پھر آپ نے آیت تلاوت کی ولیعفوا ولیصفحوا آخر آیت تک ◆

ف: ۔ حدیث ذیل میں حضرت ابن مسعودؓ اور آنحضرتؐ کے عمل میں مختلف مسائل طبعہ اور فوائد دینیہ مضمر ہیں اور ہر دو عمل مفید ہدایات کا سرچشمہ ہیں۔ مثلاً ابن مسعودؓ کی حدیث سے یہ مسئلہ شرعی منکشف ہوا کہ حد بحالت سرمستی اور نشہ نہیں لگائی جاتی ہے تا وقتیکہ وہ ہوش میں نہ آ جائے گویا اس کو فہم و ادراک ہو جائے کہ اس کا نشہ پورا اتر جائے کیونکہ نشہ میں حد لگانے سے مجرم کو درد والم نہیں ہوتا۔ [illegible] نہیں تو عبرت کیسے ہو اور مقصد یہی ہے کہ اس کو آئندہ کے لئے عبرت ہو۔ اور پھر ارتکاب جرم سے باز رہے۔ دوسرے یہ کہ نشہ کی اس مقدار و معیار کا بھی اس سے پتہ چلا جس پر تنبیہ کرنا واجب ہوتی ہے وہ یہ کہ نشہ اس حد کو پہنچے کہ اس میں عقل کم ہو گئی ہو اور پوری تمیز و شعور سے وہ عاری ہو گیا ہو۔ تیسرے یہ کہ [illegible] کو حد کوڑے

یا چابک سے لگائی جاتی ہے اور اس کا سر کاٹ دیا جاتا ہے کہ وہ باریک ہو جائے - اور درہ کی شکل میں آ جائے کھجور کی ٹہنی یا جوتوں سے کہ ابتدائے حرمت شراب میں اسی پر عمل تھا - یہ عمل بعد میں متروک ہوا اور حد کے لئے درہ کا استعمال رائج ہوا - اسی طرح ابتدائے حرمت میں چالیس ضربوں کا عمل تھا - بعد میں وہ بھی منسوخ ہوا - اور حضرت عمر رض کی خلافت میں اسی ضربوں پر عمل قرار پایا - چوتھے یہ کہ حد کھلے بدن پر لگائی جاتی ہے - ننگے بدن پر - پانچویں یہ کہ جلاد بوقت ضرب ہاتھ اوپر اٹھا کر مارے ہاتھ کو دبا کر نہ مارے کہ اس میں ضرب ہلکی لگتی ہے چھٹے یہ کہ ہاتھ اس قدر بھی نہ اٹھائے کہ اس کی بغلیں دکھ آئیں - ساتویں یہ کہ ولی اور سرپرست پر چھوٹے کی تربیت اور اس کی اخلاقی و دینی دیکھ بھال اور غور و پرداخت لازمی ہے اور اگر اس نے اپنا یہ فرض نہ پہچانا تو عند اللہ وہ قابل ملامت و سزاوار سرزنش ٹھہرے گا - اور مستحق عتاب - آٹھویں یہ کہ اگر شرابی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہو تو حد لگانے کے لئے یہ ثبوت کافی و وافی ہے - نویں یہ کہ آنحضرت کے عمل میں ہم کو پتہ چلا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عیب پوشی لازمی ہے - دسویں یہ کہ امام وقت کا مجرم کی سزا سے دکھ پانا اور درد محسوس کرنا امر مستحسن ہے نہ حد کے جاری کرنے میں کوئی بے جا نرمی و رعایت - گیارہویں یہ کہ امام کی پیشی میں مجرم کو پیش کرنے سے پہلے لوگوں کو چاہیے کہ حتی الوسع درگذر اعراض اور چشم پوشی سے کام لیں - بارہویں یہ کہ معاملہ جب امام کی پیشی میں پیش ہو کر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اور براءت کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو پھر امام کے لئے کسی طرح روا نہیں کہ درگذر سے کام لے اور حد کے جاری کرنے میں سستی - کاہلی اور ٹال مٹول دکھائے -

باب ۱۵۷ فیما یقطع فیه الید!

ابو حنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبد الله قال کان یقطع الید علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی عشرة دراهم وفی روایة انما کان القطع فی عشرة دراهم ٭

باب - اس مقدار مالیت کے بیان میں جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے!

حضرت عبد اللہ سے روائت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دس درہم کی مالیت کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا +

ایک روائت میں یوں ہے کہ ہاتھ کا کٹنا دس درہم کی مالیت کی چوری پر تھا +

ف: ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ کم از کم کس قدر مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے - امام شافعی کے نزدیک کم از کم ربع دینار کی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے گا - خواہ وہ تین درہم کی قیمت کا ہو یا اس سے کم یا اس سے زائد - امام مالک و احمد کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم کی مالیت پر نہ اس سے کم میں ہاتھ کاٹا جائے گا - ان ائمہ کے پیش نظر یا ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو شیخین بدیں الفاظ لائے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قطع سارقا فی مجن قیمته ثلاثة دراهم کہ آنحضرت نے ایک چور کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی چوری پر جو تین درہم کی قیمت کی تھی - یا عائشہ رض کی حدیث کہ وہ بھی صحیحین میں بدیں الفاظ مروی ہے لا تقطع ید السارق الا فی ربع دینار فصاعدا کہ نہ کاٹا جائے چور کا ہاتھ مگر چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں - امام شافعی

کے نزدیک عہد نبوی میں دینار بارہ درہم کا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کم از کم دس درہم کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس سے کم میں نہیں۔ ان کے مذہب پر ایک نہیں دو نہیں کئی صحیح احادیث ہیں مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی ہیں۔ دیگر اصول شرعیہ بھی مذہب حنفیہ کا پلہ بھاری کرتے ہیں۔ احادیث کے باب میں حدیث ذیل ہی میں ثبوت ہے اور کھلی حجت کہ دس درہم کی قیمتی چیز میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ابن مسعود سے روایت ہے لا یقطع الید الا فی دینار او عشرۃ دراھم کہ ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر ایک دینار یا دس درم میں۔ پھر سب ائمہ کے نزدیک آنحضرتؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے مجن (ڈھال) کی چوری میں ہاتھ کاٹا ہے۔ اختلاف محض اس میں ہے کہ مجن کی قیمت آنجنابؐ کے عہد میں کیا تھی۔ دس درہم سے کم اس کی قیمت ماننے والے حدیث ابن عمرؓ یا اس کے مثل حدیث پیش کرتے ہیں اور اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور حنفیہ کے سامنے وہ روایات ہیں جو کتب صحاح میں بطرق متعددہ وارد ہیں۔ مثلاً ابن عباس کی حدیث جو ابوداؤد میں بطریق عطا مروی ہے قطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید رجل فی مجن قیمتہ دینار او عشرۃ دراھم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ایک دینار یا دس درم تھی۔ حاکم مستدرک میں اس حدیث کو لا کر کہتے ہیں کہ یہ شرط مسلم پر صحیح ہے۔ طحاوی بھی اس کو لائے ہیں اور ابن عبدالبرؒ بھی تمہید میں اس کی روایت کرتے ہیں۔ غرض یہ حدیث بکثرت طرق صحیح ہے۔ پھر حضرت ایمنؓ سے عطا اور مجاہد ہر دو کے طریق سے نسائی میں روایتیں ہیں جن کے الفاظ یہ ہیں لم یقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم السارق الا فی ثمن المجن وثمن المجن یومئذ دینار کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا مگر ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ان دنوں ایک دینار تھی۔ ایمن کی حدیث میں یہ سقم نکالتے ہیں کہ ایمن کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ کون ہیں صحابی تھے یا تابعی صحابی ہونے کی صورت میں یہ جنگ حنین میں شہید ہوئے یا آنحضرتؐ کے وصال کے بعد بھی بقید حیات رہے۔ اس وقت ہم اس کی مزید تنقیح میں نہیں پڑنا چاہتے۔ صرف اس قدر کہتے ہیں کہ اگر ان کو صحابی مانا جائے۔ تو یہ حدیث مرفوع حدیث ثابت ہوئی۔ اور اگر تابعی کہا جائے تو حدیث مرسل ٹھہری۔ جو احناف و جمہور علماء کے نزدیک بلاشک قابل قبول ہے اور تابعی کیونکہ یہ ثقہ تو ضرور ہیں جیسا کہ ابو زرعہ جیسے جلیل الشان امام اور ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ مزید براں حدیث ایمن کی تائید حضرت ابن عباس کی حدیث سے ملتی ہے جو اس حدیث کی صحت پر چار چاند لگاتی ہے۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت لائے ہیں کان ثمن المجن عشرۃ دراھم کہ ڈھال کی قیمت دس درم تھی۔ لہٰذا ان روایات کے پیش نظر ماننا پڑے گا کہ ربع دینار کی احادیث جو صحیحین میں وارد ہیں وہ منسوخ ہیں۔

اصول شرعیہ کے ادے مذہب حنفیہ کی حقیقت کا انکشاف یوں ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بہرحال حدود کا ہے۔ اگر کوئی تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر ان تمام روایات کی صحت میں کلام کرے تو کم از کم یہ تو اس کے نزدیک معاملہ میں شک قوی یا ضعیف تو ضرور پیدا کر دیں گی۔ ایک سے کم اضافہ سے مزید دس درم میں تا تین درم الا ربع دینار۔ اور آثار وجبار سے یہ اصول ثابت ہے کہ حدود شبہات سے دفع ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

اور ان میں احتیاطی پہلو اور مراعاتی رخ ملحوظ رہتا ہے۔ یہاں بھی شبہ پڑا اور اس جگہ احتیاطی پہلو زیادتی یعنی دس درم ہی ہے نہ ربع دینار یا تین درم ہیں۔ لہٰذا دس دینار ہی کا مذہب اقرب الی الحق والصواب ہے۔ اور قرین قیاس۔ قائلین ربع دینار بھی یہاں قیاس آرائی کرتے ہیں اور ایک عام اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کو دراصل یہاں کوئی دخل نہیں۔ اس طرح کہ ان کے مذہب کا زیادہ تر مدار ثمن مجن (ڈھال) ہے کہ اس کی قیمت آنحضرت کے زمانہ مبارک میں کیا تھی۔ تین درم جیسا کہ ان کا مذہب ہے یا دس درم جو احناف کا مسلک ہے۔ کہتے ہیں کہ اختلاف کے وقت اقل تعداد پر عمل کرنا لازمی ہے جو یقینی ہوتا ہے۔ اور اقل تعداد یہاں تین درم ہیں۔ ہم کہتے ہیں بیشک مگر یہاں نہیں۔ یہ اصول عام تو بحمد اللہ آپ کو یاد رہا۔ مبارک ہو۔ مگر حدود کے بارہ میں کیا جناب کو اس کا ذہول ہو گیا کہ حدود میں یہ اصول زیر عمل نہیں۔ اگر حدود میں یہ اصول عمل میں لائیں گے تو حدود کا شکنجہ اور کس جائے گا۔ مجرم کی خلاصی۔ رہائی۔ و نجات کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔ جو حکم شرع کے بالکل برخلاف ہے۔ چنانچہ متصل حدیث میں اس کا بیان آرہا ہے۔ بلکہ حدود میں معاملہ برعکس ہے کہ اس میں درگذر۔ معافی چشم پوشی اور حتی الوسع سے اغماض برتا جاتا ہے حتی کہ شبہ کو حد کے ٹال دینے میں دخل ہے۔ تین سے لیکر دس درم تک شبہ کا ہی میدان ہے اور درگذر و اغماض کی کار فرمائی۔ دس درم پر حد یقینی اور اس کے بعد شبہ کو کوئی گنجائش نہیں۔

بَابٌ دَرْءِ الْحُدُوْدِ!

باب۔ حدود رد اور دفع کرنے کے بیان میں!

۳۱۵ ابو حنیفة عن مقسم عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ادرؤا الحدود بالشبہات ۔

حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شبہات پڑ جانے پر حدود کو ٹال دو۔

ف:۔ یہ حدیث مختلف الفاظ و عبارات سے کتب صحاح میں وارد ہے۔ بہرحال یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ شبہات سے حدود ٹل جایا کرتی ہیں۔ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی۔ حاکم۔ بیہقی حضرت عائشہ سے اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حد کو ٹالو۔ اگر مسلمان کے لئے خلاصی کا کوئی پہلو دیکھو تو اس کو خلاصی دو۔ اس لئے کہ امام کا معافی میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کر لینے سے بہتر ہے۔ دار قطنی۔ بیہقی حضرت علی رض سے اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ حدود ٹالو۔ مگر بعد ثبوت امام کے لئے حدود کا ترک روا نہیں۔ ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ رض سے یوں روایت ہے کہ سزاؤں کو ٹالو۔ جہاں تک ٹالنے کا موقع مل سکے۔ اس مسئلہ کی قدرے تشریح پیشتر حدیث میں گذری۔

Marfat.com

بَابُ الرَّجْمِ لِلزَّانِی الْمُحْصَنِ!

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه ان ماعزابن مالك اتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال ان الأخر قد زنى فاقم عليه الحد فردّهٗ رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم اتاه الثانية فقال له مثل ذلك ثم اتاه الثالثة فقال له مثل ذلك ثم اتاه الرابعة فقال ان الأخر قد زنى فاقم عليه الحد فسأله عنه اصحابه هل تنكرون من عقله۔

قالوا لا۔

قال انطلقوا به فارجُمُوهُ۔

قال فانطلق به فرُجِمَ بالحجارة فلما ابطأ عليه القتل انصرف الى مكان كثير الحجارة فقام فيه فاتاه المسلمون فرجموه بالحجارة حتى قتلوه فبلغ ذلك النبى صلى الله عليه وسلم فقال هلا خليتم سبيله فاختلف الناس فيه فقال قائل هذا ماعز اهلك نفسه وقال قائل انا ارجوان يكون توبة فبلغ ذلك النبى صلى الله عليه وسلم فقال لقد تاب توبة لو تابها فئام من الناس لقُبِل منهم۔

فلما بلغ ذلك قوما طمعوا فيه فسألوه ما يصنع بجسده

باب۔ شادی شدہ زناکار کے رجم کے بیان میں!

حضرت بریدہ رض سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور کہا کہ اس بھلائی دور افتادہ نے (یعنی میں نے) زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ اس پر حد قائم کیجئے۔ آنجنابؐ نے اس کو رد فرمایا۔ پھر دوبارہ آیا اور اپنا سابق کلام دہرایا۔ آپ نے پھر اس کو رد فرمایا۔ پھر تیسری بار آ کر اپنے اسی کلام (اقرار جرم زنا) کا اعادہ کیا۔ آنحضرت نے اس کو پھر رد فرما دیا۔ پھر چوتھی بار آ کر کہا کہ بھلائی سے دور افتادہ نے زنا کیا ہے آپ اس پر حد قائم کیجئے۔ اس پر آپ نے اپنے اصحاب سے اس کی حالت دریافت فرمائی کہ یہ کہیں دیوانہ تو نہیں ہے۔ سب نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کو لے جا کر رجم کرو (کیونکہ وہ شادی شدہ تھا) بریدہ کہتے ہیں کہ ہم اس کو لے گئے اور پتھروں سے اس پر رجم کیا گیا۔ جب اس کے مرنے میں تاخیر ہوئی تو وہ اس مقام کو چھوڑ کر زیادہ پتھریلی زمین میں جا کھڑا ہوا کہ دم جلد نکل جائے۔ مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا اور پتھروں سے اس کو رجم کر کے مار ڈالا۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑا۔ جب وہ اپنی جگہ سے بھاگ نکلا تو لوگ ماعز کے بارہ میں مختلف القول ہو گئے۔ کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے اپنی جان خود ہلاک کی۔ بعض بولے ہم کو امید ہے کہ اس کے لئے توبہ ہوگی۔ یہ باتیں آپ کے سمع مبارک تک پہنچیں تو آپ نے فرمایا ماعز نے جو توبہ کی ہے اگر لوگوں کی جماعتیں بھی وہ توبہ کریں تو قبول ہو۔ لوگوں کو جب آنجناب کا یہ فرمان پہنچا تو ماعز کے حق میں امید ثواب رکھنے لگے۔ پھر آپ سے یا

قال اصنعوا به ما تصنعون بموتاكم من الكفن والصلوٰة عليه والدفن قال فانطلق به اصحابه فصلوا ۔

وفی روایة قال اتی ماعز بن مالك رسول الله صلی الله علیه وسلم واقر بالزنا فردہ ثم عاد فاقر بالزنا فردہ ثم عاد فاقر بالزنا فردہ ثم عاد فاقر بالزنا الرابعة فقال النبی صلی الله علیه وسلم هل تنکرون من عقله شیئا قالوا لا قال فامر به ان یرجم فی موضع قلیل الحجارة قال فابطأ علیه الموت فانطلق یسعی الی موضع کثیر الحجارة واتبعه الناس فرجموه حتی قتلوه ثم ذکروا شانه لرسول الله صلی الله علیه وسلم قال لولا خلیتم سبیله قال فاستاذن قومه رسول الله صلی الله علیه وسلم فی دفنه والصلوٰة علیه فاذن لهم فی ذلك قال وقال علیه السلام لقد تاب توبة لو تابها فئام من الناس قبل منهم ۔

وفی روایة قال لما امر النبی صلی الله علیه وسلم بماعز بن مالك ان یرجم قام فی موضع قلیل الحجارة فابطأ علیه القتل فذهب به مکانا کثیر الحجارة واتبعه الناس حتی رجموه فبلغ ذلك النبی صلی الله علیه وسلم قال الا خلیتم سبیله ۔

کیا کہ اس کی لاش کے بارہ میں کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو اس کے ساتھ کرو۔ اس کا کفن دفن کرو اور اس کی نماز پڑھو۔ بریدہ کہتے ہیں کہ پھر لوگ اس کو لے گئے اور اس کی نماز پڑھی۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ماعز بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور زنا کا اقرار کیا۔ آپ نے اس کو رد کر دیا۔ پھر اس نے دوبارہ آکر زنا کا اقرار کیا۔ آپ نے پھر رد فرما دیا۔ پھر آکر اس نے زنا کا اقرار کیا۔ آپ نے پھر رد فرمایا۔ پھر لوٹ کر آیا اور چوتھی بار اقرار زنا کیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس کی عقل میں کوئی فتور ہے۔ لوگوں نے کہا جی نہیں۔ بریدہ کہتے ہیں کہ تب آپ نے حکم دیا کہ کم پتھریلی زمین میں وہ رجم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ جب اس کے مرنے میں دیر لگی تو وہ زیادہ پتھریلی زمین میں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور لوگوں نے اس کا پیچھا کیا۔ اور اس کو وہاں رجم کر کے مار ڈالا۔ پھر اس واقعہ کا ذکر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کیوں نہیں اس کا پیچھا چھوڑا۔ بریدہ کہتے ہیں کہ ان کی قوم نے آنحضرت سے اس کے دفن اور نماز کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے ان کو اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر لوگوں کی جماعتیں وہ توبہ کرتیں تو قبولیت کو پہنچتی ۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ بریدہ رض کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک کے بارہ میں رجم کئے جانے کا حکم دیا۔ تو وہ کم پتھر کی زمین میں جا کھڑا ہوا۔ پھر جب اس کی موت میں تاخیر ہوئی تو زیادہ پتھر کی زمین میں چلا گیا اور لوگ اس کے پیچھے لگے۔ یہاں تک کہ اس کو رجم کر ڈالا۔ یہ قصہ آنحضرت کے سمع مبارک میں پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑا (یعنی اس کو جانے دیا ہوتا) ۔

Marfat.com

وفی روایۃٍ لما ھلک ماعز بن مالک بالرجم اختلف الناس فیہِ۔

فقال قائل ماعز اھلک نفسہٗ وقال قائل تاب۔

فبلغ ذٰلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد تاب توبۃ لو تابھا صاحب مکس لقُبل منہ او تابھا فئام من الناس لقُبل منھُم۔

ایک روایت بدیں الفاظ وارد ہے کہ ماعز جب رجم سے ہلاک ہوا تو لوگ اس کے بارہ میں مختلف القول ہوئے (کہ وہ اس فعل میں سزاوار مذمت تھا کہ خود اپنا عیب اپنی زبان سے کھولا یا مستحق مدح) کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے اپنی جان کو خود ہلاک کیا۔ اور کوئی یوں بولا کہ ماعز نے بدیں صورت توبہ کی۔ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں۔ آپ نے فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی کہ اگر وہ توبہ کوئی چنگی لینے والا کرے تو قبول ہو۔ یا لوگوں کی جماعتیں وہ توبہ کریں تو قبولیت کو پہنچے +

وفی روایۃٍ جاء ماعز بن مالک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالسٌ فقال یا رسول اللہ انی زنیتُ فاقم الحدّ علیّ فاعرض عنہ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال ففعلَ ذٰلک اربع مراتٍ کل ذٰلک یُردہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویُعرض عنہ فقال فی الرابعۃ انکرتم من عقل ھٰذا اشیئا قالوا ما نعلمُ الا عاقلاً وما نعلمُ الا خیرًا قال فاذھبُوا بہ فارجمُوہُ قال فذھبوا بہ فی مکان قلیل الحجارۃ فلما اصابتہ الحجارۃ جزع قال فخرج یشتد حتی الی الحرۃ فثبت لھم قال فرموہ بجلامید ھا حتی سکت قال فقالوا یا رسول اللہ ماعز حین اصابتہ الحجارۃ جزع فخرج یشتد فقال النبی صلعم لولا خلیتم سبیلہٗ قال فاختلف الناس فی امرہٖ فقالت

ایک اور روایت میں یوں وارد ہے کہ ماعز بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجئے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا۔ بریدہ کہتے ہیں کہ پھر اس نے چار مرتبہ ایسا ہی کیا (کہ آکر اقرار زنا کرتا اور حد کے جاری کئے جانے کا تقاضا کرتا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اس کو لوٹا دیتے۔ اور اس سے منہ پھیر لیتے۔ چوتھی بار آپ نے لوگوں سے دریافت کہ کیا تم اس کی عقل میں کوئی فتور پاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ہم تو اس کو عقلمند ہی جانتے ہیں اور اچھے ہی کردار والا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ۔ اور رجم کرو۔ بریدہ کہتے ہیں کہ اس کو کم پتھریلی زمین میں لے گئے جب اس کو پتھر لگا تو بہت گھبرایا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ زیادہ پتھریلی زمین کی طرف۔ اور وہاں رجم کے انتظار میں جم گیا۔ لوگوں نے اس پر سلیں پھینک ماریں۔ یہاں تک کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ پھر لوگوں نے آنحضرت سے بیان کیا کہ یا رسول اللہ جب ماعز کے پتھر لگا تو گھبرایا۔ اور نکل کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کو کیوں نہیں جانے دیا۔ کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے اس کے بارہ میں مختلف باتیں بنائیں۔ ایک

Marfat.com

طائفۃ ھلك ماعزٌ واھلك نفسہٗ و وقالت طائفۃٌ بل تاب الی اللہ توبۃ لو تابھا فئام من الناس لقبل منھم قالوا یارسول اللہ فما نصنع بہ قال اصنعوا بہ کما تصنعون بموتاکم من الغسل والکفن والحنوط والصلوٰۃ علیہ والدفن وقد روی الحدیث بروایات مختلفۃ نحو ما تقدم ۰

جماعت نے کہا کہ ماعز ہلاک ہوا۔ اور اس نے خود اپنے کو ہلاک کیا۔ ایک گروہ بولا کہ اس نے اللہ کے حضور میں مقبول توبہ کی۔ کہ اگر وہ توبہ لوگوں کی جماعتیں بھی کرتیں تو درجہ قبولیت کو پہنچتی۔ اس کی قوم نے دریافت کیا یارسول اللہ اس کی لاش کے ساتھ ہم کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ جو تم اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو۔ وہ ہی اس کے ساتھ کرو۔ مثلاً غسل۔ کفن۔ خوشبو۔ نماز اور دفن ہیں۔ اور یہ حدیث مختلف طرق سے حسب سابق مروی ہے ۰

ف: اس حدیث کے ذیل میں چند نہایت اہم مسائل سخن بیان ہیں۔ اول یہ کہ آیت قرآنی الزانیۃ و الزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ کہ زانی عورت و مرد ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ کو محصن (شادی شدہ) وغیر محصن سب کے لئے کوڑے ثابت کرتی ہے مگر آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ کہ محصن مرد اور محصنہ عورت جب زنا کریں تو سنگسار کرو ان کو ضرور جو باجماع امت منسوخ التلاوت ہے۔ اور حکم میں باقی اس کے عموم کو توڑتی ہے اور محصن کے لئے رجم ثابت کرتی ہے گویا آیت منسوخہ بیان ہے کے لئے ہے اور آیت جلد کنوارے کے لئے۔ پھر احادیث متواترہ و مشہورہ آیت منسوخہ کی زبردست تائید کرتی ہیں بلکہ خود احادیث رجم بوجہ تواتر و شہرت اس کی صلاحیت رکھتی ہیں کہ آیت قطعی الدلالت پر زیادتی کر سکیں۔ مثلاً حدیث ذیل ہی شہرت کی حد کو پہنچ چکی ہے اور یہ حضرات عبادۃ بن صامت۔ ابن عباس۔ ابی ہریرہ۔ ابی سعید بریدہ ابن الخصیب الاسلمی۔ جابر بن عبداللہ جیسے جلیل القدر و عظیم الشان صحابہ سے مروی ہے اور اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ کتب صحاح میں حضرت عمرؓ کا خطبہ نقل ہے کہ آپ قسم کھا کر کہتے کہ اگر لوگوں کے یہ کہنے کا خطرہ نہ ہوتا کہ عمر نے قرآن پر زیادتی کی تو البتہ میں اس آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا کو قرآن میں لکھ ڈالتا۔

دوسرے یہ کہ یہ امر بحث طلب ہے کہ زانی کا چار بار اقرار زنا حد کے لگائے جانے کے لئے ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ اقرار کافی ہے۔ اور حد کو اس پر واجب کرتا ہے۔ امام مالکؒ و شافعیؒ ایک ہی مرتبہ اقرار کو حد لگانے کے لئے کافی جانتے ہیں اور زانی کو سزاوار حد خیال کرتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کی بنیاد دو احادیث پر رکھتے ہیں جن سے اقرار میں بظاہر کسی تعداد کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک غامدیہ کی حدیث کہ وہ بھی ماعز بن مالک کی طرح آنحضرت کے سامنے مقر زنا ہوئی۔ اور حد جاری کئے جانے کی متقاضی اور ایک ہی مرتبہ اقرار پر اس کو آنجناب کے حکم سے رجم کیا گیا۔ دوسری وہ حدیث جو حدیث عسیف کے نام سے مشہور ہے کہ اس میں کنوارے زانی پر آپ نے سو کوڑوں اور سال کی جلاوطنی کی سزا جاری فرمائی۔ اور عورت کے لئے حضرت انیس صحابی کو حکم دیا کہ اس سے اقرار لو اگر وہ اقرار کرے تو اس کو رجم کردو۔ چنانچہ اس میں آنحضرت نے چار بار اقرار لینے کی شرط نہیں لگائی۔ معلوم ہوا کہ چار بار اقرار کی ضرورت نہیں۔ ورنہ آپ ضرور تشریح فرماتے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام احمدؒ اور اہل کوفہ تمام اس کے قائل ہیں

حد لگائے جانے کے لئے زانی کا چار بار اقرار ضروری ہے۔ ان کی زبردست حجت ماعز بن مالک والی حدیث ذیل ہے جو کتب صحاح میں مختلف طرق اور مختلف عبارات سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آنحضرت نے مجرم سے چار بار اقرار لیا۔ پھر حد جاری کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ یوں بھی سوچنے کی بات ہے۔ کہ آخر یہ کیا آنحضرت کے لئے ممکن ہے کہ آپ جرم ثابت ہو جانے پر حد کے جاری کرنے میں تاخیر فرمائیں اور اس میں نعوذ باللہ تساہل، چوک، درگذر، اعراض، چشم پوشی سے کام لیں۔ وہ حد جو ثبوت جرم پر فوری صیغہ میں واجب ہوتی ہے اور اس کے اجراء میں تاخیر کو کسی طرح گنجائش نہیں۔ لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ ایک یا دو یا تین بار اقرار سے آنحضرت کے نزدیک جرم ثابت نہیں ہوا تھا۔ جب چوتھی بار اقرار سے جرم زنا ثابت ہوا تو آپ نے فوراً اس پر سزائے رجم جاری فرمائی۔ اور یہی نہیں بلکہ اس حدیث کی بعض روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آنجناب نے ایک ہی مجلس میں یہ چار اقرار نہیں لئے۔ بلکہ مختلف چار مجلسوں اور چار اوقات میں۔ چنانچہ مسند میں صاف مذکور ہے کہ ماعز کے اقرار کو آنجناب نے رد فرمایا۔ پھر دوسرے دن آیا اور اقرار کیا۔ آپ نے اس کی قوم سے تصدیق فرمائی کہ یہ پاگل تو نہیں ہے قوم نے کہا کہ یہ تو اچھا بھلا ہے۔ پھر تیسری بار آیا اور ایسا ہی ہوا۔ پھر چوتھی بار جب آیا۔ تو اس کو رجم کیا گیا۔ احمد و اسحٰق اپنی اپنی مسندوں میں اور ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابی بکر سے یہی حدیث لائے ہیں جس میں ہر بار جلد کا لفظ ہے جس طرح حدیث ذیل میں اتی کا۔ تو مجیئت و اتیان بھی تعدد مجلس پر دال ہیں کہ وہ جا کر پھر آتا۔ ابن الہمام نے اس پر تصریح کی ہے۔ اسی لئے احناف اس کے قائل ہیں کہ چار بار اقرار بھی چار مجلسوں میں ہونا چاہیئے۔ لہٰذا جب یہ حقیقت ہے تو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت مختلف چار مجلسوں تک اجرائے حد کو ٹالتے رہتے۔ اور اس میں اس قدر ڈھیل ڈالی۔ اب رہا حدیث عسیف کا قصہ تو وہ ابتدائے اسلام کا ہے جیسا کہ بیہقی نے لکھا ہے۔

تیسرے یہ کہ حد مجرم کے لئے توبہ شمار ہوتی ہے اور اس کیلئے کفارہ گناہ بنتی ہے۔ اور مواخذہ اخروی سے اس کو سبکدوش کرتی ہے یا یہ کہ مواخذہ اخروی کا بار سر پر باقی رہتا ہے اور حد اس گناہ کا کفارہ نہیں ہوتی۔ احناف ان میں سے دوسری شق کے حامی ہیں۔ ان کے نقطہ خیال کے ماتحت حد کا مقصد مجرم کو دھمکی دینا اور دوسروں کو عبرت دلانا ہے اور اس کے واسطے سے نظام عالم میں درستی و اصلاح پیدا کرنی ہے۔ کہ حدود کے خوف سے بنی نوع انسان ایک دوسرے کی ایذا رسانی۔ ایذا دہی۔ ہتک عزت و ناموس سے دست کش رہیں اور امن و امان و چین و مسرت کی زندگی بسر کریں۔ مواخذہ اخروی اور عالم آخرت کی بازپرس اس کے ذمہ بدستور باقی رہیگی جس سے سبکدوشی اس کو بھی توبہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ان کے اس خیال کی بنیاد نصوص قرآنیہ پر ہے۔ جو صاف گویا ہیں کہ حدود گناہ کا کفارہ نہیں۔ مثلاً محدود فی القذف (جس پر تہمت لگانے پر حد لگائی جائے) کے بارہ میں فرمایا اولئک هم الفاسقون الا الذین تابوا کہ وہ ہی فاسق ہیں۔ مگر وہ جنہوں نے توبہ کی۔ یا قطاع الطریق (راہزنوں) کے متعلق ارشاد ہوا اولئک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ مگر وہ جنہوں نے توبہ کی کہ یہاں مدار توبہ پر رکھا ہے۔ لہٰذا جب منشائے کلام الٰہی یہ ہوا۔ تو وہ حدیث قابل تاویل ہوگی جو حد کو توبہ کا مرادف قرار دیتی ہے اور اس کو کفارہ گناہ ٹھہراتی ہے تاکہ

Marfat.com

آیات قطعی الدلالت اپنے معنی پر برقرار رہیں۔ مثلاً حدیث ذیل میں اس کا اشتباہ ہوتا ہے کہ حد زنا عین توبہ ہے تو ہم اس کو اس پر محمول کریں گے کہ بوقت حد مجرم نے توبہ کی تھی۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مجرم یہاں ایک پیکر شرمساری بنا ہوا ہے اور اقرار گناہ گاری کا ایک مجسمہ جس کے سر رگ و پے سے توبہ آشکارا ہے۔ کیا عجب ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ بوقت حد اس نے توبہ کی ہو جس توبہ کی تشریح آنجناب نے نہایت پر اثر طریقہ سے فرمائی۔ چنانچہ مسلم کی حدیث سے اس مذہب کا پختہ ثبوت ملتا ہے جو وہ حضرت بریدہ سے لائے ہیں۔ جس کا مضمون اس طرح ہے کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت تشریف لائے۔ اور سلام کر کے بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ ماعز بن مالک کے لئے گناہ کی معافی چاہو۔ جب حد کے بعد استغفار کی گنجائش رہی تو حد معافی گناہ کا سبب کب بنی۔ اور عین توبہ کیسے ہوئی۔ پھر چوری کے بارہ میں ابوداؤد میں ہے کہ چور کے قطع ید کے بعد آپ نے چور کو بلوایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ توبہ و استغفار کر اس نے توبہ کی۔ پھر آپ نے بھی اس کی توبہ منظور ہونے کی دعا فرمائی۔ اسی طرح صحیحین میں طریق عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمۃ المخزومیۃ نے جو چور تھی توبہ کی۔ اگر حد عین توبہ ہوتی تو پھر جدید توبہ کی کیا ضرورت تھی۔

بابٌ قتل المسلم بالذمی قصاصاً

باب اس بیان میں کہ ذمی کے قتل پر مسلمان سے قصاص لیا جائے!

ابو حنیفة عن ربیعة عن ابن البیلمانی قال قتل النبی صلی اللہ علیه وسلم مسلما بمعاهد فقال انا احق من اوفی بذمته ۔ ۲۱۷/۱

ابن البیلمانی سے روایت ہے کہ قتل کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ایک معاہد (کافر ذمی) کے قصاص میں اور فرمایا کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والوں میں میں ذمہ داری کو پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔

ف: اہل ذمہ کی جانوں اور مالوں کی حفاظت و دیکھ بھال مسلمانوں پر اجماعاً لازم ہے۔ شریعت کا یہ ایک کھلا مسئلہ ہے۔ چنانچہ اسی مسئلہ کی رو سے ان کے مالوں کے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ان کی عورتوں سے زنا کرنے والے پر حد زنا لگائی جاتی ہے۔ ان پر جھوٹی تہمت لگانے پر حد قذف لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ قصاص بھی اسی سلسلہ مسائل کی ایک کڑی ہے۔ اور یہی مذہب احناف کا ہے۔

Marfat.com

كِتَابُ الْجِهَادِ!

کتاب جہاد کے بیان میں!

بَابُ ۱۶۱ حُرْمَةِ خِيَانَةِ الْقَاعِدِيْنَ عَلٰى نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ!

باب اس بیان میں کہ مجاہدین کی عورتوں میں جہاد میں نہ جانے والوں کی طرف سے خیانت سرزد ہونا حرام ہے!

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل الله تعالى حرمة نساء المجاهدين على القاعدين كحرمة امهاتهم وما من رجل من القاعدين يخون احدا من المجاهدين في اهله الا قيم له يوم القيمة اقتص فما ظنكم.

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عورتوں کی ان لوگوں پر جو جہاد میں نہ جائیں حرمت مثل ان کی ماؤں کے کی ہے۔ اور جو شخص جہاد میں نہ جائے اور کسی مجاہد کے اہل میں خیانت کرے تو بروز قیامت مجاہد کو کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تو اپنا قصاص لے لے۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارا کیا گمان ہے؟

ف: یہ حدیث مجاہدین کے درجہ و مرتبہ کو واضح و آشکار کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجاہد کی کس قدر پاسداری اور کتنا لحاظ منظور ہے کہ ان کی عورتوں کو احترام و عزت و حفاظت میں جہاد میں نہ جانے والوں کے لئے ان کی ماؤں کے برابر ٹھہرایا۔ اور اگر کوئی خیانت کرے گا تو حرمت پر مجاہد کو قصاص لینے کا پورا اختیار دیا جائے گا۔ تو اب اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجاہدین کس قدر رفعت و منزلت رکھتے ہیں۔

بَابُ ۱۶۲ الْوَصِيَّةِ لِلْبَعْثِ بِالْمُهِمَّاتِ

باب اس وصیت کے بیان میں جو لشکر وغیرہ بھیجتے وقت کی جاتی ہے

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا بعث جيشا او سرية اوصى اميرهم في خاصة نفسه بتقوى الله واوصى فيمن معه من المسلمين خيرا ثم قال اغزوا باسم الله في سبيل الله

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لشکر یا کوئی چھوٹا دستہ بھیجتے تو اس کے امیر کو وصیت فرماتے خاص اس کے نفس کے بارہ میں اللہ سے ڈرنے کی اور ان لوگوں کے حق میں جو ساتھ ہوں مسلمانوں میں سے بھلائی کرنے کی۔ پھر فرماتے اللہ کے نام سے مدد لیتے ہوئے اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہوئے

Marfat.com

قاتلوا من كفر بالله لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا ولا شيخا كبيرا فاذا لقيتم عدوكم فادعوهم الى الاسلام فان ابوا فادعوهم الى اعطاء الجزية فان ابوا فقاتلوهم واذا حصرتم اهل حصن فارادوكم ان تنزلوا على حكم الله تعالى فلا تفعلوا فانكم لا تدرون ما حكم الله ولكن انزلوهم على حكمكم ثم احكموا فيه بما بدا لكم فان ارادوكم ان تعطوهم ذمة الله فاعطوهم ذممكم وذمم ابائكم فانكم ان تخفروا بذممكم اهون من ان تخفروا بذمة الله في رقابكم ۔

کرتے ہوئے لڑائی لڑو۔ جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس سے قتال کرو۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ کسی مقتول کی ناک کان نہ کاٹو کسی بچہ یا بوڑھے کو قتل نہ کرو۔ جب تم اپنے دشمن کے آمنے سامنے آؤ۔ تو اس کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ اگر وہ انکار کریں تو ان کو جزیہ پر آمادہ کرو۔ اگر اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے مقاتلہ کرو۔ جب تم کسی اہل قلعہ کا محاصرہ کرو۔ اور وہ تم سے چاہیں کہ تم اتارو اللہ کے حکم پر تو ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ نے کیا حکم کیا ہے لیکن اتارو ان کو تمہارے حکم پر پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے۔ تم ان کے بارہ میں فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کی امان دے دو اور اس کے عہد و ذمہ میں لے لو تو تم ان کو اپنے اور اپنے آباء کے ذمہ میں لو۔ کیونکہ تمہارا تمہارے اپنے ذمہ کو توڑ دینا تمہاری گردن پر بہت زیادہ ہلکا ہے اس سے کہ تم اللہ کے ذمہ کو توڑو ۔

وفي رواية فان ارادوكم ان تعطوهم ذمة الله وذمة رسوله فلا تعطوهم ذمة الله ولا ذمة رسوله ولكن اعطوهم ذممكم وذمم ابائكم فانكم ان تخفروا ذممكم وذمم ابائكم ايسر ۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ اگر وہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دو۔ تو تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ نہ دو۔ لیکن ان کو اپنا اور اپنے آباء کا ذمہ دو۔ کیونکہ تمہارا اپنی اور اپنے آباء کی ذمہ داری کو توڑنا زیادہ آسان و سہل ہے ۔

ف: یہ حدیث زریں ہدایات و نصائح کا سرچشمہ ہے اور نہایت پاکیزہ اصول و قواعد کا خزانہ۔ سب سے پہلے امیر لشکر کو ہدایت کی کہ خوف الٰہی دل میں رکھے۔ کہ سارے معاملات کی کڑیاں اسی سے ملتی ہیں اور تمام معاملات کی اصلاح و درستی اسی پر مدار رکھتی ہے۔ خوف خداہی انسان کو لغزش سے بچاتا ہے اور ہر غلط راستہ پر گامزن ہونے کی باز رکھتا ہے۔ دوسرے اہل لشکر سے حسن سلوک و حسن برتاؤ کی ہدایت فرمائی۔ اور ان کی طرف خیر و احسان کا ہاتھ بڑھانے کی رغبت دلائی۔ کیونکہ امیر کی خوش معاملگی سے لشکری یک جان و یک دل ہو کر اس کی حکم برداری کو اپنے لئے سرمایہ فخر جانتے ہیں۔ تیسرے ہدایت فرمائی کہ لڑائی اللہ کے نام سے شروع کرو اور اس میں صرف اسی کی خوشنودی و رضا کو پیش نظر رکھو۔ اور ریاکاری دکھاوے نام و نمود کو ہرگز ہرگز پاس نہ آنے دو۔ کیونکہ اللہ کے دربار میں کوئی عمل کس قدر بھی باوقعت و باشرف ہو بغیر خلوص نیت کے ہیچ ہے اور بے کار بلکہ موجب عتاب ہے اور سرزنش۔ چوتھے عین لڑائی کے بارہ میں نصیحت فرمائی کہ مال غنیمت میں چوری نہ کرو کہ یہ بہت

قبیح فعل ہے۔ اور نازیبا عمل۔ عہد شکنی نہ کرو کیونکہ یہ بد اخلاقی و ذلالت کی نشانی ہے۔ اور سخت اخلاقی پستی کی علامت۔ مقتول کی ناک نہ کاٹو کیونکہ یہ نہایت گندگی ہے اور بربریت۔ اور بچہ و بوڑھے کو قتل نہ کرو کیونکہ یہ عمل انصاف و خدا ترسی سے بعید ہے اور سخت ظالمانہ عمل۔ پانچویں وصیت فرمائی کہ جب دشمن کے مقابل آؤ۔ تو پہلے دشمن کو اسلام کی طرف دعوت دو اگر وہ اس کو قبول نہ کرے تو اس کو جزیہ پر آمادہ کرو۔ کہ وہ تمہاری رعیت میں ذمی بن کر رہے۔ اگر اس پر بھی وہ راضی نہ ہو تو مقابلہ کے لیے اس کو دعوت دو۔ چھٹے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر دشمن کمزور پڑے اور تم سے امان چاہے تو اپنی ذمہ داری میں اس کو لو۔ نہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں۔

بَابُ النَّهْیِ عَنِ الْمُثْلَةِ[۱۶۳]

باب مثلہ سے ممانعت کے بیان میں!

۳۲۰/۱ ابو حنیفۃ عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المثلۃ۔

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مثلہ سے۔

ف: مثلہ کہتے ہیں مقتول کے اطراف مثلاً ہاتھ پیر ناک کان زبان وغیرہ کاٹنے کو۔ اسلام میں اس کی سخت ممانعت ہے اور آنحضرتؐ نے اس عمل سے سختی سے روکا ہے کہ اس درندگی و وحشیانہ عمل سے اسلام کی شان کو بٹہ لگتا ہے۔

۳۲۱/۲ ابو حنیفۃ عن اسماعیل بن حماد وابیہ والقاسم بن معن وعبد الملک عن عطیۃ القرظی قال عُرِضنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم قریظۃ فامر بقتل کبارھم وسبی صغارھم فمن انبت قُتل ومن لم یُنبت استحیی۔

حضرت عطیہ قرظیؓ سے روایت ہے کہ قریظہ کی لڑائی میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی میں پیش ہوئے تو آپ نے بڑوں کو قتل کرنے اور چھوٹوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ تو جن کے زیر ناف بال اگ آئے تھے وہ قتل کر دیا گیا۔ اور جس کے نہیں اگے تھے وہ زندہ چھوڑ دیا گیا۔

وفی روایۃ قال عُرِضتُ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انظُروا فان کان انبت فاضربوا عنقہ فوجدونی لم اُنبِتْ فخلّی سبیلی۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا دیکھو اگر اس کے موئے زیر ناف نکلے ہیں تو اس کی گردن مار دو۔ لوگوں نے مجھ کو پایا کہ میرے موئے زہار نہیں نکلے تھے تو مجھ کو چھوڑ دیا۔

وفی روایۃ قال کنت من سبی قریظۃ فعرضتُ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنظروا فی عانتی

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ قریظہ کی لڑائی کے قیدیوں میں میں بھی تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو لوگوں نے

Marfat.com

فوجدونی لم أنبت فالحقونی بالسبی ۔

میرا پیٹ دیکھا اور اس پر بال نہ پائے تو مجھے بھی نہ قتل کیا گیا بلکہ مجھ کو قیدیوں میں چھوڑ دیا گیا ۔

ف :- یہ گویا بالغ و نابالغ معلوم کرنے کے لئے ایسی شناخت کی گئی تھی۔ کیونکہ نابالغ مقاتلہ و لڑائی کی قابلیت نہیں رکھتے تو ان کو کس قصور پر قتل کیا جائے۔ لہٰذا ان کو زندہ رکھ کر قیدیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

٣٢٢/٢ **ابوحنیفة** وابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان رجلا من المشرکین یوم الخندق قتل فی الخندق فاعطی المشرکون بجیفته مالا عظیما فسئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خندق کے دن ایک مشرک خندق میں قتل کیا گیا۔ تو مشرکین اس کی لاش کے عوض میں بہت سے مال دینے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ۔

ف :- یہ نہایت معیوب بات ہے کہ مردہ لاش کی خرید و فروخت کی جائے۔ اور اس کے بدلے مال لیا جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے باز رکھا۔ اور اس کو گوارا نہیں فرمایا ۔

باب النهی عن أن یباع الخمس حتی یقسم !

باب اس کی ممانعت میں کہ خمس قبل تقسیم بیچا جائے !

٣٢٣/١ **ابوحنیفة** عن نافع عن ابن عمر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم خیبر ان یباع الخمس حتی یقسم ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا خمس غنیمت کے بیچنے سے قبل اس کے کہ مال غنیمت تقسیم ہو ۔

ف :- مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے حصص کی خرید و فروخت ممنوع ہے اور ناجائز۔ کیونکہ تقسیم کے قبل ملک نہیں ہوتی کہ اس کی بیع ہو سکے ۔

٣٢٤/٢ **ابوحنیفة** عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یقسم شیئا من غنائم بدر الا بعد مقدمه بالمدینة ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی غنیمت سے کوئی شے تقسیم نہیں فرمائی۔ مگر مدینہ تشریف لانے کے بعد ۔

ف :- امام صاحب کے نزدیک مال غنیمت کی تقسیم دار الحرب میں بلا حاجت و ضرورت جائز نہیں۔ اور امام شافعی و مالک کے نزدیک جائز ہے یہ اختلاف اس اصول پر مبنی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک غانمین کی ملک مال غنیمت میں ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دار الاسلام میں محفوظ نہ کیا جائے اور ان ہر دو اماموں کے نزدیک ملک ثابت ہو جاتی ہے اور اسی اختلافی اصول پر بہت سے اختلافی مسائل کی بنیاد ہے ۔

Marfat.com

كتابُ البُيُوع

کتاب بیع کے احکام ہیں!

۱۶۵ بَابُ التَّقوٰى عَنِ الْمُشْتَبِهَاتِ

باب مشتبہ چیزوں سے بچنا!

۳۲۵ / ۱ أبو حنيفة عن الحسن عن الشعبي قال سمعت النعمان يقول على المنبر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الحلال بيّنٌ والحرام بيّنٌ وبين ذالك مشتبهاتٌ لا يعلمهنّ كثيرٌ من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ۔

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے نعمان کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر اور ان ہر دو کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔ جن کو لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شبہ کی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو طعن و تشنیع سے بچا لیا ۔

ف : یہ حدیث گویا پورے مذہب اسلام کی ایک اجمالی تفسیر ہے اور یہ ایک مکمل کسوٹی حلال و حرام اور تقوی کا ایک بلند معیار قائم کرتی ہے یعنی حلال ظاہر القبوت چیزیں ہیں جن کی حلت صاف اور کھلے الفاظ میں شریعت اسلام میں بیان ہو چکی ہے مثلاً کھانے پینے پہننے و دیگر استعمال کی وہ اشیاء جو عام طور پر مسلمان بلا شک و شبہ استعمال میں لاتے ہیں اسی طرح حرام وہ اشیاء ہیں جن کی حرمت پر آیات قرآنیہ صریح وارد ہیں مثلاً شراب سود مردار وغیرہ۔ اب رہیں مشتبہات تو وہ گویا حلال و حرام اشیاء کی درمیانی چیزیں ہیں جن میں حرمت کی بھی گنجائش ہے اور حلت کا بھی احتمال۔ یعنی یہ حلت و حرمت کے دونوں پہلوؤں کی حامل ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر کسی نے یہ شک ڈلوا دیا کہ یہ عورت اس شخص کی رضاعی بہن ہے تو یہ منکوحہ عورت اس کے حق میں مشتبہ ہو گئی۔ تو ان کے بارہ میں تقوی کا بلند درجہ تو یہی ہے جو حدیث میں ذکر ہوا۔ کہ مسلمان ان مشتبہات سے بھی احتراز کرے گناہ سے آلودگی کا احتمال نہ رہے اور دین و عزت کا دامن نفیس الزام طعن و تشنیع سے پاک رہے۔ لیکن حقیقت میں علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشتبہات کا شمار حرام اشیاء میں ہے ان سے انسان کو بچنا چاہیے جیسا کہ حدیث نے کہا ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ یہ مباح ہیں کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے چنانچہ بعض علماء حنفیہ و شافعیہ کا یہی مسلک ہے اور اسی مسلک پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔ بعض اس خیال کے حامی ہیں کہ ان کے بارہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ آیا یہ چیزیں حرام ہیں یا کہ مباح ۔

۱۶۶ بَابُ اللَّعْنِ عَلَى الْخَمْرِ وَمُتَعَلِّقِيهَا

شراب پر اور اس سے تعلق رکھنے والے پر لعنت!

۳۲۶ / ۱ أبو حنيفة عن حماد عن سعيد بن

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی

لہ مثال مذکور میں تقوی کا تقاضا ہے کہ اس عورت کو علیحدہ کر دے

جبر عن ابن عمر قال لعنت الخمر و عاصرها و ساقیها و شاربها و بائعها و مشتریها ۔

لئے کہا کہ لعنت کی گئی شراب پر اس کا نچوڑنے والا اس کا پلانے والا۔ اس کا پینے والا۔ اس کا بیچنے والا اور اس کا خرید نے والا ۔

ف :- ترمذی میں حضرت انس رضہ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت کی۔ شراب کا نچوڑنے والا۔ اس کا نچڑوانے والا۔ اس کا پینے والا اس کا اٹھانے والا۔ وہ جس کی طرف وہ اٹھا کر لے جائی جائے۔ اس کا بیچنے والا۔ اسکی قیمت کھانے والا۔ وہ جس کے لئے وہ خریدی جائے۔ اور اس کا خریدنے والا۔ غرض شراب چونکہ قطعی حرام ہے اس لئے اس سے کسی طرح کا بھی تعلق رکھنے والا۔ قابل گرفت وقابل سرزنش ہے۔ اور اللہ و رسول کی طرف سے لعنت کا سزاوار ہے۔

۳۲۷ حماد عن ابیه عن محمد بن قیس قال سالت ابن عمر او ساله ابو کثیر عن بیع الخمر فقال قاتل الله الیهود حرمت علیهم الشحوم فحرّموا اکلها واستحلوا بیعها واکلوا اثمانها وان الذی حرم الخمر حرم بیعها واکل ثمنها ۔

محمد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضہ سے پوچھا۔ یا ابو کثیر نے ان سے شراب کے بیچنے کا مسئلہ تو آپ نے کہا کہ قتل کرے اللہ یہود کو (یعنی ان پر لعنت بھیجے) کہ جب حرام کی گئی چربی ان کے لئے تو انہوں نے اس کا کھانا تو حرام رکھا۔ مگر اس کے بیچنے کو حلال قرار دیا۔ اور اس کی قیمت کو کھا لی گئے۔ حالانکہ جس نے شراب کو حرام کیا تو اس نے بیچنے کو بھی حرام کہا۔ اور اس کی قیمت کھانے کو بھی ۔

ف :- بخاری میں یوں ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اللہ یہود پر لعنت بھیجے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلایا۔ پھر اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ گویا یہ ایک حیلہ بنایا کہ چربی کو پگھلا کر اس کی صورت و شکل بدل ڈالی اور یہ سوچا کہ اب اس کا حکم بھی بدل گیا۔ نعوذ باللہ یہ کیسی بیہودہ حرکت ہے اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کیسی ناشائستہ جرأت و جسارت ہے۔ ابو داؤد میں ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم پر کسی چیز کو حرام فرمایا تو اس کی قیمت بھی اس پر حرام فرمائی۔ گویا حرمت کا یہ اصول ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ لہٰذا یہ لغو حیلہ کی آڑ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی حدود حکمی کرنا کھلی گمراہی ہے۔

باب ۱۹۶ اللعن علی اکل الربوا — باب سود خوار پر لعنت کے بیان میں

۳۲۸ ابو حنیفة عن ابی اسحٰق عن الحارث عن علی رضہ قال لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل الربوا وموکله ۔

حضرت علی رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی سود کھانے والے (لینے والے) اور کھلانے والے (دینے والے) پر ۔

ف :- امام احمد۔ دارقطنی اور طبرانی اوسط اور کبیر میں عبد اللہ بن غنظلہ سے مرفوع روایت اس مضمون

Marfat.com

کی لائے ہیں کہ ایک درہم سود کا کھانا جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے چھتیس زناؤں سے سخت تر ہے۔ بیہقی رح شعب الایمان میں ابن عباس رض سے جو روایت لائے ہیں اس میں اس معنی کے الفاظ بھی زائد ہیں کہ جس شخص کا گوشت حرام کے مال سے بنا ہو تو وہ اسی کا سزاوار ہے کہ اس کو آگ کھائے۔ مسلم وغیرہ میں یہ حدیث یوں مروی ہے کہ سود کے کھانے کھلانے پر بھی آپ نے لعنت بھیجی ہے۔ اور اس کے لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر بھی۔ گویا اللہ و رسول کے نزدیک سود اس قدر شدید گناہ ہے کہ اس کے سلسلہ میں ذرا سا حصہ لینے والا بھی لعنت خداوندی کا سزاوار اور آنحضرت کی پھٹکار کا مستحق ہے۔

باب الربوا فی النسیئۃ ۱۶۸

باب۔ اس بیان میں کہ سود ادھار میں ہے!

ابوحنیفۃ عن عطاء عن ابن عباس عن اسامۃ بن زید قال انما الربوا فی النسیئۃ وماکان یداً بید فلا بأس۔

حضرت اسامہ بن زید رض سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ البتہ سود ادھار میں ہے۔ اور جو ہاتھوں ہاتھ ہو۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ف: سود کے مسئلہ کی مناسب تشریح متصل حدیث میں آرہی ہے۔

باب الربوا فی الاشیاء الستۃ بالفضل! ۱۶۹

باب۔ اس بیان میں کہ چھ چیزوں میں زیادتی سے سود ہوتا ہے!

ابوحنیفۃ عن عطیۃ عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الذھب بالذھب مثلاً بمثل والفضل ربوا والفضۃ بالفضۃ وزناً بوزن والفضل ربوا والتمر بالتمر والفضل ربوا والشعیر بالشعیر مثلاً بمثل والفضل ربوا والملح بالملح مثلاً بمثل والفضل ربوا۔

وفی روایۃ الذھب بالذھب وزناً بوزن یداً بید والفضل ربوا والحنطۃ بالحنطۃ کیلاً بکیل یداً بید والفضل ربوا والتمر بالتمر والملح بالملح کیلاً بکیل

حضرت ابی سعید خدری [illegible] سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا [illegible] میں [illegible] برابر [illegible] اور زیادتی [illegible] [illegible] سود ہے۔

[illegible] روایت [illegible] [illegible] زیادتی سود ہے [illegible] [illegible] زیادتی سود ہے [illegible] [illegible]

Marfat.com

وَالْفَضْلُ رِبًوا ◆ برابر اور زیادتی سود ہے ◆

ف: ربٰوا سود لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح شرع میں خاص اس زیادتی کا نام ہے جو مالوں کے تبادلہ میں بغیر کسی عوض یا بدل کے لی دی جاوے۔ ربٰوا دو طرح قسم کا ہے۔ ایک ربٰوا نسیہ یعنی قرض ادھار یا قرض پر بیچیں دوسرا ربٰوا فضل کہ ہاتھ در ہاتھ نقد النقد لین دین ہو زیادتی کے ساتھ حرمت ربٰوا کے بارہ میں بنیادی حکم یہ فرمان خداوندی ہے واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربٰوا کو حرام اس آیت کریمہ نے ربٰوا سے معنی لغوی مطلق زیادتی تو بالاتفاق مراد نہیں تو گویا نص قرآنی مجمل ہوئی اور محتاج بیان چنانچہ احادیث نے اس کی تشریح کی۔ احادیث میں اصل اصول حدیث وہ ہے جس میں آنحضرتؐ نے چھ اشیاء سونا۔ چاندی۔ گیہوں۔ جو۔ تمر۔ نمک۔ گنوایا ہے۔ یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت سے بایں الفاظ مروی ہے۔ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء یدا بید فان اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید کہ آنحضرتؐ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے بدلے گیہوں گیہوں کے بدلے۔ جو جو کے بدلے۔ کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے۔ برابر برابر دست بدست ہیں اگر یہ اشیاء آپس میں مختلف ہوں تو جیسا چاہو ان کو بیچو۔ جبکہ نقد النقد سودا ہو۔ اس حدیث کو سوائے بخاری کے اصحاب صحاح ستہ لائے ہیں۔ حضرت ابی سعید کی حدیث ذیل بھی اسی مضمون کو قدرے اجمال سے بیان کرتی ہے۔ غرض یہ حدیث سولہ صحابہ سے مروی ہے۔ ظاہریہ چونکہ قیاس کے منکر ہیں اس حدیث کے حکم کو ان ہی چھ اشیاء پر محدود و مقصور رکھتے ہیں۔ مگر ائمہ مجتہدین اس میں قیاس کو دخل دیتے ہوئے ان میں علت حکم کو ڈھونڈتے ہیں اور علت کے ساتھ حکم حرمت کو دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ تلاش علت میں ائمہ کے مابین اختلاف رونما ہوتا ہے بہر حال سب ائمہ میں نقطۂ اختلافی یہی حدیث بنتی ہے۔ جداجدا علت حکم حرمت دریافت کرنے سے مختلف مذاہب عالم وجود میں آتے ہیں۔ اور ان پر مختلف مسائل کی بنیاد ہوتی ہے مثلاً امام ابوحنیفہؒ نے تمام حدیث کے پیش نظر علت دو چیزیں قرار دی ہیں ایک جنس دوسری قدر قدر سے مراد وزنی اشیاء میں وزن ہے اور کیلی اشیاء (ناپی جانے والی چیزوں) میں کیل (ناپ) ہے۔ کیونکہ حدیث میں مثلاً بمثل سے مماثلت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حرمت فضل تب ہے کہ ان میں مماثلت ہو تو گویا بدلے و حرمت مماثلت ہے اور جنسیت سے باطنی۔ لہٰذا اس علت جنس و قدر کے ساتھ حکم حرمت فضل دور کرے گا۔ جہاں ہر دو جز علت موجود ہوں گے وہاں دست بدست زیادتی بھی ناجائز ہے اور ادھار بھی ناجائز۔ مثلاً اشیاء مذکورۃ فی الحدیث میں کہ سونا سونے کے عوض نقدا نقد برابر برابر چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر دست بدست وغیرہ وغیرہ۔ اگر علت کے ہر دو جز نہ پائے جائیں کہ نہ جنس ایک ہو نہ قدر ایک تو نقد نقد بھی زیادتی جائز ہے۔ اور ادھار بھی جائز۔ گویا فضل بھی جائز ہے اور نسیہ بھی۔ مثلاً گیہوں کو چاندی کے عوض بیچیں تو دونوں سودے میں جائز ہیں۔ کیونکہ یہاں نہ تو جنس ہی ہے۔ نہ اتحاد قدر کہ گیہوں کیلی ہے اور چاندی وزنی۔ اور اگر علت کے ایک جز میں اتحاد ہو۔ دوسرے میں اختلاف تو فضل جائز ہے یعنی

Marfat.com

درہاتھ زیادتی سے بیچ سکتے ہیں۔ مگر ادھار اس میں جائز نہیں۔ مثلاً گیہوں کو چنوں کے عوض میں بیچا تو فضل
حلال ہے اور نسیہ حرام۔ یعنی نقداً نقد زیادتی لے دے سکتے ہیں۔ ادھار سودا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہاں
جنس مختلف ہے اور قدر ایک کہ گیہوں اور چنے ہر دو کیلی ہیں۔ یا مثلاً گھوڑے کو گھوڑے کے بدلے بیچنا
چاہیں تو بھی فضل جائز ہے کہ ایک گھوڑے کے بدلے دو دیں یا لیں۔ مگر نسیہ حرام کہ اس میں اگرچہ جنس
ایک ہے مگر قدر نہیں۔ کیونکہ گھوڑا نہ کیلی ہے نہ وزنی۔ امام احمد ایک روایت میں امام صاحب کے
ساتھ متفق الرائے ہیں۔ امام شافعی اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں سے چار چیزوں گیہوں جو کھجور نمک
سے علت طعم سمجھتے ہیں کہ وہ کھانے پینے کے کام میں آئے اور سونے چاندی سے ثمنیت کہ وہ قیمت
بن سکے۔ ایک روایت میں امام احمد انہیں کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی مزید حجت کے لئے ایک اور
حدیث سے دلیل لاتے ہیں وہ حضرت معمر بن عبداللہ کی حدیث ہے جو مسلم وغیرہ میں بدیں الفاظ مروی
ہے کنت اسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الطعام بالطعام مثلا بمثل وکان طعامنا یومئذ
الشعیر۔ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ کھانا کھانے کے بدلے میں [illegible] برابر برابر
اور ان دنوں میں ہمارا کھانا جو تھا۔ کہ یہاں طعام کا علت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ترکاری
میوے اور ادویات میں تفاضل و زیادتی ربوا ہوگا۔ کیونکہ ان میں طعم و قوت ہے [illegible] جو
وغیرہ میں نہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو اس کے ہم جنس سے زیادتی سے بیچا جا سکتا ہے۔ امام مالک
ان چار اشیاء مذکورہ فی الحدیث سے علت ربوا قوت اور مدخر ہونا سمجھتے ہیں یعنی جن چیزوں کا ذخیرہ ہو سکے
ان میں ربوا حرام ہے اور جن کا ذخیرہ نہ ہو سکے ان میں نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے [illegible]
میں ان چیزوں کو بیان فرمایا جو قوت بننے اور ذخیرہ ہونے کے قابل ہیں لہٰذا یہی علت قرار دی [illegible]
ترکاریاں میوہ جات اور وہ کھانے پینے کی چیزیں جو نہیں رکھی جا سکتیں ان میں ان کے نزدیک [illegible]
ان میں سے ایک کو دو کی جگہ لے سکتے ہیں۔ اور سونے چاندی میں ان کے نزدیک بھی ثمنیت ہے [illegible]
امام شافعی کے ساتھ اس خیال میں متفق ہوئے۔ امام صاحب کی تجویز [illegible]
یا حدیث عبادہ بن صامت کے الفاظ مثلاً بمثل سے بطریق مذکور ثابت [illegible] پھر امام صاحب کا
یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ ان کا یہ قیاس ایک صریح نص سے بھی مل جاتا ہے [illegible]
گنجائش ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ دارقطنی اور بزار حضرات عبادہ اور انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں [illegible] اس حدیث
[illegible] کو بالکل ترجمان ہے اور امام صاحب کے قیاس کی صحت کی صاف دلیل ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔
انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل ما وزن مثل بمثل اذا کان من نوع واحد وما کیل فمثل ذلک فاذا اختلف
النوعان فلا باس بہ۔ کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ہر تولا جانے والی چیز برابر برابر ہیں جبکہ ایک ہی نوع سے ہوں
ایسے ہی وہ چیزیں جو ناپی جاتی ہیں اور جب نوعوں میں اختلاف ہو تو کوئی پروا نہیں۔ اب امام شافعی کی [illegible]
معمر کی حدیث کے مقابلہ میں ہمارے [illegible] کے پاس آنحضرت کا [illegible] فرمان ہے لا تبیعوا الدرہم بالدرہمین
ولا الصاع بالصاعین کہ ایک درہم کے بدلے دو درہم اور ایک صاع کے بدلے دو صاع نہ بیچو کیونکہ درہم وغیرہ

معلوم سب کو شامل ہے۔ لہٰذا امام صاحب کا قیاس اقرب الی الصواب ہے۔ اور روایات کے موافق تر۔

بَابُ شِرَاءِ الْعَبْدَيْنِ بِعَبْدٍ !

دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض میں خریدنا !

۲۳۱/۱ ابو حنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتری عبدین بعبدٍ ۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلاموں کو ایک غلام کے بدلے میں خریدا ۔

ف: یعنی یہ خریداری دست بدست ہوئی نہ ادھار اور وعدہ پر اور بر بنا بر تفصیل سابق جائز ہی ہے۔ کیونکہ یہاں ہر دو عوض ہم جنس ہیں اور ان میں قدر نہیں کہ غلام نہ کیلی ہے نہ وزنی گویا یہ وہ صورت ہے کہ ربو الفضل اس میں جائز ہے اور نسیہ حرام ۔

۲۳۲/۲ ابو حنیفۃ عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اشتری طعامًا فلا یبعہ حتی یستوفیہ ۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غلہ خریدے وہ اس کو نہ بیچے تا وقتیکہ اس کو پورا نہ لے لے۔ (یعنی اس کو ناپ نہ لے) ۔

ف: بخاری میں یوں ہے کہ وہ چیز جس سے آنحضرتؐ نے منع فرمایا۔ وہ غلہ ہے جو قبضہ سے پہلے بیچا جائے مسلم میں بعینہ یہی حدیث امام ہے صرف "اشتری" کی جگہ "ابتاع" ہے۔ یہ حدیث بھی ائمہ اربعہ کے مابین ایک نقطہ اختلافی ہے۔ امام مالک اس حکم کو صرف طعام (غلہ) ہی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک غلہ کے علاوہ چیزوں کا قبل سلے لینا کے بیچنا جائز ہے۔ امام احمد اس حکم کو ہر وزنی اور کیلی چیز پر جاری و نافذ جانتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح ہر منقول چیز کو اس حکم کے ماتحت لاتے ہیں اور عقار (زمین) کو اس حکم سے خارج کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک ہر منقول چیز کی بیع بغیر قبضہ کر لے لینے کے جائز نہیں اور زمین کی بیع جائز ہے امام شافعی کے نزدیک یہ حکم ہر چیز کو شامل ہے خواہ کیلی ہو یا کہ وزنی ہو منقول ہو خواہ غیر منقول (عقار) یعنی کسی کا بھی بیچنا بغیر قبضہ کے جائز نہیں۔ گویا امام مالک رح کے نزدیک دائرہ نفاذ حکم حدیث بالکل محدود و مقصور ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک اس سے وسیع تر امام صاحب کے نزدیک اس سے بھی وسیع تر اور امام شافعی رح کے نزدیک اس سے زیادہ وسیع۔ امام صاحب اپنے مسلک خیال پر آنحضرتؐ کے قول حتی یستوفیہ سے دلیل لاتے ہیں کہ استیفاء کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے نہ غیر منقولہ سے یا حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے جو بخاری لائے ہیں۔ رأیت الناس فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعہ فی مکانہ حتی یتنقلوہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع فرمایا اس کے بیچنے سے اسی جگہ! یہاں تک کہ اس کو منتقل کر لیں یعنی اس کی جگہ بدل لیں لہٰذا یہی مسلک حق معلوم ہوتا ہے ۔

بابٌ ۱۷۱ النهي عن بيع الغرر!

باب دھوکے کی بیع کی ممانعت میں!

۳۳۲/۱ ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الغرر۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی بیع سے۔

ف:- نووی کہتے ہیں کہ کتاب البیوع میں یہ حدیث گویا ایک اصولی یا بنیادی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے مسلم اس کو شروع میں لائے ہیں۔ اور اس پر بیش از بیش مسائل مدار رکھتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث حلت وحرمت کا ایک جامع اصول وقاعدہ فراہم کرتی ہے اور جائز وناجائز خرید وفروخت کے مابین ایک خط امتیازی کھینچتی ہے کہ جن اقسام بیع میں دھوکہ دھڑی ہو وہ قطعی حرام ہیں اور جن میں ایسا نہ ہو وہ بلاشبہ حلال ہیں یا یوں کہئے کہ یہ حدیث ایک کسوٹی ہے یا ایک معیار ہے جس سے ہر معاملہ بیع کے جواز وعدم جواز کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً بھاگے ہوئے غلام کی بیع۔ معدوم وغیر موجود کی بیع۔ ایک مجہول چیز کی بیع۔ یا اس چیز کا بیچنا جس کی سپردگی قابو سے باہر ہو۔ یا جس پر بائع کا پورا قبضہ نہ ہو۔ یا پانی کی مچھلیوں پر سودا کرنا۔ یا جانور کے تھن کے دودھ پر خرید وفروخت کرنی۔ یا جانور کے پیٹ کے بچہ کو بیچنا۔ یا یوں کہہ کر بیچنا کہ ان بکریوں میں سے کوئی بکری بیچتا ہوں۔ یا کپڑوں میں سے کوئی کپڑا بیچتا ہوں کہ یہ سب صورتیں اسی اصول کی روشنی میں ناجائز قرار پائیں۔

بابٌ ۱۷۲ النهي عن بيع المزابنة والمحاقلة!

باب بیع مزابنہ ومحاقلہ سے ممانعت کے بیان میں!

۳۳۳/۱ ابو حنيفة عن ابي الزبير عن جابر بن عبد الله الانصاري عن النبي صلى الله عليه وسلم انه نهى عن المزابنة والمحاقلة۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بیع مزابنہ اور محاقلہ سے۔

ف:- مزابنہ کی یہ صورت ہے کہ کسی قدر کیل وناپ سے درخت پر کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچا جائے۔ یا انگوروں کی بیل پر لگے ہوئے تر انگوروں کو خشک انگوروں کے بدلے بیچا جائے۔ محاقلہ کی یہ شکل ہے کہ بالیوں میں جو گیہوں ہیں ان کی بیع کی جائے خشک گیہوں کے بدلے۔ یہ دونوں صورتیں مذکورہ کے ساتھ ناجائز ہیں کیونکہ یہاں مبیع مجہول ہے اور اس میں دھوکے کا احتمال ہے۔ بیع کی یہ شکلیں ایام جاہلیت میں رائج تھیں۔ اس لئے ان کو علیحدہ بالتخصیص بیان فرمایا اور ان کی حرمت پر صاف الفاظ میں تصریح فرمائی۔

Marfat.com

باب ۱۲۳ النهى عن اشتراء الثمرة حتى يشقح!

باب اس امر کی ممانعت میں کہ میوہ کو سرخ یا زرد ہونے سے پہلے خریدا جائے!

۳۲۵ ح ۱ ابوحنيفة عن ابى الزبير عن جابر ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن ان يشترى ثمرة حتى يشقح ٭

حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا میوہ کو خریدنے سے یہاں تک کہ وہ سرخ یا زرد ہو جائے ٭

ف: یعنی جب تک پھل اپنی مراد کو نہ پہنچیں ان کی خریداری ممنوع ہے ٭

۳۲۶ ح ۲ ابوحنيفة عن جبلة عن ابن عمرؓ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن السلم فى النخل حتى يبدو صلاحه ٭

حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے پھل بیچنے سے یہاں تک کہ وہ صلاحیت کو پہنچ جائیں ٭

ف: یعنی اگر درخت پر لگی ہوئی کھجور کو فروخت کیا جائے تو جائز نہیں جب تک وہ اپنی مراد کو نہ پہنچ جائے۔ اگر اس کو درخت سے کاٹ کر بیچیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان تمام صورتوں میں دھوکے کا منع قاعدہ کارفرما ہے ٭

۳۲۷ ح ۳ ابوحنيفة عن عطاء عن ابى هريرةؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا طلع النجم رفعت العاهات يعنى الثريا ٭

حضرت ابی ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ستارہ طلوع کر آئے۔ تو پھلوں پر سے آفتیں ٹل گئیں۔ یعنی ثریا ٭

ف: بلاد حجاز میں شروع موسم گرما میں ثریا فجر کے ساتھ ساتھ نکلتا ہے۔ تو گویا یہ پھلوں پر آفات کے ٹل جانے کا ایک پیغام ہوتا ہے۔ اور ان کے مراد پر پہنچ جانے کی سب سے بڑی نشانی۔

باب ۱۲۴ الاشتراط من المشترى!

باب مشتری کی طرف سے شرط کر لینے کے بیان میں!

۳۲۸ ح ۱ ابوحنيفة عن ابى الزبير عن جابر بن عبد الله الانصارى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من باع نخلا موبرا او عبدا وله مال فالثمرة والمال للبائع الا ان يشترط المشترى ٭

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بیچا قلم لگایا ہوا کھجور کا درخت یا اس غلام کو جس کا مال ہے۔ تو پھل اور مال بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری شرط کر لے۔ تو اس صورت میں مشتری کے ہو گئے

وفی روایة من باع عبداً وله مال فالمال للبائع الا ان یشترط المبتاع ومن باع نخلاً مؤبراً فثمرته للبائع الا ان یشترط المبتاع۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جس نے بیچا غلام جس کا مال ہے تو مال بائع کا ہے مگر یہ کہ مشتری شرط کرے۔ اور جس نے بیچا کھجور کا درخت قلم لگا ہوا۔ تو اس کے پھل بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری شرط کرے۔

ف: مؤبر اس کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جس میں قلم لگایا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ عرب لوگ درخت کھجور میں جو مادہ [illegible] لاتے تھے۔ اور ایسا کرتے تھے کہ مادہ کو نر کے [illegible] تھے اس ترکیب سے درخت پھل بہت لاتا تھا۔ اس عمل کو عربی میں تابیر اور اردو میں قلم لگانا کہتے ہیں۔

یہ حدیث اصحاب صحاح ستہ لائے ہیں۔ [illegible] مشکوٰۃ [illegible] امام شافعی اور امام مالک [illegible] کا مذہب قرار پایا ہے کہ اگر درخت کھجور [illegible] تو یہی حکم ہے [illegible] کے [illegible] اگر مؤبرہ ہو تو یہ صورت مشتری کے [illegible] لئے ان کے نزدیک [illegible] مؤبرہ و غیر مؤبرہ [illegible] کے [illegible] حکم حدیث کے لئے تابیر کی شرط نہیں [illegible] بلحاظ اکثر حالت کے لگا دی گئی۔ [illegible] امام محمد نے آنحضرت سے حدیث نقل [illegible] بذریعہ بھی لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا من اشتری ارضا فیها نخل [illegible] المبتاع کہ جس نے کوئی زمین خریدی کہ اس میں درخت خرما پھل لگے ہوئے تو پھل بائع کے ہیں مگر یہ کہ مشتری شرط لگا لے۔ تو یہاں مؤبرہ و غیر مؤبرہ کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حکم دراصل تابیر کی قید سے مقید نہیں۔

۱۷۵ باب النهی عن السوم علی السوم!

باب اس بیان میں کہ بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے ممانعت ہے!

۳۲۹/۱

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عمن لا اتهم عن ابی سعید الخدری وابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لا یستام الرجل علی سوم اخیه ولا ینکح علی خطبة اخیه ولا تنکح المرأة علی عمتها ولا خالتها ولا تسأل المرأة طلاق اختها لتکفی ما فی صحفتها فان الله هو رازقها ولا تبایعوا بالقاء الحجر

حضرات ابی سعید خدری اور ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھاؤ نہ لگائے کوئی آدمی اپنے بھائی کے بھاؤ پر۔ اور اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ بھیجے۔ اور نہ نکاح کیا جائے اس عورت سے جس کی پھوپھی یا خالہ نکاح میں ہو۔ اور نہ چاہے کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کو تاکہ اس کے [illegible] کیونکہ اس کا رازق اللہ ہی ہے۔ [illegible] پتھر ڈال کر بیع نہ کرو۔ [illegible]

اذا استاجرت اجیرا فاعلمه اجرہ ؛　　　　کو مزدور رکھو تو اس کو اس کی مزدوری بتلا دو ؛

ف :- یہ حدیث کئی جزئی مسائل پر مشتمل ہے - یہ انفرادی حیثیت سے مختلف احادیث میں کتب حدیث میں مذکور ہیں لیکن یک جائی شکل میں یہاں امام صاحب ہی کی روایت میں ان کا بیان ہے ؛

پھر حدیث میں بھاؤ پر بھاؤ لگانے کی ممانعت اس صورت میں ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان کسی چیز پر مول تول کرنے کے بعد معاملہ ٹھہر گیا ہو یعنی بائع بیچنے پر راضی ہو اور خریدار خریدنے پر اور قیمت بھی طے پا گئی ہو - مگر ابھی لین دین عمل میں نہ آئی ہو - تو ایسے وقت کسی کے لئے جائز نہیں کہ بھاؤ تاؤ کر کے اپنے بھائی کے معاملہ کو بگاڑنے کی کوشش کرے - ورنہ اگر معاملہ اس سے پہلے کی حد تک نہ پہنچا ہو تو ایک چیز پر چند آدمیوں کا بھاؤ لگانا حرام نہیں چنانچہ نیلام کی شکل جائز ہے - یہی طور پیام منگنی پر پیام بھیجنا اس صورت میں ناجائز ہے کہ جانبین سے رضامندی ہو گئی ہو - اور ابھی عقد ہونا باقی ہو کہ ایسی صورت میں بیچ میں دخیل ہونا ممنوع ہے لیکن اگر رضامندی کے آثار نہ ہوں تو بدیں صورت مختلف پیام بیک وقت بھیجے جاسکتے ہیں - اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں چنانچہ فاطمہ بنت قیس کے لئے معاویہ اور ابی جہم کی طرف سے بیک وقت پیام آئے - اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا نہ بتایا - پھر آخر حضرت اسامہ سے نکاح قرار پایا -

اور اپنی بہن کی طلاق چاہنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک اجنبی عورت کسی عورت کی مرفہ الحالی پر رشک کرکے اس کے خاوند سے مطالبہ کرے کہ اس کو طلاق دے کر اس کو نکاح میں لائے - تاکہ نان نفقہ اور دیگر اسباب معیشت جو مطلقہ کو نصیب تھے وہ اس کو میسر آئیں - اسی کو آنحضرت نے بطور تشبیہ و مثال دوسرے کے برتن کی چیز اپنے برتن میں انڈیلنا کہا ہے - تو ایسا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے - کیونکہ رازق اللہ ہی ہے اس کے مقدر کی چیز اس کو ملتی ہے اور اس کے مقدر کی چیز اس کو ؛

۲۲۰/۲ ابو حنیفۃ عن معن بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اشتروا علی اللہ قالوا وکیف ذلک یارسول اللہ قال تقولون بعنا الی مقاسمنا ومغانمنا ؛

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرید و اللہ کے بھروسہ پر صحابہ نے عرض کیا - یہ کیسے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا - یہ یوں کہ تم کہتے ہو خرید ہم نے ہمارے نذقول کی تقسیم یا مال غنیمت ملنے تک ؛

ف :- ارشاد نبوی کا منشا یہ ہے کہ اللہ کے بھروسہ پر چیزوں کی خریداری کرو - شکی غیر یقینی حالات و واقعات پر معلق نہ رکھو مثلاً کہیں کہ بخشش یا عطایا تقسیم ہونے پر یا اموال غنیمت کی وصول یابی پر کیونکہ یہ اجل مجہول پر بیع کرنے کی شکل ہوئی - جو شریعت میں ناجائز ہے ؛

باب الرخصۃ فی ثمن کلب الصید !

باب شکاری کتے کی قیمت میں رخصت ملنے کے بیان میں !

۲۲۱/۱ ابو حنیفۃ عن الھیثم عن عکرمۃ عن

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ابن عباسؓ قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید ۔

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی شکاری کتے کی قیمت ہیں ۔

ف: یہ حدیث بیع کلب (کتے کی خرید و فروخت) کے مسئلہ کو سامنے لاتی ہے ۔ یہ چونکہ امام شافعی رح اور امام ابو حنیفہ رح کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ ہے ۔ اس لئے قدرے مستحق تشریح ہے اور محتاج بیان ۔ امام شافعی کے نزدیک کتا خواہ شکاری ہو یا غیر شکاری اس کی بیع ناجائز ہے ۔ حدیث سے بھی حجت لاتے ہیں اور قیاس سے بھی ۔ احادیث کے ذیل میں وہ حدیث سامنے رکھتے ہیں جو صحیحین میں ابن مسعود سے بدیں الفاظ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کتے کی قیمت ، فاحشہ عورت کی اجرت اور کاہن کی مزدوری سے ۔ قیاس کے ماتحت یوں کہتے ہیں کہ کتا نجس العین ہے اور نجاست حقارت و ناقدری کو ظاہر کرتی ہے ۔ اور بیع عزت و قدر کو ظاہر کرتی ہے ۔ تو ہر دو یک جا کیسے جمع ہوں اور کیسے نجس کی بیع کس طرح جائز ہو ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس عام امتناعی حکم سے شکاری کتا اور وہ جس سے جانوروں کی نگہبانی ، کھیتی کی یا کسی گھر کی پاسبانی کا کام لیا جائے مستثنیٰ ہیں اور مخصوص ۔ تابعین میں سے بہت سوں کا یہی مسلک ہے مثلاً عطا ، زہری وغیرہ اسی خیال کے حامی ہیں ۔ امام صاحب کے مذہب پر محکم و پختہ دلیل حدیث ذیل ہے جو متن کے لحاظ سے بھی واضح ہے اور اسناد کی رو سے بھی بے غش کیونکہ امام ابو حنیفہ کے بارہ میں کس کو تاب کہ زبان سخن ہلا سکے ۔ ہیثم بن حبیب الصیرفی کے ثقہ ہوتے ہیں کس کو گنجائش کلام عکرمہ اور ابن عباس کے خلاف کس کو تاب لب کشائی ۔ لامحالہ اس کو حدیث ممانعت کی مخصص ماننی پڑے گی ۔ پھر کتب صحاح میں بعض روایات میں صراحتاً استثناء موجود ہے جو اس مذہب کی بنیاد کو اور سنگین کرتی ہے مثلاً ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت بدیں الفاظ وارد ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب الا کلب الصید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کتے کے داموں سے مگر شکاری کتے کے ۔ گو ترمذی نے اس کو صحیح نہیں بتایا ۔ مگر دوسری روایات اس کی تائید میں موجود ہیں ۔ سب سے پہلے یہی حدیث ذیل تو ان سے مل کر یہ استثناء کی حدیث درجہ حسن تو ضرور ٹھہرتی ہے اور وہ بھی قابل حجت ہے ۔ بیہقی اس میں یہ نکتہ نکالتے ہیں کہ حماد کی روایت صحیح نہیں جو اس حدیث میں ہے کیا خوب یہ ہر دو مسلم کے رجال ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا ۔ بیہقی خود ایک سلسلہ سے حضرت جابر سے ان الفاظ کی حدیث لائے ہیں نھی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب الصید کہ آپ نے منع فرمایا کتے بلی کے داموں سے مگر شکاری کتے کے ۔ اس میں یہ خلش پیدا کرتے ہیں کہ حماد نے جو اس کے سلسلہ میں ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا گویا اس کو مرفوع نہیں کیا ۔ حالانکہ اہل حدیث کے نزدیک یہ کھلی مرفوع حدیث ہے ۔ کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن موسیٰ نے حماد سے مرفوع روایت کرنے میں شک کیا ہے حالانکہ شک اس کے رفع میں حارج نہیں ۔ اگر رفع حقیقی نہیں تو حکمی ہے ۔ ایسے ہی دارقطنی روایت کو حضرت جابر سے لائے ہیں اور اس کے الفاظ یہ ہیں لا اعلمہ الا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس کو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے جانتا ہوں تو اب تو یہ بلاشک مرفوع ہوئی ۔ مزید برآں یہ بھی خود فرماتے ہیں کہ ہیثم بن جمیل نے حماد سے اس کو یوں روایت کی ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن جناب رفع میں کیا شک رہا۔ مو ہیثم ثقہ ہیں اور زیادتی ثقہ کی بلا شک مقبول ہے۔ اسی طرح نسائی حضرت جابر سے روایت لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ مگر شکاری کتے کی۔ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ بہرحال ان استثنا کی احادیث ہیں سے کسی کی اسناد میں ضعف پایا بھی جائے تو مجموعہ سے قوت پکڑ لیتی ہے اور کم از کم حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے جو حجت کے لئے کافی ہے۔ اب رہاان احادیث کا جواب جن سے شافعی حجت لاتے ہیں تو ان کا جواب یا تو وہی ہے جو دیا گیا کہ یہ عام ہیں اور کتے کی بیع کو منع کرتی ہیں اور یہ احادیث صحیحہ ان کی تخصیص کرتی ہیں اور شکاری یا کھیتی۔ گھر۔ جانوروں کی رکھوالی کرنے والے کتے کو اس حکم عام سے مستثنیٰ کرتی ہیں۔ یا یہ کہ مطلق ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں کہ ابتدا میں ایسا ہی تھا۔ کہ آنحضرت نے کتے سے ہر قسم کی نفع اندوزی حرام فرمادی تھی۔ مگر بعد میں اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ مروی ہے کہ آنجناب نے شکاری کتے کے مار ڈالنے پر مار دینے والے کو چالیس درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور کھیتی کی چوکسی کرنے والے کتے کے مار دینے پر ایک کبش کا۔ عبد الملک نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت کی احادیث میں کلب سے کتا اور وہ درندہ جانور ہو مراد ہو اور ان میں وہ کتا جو سدھا یا ہوا ہو اور نفع اندوزی کے قابل۔ امام صاحب قیاس کو بھی ان سب کی حجت میں لاتے ہیں۔ وہ یہ کہ کتا بروئے شریعت بہرحال مال ہے کیونکہ اس کے پالنے اور اس سے نفع اندوزی کی اجازت ہے۔ چنانچہ بخاری میں ابی ہریرہ رض سے مرفوعاً روایت اسی مضمون کی ہے کہ جس نے کتا پالا اس کے عمل میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا ہے مگر کھیتی اور جانوروں کا رکھوالا کتا۔ بلکہ ابن جریج اور ابو نعیم کے واسطہ سے جو روایت لائے ہیں اس میں شکاری کتے کی بھی استثنا ہے۔ جب کتا مال ٹھیرا اور نفع اندوزی کے بھی قابل اور ملک میں اس کا شمار ہوا تو اس پر خرید و فروخت بھی ہو سکتی ہے۔ جس طرح اور تمام املاک پر۔ پھر اس کی ذاتی نجاست بیع میں جارج نہیں جس طرح امام شافعی نے سمجھا ہے۔ کیونکہ مثلاً ہاتھی نجس ہے مگر اس میں خرید و فروخت جائز ہے اور ملک بھی قرار پاتا ہے۔ اسی طرح کتا بھی۔

۳۴۲ ابو حنیفة عن ابی یعفور عن حدثه عن عبد الله بن عمرؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم بعث عتاب بن اسید الی اہل مکة فقال انههم عن شرطین فی بیع وعن بیع وسلف وعن ربح ما لم یضمن وعن بیع ما لم یقبض۔

۲ حضرت عبد اللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا عتاب بن اسید کو اہل مکہ کی طرف یہ کہہ کر کہ منع کرو ان کو بیع میں دو شرطوں کے کرنے سے۔ بیع اور قرض سے۔ غیر مضمون چیز سے نفع اٹھانے سے۔ اور قبضہ نہ کی ہوئی چیز کو بیچنے سے۔

ف:۔ حدیث میں دو شرطوں کی قید اتفاقی ہے کیونکہ بیع میں ایک شرط بھی ناجائز ہے۔ ان جملات کی تشریح حسب ذیل ہے۔

بیع میں دو شرطوں کے کرنے کی صورتیں چند ہیں جو سب ناجائز ہیں۔ ایک یہ کہ ایک شخص مثلاً کسی کو اپنا غلام اس شرط سے بیچتا ہے کہ وہ بھی اپنا گھر اس کے ہاتھ بیچ دے۔ دوسری یہ کہ کہے کہ میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد تو دس روپے میں بیچتا ہوں اور ادھار بیس میں۔ تیسری یہ صورت جیسا کہ بعض نے لکھا ہے کہ کہے کہ مثلاً یہ چیز

میں تیرے ہاتھ بیچتا ہوں بایں شرط کہ اس کو دھلا بھی دوں گا اور سلوا بھی دوں گا۔ شیخ عبدالحق نے ایسا ہی لکھا ہے بیع اور قرض کی یہ شکل ہے کہ مثلاً کہے کہ یہ چیز میں تیرے ہاتھ بیچتا ہوں اس شرط سے کہ تو مجھ کو اتنا روپیہ قرض دے دے۔

غیر مضمونہ چیز سے نفع اندوزی کی یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ایک شخص سے کوئی چیز مول لی اور خریدار نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور قبل قبضہ اس چیز سے کرایہ لینے کا حقدار بنے گا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ اس کے کرایہ کا حق بائع کو ہے کیونکہ ایسی صورت میں اگر یہ چیز رکھ جائے تو چیز بائع کی ضائع ہوئی نہ خریدار کی تو اس سے نفع اٹھانے کا حقدار بھی بائع ہی ہوگا نہ خریدار۔

بیع غیر مقبوضہ چیز کی صاف شکل یہ ہے کہ جو چیز اپنے قبضہ میں نہ ہو اس کو بیچا جائے۔ [illegible] بیع حرام ہوتی ہے۔

ابو حنیفة عن عبد الملك عن قزعة عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم لا یبتاع احدکم عبدًا ولا امة فیه شرط فانه عقد فی الرق ۔

حضرت ابی سعید خدری [illegible] کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی کسی غلام یا چھوکری کو جس میں غلامی کی کوئی علامت ہو نہ خریدے کیونکہ گویا اس میں غلامی کی ایک گرہ ہے [illegible]

فائدہ: حدیث کے الفاظ مبہم ہیں۔ بعض نے شرط شین و را کے [illegible] نشانی کے ہیں اور حدیث کی تشریح یوں کی ہے کہ جو غلام [illegible] یا لونڈی [illegible] کا مدبر ہونا اور لونڈی کا ام ولد ہونا ان میں ناقابل حل دکھائی گرہ ہے۔ بعض [illegible] معنی معروف مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ گویا ایک بیع میں دو بیعوں کی شکل ہوئی جو حرام ہے۔

باب النظر عن المعسر! [۱۷۷]

باب تنگ دست کو مہلت دینے کے بیان میں!

حماد عن ابیه عن ابی مالک الاشجعی قال حدثنی ربعی بن حراش عن حذیفة قال یؤتی بعبد الی اللہ تعالٰی یوم القیامة فیقول ای ربی ما عملت الاخیرًا ما اردت به الا لقاءك فکنت اوسع علی الموسر وانظر عن المعسر فیقول اللہ تعالٰی انا احق بذلك منك فتجاوزوا عن عبدی فقال ابو مسعود الانصاری

حضرت حذیفہ [illegible] ایک بندہ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں لایا جائے گا تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار [illegible] نیک [illegible] خوشنودی چاہی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

وَاَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ مِنْهُ ٭

انہوں نے حضرت حذیفہؓ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ دیا یہ مطلب ا کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ٭

ف:۔ یہ حدیث صحاح میں اس کے قریب قریب لیکن ہم معنی و مطلب الفاظ سے وارد ہے۔ یہ گویا اس مقصد کے لئے ایک زرین سبق ہے اور ایک نصیحت بخش درس کہ معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی و رعایت برتنی اور لین دین میں ان کے ساتھ درگذر و مسامحت سے کام لینا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے کیونکہ وہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ اعراض و چشم پوشی سے پیش آتا ہے۔ کبھی اپنی صفت رحیمی سے بہت سے گناہوں کو یونہی معاف فرما دیتا ہے۔ اور کبھی جوش رحمت میں تمام گناہوں پر یکسر قلم عفو کھینچ دیتا ہے ٭

۳۴۵
۲

اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَدَّدَ عَلٰى اُمَّتِيْ بِالتَّقَاضِيْ اِذَا كَانَ مُعْسِرًا شَدَّدَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قَبْرِهٖ ٭

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے میری امت کے تنگدست پر تقاضے میں تشدد برتا تو اللہ تعالیٰ قبر میں اس کے ساتھ سختی کرے گا ٭

ف:۔ یہ حدیث بھی پیشتر حدیث کے مضمون کی مزید تشریح کرتی ہے کہ جو قرضدار تنگدست، نادار مفلس ہو اور فی الوقت ادائیگی قرض پر در اصل قدرت نہ رکھتا ہو تو اس پر بے جا غیر واجبی سختی و درشتی برتنی اور طرح طرح کے دباؤ ڈال کر اس کے دائرہ حیات کو تنگ کرنا اور اس کی زندگی کو تلخ کرنا اللہ رب العزت کو سخت ناپسند ہے چنانچہ اس کی پاداش میں قرض خواہ پر اس کی قبر میں سختی برتی جائے گی ٭

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْغِشِّ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ

باب اس بیان میں کہ خرید و فروخت میں دھوکے بازی ممنوع ہے!

۳۴۶
۱

اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ ٭

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خرید و فروخت میں دھو کے بازی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے ٭

ف:۔ ہم میں سے نہ ہونے کے معنی یہ کہ اس میں ہم مسلمانوں جیسے اخلاق و عادات نہیں اور نہ وہ سنت اسلامی پر ہے۔ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہؓ سے اس مضمون کی روایت وارد ہے کہ آنحضرتؐ ایک مرتبہ غلہ کے ایک ڈھیر پر سے گذرے آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا۔ تو آپ کی انگلیاں تر و نمناک ہو گئیں آپ نے غلہ کے مالک سے فرمایا۔ یہ تری کیسی اس نے کہا کہ یا رسول اللہ اس پر بارش پڑی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو نے اس کو اوپر کیوں نہیں کر دیا۔ کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔ پھر آپ نے فرمایا جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے ٭

Marfat.com

حماد عن ابیه عن حماد بن ابی سلیمان قال اول من ضرب الدینار تُبَّعٌ وھو اسعد ابوکرب واول من ضرب الدراھم تبع الاصغر واول من ضرب الفلوس وادارھا فی ایدی الناس نمرود بن کنعان ۔

حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے سونے پر سکہ لگایا تبع یعنی اسعد ابوکرب ہے اور اول وہ آدمی جس نے چاندی پر سکہ لگایا۔ وہ تبع اصغر ہے اور پہلا وہ آدمی جس نے پیسہ کا سکہ نکالا اور اس کو لوگوں میں چلن دیا وہ نمرود بن کنعان ہے۔

ف: یہ کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہے۔

کتاب الرھن! ۱۴۹

کتاب رہن کے بیان میں!

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اشتری من یھودی طعامًا ورھنه درعًا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ خریدا۔ اور اس کے پاس زرہ رہن رکھ دی۔

ف: یہ آنحضرت کی رہن کردہ زرہ لوہے کی تھی۔ اور آپ نے تیس صاع کی مقدار میں جو خریدے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آنجناب کی زرہ تا وفات پر رہن گروی رہی۔ ابن الطلاع نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے وصال کے بعد اس کو چھڑایا۔ اس حدیث سے رہن کے سلسلہ میں کئی مفید و کارآمد مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ اول یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہود یا دیگر ذمیوں سے مسلمان لین دین و خرید و فروخت کے معاملات کرتے ہیں۔ اگرچہ یہود سود خور ہے جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔ گویا شریعت نے مسلمانوں کا ان کے ساتھ تجارتی لین دین رکھنا روا رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کسی کا اکثر مال حرام ہو تو اس سے بھی کوئی چیز لی جا سکتی ہے تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز جو اس سے لی گئی ہے بطریق حرام حاصل کی گئی تھی۔ تیسرے یہ کہ رہن حضر یعنی شہر میں بھی جائز ہے گو قرآن کریم میں سفر ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ وہاں سفر کی قید اتفاقی ہے۔ پھر یہاں اس مسئلہ کی وضاحت بھی بے موقع نہیں ہے کہ گروی رکھی ہوئی چیز سے مرتہن (گروی لینے والا) نفع اندوزی کا حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ شے کی قیمت اس کا ایک قرض ہے جو مدیون (راہن) پر واجب الادا ہے۔ اگر وہ شے مرہون سے بھی فائدہ اٹھائے تو قرض پر بلابدل نفع ہوا جو کھلا سود ہے۔ اور حرام۔ شے مرہون محض مرتہن کے اطمینان وغیرہ کے لئے رکھی جاتی ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ اس سے مستفید ہو۔ کیونکہ شے مرہون راہن کی ملک سے نہیں نکلتی اسی لئے اس کا نفع اسی کے لئے ہے اور اسی کا تاوان اسی کے ذمہ نہ مرتہن کے ذمہ۔ پھر مرتہن کس طرح شے مرہون سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہو۔ چنانچہ شافعی سعید بن مسیب سے مرسل حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا لا یغلق الرھن الرھن من صاحبه الذی رھنه له غنمه وعلیه غرمه کسی شے مرہون کا رہن کرنا اس کو اس شخص کی ملک سے نہیں نکالتا جس نے اس کو رہن رکھا ہے۔ اس کے لئے اس کا نفع ہے اور اسی پر اس کا تاوان۔ اسی بنا پر علماء کے نزدیک وہ حدیث [illegible]

Marfat.com

الفاظ یوں ہیں الظہر یرکب اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب ویشرب نفقتہ۔ کہ سواری کے جانور کی سواری لی جائے جب کہ وہ گروی ہو اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ پیا جائے جبکہ وہ گروی ہو۔ اور جو سواری لیتا ہے یا دودھ پیتا ہے اسی کے ذمہ اس کا خرچ یعنی دانہ چارہ ہے۔

کتاب الشفعۃ!

کتاب شفعہ کے بیان میں!

ابو محمد کتب الی ابن سعید بن جعفر عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بشفعتہ۔

حضرت سلیمان رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے۔

ف: مسئلہ شفعہ کی مزید تشریح و وضاحت مفصل حدیث میں آرہی ہے۔

ابو حنیفۃ عن عبد الکریم عن المسور بن مخرمۃ قال اراد سعد بیع دارہ فقال لجارہ خذھا بسبعمائۃ فانی قد اعطیت بھا ثمانمائۃ درھم ولکن اعطیتکھا لانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجار احق بشفعتہ۔

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن مالک نے اپنے گھر کو بیچنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے پڑوسی (حضرت ابورافع) سے کہا کہ تم اس کو سات سو میں لے لو۔ والبتہ مجھ کو اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں۔ لیکن میں تم کو (کم قیمت صرف سات سو میں اس لیئے) دینا چاہتا ہوں کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے۔ کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے۔

وفی روایۃ عن المسور عن رافع بن خدیج قال عرض علی سعد بیتا فقال لہ خذہ اما انی قد اعطیت بہ اکثر مما تعطینی ولکنک احق بہ فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجار احق بشفعتہ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مسور رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت سعد نے اپنے گھر کا معاملہ میرے سامنے پیش کیا اور مجھ سے کہا کہ اس (گھر) کو تم لے لو اور البتہ مجھ کو اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے جو تم مجھ کو اس کی دیتے ہو۔ لیکن تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سن چکا ہوں کہ ہمسایہ زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کے سبب۔

وفی روایۃ عن المسور عن رافع مولی سعد انہ قال لرجل یعنی سعدا خذ ھذا البیت باربعمائۃ

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ مسور رافع سعد کے آزاد کردہ غلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے یعنی سعد نے ایک شخص سے کہا کہ اس گھر کو

فیقول اما انی اعطیت ثمانمائة درهم ولکنی اعطیتکه لحدیث سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الجار احق بشفعته ۔

کو تو چار سو میں دے دوں گا اور یہ کہنے لگے کہ البتہ مجھ کو اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں لیکن میں تجھ کو اس حدیث کی وجہ سے دیتا ہوں جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں کہ آپ فرماتے تھے کہ پڑوسی زیادہ حق دار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے ۔

وفی روایة عن سعد بن مالک انه عرض بیتا له علی جار له باربعمائة درهم وقال قد اعطیت ثمانمائة ولکن سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الجار احق بشفعته ۔

ایک اور روایت میں حضرت سعد بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے گھر کو چار سو درہم میں اپنے ہمسایہ کو دینا چاہا اور کہا کہ مجھ کو اس کے آٹھ سو مل رہے ہیں لیکن میں سن چکا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کے سبب ۔

ف : اس روایت میں رافع بن خدیج کی مول سعد سے [illegible] کی ہے [illegible] سعد کے آزاد کردہ غلام تھے مگر صحیح یہی ہے کہ وہ آنحضرت کے آزاد کردہ غلام تھے [illegible] جیسا کہ بعض روایات [illegible] ممکن ہے سعد کی طرف منسوب کرنے [illegible] آنحضرت [illegible] ہو ۔

شفعہ میں ائمہ امام شافعی، احمد، مالک اور امام ابو حنیفہ کے [illegible] اختلاف [illegible] صورت خلاف کی یہ ہے کہ ان ائمہ کے نزدیک شریک کے لئے شفعہ ہے [illegible] ان کی حجت حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث ہے جس کو بخاری وغیرہ لائے ہیں کہ قضی النبی صلی الله علیه وسلم بالشفعة فی کل ما لم یقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا [illegible] صادر فرمایا جو ابھی بانٹی نہ گئی ہو [illegible] تقسیم عمل میں آ جائے اور [illegible] پھر دئے جائیں تو پھر شفعہ نہیں۔ امام ابو حنیفہ [illegible] احادیث [illegible] بلکہ متعدد احادیث [illegible] صاف اور کھلے الفاظ [illegible] یا اس سے پیشتر والی حدیث [illegible] شفعہ کے سبب زیادہ [illegible] حضرت ابو رافع کی حدیث جو بخاری میں ان الفاظ سے ہے انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول الجار احق بسقبه کہ پڑوسی اپنی نزدیکی کے باعث حق شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔ [illegible] حضرت جابر کی حدیث جو [illegible] عبد الملک بن ابی سلیمان اور عطاء سے مروی ہے جس کو ترمذی اور دوسرے اصحاب سنن لائے ہیں کہ الجار احق بشفعته ینتظر بها وان کان غائبا اذا کان طریقهما واحدا [illegible] اپنے شفعہ کے سبب زیادہ حقدار ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا [illegible] ایک ہو۔ چوتھے حضرت سمرہ کی حدیث [illegible] ترمذی وغیرہ میں [illegible] جار الدار احق بالدار [illegible] کہ گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے۔ پانچویں نسائی میں حضرت جابر [illegible] مرفوع حدیث [illegible]

قضی بالشفعة بالجوار کہ آنحضرت نے پڑوس کے باعث شفعہ کا حکم صادر فرمایا۔ مذہب حنفیت کے
بطلان کے سلسلے میں مخالفین نے دو پہلو اختیار کیے ہیں اول تو یہ کہتے ہیں کہ احناف کے مذہب کی احادیث
میں لفظ جار سے مراد پڑوسی نہیں جو اس کے معنی مشہور ہیں بلکہ شریک اور کسی مکان یا زمین میں حصہ دار۔
حالانکہ یہ اس قدر لچر بات ہے کہ ذرا سی فکر سے انسان اس کی رکاکت کو تاڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ حقیقت
کے خلاف ہے کیونکہ اس کے حقیقی معنی وہ ہی معنی مشہور پڑوسی و ہمسایہ کے ہیں لامحالہ یہ معنی مجازی ہوں
گے اور مجاز کے لئے کوئی قرینہ اور دلیل چاہیے۔ اور یہاں کوئی دلیل نہیں۔ دلیل اگر ہے تو یہی کہ کسی صورت
سے احناف کا مذہب نہ ثابت ہو جائے اور ان کے مخالف کا مذہب ثابت نہ ہو سکے۔ یہ حدیث کی تاویل کی
سب سے بڑی دلیل وجہ ہی جانتے ہیں۔ بھلا غور تو فرمائیے کہ اپنی ایک حدیث کو بنانے کی خاطر جس کی
تاویل بسہولت ہو سکتی ہے اتنی کثیر التعداد روایات صریحہ صریح الالفاظ کو توڑا مروڑا جائے اور ایسی رکیک
تاویلات کی جائیں جن کو نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ کسی انصاف کے پیش نظر دوسرے دیگر روایات صحیحہ میں
ان کی سخت تردید کرتی ہیں۔ مثلاً نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ عمرو بن شرید سے روایت نقل کرتے ہیں
اور وہ اپنے والد سے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری زمین میں نہ کسی کا کوئی حصہ ہے نہ شرکت
البتہ پڑوس ہے تو آپ نے فرمایا کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنی نزدیکی کی وجہ سے۔ تو یہ حدیث بآواز بلند کہہ رہی
ہے کہ حق شفعہ شرکت حصہ داری کے علاوہ پڑوس کے سبب بھی ہے اور یہ کہ جار بمعنی شریک نہیں۔ بس سے
زائد صاف ان کو کونسی حدیث چاہیے۔ چنانچہ امام حلوانی نہایت تعجب و افسوس کے پہلو سے کہتے ہیں۔
ترک الشافعیة العمل بمثل هذا الحدیث مع شهرته وصحته وهم سموا انفسهم باصحاب
الحدیث وکیف یراد بالجار الشریک وقد اخرج ابن ابی شیبة الخ کہ شافعیہ نے اس جیسی حدیث
پر عمل ترک کیا باوجود اس کے وہ مشہور ہے اور صحیح۔ حالانکہ انہوں نے اپنا نام اصحاب حدیث یا اہل حدیث
رکھا ہے۔ اور جار سے شریک مراد کیسے لیں جبکہ ابن ابی شیبہ یہ حدیث لائے ہیں پھر یہی مذکور حدیث
نقل کی ہے۔ واقعی تعجب کی بات ہی ہے کہ یہ دعوی حدیث دانی اور پھر صحیح احادیث سے ایسی روگردانی
اور ان کی ایسی غلط ترجمانی کسی عقلمند کو اس پر کیوں تعجب نہ ہو۔ پھر مزید برآں نسائی۔ ابن ماجہ طحاوی انہیں
شرید سے بدیں الفاظ روایت نقل کرتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الجار والشریک احق
بالشفعة ما کان یاخذها یعنی کہ آپ نے فرمایا پڑوسی اور شریک زیادہ حقدار ہے شفعہ کے باعث
جو بھی ہو اتو لے بس کو یا چھوڑ دے۔ تو اس میں شریک کا عطف جار پر کیا ہے جو مغائرت کو بتاتا ہے
غرض اس قسم کی تمام روایات ناطق ہیں کہ جار کی تفسیر شریک سے کرنی کوئی معنی نہیں رکھتی دوسرا پہلو
انہوں نے تردید مذہب حنفیہ میں یہ اختیار کیا کہ حضرت جابر کی صحیح احادیث جو عبدالملک بن ابی سلیمان
کے واسطے سے ہے اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا۔ مگر یہ کوشش
پہلی کوشش سے زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ ان کی یہ عادت ہے کہ جب کسی مذہب کے راوی کو کمزور دکھانا
چاہیں تو پھر کسی نہ کسی جرح کرنے والے کو ڈھونڈ ہی لاتے ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ کون ہے۔ لیکن

Marfat.com

باکئی۔ پھر اس کے قول کو اس قدر اچھالتے ہیں۔ اور اس کی بات کو اس قدر مضبوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ راوی بے حقیقت ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں ان کو صرف شعبہ مل سکے جنہوں نے عبد الملک میں کلام کیا ہے۔ تو ہم شہریوں کا پورا جتھہ کا جتھہ اس غریب پر لپٹ پڑا۔ اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی کہ یہ ضعیف ہے۔ صاحب تنقیح نے صاف کہا ہے کہ اس حدیث کے ذیل میں شعبہ کا طعن عبد الملک میں کوئی قباحت نہیں پیدا کرتا۔ کیونکہ وہ ثقہ ہے اور شعبہ ماہرین فقہ میں نہیں۔ اور شعبہ کے علاوہ جنہوں نے اس میں کلام کیا ہے۔ وہ محض شعبہ کی اتباع میں۔ واقعی ان کی یہ عادت تھی۔ کہ جب کسی ایک کے ساتھ آواز ملاتے ہیں تو پھر وہ ایک شخص ایک نہیں بنتا بلکہ ناس سے بدل جاتا ہے۔ اور کہنے لگتے ہیں کہ تکلم فیہ الناس کہ لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے گویا ناس سے خود اپنے کو مراد لیتے ہیں۔ ورنہ لوگوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ اس لئے صاحب تنقیح نے اس کو کھولا ہے۔ پھر صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ مسلم نے عبد الملک سے حجت لائے ہیں اور بخاری اس سے استناد کرتے ہیں۔ منذری نے بھی مختصر السنن میں اس باب میں خوب لکھا ہے۔ پھر ایک نظر یہ بھی ڈالیے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ شعبہ سے کسی نے کہا۔ کہ حضرت آپ عبد الملک کی حدیث کو چھوڑتے ہیں جو حسن الحدیث ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں میں اس کے حسن ہی سے بھاگا۔ کیا خوب۔ یہ وہی تو عبد الملک ہے جس سے شعبہ کتب حدیث میں کس قدر روایات لائے ہیں۔ جن سے وہ لبریز پڑی ہیں۔ صاحب کمال نے علی بن مدینی کا کلام نقل کیا ہے۔ کہ عبد الملک میں کلام کیا جاتا ہے۔ مگر عبد الملک ثقہ ہے۔ صدوق ہے۔ اس جیسے شخص میں کوئی خرابی نہیں نکالی جا سکتی۔ ترمذی نے بھی اس کے حق میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر ان کا یہی اصول ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ راوی کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ مخالف مذہب کی روایت کرے۔ لہذا ان کا یہ پہلو بھی کارگر نہ ہوا۔ اور اب اس تمام بحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ مذہب حنفیہ کی احادیث اپنے ظاہری معانی پر دال ہیں۔ اور کسی طرح قابل تاویل نہیں۔ البتہ حضرت جابر کی حدیث جو مسلم کی حجت ہے اس کے کئی جوابات دئیے جا سکتے ہیں جو قرین قیاس ہیں اور موافق عقل۔ اول یہ کہ ایک چیز کے ذکر کرنے سے دوسری چیز کا انکار کب نکلتا ہے۔ مثلاً اگر شریک کے لئے شفعہ ثابت ہو تو اس سے جار کے لئے شفعہ کا انکار کب نکلتا ہے۔ دوسرے حدیث میں انما جیسا کوئی کلمہ حصر نہیں کہ یہ حکم صرف شریک کے لئے ہو۔ تیسرے فلا شفعۃ کا لفظ جو اصل مغالطہ کا سبب ہے۔ اس سے یہ معنی مراد لینا اس قدر بعید از عقل اور دور از قیاس ہے کہ جب حدود قائم کر دی جائیں اور راستے پھیر دئیے جائیں تو کسی قسم کے شفعہ کا وجود نہیں۔ یہ معنی کیوں مراد نہ ہوں جو ہر سلیم العقل انسان سمجھتا ہے اور جو حقیقت میں مراد ہیں۔ کہ ایسی صورت میں پھر شرکت کا شفعہ نہیں جس کا بیان چل رہا ہے۔ کیونکہ شفعہ شرکت کی طرح شفعہ جوار بھی ذاتی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے دلائل بھی موجود ہیں اور آثار بھی۔ تو اس کے انکار سے اس کا انکار کیوں ہو؟

٣٥١/٢ **ابو حنیفۃ عن علی بن الاقمر عن مسروق عن عائشۃ قالت قال النبی** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے

صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد احدکم ان یضع خشبتہ فی حائطہ فلا یمنعہ۔

کوئی اپنی لکڑی اپنی یا اپنے پڑوسی کی دیوار پر رکھنی چاہے تو پڑوسی کو نہ چاہیے کہ اس کو اس سے روکے۔

ف: اس میں اختلاف ہے کہ حضرت کا یہ حکم وجوبی ہے یا ندب کے طور پر، امام ابوحنیفہ و شافعیؒ دوسری شق کے حامی ہیں اور امام مالکؒ سے دو روایات ہیں ایک پہلی شق کے موافق دوسری دوسری کے مطابق۔

کتاب المزارعة! کتاب کھیتی کے بیان میں!

۳۴۲ ح ۱ ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرة۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مخابرہ سے۔

ف: مزارعہ و مخابرہ یہ ہر دو قریب المعنی الفاظ ہیں۔ اور زمین کو کرایہ پر دینے کی دو شکلیں ہیں۔ مزارعہ یہ کہ پیداوار کے کسی حصہ کے عوض میں مثلاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی کے بدلے زمین کو کرایہ پر دیا جائے اور بیج مالک زمین کا ہو۔ مخابرہ میں بھی یہی صورت ہوتی ہے مگر اس میں بیج عامل کا ہوتا ہے۔ یہ ہر دو صورتیں کرایہ دینے کی امام ابوحنیفہ و مالک و شافعیؒ کے نزدیک اسی جیسی احادیث کے ماتحت ناجائز ہیں۔

۳۵۲ ح ۲ ابو حنیفة عن ابی حصین عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ مر بحائط فاعجبہ فقال لمن ھذا فقلت لی فقال من این ھولک قلت استاجرتہ۔ قال فلا تستاجرہ بشیء منہ۔

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک باغ پر ہوا۔ جو آنجناب کو بہت پسند آیا۔ آپ نے فرمایا یہ کس کا ہے۔ رافع کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ میرا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لیا۔ میں نے کہا کہ میں نے اس کو اجارہ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پیداوار کے کسی حصہ کے عوض اجارہ نہ لینا۔

وفی روایة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بحائط فقال لمن ھذا فقلت لی وقد استاجرتہ فقال فلا تستاجرہ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ پر گذرے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کس کا ہے۔ حضرت رافع کہتے ہیں میں نے کہا یہ میرا ہے۔ اور میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اجارہ نہ لے۔

ف: یہی کرایہ زمین کو کرایہ پر لینے کی مذکورہ صورت ہے جو ناجائز ہے۔

Marfat.com

كتابُ الفضائل!

کتابِ فضیلتوں کے بیان میں!

بابُ[۱۸۲] فضائل النبي صلى الله عليه وسلم

باب آنحضرتؐ کی فضیلتوں کے بیان میں!

۲۵۴/۱ ابوحنيفة عن الهيثم وربيعة عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض وهو ابن ثلث وستين وقبض ابوبكر وهو ابن ثلث وستين وقبض عمر وهو ابن ثلث وستين ۔

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تریسٹھ سال کی عمر میں اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں اور اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ۔

ف :۔ حضرت علیؓ کی وفات بھی بروئے صحیح روایات تریسٹھ ہی سال کی عمر میں ہوئی۔ گویا آنحضرت و خلفائے ثلاثہ نے ایک سن عمر میں وفات پائی۔ البتہ حضرت عثمانؓ کی وفات تقریباً اسی برس سے کچھ زائد میں ہوئی ۔

۲۵۵/۲ ابوحنيفة عن يحيى بن سعيد عن انس قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم على رأس اربعين سنة فاقام بمكة عشرا وبالمدينة عشرا وتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وما في لحيته ورأسه عشرون شعرة بيضاء ۔

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت مبعوث ہوئے چالیس برس کی عمر میں۔ دس برس مکہ میں قیام فرمایا اور دس برس مدینہ میں اور جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی داڑھی اور سر میں بیس بال بھی سفید نہ تھے ۔

ف :۔ اس حدیث کی رو سے حضرت کی عمر پاک ساٹھ برس کی [illegible] مسلم و ترمذی میں اس کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی زائد ہے کہ آپ نے ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی [illegible] ترین روایت یہی ہے کہ آنجناب کی وفات بحساب تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی ۔

۲۵۶/۲ ابوحنيفة عن ابي الزبير عن جابرؓ قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يعرف بريح الطيب اذا اقبل من الليل ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] تو آپ جسم مبارک کی خوشبو سے آپ کو پہچان لیتے ۔

ف :۔ دارمی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] اور آپ کے پیچھے کوئی [illegible] تو آپ کے [illegible]

راستہ ہوتا ہے۔ حضرت ثابت بن انس سے یوں بھی روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عنبر یا مشک یا اور کسی خوشبو کی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد مہک میں پاکیزہ نہیں پایا۔ اور چھونے میں دیباج یا ریشم کو آپ سے زائد نرم تر نہیں پایا۔

۳۵۷ ح ۴

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعرف بالليل اذا اقبل الى المسجد بريح الطيب ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت شب جب مسجد تشریف لاتے تو اپنی پاکیزہ خوشبو سے پہچان لئے جاتے۔

ف:۔ آنجناب کو خوشبو بہت محبوب تھی۔ اور اس کو آپ بہت استعمال فرماتے۔ یہاں تک کہ جب راستہ چلتے تو ہوا معطر ہو جاتی۔ اور قرب وجوار میں مہک وخوشبو پھیل جاتی۔

۳۵۸ ح ۵

ابو حنیفة عن محارب عن ابن عمر قال كان لي على النبي صلى الله عليه وسلم دين فقضاني وزادني ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرضہ تھا۔ آپ نے وہ ادا فرمایا اور مجھ کو اور زائد دیا۔

ف:۔ گویا یہ مزید عنایت وبخشش تھی اور آنجناب کی طرف سے ایک حسن سلوک۔

۳۵۹ ح ۴

ابو حنیفة عن ابراهیم عن انس بن مالك قال ما مسست بيدي خزًّا ولا حريرا الين من كف رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نہیں چھوا کسی خز (ایک اون اور ریشم ملا ہوا کپڑا) یا ریشم کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔

وفي رواية ما رئي رسول الله صلى الله عليه وسلم مادًّا ركبتيه بين جليس له قط ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے ہم جلیس سے زانوئے مبارک آگے بڑھائے ہوں۔

ف:۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے یوں روایت ہے کہ جب آپ کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچتا۔ آپ ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے نہ نکالتے۔ اسی طرح اس سے روگردانی نہ فرماتے جب تک وہ خود منہ پھیر کر نہ چلا جاتا۔ اور زانوئے مبارک ہم جلیس کے سامنے نہ پھیلاتے۔

۳۶۰ ح ۷

ابو حنیفة عن ابراهیم عن ابیه عن مسروق انه سأل عائشة عن خُلُق رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت اما تقرأ القران ۔

حضرت مسروق سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارہ میں معلومات کرنی چاہی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

ف:۔ گویا اس سوال سے یہ بتانا چاہتی ہیں کہ قرآن پورا کا پورا آنحضرت کی عادات طیبہ خصائل حمیدہ کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اور آپ کی اخلاقی زندگی اور سیرت پاک کا نہایت واضح وروشن نقشہ سامنے

Marfat.com

رکھتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ خود آنحضرت اپنے اخلاق پاک عادلت پسندیدہ واعمال برگزیدہ سے قرآن کریم کی صحیح تفسیر وتشریح فرماتے تھے۔ لہٰذا جو آپ کے اخلاق سے ناواقف ہے تو وہ گویا قرآن مجید سے ناآشنا ہے اور اس کے مطالب سے نابلد ہ

٣٦١ ح ٨ **ابوحنیفة** عن مسلم عن انس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجیب دعوة المملوك ویعود المریض ویرکب الحمار ؛

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی دعوت قبول فرماتے۔ بیمار کی مزاج پرسی کرتے اور حمار پر سوار ہو جاتے ؛

ف: غلام سے یا تو وہ غلام مراد ہے جو آزاد کر دیا گیا ہے۔ اور اس کو مجازاً غلام کہہ دیا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر غلام اپنے آقا کی طرف سے آکر دعوت پیش کرتا۔ تو آپ قبول فرماتے۔ یعنی اگرچہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو دین و دنیا کی بادشاہت وسرداری نصیب فرمائی تھی۔ لیکن کبر و نخوت [illegible] تمکنت وشان آنجناب کے پاس نہ پھٹکی تھی۔ بلکہ اعمال و افعال برتاؤ و معاملات میں تواضع و انکسار ہی ظاہر فرماتے۔ مثلاً غریب سے غریب آدمی دعوت پیش کرتا۔ تو قبول فرماتے۔ کہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔ کوئی معمولی آدمی مسلمان بیمار ہوتا تو اس کی مزاج پرسی وعیادت کو تشریف لے جاتے اور اس کو تسلی دیتے [illegible] کے غمزدہ دل کو ڈھارس ہو۔ سواری کے لیے کبھی حمار کو استعمال فرماتے حالانکہ [illegible] اور اونٹ و گھوڑے پر سوار ہوتے اور غربا حمار پر مگر آپ تواضع کے طور پر حمار پر بھی سوار ہو لیتے ؛

٣٦٢ ح ٩ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت کانی انظر الی بیاض قدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث اتی الصلوٰة فی مرضه ؛

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں گویا میں دیکھ رہی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی سفیدی کو جب کہ آپ اپنی بیماری میں نماز کے لیے تشریف لائے ؛

ف: یعنی مجھ کو وہ منظر اور وہ کیفیت ابھی تک ایسی یاد ہے کہ گویا وہ میں ابھی دیکھ رہی ہوں اور وہ سارا نقشہ میری نظروں کے سامنے ابھی بھی پھر رہا ہے ؛

٣٦٣ ح ١٠ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لما مرض المرض الذی قبض فیه استعمل ان یکون فی بیتی فاحللن له قالت فلما سمعت ذلك كنت عمرت فكنست بیتی ولیس لی خادم و فرشت له فراشا حشو مرفقته الاذخر فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یهادی بین رجلین حتی وضع

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے ازواج مطہرات سے میرے گھر میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی تو سب نے یک زبان ہو کر آپ کو اجازت دی۔ کہتی ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو اٹھی اور گھر کو جھاڑ دی۔ کیونکہ میرے پاس کوئی خادم نہ تھا۔ اور آنجناب کے لیے وہ فرش بچھایا جس کے تکیوں کے اندر گھاس بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کا سہارا

عِصّہٰ فراشی ؛

لیئے ہوئے تشریف لائے۔ اور آپ کو میرے فرش پر بٹھا دیا گیا ؛

ف: کتب صحاح میں آپ کی اجازت طلب کرنے کا واقعہ مجمل و مفصل مذکور ہے ؛

ابو حنیفۃ عن یزید عن انسؓ ۳۶۴ / ۱۱
ان ابا بکرؓ رأی من رسول الله صلی الله
علیه وسلم خفة فاستاذنه الی امرأته
بنت خارجة وکانت فی حوائط الانصار
وکان ذالك راحة الموت ولا یشعر فاذن
ثم توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم
تلك اللیلة فاصبح فجعل الناس
یترامون فامر ابوبکر غلاما
یستمع ثم یخبره فقال اسمعهم
یقولون مات محمد صلی الله علیه
وسلم فاشتد ابوبکر وهو یقول
واقطع ظهراه فما بلغ ابوبکر المسجد
حتی ظنوا انه لم یبلغ وارجف
المنافقون فقالوا لو کان محمد
نبیا لم یمت۔
فقال عمرؓ لا اسمع رجلا
یقول مات محمد صلی الله علیه
وسلم الا ضربته بالسیف
فکفوا لذالك۔
فلما جاء ابوبکر والنبی صلی
الله علیه وسلم مسجی کشف
الثوب عن وجهه ثم جعل یلثمه
فقال ما کان الله لیذیقك
الموت مرتین انت اکرم علی الله
من ذالك
ثم خرج ابوبکر فقال

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں افاقہ دیکھا تو اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس جانے کی اجازت چاہی جو انصار کے باغوں میں رہائش پذیر تھیں۔ حالانکہ یہ افاقہ سنبھالا تھا مگر اس کو نہ سمجھ سکے۔ آپ نے ان کو اجازت دی۔ اور پھر اسی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی جب صبح ہوئی تو لوگ آنجناب کی طرف سمٹنے لگے حضرت ابوبکر نے غلام کو حکم دیا کہ حقیقت سن کر ان کو خبر پہنچائے۔ اس نے کہا کہ میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ پس شتابی کی حضرت ابوبکر نے اور وہ کہتے جاتے ہائے افسوس کمر ٹوٹ گئی۔ تو حضرت ابوبکرؓ مسجد میں نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ آپ کو واقعہ کی خبر نہ ہوئی۔ اور منافق یہ باتیں بنانے لگے کہ محمد اگر نبی ہوتے تو نہ مرتے اس پر حضرت عمرؓ بول اٹھے کہ میں کسی شخص کو یہ کہتا ہوا نہ سنوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے۔ ورنہ تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ چنانچہ آپ کے اس قول سے منافق اس بکواس سے رک گئے۔ پھر جب حضرت ابوبکرؓ آئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑا پڑا ہوا تھا۔ آپ نے آنحضرت کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ البتہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کی تلخی نہیں چکھائے گا۔ آپ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بزرگ ہیں (اس کلام سے حضرت عمر کے قول کی تردید مقصود ہے) پھر حضرت

Marfat.com

یا ایھا الناس من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد رب محمد فان رب محمد لا یموت ثم قرأ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل أفإن مات أو قتل انقلبتم علی أعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین قال فقال عمر رض لکانا لم نقرأها قبلها قط فقال الناس مثل مقالة ابی بکر من کلامه وقراءته ومات لیلة الاثنین فمکث لیلتین و یومین ودفن یوم الثلثاء وکان اسامة بن زید واوس بن خولی یصبان وعلی والفضل یغسلانه صلی الله علیه وسلم ۔

ابوبکر باہر آئے۔ اور کہا کہ اے لوگو جو محمد کی عبادت کرتا تھا تو محمد تو مر گئے اور جو محمد کے رب کی عبادت کرتا تھا البتہ محمد کا رب نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی وما محمد الا رسول کہ محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول البتہ ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ مر گئے یا قتل کئے گئے تو کیا تم پلٹ جاؤ گے اپنی ایڑیوں کے بل اور جو پلٹ جائے اپنی ایڑیوں کے بل تو وہ ہرگز نہ نقصان پہنچائے گا اللہ کو کچھ اور عنقریب اللہ جزا دے گا شکرگذار بندوں کو عمر رض نے کہا کہ گویا ہم نے اس آیت کو اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا۔ پھر لوگ بھی حضرت ابوبکر کے کلام کی طرح کہنے لگے اور وہی آیت پڑھنے لگے۔ دو شنبہ کی شب کو آنحضرت کی وفات ہوئی اور دو رات دو دن کا وقفہ گذرنے کے بعد منگل کے روز آپ سپرد خاک کئے گئے اور بوقت غسل حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولی پانی ڈالتے جاتے تھے اور حضرت علی و فضل بن عباس آنحضرت کو غسل دیتے جاتے ۔

ف:۔ یہ آنحضرت کی وفات پر حسرت اور انتقال پر ملال کا واقعہ جانکاہ اور سانحہ ہوش ربا ہے کہ اس وقت ہر شخص کی عقل گم تھی۔ اور سمجھ حیران کہ یک بیک چراغ نبوت کیوں گل ہوا۔ اور مشعل رسالت کیوں اوجھل ہوئی حتی کہ حضرت عمر رض کی ذات پر صفات بھی اس صبر آزما صدمہ کی تاب نہ لا سکی اور آپ نے عقل بھی جگہ چھوڑ دی۔ مگر اللہ تعالی نے اس وقت حضرت ابوبکر کو صبر و تحمل عنایت فرمایا۔ اور آپ نے بر سر منبر وہ نصیحت بخش۔ سبق آموز خطبہ دیا کہ لوگوں کے خیالات صحیح نقطہ پر آ گئے۔ اور عقلوں پر سے ایک عالم بیخودی زائل ہوا۔ عقلیں اپنے ٹھکانے آئیں۔ طبیعتوں کو ایک گونہ ڈھارس ملی۔ چنانچہ خود حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ اس بے خودی کے عالم میں جب ابوبکر رض نے وما محمد الا رسول کی آیت پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ آیت پہلی ہی بار ہمیں نے سنی ہے۔

۱۸۳ باب فضائل شیخین رضی اللہ عنہما !

باب حضرات ابوبکر و عمر کی فضیلتوں کے بیان میں !

ابو حنیفة عن سلمة عن ابی الزعراء عن ابن مسعود رض قال قال رسول الله

۳۶۵
۲
۱

حضرت ابن مسعود رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پیروی کرو میرے بعد خلفہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم اِقتدوا باللذین من بعدی ابوبکرؓ و عمرؓ ہونے والے ابوبکرؓ و عمرؓ کی۔

ف:۔ دوسری حدیث میں آنجناب نے ہر چہار خلفاء کی پیروی پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ خلفائے راشدین مہدیین کی پیروی و اتباع کرو۔ ایک جگہ یوں فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کسی کی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ لیکن یہاں ان دو بزرگوں کو اس خصوصی فخر سے نوازا کہ انہیں کی پیروی پر زور دیا کیونکہ ان ہر دو حضرات کی شخصیتیں بھر آخر سب سے بالا و برتر ہیں۔ ان کو جو خصوصیت آنحضرت سے نصیب تھی اس میں یہی دو بزرگ ممتاز تھے۔

باب ۱۸۴ فضائل عمارؓ وعبد اللهؓ

باب حضرت عمارؓ اور عبد اللہؓ بن مسعود کی فضیلتوں کے بیان میں!

ابو حنیفة عن عبد الملك عن ربعي عن حذيفة بن اليمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقتدوا باللذين من بعدي ابي بكر و عمر رضي الله عنهما واهتدوا بهدي عمارؓ وتمسكوا بعهد ابن ام عبدؓ۔ ۲۶۶/۱

حضرت حذیفہؓ بن یمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیروی کرو میرے بعد خلیفہ ہونے والے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اور اختیار کرو سیرت حضرت عمارؓ کی اور مضبوط تھامو وصیت حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کی۔

ف:۔ حضرات شیخین کی مدح و تعریف سے کتب صحاح پر ہیں اور مختلف عبارات و الفاظ سے آنحضرت نے ہر دو بزرگوں کی توصیف فرمائی ہے۔ کہیں یوں وارد ہے کہ نبیین و مرسلین کو چھوڑ کر تمام اگلے پچھلے ادھیڑ عمر اہل جنت کے یہ ہر دو بزرگ سردار ہیں۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ میرے کان و آنکھ کی جگہ ہیں۔ ایک مقام میں اس طرح ارشاد ہوا کہ ابوبکر مجھ سے ہیں اور میں ان سے اور وہ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔ کہیں اس طرح وارد ہے کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں ان کے ساتھ اور میرے بعد حق ان کے ساتھ ہے کہیں بھی ہو۔ یہ حدیث ابن مسعود کی فضیلت و برتری پر بھی قطعی حجت ہے اور کھلی دلیل۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے کہا ہے۔ اسی لئے حضرت امام اعظمؒ نے بعد خلفائے اربعہ کے آپ کی رائے و بات کو تمام صحابہ میں معیار جانا اور اپنے مذہب کی زیادہ تر بنیاد انہی کے کلام پر رکھی۔ کیونکہ فقاہت و علم کے میدان میں آپ کا قدم مضبوط ہے۔ عالمانہ درک میں آپ سب سے زائد سربلند ہیں۔ اور آنحضرت کا یہ کلام کہ ان کی وصیت سے تمسک کرو ان کی پیروی لازم ہونے کا پختہ ثبوت ہے۔ علامہ تورپشتی کے خیال میں حدیث ذیل میں عہد سے مراد امر خلافت ہے۔ یعنی آنحضرت یہ فرماتے ہیں کہ درباره خلافت ابن مسعود کی رائے کو قابل قبول جانو۔ چنانچہ ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق کے انتخاب کے بارہ میں یہ حضرت ابن مسعود ہی کا کلام ہے کہ کیا ہم اس شخص کو دنیا کی بہبود نمائی کے لئے نہ چنیں جس کو آنحضرت نے ہمارے دین کے لئے چنا؟ بعض کے نزدیک یہ حضرت علی کا مقولہ ہے جیسا کہ ہم لکھ کر آئے ہیں۔ مگر اس لحاظ سے حدیث کے معانی میں دلپسند ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ گویا آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتدا کرو۔ جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور اس بارہ میں حضرت ابن مسعود

کی رائے کو اہمیت دو اور اسی سے تمسک کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تین کنیتیں ہیں۔ اپنے والد کے لحاظ سے یہ ابن مسعود ہیں۔ اپنی والدہ کے اعتبار کے لحاظ سے ابن ام عبد کیونکہ ام عبد ان کی والدہ کی کنیت تھی اور اپنے صاحبزادہ کی نسبت سے ابوعبدالرحمن ہیں۔

باب فضيلة عثمان رضـ ١٨٥

ابوحنيفة عن الهيثم عن موسى بن ابي كثير ان عمر مر بعثمان وهو حزين قال ما يحزنك قال الا احزن وقد انقطع الصهر بيني وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم وذلك حدثان ماتت بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تحته فقال له عمر ازوجك حفصة ابنتي فقال حتى استامر رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتاه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم هل لك ان ادلك على صهر هو خير لك من عثمان وادل عثمان على صهر هو خير له منك فقال نعم فقال زوجني حفصة وازوج عثمان ابنتي فقال نعم ففعل رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

باب حضرت عثمان رضـ کی فضیلت کے بیان میں!

موسیٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضـ حضرت عثمان کے پاس آئے۔ جبکہ آپ (حضرت عثمان) غمگین تھے۔ حضرت عمر رضـ نے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے غمگین کیا انہوں نے کہا کہ کیا میں غم نہ کروں جبکہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ دامادی ٹوٹ چکا ہے اور یہ وہ وقت تھا کہ آنحضرت کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضـ زوجہ حضرت عثمان رضـ کے انتقال کو کچھ ہی دن ہوئے تھے۔ اس پر حضرت عمر رضـ نے کہا کہ میں اپنی لڑکی حفصہ رضـ کا تم سے نکاح کئے دیتا ہوں۔ حضرت عثمان رضـ نے کہا یہ جب تک نہیں ہو سکتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پوچھ لوں۔ تو آپ نے حضرت عمر رضـ آنحضرت کے پاس آئے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا میں تم کو عثمان سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے زیادہ بہتر خسر بتا دوں۔ حضرت عمر رضـ نے کہا بیشک بتائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم حفصہ رضـ کا نکاح مجھ سے کر دو اور میں اپنی صاحبزادی کا نکاح عثمان سے کر دیتا ہوں تو عمر رضـ نے کہا۔ بہت بہتر۔ چنانچہ آنحضرت نے ایسا ہی کیا۔

ف: اس حدیث سے حضرت عثمان کی فضیلت آشکارا ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ اپنے جگر پاروں رقیہ و ام کلثوم کا نکاح عثمان سے کر دیں۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ آنحضرت کی صاحبزادی کا جب انتقال ہوا۔ تو میں زار و قطار رویا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کیوں روتے ہو۔ میں نے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان رشتہ سسرال ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جو کہتے ہیں کہ میں اس کی بہن کا نکاح تم سے کر دوں۔ ایک روایت میں ایسا بھی وارد ہے کہ آپ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوں اور وہ یکے بعد دیگرے

مرتی رہیں تو میں ان کا یکن تمت کرتا رسول۔ یہاں تک کروہ ختم ہو جائیں ؂

باب فضائل علیؓ رضی اللہ عنہ

باب حضرت علیؓ کی فضیلتوں کے بیان میں!

٣٦٨ / ١ ابو حنیفة عن سلمة عن حبة العرنی وهو الحبه انی من اصحاب علی کرم الله وجهه قال سمعت علیا یقول انا اول من اسلم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جو اسلام لایا۔

ف: اہل سنت والجماعت کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے شرف اسلام سے کون ممتاز ہوا بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ حضرت علی تھیں۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ وہ حضرت خدیجہؓ ہیں چند کہتے ہیں کہ وہ حضرت بلال ہیں کچھ کہتے ہیں وہ زید بن حارثہ ہیں۔ بعض ان مختلف اقوال کو بدیں صورت ضبط میں لاتے ہیں کہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر ہی ہیں اور عورتوں میں حضرت خدیجہ، بچوں میں حضرت علیؓ آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید اور غلاموں میں حضرت بلالؓ۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ اسلام لانے میں سبقت خواہ کسی کو بھی نصیب رہی ہو۔ مگر درجہ و مرتبہ میں بالاتفاق سب کے سرتاج حضرت ابوبکر ہی ہیں۔ کیونکہ فضیلت و برتری تمام تر محض سبقت اسلام پر نہیں بلکہ چند اور پیش از پیش اسباب پر مثلاً راہ اسلام میں قربانی دکھاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ دینا ہر تنگی و سختی میں۔ تبلیغ اسلام میں سب سے زائد پیش قدمی ہیں۔ مسلمانوں کی راہنمائی اور کافروں کی گوشمالی ہیں۔ اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور کفر کا جھنڈا سرنگوں کرنے میں آپ ہی کا نام نامی اور اسم گرامی سب سے پہلے آتا ہے۔ اوروں کو یہ فخر بدرجہ کمال نصیب نہیں کیونکہ نہ عورتیں نہ بچے نہ غلام آپ کی ان تمام امور میں ہمسری کر سکتے ہیں۔ یہیں سے حضرت خدیجہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی کہ عورتوں میں آپ کا درجہ تمام ازواج مطہرات سے زائد ہے کیونکہ آپ نے بھی اسلام کی سربلندی اور آنحضرت کی پشت پناہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ اور کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مالی قربانی سے بھی منہ نہیں موڑا۔ اور جانی قربانی سے بھی درگذر نہیں کی۔ چنانچہ ایک روایت میں آنحضرتؐ ان کی برتری اس مضمون سے ظاہر فرماتے ہیں کہ انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب نے میری تکذیب کی اور انہوں نے اس وقت پیسہ سے میری مدد کی جب کہ سب نے مجھ کو محروم کیا۔

٣٦٩ / ٢ ابو حنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نظر الی علی کرم الله وجهه ذات یوم فراٰه جائعا فقال یا علی ما اجاعك قال یارسول الله انی لم اشبع منذ کذا وکذا

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت علیؓ کو بھوکا دیکھا تو فرمایا اے علی تم کو کس نے بھوکا کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ مجھ کو فلاں فلاں وقت سے سیری نصیب نہیں ہوئی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

فقال النبي صلى الله عليه وسلم ابشر بالجنة ؀

تو فرمایا خوشخبری سن جنت کی ؀

ف: اس حدیث سے بھی حضرت علی کی فضیلت نکلی کیونکہ آنحضرت کی زبان مبارک سے جنت کی خوشخبری سننے جیسا اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور سعادت کیا ہو سکتی ہے ؀

١٨٧ باب فضيلة حضرت حمزة رض

٣٧٠/١ ابو حنيفة عن عكرمة عن ابن عباس رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سيد الشهداء يوم القيامة حمزة بن عبد المطلب ثم رجل دخل الى امام فامره ونهاه ؀

وفي رواية سيد الشهداء يوم القيامة حمزة بن عبد المطلب ورجل قام الى امام جائر فامره ونهاه ؀

باب حضرت حمزہ رض کی فضیلت کے بیان میں!

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو ظالم بادشاہ کے پاس گیا پس اس کو کسی بات کا حکم دیا یا کسی بات سے اس کو روکا اور بادشاہ نے اس کو شہید کر دیا گیا ؀

ایک روایت میں یوں ہے کہ روز قیامت شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو کسی ظالم امام کے پاس کھڑا ہوا۔ اور اس کو کسی بات کا حکم کیا یا کسی بات سے روکا ؀

ف: بعض روایات میں رجل کے بارہ میں آخر میں نقطہ نہیں ہے اور واقعی مطلب یہی سے پورا ہوتا ہے جس کو ہم نے ترجمہ میں ظاہر کیا ہے۔ اس حدیث سے حضرت حمزہ کی فضیلت آشکارا ہے اس لئے کہ آپ تمام شہداء میں سربلندی و سرداری نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سرداری بھی شہیدوں میں مسلم ہے ؀

١٨٨ باب فضيلة الزبير!

٣٧١/١ ابو حنيفة عن محمد بن المنكدر عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يأتينا بالخبر ليلة الاحزاب فينطلق الزبير فيأتيه بالخبر كان ثلث مرات فقال النبي صلى الله

باب حضرت زبیر رض کی فضیلت کے بیان میں!

حضرت جابر بن عبد اللہ رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں ایک شب کو کہ کون ہم کو دشمن کی خبر لا کر دے گا۔ تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔ اور حضرت زبیر ہر بار فرماتے میں۔ پس حضرت زبیر جاتے اور خبر لاتے پس اس مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

Marfat.com

عليه وسلم لكل نبي حواري وحواري الزبير۔

ہیں کہ ہر نبی کا ایک مصاحب خاص ہوتا ہے، اور میرے مصاحب خاص زبیر ہیں۔

ف:- یہ بھی بڑے فخر کی بات ہے اور نہایت اعزاز کی شکل کہ آنحضرت کی مصاحبت خاص کسی شخص کو نصیب ہو۔ چنانچہ حضرت زبیر کو آنحضرت نے اس شرف سے نوازا اور ان کو خوش خبری دی۔

باب ۱۹ فضائل عبد الله بن مسعودؓ

باب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی فضیلتوں کے بیان میں!

۳۷۲

ابو حنيفة عن الهيثم عن رجل عن عبد الله بن مسعود ان ابا بكر وعمر اسمرا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة قال فخرجا وخرج معهما فمروا بابن مسعود وهو يقرأ فقال النبي صلى الله عليه وسلم من سره ان يقرأ القرأن كما انزل فليقرأه على قراءة ابن ام عبد۔

وجعل يقول له سل تعطه فأتاه ابوبكرؓ وعمرؓ يبشرانه فسبق ابوبكر عمر اليه فبشره واخبره ان النبي صلى الله عليه وسلم قد امرة بالدعاء۔

فقال اللهم اني اسألك ايمانا دائما لا يزول ونعيما لا ينفد ومرافقة نبيك في جنة الخلد۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ ایک شب حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باتیں کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ ہر دو اصحاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور ہر سہ بزرگوں کا گذر عبد اللہ بن مسعود پر ہوا۔ جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ قرآن کو اسی نہج سے پڑھے جس سے کہ وہ اترا ہے تو اس کو چاہیے کہ ابن ام عبد کی قرارت کے طرز پر پڑھے اور آنجناب فرمانے لگے والے ابن مسعودؓ سوال کرو۔ دیے جاؤ گے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے ان کے پاس ان کو خوشخبری سنانے کے لئے جانے پس حضرت ابوبکرؓ نے اس میں پیش قدمی فرمائی اور ان کو اس امر کی بشارت دی۔ اور یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے (کیونکہ وہ درجہ قبولیت کو پہنچے گی) اس پر انہوں نے کہا اے اللہ میں تجھ سے ایسا دیرپا ایمان مانگتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو اور ایسی نعمتیں جو کبھی پوری نہ ہوں اور تیرے نبی کا سنگ ساتھ جنت الخلد میں۔

وفي رواية عن الهيثم عن عبد الله ان ابا بكرؓ وعمرؓ سمرا عند النبي صلى الله عليه وسلم

اور ایک روایت میں حضرت عبد اللہؓ کے بارہ میں یوں ہے کہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصروف گفتگو

فخرجا وخرج معهما فمروا بابن مسعود وهو يقرأ في الصلوٰة فقال النبي صلى الله عليه وسلم من احب ان يقرأ القران غضا كما انزل فليقرأه على قراءة ابن ام عبد وجعل يقول سل تعطه وذكر تمام الاول ؛

پھر ہر دو حضرات و نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ اور ابن مسعود کے پاس پہنچے جب کہ وہ نماز (تہجد) میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ پس آنحضرت نے فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن کو تر و تازہ پڑھے جیسا کہ وہ اترا ہے تو اس کو چاہیے کہ عبد اللہ بن مسعود کی قراءت پر پڑھے۔ پھر آپ فرمانے لگے (حضرت عبد اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) مانگو دیے جاؤ گے۔ آگے حسب سابق حدیث ہے ؛

ف: یہ حدیث بھی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی جلالت مرتبہ و عظمت درجہ پر دال ہے۔ کہ اول تو آپ کی قراءت کی تعریف فرمائی اور آپ کی قراءت پر قرآن پاک پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ پھر آپ کو مستجاب الدعوات بھی ظاہر فرمایا۔ گویا یہ حدیث بھی حضرت عبد اللہ کی بزرگی شان و بلندی علم پر چار چاند لگاتی ہے ؛

ابو حنیفة عن عون عن ابيه عن عبد الله انه كان اذا دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم بيته ارسل والدته ام عبد تنظر الى هدى النبي صلى الله عليه وسلم ودله وسمته فتخبره بذلك فيتشبه به ؛

حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ نبوت میں تشریف لاتے تو اپنی والدہ ام عبد کو اندر بھیجتے اور مقصد تھا کہ دیکھیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلیقہ، وقار اور سیرت و ہیئت کو۔ [illegible] آکر ان کو عبد اللہ کو اس کی خبر کریں اور حضرت عبد اللہ ان کی آنحضرت کے خصائل طیبہ کی نقل اتارتے ؛

ف: اسود بن یزید سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی [illegible] ایک مدت تک ہم یہی سمجھتے تھے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اہل بیت میں سے ہیں [illegible] ان کو اور ان کی والدہ کو بے تکلف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے دیکھتے۔ اسی طرح عبد الرحمن بن یزید سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا ایسے شخص کے بارہ میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرت و ہیئت میں ملتا جلتا ہو۔ کہ ہم اس سے یہ سیکھیں تو انہوں نے کہا میرے علم میں [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ابن ام عبد کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا۔ ترمذی نے ان سے روایت [illegible] اور وہ حضرت حذیفہ سے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش آپ خلیفہ بنا جاتے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم پر خلیفہ بناؤں اور تم اس کی نافرمانی کرو تو تم عذاب میں مبتلا ہو۔ لیکن [illegible] بیان کریں اس کو سچ مانو اور عبد اللہ بن مسعود جو قرآن [illegible] کہا ہے۔ لہٰذا ان تمام احادیث کے پیش نظر حضرت عبد اللہ بن مسعود [illegible]

کیونکہ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آنحضرت کے حضور میں ان کو اور ان کی والدہ کو کس قدر رسائی حاصل تھی۔ کہ زیادہ آنے جانے سے دیکھنے والا کو یہ چلتا تھا کہ یہ اہل بیت میں سے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ کی نظر میں [illegible] سیرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کوئی [illegible] حدیث سے اس کا بھی علم ہوا کہ آنحضرت نے [illegible] بھی یہ سمجھی کہ حضرت عبد اللہ و حضرت حذیفہ جیسی شخصیتیں مسلمانوں پر خلیفہ بنانے کی [illegible] سرانجام پا سکتے۔ تشنہ خلافت ہی کی [illegible] دو رہیں [illegible] دینوی کام [illegible] سرانجام پا سکتے [illegible] انتخاب کی جگہ [illegible] موجود [illegible] خلفائے اربعہ جن کی زندگی متفق علیہ [illegible] علم و روایت [illegible] حضرت عبد اللہ آنحضرت کی جیتی مثال [illegible] عقل [illegible] کہ جس قدر نصیب ہوتی ہے۔ اسی قدر وہ اس کے تمام حالات سے باخبر ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ [illegible] زندگی میں آنحضرت کے رفیق [illegible] آپ کی [illegible] رکھتے تھے۔ آپ کے [illegible] بردار تھے۔ اور آپ کے [illegible] آپ کی چادر کی حفاظت ان کے ذمہ تھی اور آپ کی سواری کے نگہبان یہ آپ کی مسواک برداری کا فخر ان کو [illegible] آپ کے [illegible] کی معافقت بھی ان کے سپرد۔ اور کفش برداری کی خدمت بھی انہیں کے ذمہ۔ غرض [illegible] آنحضرت کی خوش قدر خدمات [illegible] سپرد ہوں تو اس سے آنحضرت کی سیرت معلوم کریں تو کس سے کریں اور اس کا قول معیار نہ ہو تو کس کا ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم نے زیادہ تر احکام شرعیہ و مسائل مذہب کی بنیاد انہیں کی رائے اور روایت پر رکھی ۔

<table>
<tr><td>ابو حنیفۃ عن عون عن ابیہ عن عبد اللہ انہ کان صاحب رسول اللہ صلعم</td><td>عون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ آنحضرت کے سجادہ بردار تھے</td></tr>
<tr><td>وفی روایۃ کان صاحب عصا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔</td><td>ایک روایت میں ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا بردار بھی تھے ۔</td></tr>
<tr><td>وفی روایۃ کان صاحب رداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔</td><td>ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر بھی رکھتے تھے ۔</td></tr>
<tr><td>وفی روایۃ کان صاحب الراحلۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔</td><td>ایک روایت میں ہے کہ سواری کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی ۔</td></tr>
<tr><td>وفی روایۃ کان صاحب سواک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب المیضاۃ وصاحب النعلین ۔</td><td>ایک روایت میں ہے کہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک بھی انہی کے پاس رہا کرتی اور وضو کا لوٹا اور آپ کے جوتے بھی انہی کی ذمہ داری میں تھے ۔</td></tr>
</table>

فائدہ: سابق میں ذکر ہوا کہ ان مناسبت کا حضرت عبد اللہ کے سپرد ہونا ان کی قدر و منزلت اور [illegible] کی نشانی ہے اور ان کے ذریعہ نبی کی وداد [illegible] کی دلیل ہے۔

ابو حنیفة عن معن عن ابن مسعود قال ما كذبت منذ اسلمت الا كذبة واحدة كنت ارحل للنبي صلى الله عليه وسلم فاتى رجل من الطائف فسألني اي الراحلة احب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت الطائفية المكية وكان يكرهها رسول الله صلى الله عليه وسلم.

فلما اتى بها قال من رحل لنا هذه.

قالوا رحالك.

قال مروا ابن ام عبد فليرحل لنا ما عندك الى الراحلة.

وفي رواية قال عبد الله ان النبي صلى الله عليه وسلم جيء برجل من اهل الطائف قال فجلوني الطائفي فقال اي الراحلة احب اليه قلت الطائفية المكية فخرج فقال من صاحب هذه الراحلة قيل الطائفي قال لا حاجة لنا بها.

معن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ [illegible] جھوٹ نہیں بولا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ [illegible] کرتا تھا [illegible] طائف والوں [illegible] پوچھنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا اونٹ [illegible] [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] دوبارہ [illegible]

ایک روایت میں ہے کہ [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ [illegible] طائف سے آیا۔ اور [illegible] پوچھنے لگا کہ حضور کو کونسا [illegible] پسند ہے [illegible] [illegible] آپ [illegible] تو پوچھا اس کجاوہ کو کس نے [illegible] کا [illegible] آپ نے فرمایا کہ ہم کو [illegible] ہے۔

ف: حدیث ذیل سے بھی حضرت عبد اللہ کی [illegible] [illegible] احادیث [illegible] ترمذی حضرت علی سے روایت لاتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا اگر میں کسی کو [illegible] بناتا تو وہ عبد اللہ بن مسعود ہوتے [illegible]

ابو حنيفة عن الهيثم عن الشعبي

مسروق سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ [illegible]

عن مسروق عن عبد الله قال ما كذبت منذ اسلمت الا واحدة كنت ارحل لرسول الله صلى الله عليه وسلم فاتى رحال من الطائف فقال اى الراحلة احب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت الطائفية المكية قال وكان يكرهها فلما رحل لرسول الله صلى الله عليه وسلم اتى بها قال من رحل لنا هذه الراحلة قال رحالك التى اتيت به من الطائف - فقال رد الراحلة لابن مسعود ٭

مسعود کہتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا کبھی جھوٹ نہ بولا مگر ایک مرتبہ (وہ اس طرح کہ) میں کجاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسا کرتا تھا۔ طائف سے ایک کجاوہ کسنے والا آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا کجاوہ پسند تر ہے میں نے کہا طائفی مکہ والا۔ حالانکہ آپ ان کو نا پسند فرماتے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس نے کجاوہ کس لیا۔ اور وہ آپ کے روبرو آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اونٹنی پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے۔ کسی نے کہا۔ آپ کا وہ کجاوہ کسنے والا جو آپ کے پاس طائف سے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹنی کو ابن مسعود کے پاس لے جاؤ (کہ وہ اپنی عادت کے موافق اس پر کجاوہ کسیں) ٭

ف : اس میں پیغمبر حدیث کے مضمون کا اعادہ ہے ٭

بَابُ فَضِيلَةِ خُزَيْمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

(۱۹)

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم ۳۷۷
عن ابى عبد الله الجدلى عن خزيمة انه مر على رسول الله صلى الله عليه وسلم ومع رسول الله اعرابى يجحد بيعه فقال خزيمة اشهد لانه بعته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اين علمته قال نجيئنا بالوحى من السماء فنصدقك قال فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادته بشهادة رجلين ٭

وفى رواية انه مر باعرابى وهو مع رسول الله صلى الله عليه وسلم

باب حضرت خزیمہؓ کی فضیلت کے بیان میں!

حضرت خزیمہؓ سے روایت ہے۔ کہ وہ پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ایک اعرابی بیع کا انکار کر رہا تھا۔ تو حضرت خزیمہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اے اعرابی تو نے بیع کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت خزیمہ سے) کہ تم نے یہ کیسے جانا حضرت خزیمہ نے کہا کہ آپ وحی آسمانی بیان کرتے ہیں اور ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت خزیمہ کا گذر ایک اعرابی کے پاس ہوا جو رسول اللہ

Marfat.com

وهو يجحد بيعًا قد عقده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال خزيمة اشهد انك قد بعته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اين علمت ذالك۔

فقال نجيئنا بالوحي من السماء فصدقك۔

قال فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادته بشهادة رجلين ۔

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اور ایک بیع سے انکار کرتا تھا۔ جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر چکا تھا۔ اس پر حضرت خزیمہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں اے اعرابی کہ تو نے بیع کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے یہ کیسے جان لیا حالانکہ تم بیع کے وقت موجود نہ تھے۔ حضرت خزیمہ نے جواب دیا کہ آپ ہمارے پاس وحی آسمانی لاتے ہیں۔ اور ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں تو زمین کی بات کی تصدیق کیوں نہ کریں۔ جو آسمان سے قریب تر ہے کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھیرایا ۔

وفي رواية اجاز شهادته بشهادة رجلين حتى مات ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مرتے دم تک خزیمہ کی شہادت دو شخصوں کی شہادت کے برابر رہی ۔

ف: اس حدیث سے حضرت خزیمہ کی شہادت دو شخصوں کی شہادت کے برابر کا حکم اور ان کی عظمت شان منکشف ہوتی ہے کہ ان کی ایک شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر مانا گیا ۔

۱۹۱ باب فضيلة خديجة رضي الله عنها

باب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے بیان میں

ابو حنيفة عن يحيى بن سعيد عن انس بن مالك بشرت خديجة ببيت في الجنة لا صخب فيها ولا نصب ۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خوش خبری دی گئی تھی جنت میں ایک گھر کی جس میں نہ شور و شغب ہوگا نہ رنج و ملال ۔

ف: حضرت خدیجہ عورتوں میں بے پناہ عظمت و شان عز و کمال کی مالک ہیں احادیث آپ کے مناقب سے پر ہیں حضرت عائشہ رض جو خود بے مثال عظمت رکھتی ہیں۔ فرماتی ہیں کہ مجھ کو اس قدر رشک کسی بیوی پر نہ آیا جیسا کہ حضرت خدیجہ پر آیا۔ یہ بہت سی صفات سے ممتاز ہیں ایک یہ کہ ان پر کوئی سوت نہیں آئیں۔ دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کو تمام ازواج سے دو گنے سے زائد نصیب ہوئی تیسرے انہوں نے کبھی آنحضرت کے مزاج میں خفیف سا تکدر بھی پیدا نہیں کیا۔ چوتھے سیدۃ النساء

Marfat.com

حضرت فاطمہؓ انہیں کے شکم سے پیدا ہوئیں۔ وغیرہ وغیرہ ؎

حضرت خدیجہ پہلے ابو ہالہ بن زرارہ کے نکاح میں تھیں۔ پھر عتیق بن عائذ کے نکاح میں آئیں۔ اس کے بعد آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ بننے کا فخر حاصل ہوا جبکہ آپ کی عمر چالیس سال کی تھی اور آنحضرت کی پچیس سال۔ ان سے پہلے آنحضرت نے کوئی نکاح نہیں کیا تھا۔ اور حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں آنحضرت نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آنحضرت کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انہیں کے پیٹ سے ہے۔ ان کی وفات مکہ میں ہجرت سے پانچ سال یا چار سال یا تین سال قبل ہوئی۔ مختلف روایات کی بنا پر گویا نبوت کو دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ حضرت خدیجہ کی عمر بوقت وفات پینسٹھ سال کی تھی۔ اور پچیس سال تک گویا آپ آنحضرت کی رفاقت و معیت میں زندہ رہیں۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی مشرف باسلام ہوئیں ؎

بَابُ فَضِيْلَةِ عَائِشَةَ الصِّدِّيْقَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا! ۱۹۲

أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أُهْوِنَ عَلَيَّ لِأَنِّي أُرِيْتُكِ زَوْجَتِي فِي الْجَنَّةِ ؎

وَفِي رِوَايَةٍ إِنِّي رَأَيْتُكِ زَوْجَتِي فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ الْتَفَتَ وَقَالَ هُوِّنَ عَلَيَّ الْمَوْتُ لِأَنِّي رَأَيْتُ عَائِشَةَ فِي الْجَنَّةِ ؎

باب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت کے بیان میں!

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ البتہ آسان ہوگئی موت مجھ پر کیونکہ میں نے دیکھا تجھکو اپنی زوجہ جنت میں ؎

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے دیکھا تم کو اپنی زوجہ جنت میں۔ پھر التفات فرمایا۔ اور فرمایا کہ مجھ پر موت آسان و سہل ہوگئی۔ کیونکہ میں نے عائشہؓ کو جنت میں دیکھ لیا ؎

ف: آنحضرت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بے اندازہ محبت تھی اور الفت۔ اور بے انتہا انس و یگانگت کہ بغیران کے آپ کو چین نہیں ملتی۔ چنانچہ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو حضرت عائشہ کی شبیہ جنت میں دکھلا دی۔ کہ جنت کی زندگی آنجناب کے قلب مبارک کو مرغوب و محبوب تر ہو جائے کیونکہ زندگی کی خوشگواری و ناگواری احباب و اصدقاء کے وجود و عدم پر مدار رکھتی ہے۔ آنحضرت کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ آپ کی مونس غم۔ رفیق زندگی۔ قرین حیات۔ ہمدم و ہمراز سرمایہ مسرت و خوشی مرکز دلبستگی و دلبستگی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ جنت میں اپنی صحبت سے آنجناب کی تسلی قلبی و راحت دلی کا سبب نہ بنیں۔ لہٰذا دنیا ہی میں آپ کو بشارت دے دی گئی کہ حضرت عائشہ جنت میں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ پھر خود آنحضرت نے کن پراثر و پر زور الفاظ میں اس الفت

قلبی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ حضرت عائشہ کو جنت میں دیکھ لینے سے مجھ پر موت آسان ہو گئی کیونکہ اب یہ کھٹکا مٹ گیا کہ ممکن ہے موت اس مونس دل کی جدائی وفراق کا سبب بنے اور اس سے ہمیشہ ہمیش کے لئے جدا کر دے۔

۳۵۰ **ابو حنیفۃ** عن الشعبی عن عائشۃ قالت لقد کان لی خلال سبع لم یکن لاحد من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کنت احبھن الیہ اباً واحبھن الیہ نفساً۔

وتزوجنی بکراً۔

وما تزوجنی حتی اتاہ جبرئیل بصورتی۔

ولقد رأیت جبرئیل وما رآہ احد من النساء غیری۔

وکان یاتیہ جبرئیل وانا معہ فی شعارہ۔

ولقد نزل فی عذری ما کاد ان یھلک فئام الناس۔

ولقد قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی ولیلتی ویومی وبین سحری ونحری۔

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ مجھ میں سات صفتیں ایسی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک میں نہ تھیں [illegible] آپ مجھ سب کو سب سے زیادہ محبوب تھی [illegible] آنحضرت کو سب سے محبوب [illegible] مجھ سے کنوارے پن میں نکاح [illegible] جب تک [illegible] نکاح نہیں کیا [illegible] میری صورت [illegible] جبرئیل کو دیکھا [illegible] علاوہ ازواج میں سے [illegible] (یا نبیؐ) کے پاس جبرئیل [illegible] میرے ساتھ [illegible] ہوتی [illegible] آیت [illegible] قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں ہلاک [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض ہوئی میرے گھر میں [illegible] باری کی [illegible] دن میں اور میرے گلے اور سینے کے درمیان۔

ف: حدیث کی تشریح متصل حدیث کے ضمن میں آ رہی ہے۔

۳۵۱ **ابو حنیفۃ** عن عون عن عامر الشعبی عن عائشۃ قالت فیّ سبع خصال لیست فی واحدۃ من ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجنی وانا بکر ولم یتزوج احداً من نسائہ بکراً غیری ونزل جبرئیل بصورتی قبل ان یتزوجنی ولم ینزل بصورۃ واحدۃ من نسائہ غیری

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ مجھ میں سات [illegible] ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی [illegible] نکاح کیا [illegible] کنواری [illegible] [illegible] جبرئیل [illegible] بصورت [illegible] آپ [illegible] علاوہ [illegible]

Marfat.com

وَأَرَانِی جبرئیل ولم یرہ احدًا من ازواجہ غیری۔
کی کسی بیوی کی شبیہ میں نہیں آئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو جبرئیل علیہ السلام کو دکھایا حالانکہ اپنی کسی بیوی کو نہیں دکھایا۔

وکنت من احبہن الیہ نفسًا وَ ابًا۔
اور میں آپ کو اپنی ذات سے بھی بہت پیاری تھی۔ اور میرے والد بھی آپ کو بہت محبوب تھے۔

ونزلت فی آیات من القرآن کاد ان یھلك فئام من الناس
اور میرے بارہ میں قرآن کی چند آیات اتریں۔ قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں ہلاک ہو جاتیں۔

ومات فی لیلتی ویومی۔
آخر میری باری کی رات و دن میں آپ نے وفات پائی۔

وتوفی بین سحری وَ نحری۔
اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان آنجنابؐ کی روح پاک قبض ہوئی۔

وفی روایۃ انھا قالت ان فیّ سبع خصال ماھنّ فی واحدۃ من ازواجہ۔
اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کہتی ہیں کہ مجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں جو آپ کی کسی زوجہ میں نہیں ہیں۔

تزوجنی بکرا ولم یتزوج بکرًا غیری۔
مجھ سے نکاح کیا کنواری ہونے کی حالت میں اور میرے علاوہ کسی بیوی سے کنوارے پن میں نکاح نہیں کیا۔

واتاہ جبرئیل بصورتی قبل ان یتزوجنی ولم یأتہ جبرئیل بصورۃ احد من ازواجہ غیری۔
اور جبرئیل علیہ السلام میری صورت میں نمودار ہوئے۔ مجھ سے نکاح کرنے سے قبل حالانکہ میرے علاوہ آپ کی کسی بیوی کی شکل میں آپ کے پاس نہیں آئے۔

وکنت احبہن الیہ نفسًا وَ ابًا۔
اور آپ اپنی ذات سے میں آپ کو بہت پیاری تھی۔ اور میرے والد بھی آپ کو بہت محبوب تھے۔

وانزل فیّ عذر کاد ان یھلك فئام من الناس۔
اور میرے بارہ میں برأت نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں ہلاک ہو جائیں۔

ومات فی یومی ولیلتی وبین سحری ونحری وأرانی جبرئیل ولم یرہ احد من ازواجہ غیری۔
اور میری باری میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان (آپ کی روح نے پرواز کیا) اور مجھ کو جبرئیل کو دکھایا۔ حالانکہ میرے علاوہ اپنی ازواج میں سے کسی کو نہیں دکھایا۔

ف:۔ اب خصائل کے ساتھ کچھ مناسب توضیح و تشریح سپرد قلم ہے۔
ترمذی حضرت عمرو بن عاص سے روایت لاتے ہیں اور جس کو صحیح بتایا ہے۔ بدیں مضمون کہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پوچھا کہ سب لوگوں میں آپ کو زیادہ محبوب کون ہے آپ نے فرمایا عائشہؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا کہ مردوں میں سے۔ آپ نے فرمایا ان کے باپ (یعنے حضرت ابو بکرؓ) حضرت انسؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔

حضرت سے ان کا نکاح ہوا جب کہ ان کا سن چھ برس کا تھا۔ اور زفاف ہوا جب یہ نو سال کی تھیں۔ آٹھ سال قبل ہجرت یہ پیدا ہوئیں اور اٹھارہ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی وفراق کا داغ سہا۔

ترمذی میں ابن ابی ملیکہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام سبز ریشم کے کپڑا میں ملفوف ان کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت سے کہا کہ یہ آپ کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں۔

ترمذی ابی سلمہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ سے روایت لائے ہیں کہ آنحضرت نے حضرت عائشہ سے فرمایا۔ اے عائشہ یہ جبریل ہیں اور یہ تم کو سلام کہتے ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ترمذی کی ایک روایت میں حضرت ام سلمہ سے خطاب کرتے وقت آنحضرت کے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو عائشہ کے بارہ میں اذیت نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ مجھ پر وحی اترتی اور میں تم میں سے صرف انہیں کے لحاف میں ہوتا۔

چھٹی خصوصیت سے واقعہ افک کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ کی براءت میں آیات قرآنیہ نازل ہوئیں جنہوں نے شہادت ربانی سے ان کے پاک و مقدس دامن کو الزام کے بدنما داغ سے پاک کیا۔

غرض یہ وہ قابل فخر و مباہات خصوصیات ہیں کہ ان پر حضرت عائشہ جس قدر ناز کریں کم ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص منظور نظر ہونا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کا ان کی شکل میں نمودار ہو کر ان کی زوجیت کی خوشخبری سنانا۔ یا ان کو سلام کرنا۔ یا ان کی معیت میں وحی کا اترنا۔ یا کنواری ہونے کی حالت میں حضرت کے نکاح میں ان کا آنا۔ یا انہی کی باری میں اور وہ بھی بدیں صورت کہ ان کے سینہ پر آپ کی روح پرواز کرنا۔ یہ سب وہ امتیازات ہیں جو حضرت عائشہ کو ہی نصیب ہیں۔

انہیں احادیث کے ذیل میں ایک دلچسپ امر قابل بیان ہے۔ وہ یہ کہ حضرات خدیجہ و عائشہ و فاطمہ ان میں کون زیادہ افضل ہیں اور بلند مرتبہ۔ روایات ہر ایک کی فضیلت پر وارد ہیں جن کی وجہ سے ان میں کسی ایک کی تفضیلیت کا فیصلہ کرنا دشوار سا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ احمد [illegible] حضرت انس سے اس مضمون مرفوع حدیث لائے ہیں کہ سارے عالم کی عورتوں میں بہتر چار ہیں۔ حضرت مریم بنت عمران۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ حضرت فاطمہ بنت محمد۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی۔ حاکم یعنی مستدرک میں حضرت عائشہ سے یوں روایت لائے ہیں کہ جنت کی عورتوں کی سردار چار ہیں۔ حضرت مریم حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ۔ حضرت آسیہ۔ بزار و طبرانی حضرت عمار بن یاسر سے مرفوع حدیث ان الفاظ لائے ہیں کہ خدیجہ کو میری امت کی عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جس طرح مریم کو سارے عالم کی عورتوں پر۔ نسائی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اہل جنت کی عورتوں میں افضل حضرت خدیجہ وفاطمہ ہیں۔ لہذا ان روایات کے پیش نظر حضرات خدیجہ و فاطمہ کی فضیلت تمام عالم و اہل جنت کی

Marfat.com

عورتوں پر ثابت ہوتی ہے جن میں حضرت عائشہ و دیگر ازواج بھی آگئیں۔ اب ان میں آپس میں فضیلت تو بخاری کی روایت ہے فاطمة سیدة نساء اهل الجنة کہ فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو حضرت خدیجہ پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ علامہ تقی الدین سبکی افضلیت کی ترتیب یوں قائم کرتے ہیں کہ پہلے فاطمہ۔ پھر خدیجہ پھر عائشہ۔ اب آئیے حضرت عائشہ کی شان میں تو اول تو حدیث ذیل کی خود حضرت عائشہ کی گنائی ہوئی خصوصیات ان کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے کچھ کم نہیں۔ پھر یہ مشہور حدیث موجود ہے کہ آنحضرت نے فرمایا فضل عائشة علی النساء كفضل الثريد علی سائر الطعام کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جس طرح ثرید کی فضیلت اور کھانوں پر۔ جنت کی خوشخبری کی فضیلت کو تو ہم امتیاز میں یوں نہیں شمار کر سکتے یہ فضیلت آپ کی تمام ازواج کو حاصل ہے۔ چنانچہ انہیں آثار کی بنا پر علماء کی رائے کسی ایک نقطہ خیال پر نہ جم سکی کسی نے کسی کو افضل مانا اور کسی نے کسی کو۔ مگر جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ حقیقت میں افضلیت کا سہرا حضرت خدیجہ ہی کے سر ہے۔ کیونکہ مذکورہ روایات بھی اس پر دال ہیں اور یہ امر بھی اس پر شاہد کہ خود حضرت عائشہ آنحضرت کے [illegible] ان کے خصوصی تذکرے پر رشک کیا کرتی تھیں جس طرح اوپر حدیث کے حوالہ سے بیان ہوا [illegible] افضلیت تو صاف ظاہر ہوئی اور حضرت فاطمہ کی یہ آخر والدہ محترمہ ٹھیریں۔ پھر امام احمد دوسری یوں بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے آنحضرت کے روبرو کہا کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھی کی جگہ ایک کمسن عطا فرمائی۔ گویا اب ان کی یاد کے کیا معنی۔ یہ سن کر آنجناب بہت بر افروختہ ہوئے۔ حضرت عائشہ خوف سے لرزیں اور کہنے لگیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا آئندہ میں ان کا ذکر نہیں کروں گی مگر بھلائی کے ساتھ۔ آنحضرت کی یہ برہمی صاف بتاتی ہے کہ حضرت خدیجہ کا مرتبہ ان سے بلند تر تھا ورنہ خود حضرت عائشہ کی وہ شخصیت ہے کہ ان کے خلاف آنحضرت کسی سے ایک لفظ سننے کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ کی دوسری خصوصیات کو دیکھیں تو انہیں کی فضیلت کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ کہ مثلاً اسلام میں سبقت نصیب ہونا کسی سوت کا ان پر نہ آنا۔ آنحضرت کی تمام تر اولاد کا انہیں کے بطن سے پیدا ہونا۔ خود حضرت فاطمہ کی والدہ محترمہ ہونا۔ ان کی ازدواجی زندگی کا آنحضرت کے ساتھ سب سے زائد طویل مدت ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آخر میں عقل اس فیصلہ پر مجبور ہوتی ہے کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" ہر ایک میں اللہ نے خاص خاص خوبیاں رکھی ہیں جو دوسرے کو نصیب نہیں اور وہی امتیازی خط کھینچتی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ کی علمی قابلیت و اجتہادی لیاقت جس کی وجہ سے وہ سب سے سربلند نظر آتی ہیں تو اس صفت میں کوئی ان کے ساتھ ہمسری کا دم نہیں بھر سکتا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ چوتھائی احکام شرعیہ انہی سے مروی ہیں۔ چنانچہ عطا بن ابی رباح نے ان کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ سب سے زائد عالم اور رہے ہیں سب سے زائد صائب الرائے۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے فقہ۔ طب و شعر میں آپ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ اور غالباً حدیث ثرید بھی آپ کی اسی صفت محمودہ کی طرف مشیر ہے۔ اور اسی کی ترجمان۔ ادھر حضرت خدیجہ کے حالات پر نظر ڈالیں تو

ان کی کم سنی - تجربہ کاری - آنحضرت پر جانثاری و قربانی - قبول اسلام میں پیشقدمی آنحضرت کی نہایت پرانتہا سے زیادہ احساس دلبستگی - اور آپ کی مستورات پر عدم ناز اظہار خوشنودی - ان کے درجہ فضیلت کو سب سے بلند دکھاتی ہیں۔ پھر حضرت فاطمہ تو فاطمہ ہی ہیں کہ سرکار دو عالم کی جگر پارہ ہیں۔ خود ارشاد فرماتے فاطمۃ بضعۃ منی کہ فاطمہ میرے بدن کا ایک حصہ ہیں - ان کے ساتھ آنحضرت کو جو نسبی و طبعی فطری الفت و محبت تھی وہ ان کے درجہ و مرتبہ کو بہت بلند کرتی ہے۔ پس ان دوسرے کو کیا تاب کہ ان کی ہمسری کر سکے ٭

ابوحنیفۃ عن ابراھیم عن ابیہ عن مسروق انہ کان اذا حدث عن عائشۃ قال حدثتنی الصدیقۃ بنت الصدیق المبرأۃ حبیبۃ رسول اللہ تبارک وتعالٰی صلی اللہ علیہ وسلم ٭

مسروق سے روایت ہے کہ جب وہ حضرت عائشہ سے حدیث بیان کرتے تو ان کہتے کہ مجھ سے حدیث بیان کی صدیقہ بنت صدیق نے جو پاکدامن ہیں اور حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ٭

ف: میاں گویا مسروق جامع و مختصر الفاظ میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کے مناقب بیان فرماتے اور اپنی روایت کو باد نعمت اور قابل وثوق و اعتبار بنا لیتے۔ واقعہ افک میں حضرت صدیقہ کی پاکدامنی و راست گفتاری پایہ ثبوت کو پہنچی۔ اس لئے صدیقہ کا لقب آپ کے نام کے ساتھ باعث زیب و زینت و آرائش ہوا۔ اور چونکہ آپ کی براءت آسمانی شہادت و قرآنی آیات سے ثابت ہوئی۔ لہٰذا آپ کو مبرات کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ اور چونکہ آپ کی محبت و الفت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ گھر کئے ہوئے تھی۔ اس لئے آپ کو حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے یاد کیا گیا ٭

ابوحنیفۃ عن الھیثم عن عکرمۃ عن ابن عباس رض انہ استاذن علی عائشۃ لیعودھا فی مرضھا فارسلت الیہ انی اجد غما وکربا فانصرف۔

فقال للرسول ما انا بالذی ینصرف حتی ادخل فرجع الرسول فاخبرھا بذلک فاذنت لہ فقالت انی اجد غما وکربا وانا مشفقۃ مما اخاف ان اھجم علیہ فقال لھا ابن عباس رض

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ انہوں نے اجازت چاہی حضرت عائشہ سے ان کی بیمار پرسی کے لئے ان کی بیماری میں۔ تو انہوں نے کہلوا دیا کہ میں اس وقت غم و کرب میں مبتلا ہوں۔ لہٰذا اس وقت آپ واپس جائیے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے پیامبر سے کہا کہ میں بغیر حاضری دیئے ہوئے واپس نہیں جانے کا۔ پس پیامبر نے یہی کلمہ حضرت عائشہ کے سامنے دہرایا۔ تو آپ نے ان کو آنے کی اجازت دی۔ پھر آپ بولیں کہ میں غم و کرب میں مبتلا ہوں اور میں ڈرتی ہوں اس سے جو مجھ پر آنے والا ہے تو حضرت ابن عباس رض نے ارشاد

ابشری فواللہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عائشۃ فی الجنۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکرم علی اللہ ان یزوجہ جمرۃ من جمرۃ جھنم فقالت فرجت فرج اللہ تعالٰی عنک ؁

کہا، خوشخبری حاصل کیجیے۔ قسم اللہ کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک اس سے شریف تر و باعزت تر تھے کہ ان کا نکاح دوزخ کی ایک چنگاری سے کرتا۔ اس پر حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ تم نے میرے کرب کو دور کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے غموں کو دور فرمائے ؁

باب ۱۹۳ فضیلۃ الشعبی رضی اللہ عنہ

باب حضرت شعبی رض کی فضیلت کے بیان میں!

ابوحنیفۃ عن الھیثم عن عامر الشعبی قال کان یحدث عن المغازی وابن عمر یسمع قال حین یسمع حدیثہ انہ یحدث کانہ شھد القوم ؁ ۳۸۴/۱

حضرت عامر سے شعبی کے بارہ میں نقل ہے۔ کہ جب وہ مغازی کا بیان آغاز کرتے اور ابن عمر اس کو سنتے، تو سنتے وقت کہتے کہ یہ ایسا بیان کرتے ہیں کہ گویا قوم کے ساتھ تھے ؁

ف: اس میں محض حضرت شعبی کی فضیلت کا بیان ہے ؁

ابوحنیفۃ عن داؤد بن ابی ھند عن عامر انہ کان یحدث عن مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حلقۃ فیھا ابن عمر فقال انہ لیحدث حدیثا کان یشھدہ ؁ ۳۸۵/۲

حضرت شعبی کے بارہ میں نقل ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے حالات بیان کرتے ایسے مجمع میں جس میں حضرت ابن عمر رض بھی موجود ہوتے تو وہ کہتے کہ عامر ایسی بات بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ معرکہ میں از خود موجود تھے ؁

باب ۱۹۴ فضائل ابراھیم و علقمۃ وعبداللہ

باب حضرات ابراہیم۔ علقمہ اور عبداللہ کی فضیلتوں کے بیان میں

زفر قال سمعت اباحنیفۃ یقول سمعت حمادا یقول کنت اذا نظرت الی ابراھیم فکل من رأی ھذا یہ یقول کان ھدیہ ھدی علقمۃ ویقول من رأی علقمۃ یقول کان ھدیہ ھدی عبداللہ ویقول ۳۸۶/۱

حضرت ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ میں نے حماد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں دیکھتا ابراہیم نخعی کو تو ہر ان کی خصلت و سیرت کو دیکھنے والا ہلا شبہ کہتا کہ ان کی خصلت عین حضرت علقمہ کی خصلت و سیرت ہے اور جو علقمہ کو دیکھتا۔ تو وہ کہتا کہ ان کی سیرت و خصلت عین عبداللہ بن مسعود رض

Marfat.com

من رای هدی عبد الله كان هديه هدی رسول الله صلى الله عليه وسلم ۞

کی سیرت وخصلت ہے۔ اور جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کی خصلت وسیرت کو دیکھتا۔ تو وہ یہ کہتا کہ یہ بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلت وسیرت ہے ۞

ف:۔ حدیث ذیل سے ہر دو بزرگوں کی فضیلت وبرتری وسنت وطریقت میں آنحضرت سے صحیح مشابہت ومشاکلت صاف ظاہر ہے ۞

باب ۱۹۵ فضيلة امام ابو حنيفة رحمه الله تعالى

باب حضرت امام ابو حنیفہ رح کی فضیلت کے بیان میں!

۱۸۷/۱ ابو حمزة الانصاري قال سمعت عبد الله بن داؤد يقول لابي حنيفة من ادركت من الكبراء قال القاسم وسالما وطاؤسا وعكرمة ومكحولا وعبد الله بن دينار والحسن البصري وعمرو بن دينار وابا الزبير وعطاء وقتادة وابراهيم والشعبي ونافعا وامثالهم ۞

حضرت عبد اللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہ رح سے پوچھا۔ کہ آپ نے بڑے تابعین میں سے کن کن کی صحبت اٹھائی ہے۔ آپ نے کہا۔ قاسم۔ سالم۔ طاؤس۔ عکرمہ۔ مکحول۔ عبد اللہ بن دینار۔ حسن بصری۔ عمرو بن دینار۔ ابو الزبیر۔ عطا۔ قتادہ۔ ابراہیم۔ شعبی۔ نافع۔ اور ان جیسوں کی ۞

ف:۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام رح کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے اور شاگردوں کی تو کوئی حد وغایت نہیں ۞

كتاب ۱۹۶ فضل امته صلى الله عليه وسلم

کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت میں!

۱۸۸/۱ ابو حنيفة عن ابي بردة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيمة يدعون الى السجود فلا يستطيعون ان يسجدوا وسجدت امتي مرتين قبل الامم طويلا قال

حضرت ابی بردہ سے روایت ہے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو سب لوگ سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے۔ اور انکار سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھ سکیں گے۔ اور میری امت تمام امتوں سے پہلے دو لمبے سجدے کرے گی آپ

فيقال ارفعوا رؤسكم فقد جعلت عدتكم اليهود والنصارى فداءكم من النار۔

نے فرمایا کہ پھر کہا جائے گا (میری امت سے) اپنے سر اٹھاؤ۔ البتہ میں نے تمہارے دشمن یہود و نصاریٰ کو آگ کے لئے تمہارا بدل و عوض بنا دیا۔

فائدہ: یہ سرور کائنات سرکار دو عالم تاجدار مدینہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے۔ اور آپ کا صدقہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت مرحومہ کو اس شرف سے نوازا اور اس فخر سے ممتاز فرمایا کہ ان کے دشمن اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو آتش دوزخ کے لئے ان کا بدل و عوض ٹھیرایا۔ اور اس کو ان کا فدیہ قرار دیا۔

ابو حنیفة عن ابی بردة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيمة يعطى كل رجل من المسلمين رجلا من اليهود والنصارى فيقال هذا فداؤك من النار۔ ۹۳/۲

حضرت ابی بردہ کے والد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں میں سے ہر ایک کو یہود و نصاریٰ میں سے ایک شخص دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ آگ کے لئے تمہاری طرف سے فدیہ ہے۔

وفی رواية اذا كان يوم القيمة اعطى الله تعالى كل رجل من هذه الامة رجلا من الكفار فيقال هذا فداؤك من النار۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس امت سے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک کافر دیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے۔

وفی رواية اذا كان يوم القيمة دفع الى كل رجل من هذه الامة رجل من اهل الكتاب فقيل له هذا فداؤك من النار۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو اس امت کے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک آدمی سپرد کیا جائے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے۔

وفی رواية ان هذه الامة امة مرحومة عذابها بايديها۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ یہ امت امت مرحومہ ہے۔ اس کا عذاب اس کو پہلے ہی مل جائے گا (یعنی دنیا میں)۔

ف: اس میں پیشتر حدیث کا اعادہ ہے۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما لاصحابه اترضون ان تكونوا ربع اهل الجنة۔ ۹۴/۴

قالوا نعم۔

قال اترضون ان تكونوا ثلث اهل الجنة

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم (اور تمہارے بعد آنے والے یعنی پوری امت) اہل جنت کے چوتھائی ہو۔ انہوں نے کہا بیشک۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم ایک تہائی اہل جنت ہو سب

قالوا نعم قال اترضون ان تکونوا نصف اهل الجنة قالوا نعم قال ابشروا فان اهل الجنة عشرون ومائة صف امتی من ذلک ثمانون صفاً ❊

لئے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کے آدھے ہو سب نے کہا بیشک۔ تو آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ البتہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے اسی صفیں میری امت کی ہونگی ❊

ف: یعنی آنحضرت نے خوشخبری سنائی۔ کہ آپ کی امت اہل جنت کی دو تہائی ہوگی۔ ترمذی میں اس کے ساتھ وارد یعنون من سائر الامم کا لفظ بھی زائد ہے یعنی اور امتیں ایک تہائی یعنی چالیس کی نسبت سے ہوگی ❊

ابو حنیفة عن ابی بردة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان امتی امة مرحومة عذابها بایدیها فی الدنیا۔ وزاد فی روایة بالقتل ❊

حضرت ابی بردہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت امت مرحومہ ہے۔ اس کا عذاب اس کے اپنے ہاتھوں سے ہے۔ اور ایک روایت میں "بالقتل" کا لفظ زیادہ ہے یعنی غارت و کشت و خون سے ❊

ف:- ابوداؤد۔ بیہقی۔ حاکم۔ طبرانی ابی موسیٰ سے روایت لائے ہیں امتی امة مرحومة لیس علیها عذاب فی الآخرة انما عذابها فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل والبلایا۔ کہ میری امت امت مرحومہ ہے۔ اس پر آخرت کا عذاب نہیں۔ البتہ اس کا عذاب دنیا میں فتنے ہیں زلزلے ہیں کشت و خون ہے اور طرح طرح کی مصیبتیں ہیں ❊

ابو حنیفة عن زیاد عن یزید بن الحارث عن ابی موسیٰ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فناء امتی بالطعن والطاعون قیل یا رسول الله الطعن عرفناه فما الطاعون قال وخز اعدائکم من الجن وفی کل شهادة ❊

حضرت ابی موسیٰ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کی ہلاکی طعن (نیزہ بازی) اور طاعون سے ہوگی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ طعن تو ہم سمجھ گئے طاعون کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ تمہارے دشمن جنوں کا نیزہ چبھونا ہے۔ اور ان سب (طعن و طاعون) میں درجہ شہادت ہے ❊

وفی روایة وفی کل شهداء ❊

اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں (میں) شہادت ہے ❊

ف:- یعنی طاعون کی بیماری سے ہلاک ہونے والے کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ یہ اس کی بے پناہ بندہ پروری ہے اور بندہ نوازی۔ کہ اس نے اس کو ... فرمایا ❊

۲۹۳ ح ۶

ابو حنیفة عن خالد بن علقمة عن عبد الله ابن الحارث عن ابی موسٰی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال فناء امتی بالطعن والطاعون فقیل یا رسول الله هذا الطعن قد علمناه فما الطاعون قال وخز اعدائکم من الجن وفی کلٍ شهادةٌ ۔

حضرت ابی موسٰی سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ہلاکی طعن اور طاعون سے ہے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ طعن تو ہم نے جان لیا۔ لیکن طاعون کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تمہارے دشمن جنوں کا نیزہ گھونپنا ہے۔ اور ان سب میں درجہ شہادت ہے ۔

ف:۔ گویا اس میں آنحضرتؐ نے طاعون کی حقیقت کو بھی واضح فرمایا کہ یہ مہلک وبیت ناک ی ہے جو اجنہ کے اثر سے رونما ہوتی ہے ۔

کتاب الاطعمة والاشربة والضحایا والصید والذبائح!

کتاب کھانے پینے کی چیزوں۔ قربانیوں۔ شکار اور ذبیحوں کے بیان میں!

۲۹۴ ح ۱

ابو حنیفة عن محارب عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن کل ذی ناب من السباع ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہر کیلے والے درندہ سے ۔

ف:۔ یعنی ہر وہ درندہ جو کیلے رکھتا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ مثلاً شیر۔ چیتا۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ ہاتھی بندر وغیرہ۔ یہ حدیث بجز حضرات ابن عباسؓ۔ خالد بن ولید۔ علی بن ابی طالب۔ جابر بن عبد اللہ۔ ابو ثعلبۃ الخشنی۔ ابو ہریرہ چھ اصحاب برگزیدہ سے کتب صحاح میں مروی ہے۔ اور جو اپنے معنی عمومی کے لحاظ سے قطعی الدلالت ہے اور روایت کی رو سے بھی قریبا قطعی۔ پس بجو اور لومڑی کو بھی اس کا حکم عمومی بلا شبہ شامل ہے۔ کیونکہ وہ بھی کیلے رکھتے ہیں اور درندوں میں ان کا شمار ہے۔ اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے۔ امام شافعیؒ و مالکؒ ان ہر دو کو حلال جانتے ہیں۔ ان کے پیش نظر عبد الرحمن بن ابی عمارہ کی وہ حدیث ہے۔ جو ترمذی۔ ابن ماجہ و نسائی لائے ہیں۔ بدیں مضمون کہ عبد الرحمن حضرت جابر سے پوچھتے ہیں کہ کیا بجو شکار ہے انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کیا میں اس کو کھاؤں۔ انہوں نے کہا ہاں پھر کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اب در غور کیجئے کہ کہاں یہ قطعی الدلالت حدیث کا عمومی حکم اور کہاں اس حدیث ظنی کی خصوصی اجازت کیونکہ یہ

Marfat.com

باعتبار سند و روایت پیشتر حدیث سے بہت گھٹیا ہے اور کمتر تو پھر یہ اس کے معارض کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو صحیح بھی مان لیں تو شک کے وقت حرمت کو حلت پر ترجیح ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا تھا اور اس قطعی الدلالت حدیث سے منسوخ ہو چکا۔ غرض یہ حدیث اپنی جگہ اٹل ہے اور ناقابل تردید۔ لومڑی کو شافعیؒ بجو پہ قیاس کر کے اسی کے حکم میں شامل کرتے ہیں۔

بَابُ النَّهْیِ عَنْ اَکْلِ کُلِّ ذِی مِخْلَبٍ!

باب ہر پنجہ دار جانور کے کھانے سے ممانعت کے بیان میں!

۹۵/۱ ابو حنیفۃ عن محارب عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی یوم خیبر عن اکل کل ذی مخلب من الطیر۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا خیبر کے دن ہر پنجہ والے پرندہ کے کھانے سے۔

ف:۔ باز، شاہین، شکرا، گدھ وغیرہ شکاری پنجہ دار پرندے اس حکم کے تحت میں آ کر حرام ہوئے۔ اور اسی حدیث کا حکم ان سب کو شامل ہے۔

بَابُ النَّهْیِ عَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِیَّةِ

باب گھریلو گدھوں کے کھانے سے ممانعت کے بیان میں!

۲۵۰/۱ ابو حنیفۃ عن ابی اسحٰق عن البراء قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل لحوم الحمر الاھلیۃ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا گھریلو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے۔

ف:۔ یہ حدیث بھی تقریباً پندرہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور کتب ستہ میں [illegible] اس بارہ میں اتفاق ہے۔ ابن عبدالبر تمہید میں کہتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ پالتو اور گھریلو گدھوں کو کھانا حرام ہے۔ البتہ ابن عباس اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ ان کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں جانا کرتے تھے۔ مگر ان کی طرف سے بسند صحیح وہی روایت ہے جو سب علماء کے مسلک سے ملتی ہے۔

بَابُ النَّهْیِ عَنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ!

باب حشرات الارض کے کھانے سے ممانعت کے بیان میں!

۲۵۰/۱ ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر قال نہینا عن خشاش الارض۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع کئے گئے ہم زمین کے کیڑے کوڑوں کے کھانے سے۔

ف: ان میں وجہ حرمت ان کی ناپاکی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ جو وہ حشرات الارض کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رض سے لائے ہیں۔ حدیث بمضمون کہ آنجناب کے حضور میں جھاؤ چوہے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہ وہ ناپاک چیزوں میں سے ایک ناپاک چیز ہے۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ جھاؤ چوہا یا اس جیسے حشرات الارض کی حرمت ان کی ناپاکی و گندگی پر مدار رکھتی ہے اور اسی علت و وجہ کے باعث زمین کے کیڑے مکوڑے سب حرمت کے دائرہ میں آئے۔ چنانچہ آیت کریمہ ویحرم علیہم الخبائث میں بھی اسی وجہ حرمت کی طرف اشارہ ربانی ہے۔

۳۵۸ ح/۲ **ابو حنیفة عن ابی الزبير المكی**

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل ضفدعا فعليه شاة محرما كان او حلالا ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قتل کرے مینڈک کو۔ تو اس پر ایک بکری ہے۔ خواہ وہ مارنے والا احرام والا ہو یا حلال۔

ف: یہ حدیث ابو داؤد طیالسی اپنی مسند میں اور ابو داؤد اپنی سنن میں۔ اسی طرح نسائی اور حاکم عبد الرحمن بن عثمان سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ ایک طبیب نے آنحضرت سے دوا میں مینڈک کے استعمال کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے اس کو اس کے قتل کرنے سے روکا۔ بیہقی نے کہا ہے کہ مینڈک کے بارہ میں قوی تر حدیث یہی ہے۔ ان احادیث سے جہاں مینڈک کے قتل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے کھانے کی حرمت بھی اسی کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ چنانچہ حافظ منذری نے ایک استدلالی پہلو سے اس پر روشنی ڈالی ہے اور بہت خوب۔ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے تو بہرحال روکا ہے۔ اور حیوانات کے قتل سے روکنا یا تو حرمت کے باعث ہوتا ہے جس طرح آدمی ہیں۔ یا اس لئے کہ اس کا گوشت حرام ہے۔ لہٰذا پہلی وجہ تو یہاں موجود نہیں یعنی حرمت۔ تو دوسری وجہ ہی قرار پائی کہ اس کا چونکہ کھانا حرام ہے اس لئے اس کا مارنا بھی ممنوع ٹھہرا۔ اور اسی بنا پر اس کے مارنے والے پر بکری واجب ہوئی۔ کہ لوگ اس کے مارنے سے دست کش رہیں۔

باب ۱۹۹ حکم اکل الضب!

باب گوہ کے کھانے کے حکم میں!

۳۹۹ ح/۱ **ابو حنیفة عن حماد عن**

ابراهيم عن الاسود عن عائشة انه اهدى لها ضب فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عنه فنهاها عن اكله فجاء سائل فامرت له به ۔ فقال رسول الله صلى الله عليه

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ کسی نے ان کی خدمت میں گوہ تحفہ میں بھیجی۔ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے ان کو اس کے کھانے سے روکا۔ اس کے بعد ایک بھکاری آیا۔ کہتی ہیں کہ میں نے اس (گوہ) کو بھکاری کو دے دینے کا حکم دیا۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

وسلم اتطعمين مالا تاكلين۔ | فرمایا کہ جس کو تم خود نہیں کھاتیں کیا اس کو دوسروں کو کھلاتی ہو۔

ف:- یہ حدیث مسئلہ گوہ کو سامنے لاتی ہے۔ اس بارہ میں امام ابوحنیفہ اور شافعی ومالک کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحب اس کو مکروہ کہتے ہیں اور ہر دو امام اس کو حلال جانتے ہیں۔ امام شافعی ومالک کے پیش نظر وہ حدیث ہے جو حضرت خالد بن ولید سے صحیحین میں بدیں مضمون مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے پاس گیا۔ وہاں ان کے پاس آپ نے ایک بھونی ہوئی گوہ پائی۔ آنحضرت نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک عورت نے کہا کہ آپ کو خبر تو کر دو کہ آپ کے سامنے کیا پیش کیا ہے۔ چنانچہ عورتوں نے کہا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت خالد نے پوچھا کیا یہ حرام ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر چونکہ یہ ہمارے ہاں ہوتی نہیں اس لئے میں اس سے کراہت کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پھر میں نے گوہ کھائی۔ اور آپ مجھ کو دیکھ رہے تھے۔

امام ابوحنیفہ کے مذہب پر کئی صریح الالفاظ صحیح الاسناد احادیث دال ہیں۔ اول یہی حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اس کے کھانے سے باز رکھا۔ اس سے بھی حرمت قطعیہ نہیں تو کراہیت تو ضرور یقینا ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے وہ حدیث جو ابوداؤد میں حضرت عبدالرحمن بن شبل سے بدیں الفاظ مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن اکل لحم الضب کہ آنحضرت نے گوہ کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا۔ اس حدیث کے رد اور ثابت کرنے میں مخالفین نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں پیٹے ہیں اور خود اپنے منہ سے بے حقیقت کلام کی تردید کی ہے۔ چونکہ اس کی سند میں اسمعیل بن عیاش ضمضم بن زرعہ سے روایت کرتے ہیں لہٰذا انہیں غریبوں کو جرح وقدح کا نشانہ بنایا۔ بیہقی کو مرپار ہوئے تفرد به اسمعیل بن عیاش ولیس بحجۃ۔ اسمعیل اس کی سند میں تنہا ہیں اور وہ قابل حجت نہیں۔ کیا خوب۔ کیا کسی نے اس کو یاد نہیں دلایا کہ حضرت آپ خود تو اپنی سنن کے باب الوضوء من الدم میں لکھ کر آئے ہیں کہ اسمعیل کی روایت شامیین سے صحیح ہے۔ ضمضم یقینا شامی ہیں۔ تو بیچارے اسمعیل میں کیوں کیڑے پڑ گئے۔ کیا صرف اس لئے کہ وہ غریب آپ کے خلاف مذہب حدیث روایت کر بیٹھا۔ یہ ہے ان لوگوں کے کلام کی دورخی۔ کہیں کچھ کہتے ہیں اور کہیں کچھ۔ خود کیا کہا بھی بھول جاتے ہیں۔ پھر دیگر ناقدین مثلاً بخاری اور ابن معین نے بھی تصریح کی ہے کہ اسمعیل کی روایت شامیین سے صحیح ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے جو اس کے صحیح یا حسن ہونے کی صاف دلیل ہے۔ کیونکہ جس حدیث پر وہ سکوت کریں وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے یا حسن۔ لہٰذا اس کے خلاف بولنا سراسر ہٹ دھرمی ہے اور بے جا مخالفت۔ تیسرے وہ حدیث جو امام احمد بزار طبرانی وغیرہ عبدالرحمن بن حسنہ سے بدیں مضمون نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہمارا گزر ایسی جگہ ہوا جہاں گوہیں کثرت تھیں۔ ہم نے ایک گوہ ماری اور اس کو ذبح کیا جب وہ دیگچی میں پڑی ابل رہی تھی تو آنحضرت تشریف لائے اور آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت زمین میں دھنسائی گئی تھی ان کی شکل بدل گئی ہوگی اور مجھ کو خوف ہے کہ یہ وہی ہو۔ آپ کا محض خوف وشک ظاہر کرنا بھی اس کی حرمت یا کراہت کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

یہ حدیث کہ از کم گوہ کی کراہیت کی مبین دلیل ہے۔ چوتھی وہ حدیث جو مسلم حضرت جابر سے بدیں مضمون لائے ہیں کہ آپ کے پاس گوہ لائی گئی تو آپ نے اس کے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا میں نہیں جانتا شاید یہ مسخ کی ہوئی امت ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو وہ احادیث ہیں جو خصوصی طور سے گوہ کے مکروہ ہونے پر دال ہیں۔ لیکن قطع نظر ان کے امام صاحب کی مذکورہ حدیث بھی جو زمین کے حشرات کی حرمت ثابت کرتی ہے اور بطریق نافع وابن عمر منقول ہے گوہ کے ممنوع الاکل ہونے کی طرف مشیر ہے۔ کیونکہ گوہ بھی حشرات الارض میں سے ہے۔ لہذا انہی کے حکم میں شامل ہے اور نہی اس کی طرف بھی عائد ہوتی ہے۔ اب جب یہ حقیقت پوری تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آ گئی۔ تو بعض مخالفین کی ناانصافی اور ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ نووی کس قدر وثوق کے ساتھ کہتے ہیں واجمع المسلمون علی ان الضب حلال لیس بمکروہ الا ماحکی عن اصحاب ابی حنیفۃ من کراھتہ والا ما حکاہ القاضی عیاض عن قوم انھم قالوا ھو حرام وما اظنہ یصح عن احد وان صح عن احد فمحجوج بالنصوص واجماع من قبلہ کہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا کہ گوہ حلال ہے مکروہ نہیں مگر ابوحنیفہ کے شاگردوں سے اس کے خلاف نقل ہے کہ وہ مکروہ ہے یا قاضی عیاض نے بعض قوم سے اس کی حرمت نقل کی ہے اور میرے گمان میں کسی سے بھی بطریق صحیح ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو روایات صحیحہ اس کے خلاف حجت ہیں اور اس سے پہلے کا اجماع بھی اس کے خلاف ہے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ دمیری نے بھی یہی قول کیا ہے کہ اس کی حلت پر اجماع ہے خدا کی پناہ ایسی غلط بیانی۔ ایسی ناانصافی اور دیدہ دلیری ہو کہ ترمذی صاف کہہ رہے ہیں وقد اختلف اھل العلم فی اکل الضب فرخص فیہ بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم وکرھہ بعضہم کہ اہل علم حضرات نے گوہ کے کھانے کے بارہ میں اختلاف کیا ہے۔ بعض اہل علم اصحاب نبی نے اس میں رخصت دی ہے اور ان کے علاوہ نے اور بعض نے اس کو مکروہ جانا ہے۔ کیا نووی اور دمیری نے اجماع کا دعوی کرتے وقت ترمذی کے کلام کو نہیں دیکھا تھا اور کیا مذہب حنفیہ کے ثبوت میں مذکورہ روایات ان کے علم سے خارج تھیں۔ یہ روایت کے پہلو پر گفتگو تھی۔ قیاس کی رو سے بھی بچند وجوہ کراہیت کا پلہ بھاری ہے اول یہ کہ یہاں ادلہ میں تعارض واقع ہوا اور تعارض ادلہ میں کراہیت کا ثبوت زیادہ قرین قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ اصول کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ حرمت وحلت کی روایات جب یکجا جمع ہوں تو حرمت قابل ترجیح ٹھہرتی ہے۔ تیسرے احتیاط بھی اس کی متقاضی ہے کہ جانب حرمت مرعی ہو۔

بَابُ صَيْدِ الْكِلَابِ الْمُعَلَّمَةِ!

باب سدھائے ہوئے کتوں کے شکار کے بیان میں!

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن ھمام عن عدی بن حاتم قال سألت

حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ اور کہا یا رسول اللہ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یارسول اللہ انا نبعث الکلاب المعلمۃ فنأکل مما امسکن علینا فقال اذا ذکرت اسم اللہ علیہا مالم یشرکہا کلب غیرہا قلت وان قتل قال وان قتل قلت یارسول اللہ احدنا یرمی بالمعراض۔

قال اذا رمیت فسمیت فخزق فکل وان اصاب بعرضہ فلا تاکل ۔

ہم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں تو وہ جو شکار ہمارے لئے پکڑلیں (کیا) ہم اس کو کھالیں۔ آپ نے فرمایا جب (کھاؤ) کہ ان کو چھوڑتے وقت تم نے بسم اللہ کہی ہو اور کوئی بے سدھایا ہوا کتا اس کے ساتھ شکار میں شریک نہ ہوا ہو (کہتے ہیں) میں نے کہا اگرچہ وہ شکار مرجائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ مرجائے۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے ایک شخص بے پر والا تیر شکار کے مارتا ہے (تو اس کا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ جب تم نے بسم اللہ کہہ کر تیر مارا اور اس تیر نے اس میں گھس کر اس کو پھاڑ ڈالا تو اس کو کھاؤ۔ اور اگر شکار اس تیر کی چوٹ سے مرا تو اس کو نہ کھاؤ۔

ف :۔ سدھایا ہوا یا تعلیم دیا ہوا کتا وہ ہے کہ اس کا مالک اگر اس کو شکار پر چھوڑے تو وہ دوڑے اور اگر اس کو ڈانٹ کر روکنا چاہے تو فوراً رک جائے۔ اور جب شکار اس کو پکڑے تو اس کو مالک کے لئے روکے رکھے اور تھامے رہے اس کے گوشت کھال یا کسی اور عضو بدن کو نہ چھوئے اور نہ کھائے۔ اگر تین بار ایسا تجربہ اس کے بارہ میں ہوا تو وہ سدھایا ہوا کتا مانا گیا۔ اور اس کا وہی حکم ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ اس امر میں بنیادی حکم دراصل یہ فرمان خداوندی ہے وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلموھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ یعنی اور جو سکھاؤ تم زخم دینے والے کو شکار کرنے کو سکھانے ہو تم ان کو وہ جو کہ سکھایا ہے اللہ نے تم کو سو کھاؤ جو کچھ پکڑ رکھیں تمہارے اوپر اور یاد کرو اللہ کا نام اس پر۔

ابوحنیفۃ عن عطیۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماجزر عنہ الماء فکل ۔

حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مچھلی کو چھوڑ دے پانی تو اس کو کھاؤ۔

ف :۔ یعنی سوائے اس مچھلی کے جو مر کر پانی کے اوپر آ جائے سب مچھلیاں حلال ہیں۔ ترمذی نے حضرت جابر سے مرفوع حدیث یوں نقل کی ہے ما اصطدتموہ وھو حی فکلوہ وما وجدتموہ میتا طافیا فلا تاکلوہ کہ جس مچھلی کو تم زندہ شکار کرو تو اس کو کھاؤ۔ اور جس کو تم مردہ پانی پر تیرتی ہوئی پاؤ اس کو نہ کھاؤ

باب التخییر فی اکل الجراد !

باب ٹڈی کے کھانے میں اختیار دینے کے بیان میں !

ابوحنیفۃ قال سمعت عائشۃ بنت عجرد تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عائشہ بنت عجرد کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ٹڈی میں اللہ کا سب سے بڑا

اکثر جند الله فی الارض الجراد لا اٰکله ولا احرمه۔

لشکر ٹڈی کا ہے۔ میں اس کو نہ کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں۔

ف: نووی نے کہا ہے کہ ٹڈی کے حلال ہونے پر اجماع ہے۔ ابن العربی نے اندلس کی ٹڈی کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ وہ محض ضرر و نقصان ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر ٹڈی کا سر جدا کر دیا جائے تو حلال ہے ورنہ نہیں۔

ابوحنیفه عن سعید عن عبایة بن رفاعة عن رافع بن خدیج ان بعیرا من ابل الصدقة ند فطلبوه فلما اعیاهم ان یاخذوه رماه رجل بسهم فاصاب مقتله فسئل النبی صلی الله علیه وسلم فامر باکله۔ وقال ان لها اوابد کاوابد الوحوش فاذا خشیتم منها فاصنعوا مثل ما صنعتم بهذا البعیر ثم کلوه۔

حضرت رافع بن خدیج نے روایت کیا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا۔ اس کے پکڑنے کی فکر کی۔ جب اس نے تھکا مارا اور ہاتھ نہ آیا۔ تو ایک شخص نے ایک اس کے تیر مارا جو اس کے جا لگا۔ اور اس کو مار ڈالا۔ پس انہوں نے آنحضرتؐ سے اس کے بارہ میں پوچھا کہ اس کو کھائیں یا نہیں، آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ (اونٹ) بھی وحشی جانوروں کی طرح بعض بدکے ہوئے ہوتے ہیں۔ لہذا جب تم کو ان کے پکڑنے کے بارہ میں خوف دامنگیر ہو تو ایسا ہی کرو۔ جیسا کہ تم نے اس اونٹ کے ساتھ کیا۔ پھر اس کو کھاؤ۔

وفی روایة ان بعیرا من ابل الصدقة ند فرماه رجل بسهم فقتله فسئل النبی صلی الله علیه وسلم عن اکله فقال کلوه فان لها اوابد کاوابد الوحش۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا۔ تو ایک شخص نے اس کے تیر مارا اور اس کو مار ڈالا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے بارہ میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کھاؤ۔ کیونکہ وحشی جانوروں کی طرح یہ اونٹ بھی بدکنے والے ہوتے ہیں۔

ف: یعنی بدکے ہوئے اونٹ کو وحشی جانور کے مانند خیال کیا گیا۔ اور ایسی صورت میں اس کے کھانے کو جائز رکھا گیا۔

Marfat.com

۲۰۱ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ!

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ انّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم نهى عن المجثّمة.

باب مجثمہ سے ممانعت کے بیان میں!

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مجثمہ سے۔

ف:۔ مجثمہ وہ جانور ہے جس کو سامنے باندھ کر تیر بازی کے لئے نشانہ بنایا جائے۔ ایسا جانور اگر مر جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ بخاری میں ہشام سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے ہمراہ حکم بن ایوب کے پاس گیا۔ حضرت انسؓ نے چند نوجوان لڑکوں کو دیکھا کہ ایک زندہ مرغی کو سامنے رکھے ہوئے اس پر نشانہ بازی کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ زندہ جانداروں کو نشانہ بنایا جائے۔ مسلم اس کو ذبائح میں اور ابوداؤد و نسائی بھی لائے ہیں۔ غرض قریب قریب اسی مضمون کی احادیث کتب صحاح میں مروی ہیں۔

۲۰۲ بَابُ جَوَازِ الذَّبْحِ بِالْمَرْوَةِ!

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمر انّ كعب بن مالك اتى النبي صلّى الله عليه وسلّم فقال يا رسول الله ان غنيمة كانت لها راعية فخافت على شاة منها الموت فذبحتها بمروة فامرها النبي صلّى الله عليه وسلّم باكلها.

باب پتھر سے ذبح کرنے کے بیان میں!

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ کعب بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ایک عورت بکریوں کو چرایا کرتی تھی اس کو کسی بکری کے بارہ میں خوف ہوا کہ وہ مر جائے گی۔ تو اس نے اس کو پتھر سے ذبح کر ڈالا تو اب اس کے کھانے کے متعلق کیا حکم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کا حکم دے دیا۔

ف:۔ امام مالک بھی اسی حدیث کو اپنی مؤطا میں لائے ہیں۔ اور دیگر کتب صحاح میں بھی انہیں الفاظ یا قریب قریب الفاظ سے مروی ہے۔ یہ حدیث بیک وقت دو مسئلوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ ایک یہ کہ عورت کا ذبیحہ درست ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر دھاردار چیز سے جس سے بدن کا خون بہہ جائے ذبح کرنا جائز ہے اور درست مثلاً پتھر لکڑی وغیرہ۔ چنانچہ ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ عدی بن حاتم سے روایت لائے ہیں جس کا مضمون ایسا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ فرمائیے۔ اگر ہم میں سے کوئی شکار پائے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو وہ لیا تہ اور لاٹھی کے ٹکڑے سے ذبح کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا خون بہاؤ جس سے چاہو اور اللہ کا نام لو۔

۴۰۶ ۲

ابو حنیفة عن الهیثم عن الشعبی عن جابر بن عبد الله قال خرج غلام من الانصار قبل احد فمرّ فی طریقه فاصطاد ارنبا فلم یجد ما یذبحها فذبحها بحجر فجاء بها الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قد علقها بیده۔ فامره باکلها۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ انصار میں سے کوئی لڑکا احد کی طرف نکلا۔ راستہ میں جاتے جاتے اس نے ایک خرگوش شکار کیا مگر ذبح کرنے کے لئے اس نے کوئی چیز نہ پائی۔ تو آخر پتھر سے اس کو ذبح کر دیا۔ پھر اس کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس کے بارہ میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آپ نے اس کو اس (خرگوش) کے کھا لینے کا حکم دیا۔

وفی روایة ان رجلا اصاب ارنبین فذبحهما بمروة یعنی الحجر فامره النبی صلی الله علیه وسلم باکلها۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص نے دو خرگوش مارے اور ان کو پتھر سے ذبح کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان کے کھا لینے کا حکم دیا۔

وفی روایة اصاب رجل من بنی سلمة ارنبا باحد فلم یجد سکینا فذبحها بحجر فامره النبی صلی الله علیه وسلم باکلها۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنی سلمہ کے ایک شخص نے احد پہاڑ میں ایک خرگوش شکار کیا۔ جب اس کو کوئی چھری نہ مل سکی تو اس نے خرگوش کو پتھر سے ذبح کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خرگوش کے کھا لینے کا حکم دیا۔

ف: یہ حدیث بھی ہر سہ روایات سے حدیث بالا کے مضمون کی ترجمانی کرتی ہے۔

۴۰۷ ۳

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعود قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل من ذبیحة امرأة ونهی عن قتل المرأة

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا ذبیحہ تناول فرمایا اور لڑائی میں عورت کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔

ف: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی پیشتر حدیث سے ضمناً عورت کے ذبیحہ کی حلت آشکارا تھی اور حدیث ذیل سے صراحۃً اس کی وضاحت ہوئی۔

باب فی فضیلة ایام عشر الاضحی!

باب ذی الحجہ کے عشرہ کی فضیلت کے بیان میں!

۴۰۸ ۱

ابو حنیفة عن مخول بن راشد عن مسلم البطین عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال رسول الله صلعم ما من ایام افضل عند الله من ایام

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے بڑھ کر کوئی دن افضل نہیں۔ لہذا

Marfat.com

عشر الاضحیٰ فاکثروا فیھن من ذکر اللہ تعالیٰ ؛ ان دنوں میں اللہ کا ذکر بہت کیا کرو ؛

ف: یہ حدیث عشرہ ذی الحجہ کی حرمت و برکت، فضیلت و عظمت کی بیّن دلیل ہے۔ اور چونکہ یہ دن برکت والے ہیں اس لئے ان میں ذکر الٰہی عبادت و انابت الی اللہ بہت بڑے اجر و ثواب۔ اور خوشنودی خدا کا باعث ہے ؛

ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے اس مضمون کی حدیث وارد ہے کہ اللہ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے بڑھ کر کسی دنوں کی عبادت محبوب تر نہیں کہ اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزہ کے برابر درجہ و مرتبہ رکھتا ہے اور اس کے ایک رات کی تہجد لیلۃ القدر کی شب بیداری کے برابر عظمت رکھتی ہے ؛

ابوحنیفۃ عن الھیثم عن عبد الرحمٰن بن سابط عن جابر ابن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین اشعرین املحین احدھما عن نفسہ والاٰخر عمن شھد ان لا الہ الا اللہ من امتہ وفی روایۃ نحوہ ولم یذکر جابر بن عبد اللہ ؛ ۲۰۹/۲

حضرت جابر عبد اللہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی دو بالوں والے چت کبرے (یا سفید) رنگ کے مینڈھوں کی ایک اپنی ذات شریف کی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی جانب سے اور اسی حدیث کی ایک سلسلہ سے روایت ہے جس میں حضرت جابر کا ذکر نہیں گویا مرسل ہے ؛

ف: یہ حدیث کتب صحاح میں تقریباً سات صحابہ سے مروی ہے کہیں کہیں کسی ایک آدھ لفظ کا رد و بدل ہے ؛

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم والشعبی عن ابی بردۃ بن نیار انہ ذبح شاۃ قبل الصلوٰۃ فذکر ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال تجزی عنک ولا تجزیٔ عن احد بعدک ؛ ۲۱۰/۲

حضرت ابی بردہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے نماز سے پہلے ایک بکری کی قربانی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے حضرت ابی بردہ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ قربانی محض تمہاری طرف سے کافی سمجھی گئی مگر تمہارے بعد کسی کی طرف سے کافی نہ ہوگی ؛

ف: سوائے ابن ماجہ کے اصحاب صحاح ستہ یہ حدیث حضرت براء بن عازب کے واسطہ سے لاتے ہیں جو اس خصوصیت کو حضرت ابی بردہ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ ابن ماجہ دوسرے بزرگ کو صاحب قصہ قرار دیتے ہیں۔ بیہقی کی روایت کے مطابق وہ عقبہ بن عامر ہیں اور روایت ابوداؤد کی رو سے زید بن خالد جہنی۔ تو گویا اس لحاظ سے چار اصحاب اس خصوصیت کے ساتھ مختص ہوئے۔ بعض نے پانچ کا بھی قول کیا ہے ؛

ابوحنیفۃ عن علقمۃ بن مرثد وحماد انھما حدثاہ عن عبد اللہ بن ۲۱۱/۲

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو منع کیا تھا تین

بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال انما نھیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلثۃ ایام لیوسع موسعکم علی فقیرکم۔

دن سے زائد قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تاکہ تمہارا صاحب حیثیت شخص تمہارے فقیر کو ارزق میں فراخی دے۔

ف ۔ ترمذی میں اسی حدیث کے ساتھ اس مضمون کے الفاظ بھی زائد ہیں۔ پس اب کھاؤ جب تک چاہو۔ کھلاؤ اور رکھ چھوڑو۔ پھر حضرت عائشہ نے اس امر کی وضاحت بدیں مضمون لاتے ہیں کہ ان سے کسی نے قربانی کے گوشت کے رکھ چھوڑنے کی ممانعت کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا منع نہیں لیکن صورت یہ تھی کہ قربانی کرنے والے لوگ کم ہوا کرتے تھے۔ تو آپ نے اس کو پسند فرمایا۔ کہ قربانی کرنے والا قربانی نہ کرنے والے کو بھی کھلائے۔ ورنہ ہم بادست رکھا کرتے اور دس روز بعد اس کو کھاتے۔ اور حقیقت میں آنحضرت تین روز سے زائد گوشت رکھ لینے کی اجازت دیتے تو نوبت سے مسکین بھوکے رہتے اور قربانی کرنے والے گوشت رکھ رکھ کر کھایا کرتے۔ اب جب صاحب حیثیت اشخاص کی تعداد بڑھی اور مساکین کی تعداد گھٹی تو تین دن کی پابندی اٹھادی گئی۔

بَابُ فَضِیْلَةِ الْخَلِّ! باب سرکہ کی فضیلت میں!

۲۱۲/۱ **ابوحنیفۃ** ومسعر عن محارب بن دثار عن جابر انہ دخل علیہ وقرب الیہ خبزا وخلا ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھانا عن التکلف ولولا ذلک لتکلفت لکم وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نعم الادام الخل۔

حضرت محارب کے بارہ میں روایت ہے کہ وہ حضرت جابرؓ کے پاس گئے اور انہوں نے روٹی اور سرکہ محارب کے سامنے پیش کیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تکلف سے منع کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے تکلف برتتا۔ اور البتہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے کہ سرکہ کیا خوب ترکاری ہے۔

ف ۔ تکلف سے ممانعت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت سلمانؓ سے مرفوع روایت کی ہے لاتکلفوا للضیف کہ مہمان کے لئے تکلف نہ برتو۔ بیہقی شعب الایمان میں یہ حدیث لائے ہیں لا یتکلفن احد لضیفہ مالا یقدر علیہ۔ کہ کوئی اپنی قدرت و حیثیت سے اونچا تکلف اپنے مہمان کیلئے نہ کرے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم کو تکلف سے روکا گیا۔ دیلمی کی مسند الفردوس میں حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ میں اور میری امت کے نیک بخت تکلف سے بری ہیں۔

۲۱۳/۲ **ابوحنیفۃ** عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نعم الادام الخل۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرکہ کیا خوب ترکاری ہے۔

ف :۔ سرکہ کی تعریف و توصیف میں بعینہ یہی الفاظ کتب صحاح میں متعدد طرق سے مروی ہیں

Marfat.com

ترمذی میں حضرت ام ہانیؓ سے یوں روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میرے پاس آنحضرتؐ تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔ میں نے عرض کیا حضور سوکھی روٹی ہے اور سرکہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ لاؤ وہ ہی لاؤ۔ البتہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ گھر ترکاری سے خالی نہیں۔ بہرحال سرکہ کو پسند فرماتے اور طبیعت پاک کو بہت مرغوب تھا۔

ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکافر یاکل فی سبعۃ امعاء والمؤمن یاکل فی معی واحد۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر کھاتا ہے سات آنتوں میں اور مومن کھاتا ہے ایک آنت میں۔

باب النھی عن الاکل متکئا

باب اس بیان میں کہ تکیہ لگا کر کھانا منع ہے!

ابو حنیفۃ عن علی بن الاقمر عن ابی جحیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما انا فلا اکل متکئا اکل کما یاکل العبد واشرب کما یشرب العبد واعبد ربی حتی یاتینی الیقین۔

حضرت [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نہیں کھاتا۔ بلکہ کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے پیتا ہوں جیسے غلام پیتا ہے اور عبادت کروں گا اپنے پروردگار کی یہاں تک کہ مجھ کو موت آئے۔

ف: تکیہ لگا کر کھانے میں فخر و تمکنت شان و شوکت کا ظہور ہے جو آنحضرتؐ کو ناپسند تھی۔ اس لئے یہ نشست اختیار نہ فرماتے بلکہ عاجزانہ اور خاکسارانہ نشست سے بیٹھ کر [illegible] نعمت تناول فرماتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔

باب النھی عن الشرب فی آنیۃ الذھب والفضۃ

باب اس بیان میں کہ سونے چاندی کے برتن میں پینا منع ہے!

ابو حنیفۃ عن حماد عن حذیفۃ قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشرب فی آنیۃ الذھب والفضۃ وان ناکل فیھا وان نلبس الحریر والدیباج ھی للمشرکین فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع فرمایا کہ سونے چاندی کے برتن میں [illegible] پئیں اور [illegible] ریشم اور [illegible] پہنیں اور فرمایا [illegible] مشرکین کے [illegible] تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔

ف: [illegible]

[illegible]

دنیا میں ان سے خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور آخرت میں اس کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں۔

۳۱۷/۲ **ابو حنیفة** عن مسلم عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال نزلنا مع حذیفة علی دهقان بالمدائن فاتی بطعام فطعمنا ثم دعا حذیفة بشراب فاتی بشراب فی اناء فضة فضرب به وجهه فساءنا ما صنع فقال اتدرون لما صنعت به هذا فقلنا لا فقال انی نزلت علیه فی العام الماضی فدعوت بشراب فاتانی بشراب فیه فاخبرته ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهانا ان ناکل فی آنیة الذهب و الفضة وان نشرب فیها وان نلبس الحریر والدیباج فانها للمشرکین فی الدنیا وهی لنا فی الاٰخرة ؁

حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ کے ساتھ مدائن میں کسی دہقان کے ہاں اترے وہ کھانا لایا ہم نے کھایا پھر حضرت حذیفہ نے پانی مانگا۔ تو پانی چاندی کے برتن میں لے آیا۔ حضرت حذیفہ نے پانی کا برتن اس کے منہ پر مار دیا۔ ہم کو ان کا یہ فعل بہت ناگوار ہوا۔ تو اس پر انہوں نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اس دہقان کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ ہم نے کہا نہیں۔ کہنے لگے گذشتہ سال میں اس کے پاس اترا۔ اور میں نے پانی مانگا۔ تو اس نے مجھے چاندی کے برتن میں پانی لا کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو چاندی سونے کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس سے کہ ہم ریشم اور دیباج پہنیں کیونکہ یہ (چیزیں) مشرکین کے لئے دنیا میں ہیں۔ اور ہمارے لئے آخرت میں ؁

ف:۔ یعنی حضرت حذیفہ کی سخت برہمی و ناراضگی کا سبب ٹھہرا کہ اس دہقان آپ نے ایک مرتبہ اس ناجائز فعل کے ارتکاب سے روکا۔ اور آنحضرت کی حدیث بھی سنائی۔ مگر وہ پھر بھی اس عمل سے باز نہ آیا۔ اور سو نے چاندی کے برتن استعمال میں لاتا رہا۔ لہٰذا دوسری بار آپ غصہ کے مارے بے اختیار ہو گئے اور پانی کے برتن کو اس کے منہ پہ دے مارا۔ گویا یہ مہمان نواز کے ساتھ بدسلوکی نہیں۔ بلکہ خلاف شریعت عمل پر اس کو سخت سرزنش ہے کہ آئندہ وہ اس سے باز رہے۔ حضرت حذیفہ کی طرف سے یہ اتباع سنت رسول کا یہی بین اور کھلا ثبوت ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہ سکے کہ کسی شخص کو سنت رسول معلوم ہونے پر پھر وہ اس کے خلاف چلے ؁

۳۱۸/۲ **حماد** عن ابیه عن ابی فروة عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال استسقی حذیفة بن الیمان من دهقان فاتی بشراب فی اناء فضة فاخذ الاناء فضرب به وجهه وقال ان رسول الله صلی

حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلے سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے ایک دہقان سے پانی مانگا۔ تو وہ پانی چاندی کے برتن میں لے آیا۔ آپ نے وہ برتن لے کر اس کے منہ پر دے مارا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا

اللہ علیہ وسلم نہی ان نشرب فی انیۃ الفضۃ ۔

ہے کہ ہم چاندی کے برتن میں پئیں ۔

ف:۔ یہ حدیث پچھلے قصہ کی طرف مشیر ہے ۔

ابو حنیفۃ عن الحکم عن ابن ابی لیلٰی قال کنا مع حذیفۃ بالمدائن فاستسقی دھقاناً فاتاہ بہ فی جام فضۃ فرمی بہ ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن انیۃ الذھب والفضۃ وقال ھی لھم فی الدنیا ولکم فی الاٰخرۃ ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی کہتے ہیں۔ کہ ہم حضرت حذیفہ کے ساتھ مدائن میں رفیق سفر تھے کہ انہوں نے ایک دہقان سے پانی مانگا۔ وہ چاندی کے جام میں پانی لے آیا۔ انہوں نے اس کو پھینک دیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتن (اس میں کھانے پینے) سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ وہ ان کے لئے (مشرکین کے لئے) دنیا میں ہے۔ اور تمہارے لئے آخرت میں ۔

ف:۔ اس میں بھی پیشتر حدیث کے مضمون کا اعادہ ہے ۔

ابو حنیفۃ عن نافع عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الدباء والحنتم ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا دباء اور حنتم سے ۔

ف:۔ یعنے ان میں نبیذ بنانے سے۔ چونکہ یہ برتن شراب کے تھے۔ اوائل اسلام میں ان برتنوں کی بھی ممانعت احتیاطاً آپ نے کر دی۔ اس کے بعد یہ ممانعت منسوخ ہوئی۔ اب ہر برتن میں میوہ بھلونا درست ہے۔ دبا کدو کو کہتے ہیں مراد تونبا۔ حنتم سبز ٹھلیا ۔

ابو حنیفۃ عن علقمۃ عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نھیناکم عن زیارۃ القبور فقد اذن لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی زیارۃ قبر امہ فزوروھا ولا تقولوا ھجراً وعن لحوم الاضاحی ان تمسکوا فوق ثلثۃ ایام وانما نھیناکم لیوسع موسرکم علی فقیرکم ۔

والاٰن قد وسع اللہ علیکم فکلوا وتزودوا ۔

وعن الشرب فی الحنتم والمزفت وفی روایۃ عن النقیر

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم نے تم کو قبروں کی زیارت سے روکا تھا۔ لیکن اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی اجازت مل گئی [illegible] بعد قبروں کی زیارت کرو۔ ان پر جا کر [illegible] نازیبا بات منہ سے نہ نکالو۔ اور ہم نے [illegible] کو قربانی کے گوشت کو تین دن سے [illegible] رکھنے سے [illegible] [illegible] تمہارے فقیروں پر فراخی و خوشحالی ہو [illegible] اللہ تعالےٰ نے تم سب کو فراخی دے دی ہے [illegible] کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ اور منع کیا تھا ہم نے تم کو حنتم اور مزفت میں پینے سے۔ اور ایک روایت میں

والدباء فاشربوا فی کل ظرف شئتم فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرمه ولا تشربوا مسکرا ٭

یوں ہے کہ نقیر اور دباء میں پیے سے۔ تو اب پیو۔ جس برتن میں چاہو۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال۔ حرام نہیں کرتا۔ ہاں نشہ آور چیز نہ پیو ٭

وفی روایة قال انا نهیناکم عن ثلاث عن زیارة القبور فزوروها ونهیناکم ان تمسکوا لحوم الاضاحی فوق ثلاثة ایام فامسکوها وتزودوها فانما نهیناکم لیوسع غنیکم علی فقیرکم ونهیناکم ان تشربوا فی الدباء والمزفت فاشربوا فیما بدا لکم فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرمه ولا تشربوا مسکرا ٭

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ہم نے تم کو تین باتوں سے منع کیا تھا۔ زیارت قبور سے تو اب ان کی زیارت کرو۔ اور ہم نے منع کیا تھا تم کو قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تین دن سے زائد۔ لہٰذا اب اس کو رکھو اور اکٹھا کرو اور البتہ اس لئے منع کیا تھا تم کو کہ تمہارے مالدار تمہارے فقیروں کو فراخی سے کھانے کا موقع دیں۔ اور منع کیا تھا ہم نے تم کو کہ دباء اور مزفت میں پیو تو اب پیو جس میں چاہو۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتا ہے نہ حرام۔ البتہ نشہ آور چیز نہ پیو ٭

وفی روایة نحوه وفیه عن النبیذ فی الدباء والحنتم والمزفت فاشربوا فی کل ظرف ولا تشربوا مسکرا ٭

اور ایک اور روایت میں اسی طرح ہے۔ اور اس میں یوں ہے کہ منع کیا تھا ہم نے تم کو نبیذ بنانے سے دباء۔ حنتم اور مزفت میں۔ پس اب ہر برتن میں پیو۔ لیکن نشہ آور چیز نہ پیو ٭

ف: مزفت روغن بھرا ہوا برتن۔ نقیر۔ لکڑی کو تراش کر بنایا ہوا برتن ٭

ابو حنیفة عن علقمة وحماد حدثاه عن عبد الله بن بریدة عن ابیه عن النبی صلعم انه قال اشربوا فی کل ظرف فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرمه ۲۱۲

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیو ہر برتن میں۔ کیونکہ برتن نہ حلال کرتا ہے کسی چیز کو نہ حرام کرتا ہے ٭

ف: یہ حدیث بھی پہلی مضمون کا اعادہ کرتی ہے ٭

باب شرب النبیذ!

باب نبیذ کے پینے کے بیان میں!

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة قال رایت عبد الله ابن مسعود وهو یاکل طعاما ثم دعا بنبیذ فشرب فقلت رحمك الله تشرب النبیذ والامة تقتدی بك فقال ابن مسعود رایت رسول ۲۱۳

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود کو دیکھا کہ آپ نے کھانا کھایا اور پھر نبیذ منگا کر اس کو پیا۔ میں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نبیذ پیتے ہیں اور امت آپ کی اقتدا کرتی ہے۔ اس پر ابن مسعود نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

الله صلی الله علیه وسلم یشرب النبیذ ولولا انی رأیته یشرب ماشربته ؎

کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر میں آنجناب کو پیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں نہ پیتا ؎

ف:- یہ حدیث مسئلہ نبیذ کی طرف مشیر ہے۔ مختصر سی وضاحت چاہتا ہے۔ نبیذ کی حقیقت یہ ہے کہ خشک انگوروں یا کھجوروں کو پانی میں ڈال دیں اور دیر تک اس میں چھوڑے رکھیں کہ ان کی مٹھاس و شیرینی اس پانی میں خوب اثر کر جائے۔ اور اس سے ایک لذیذ خوش ذائقہ شربت تیار ہو جائے۔ یہ جس قدر خوش ذائقہ ہوتا ہے اسی قدر صحت کو بھی مفید ہوتا ہے۔ نقیع بھی اسی قسم کے ایک شربت کا نام ہے۔ مگر اس میں انگور یا کھجوریں پانی میں کم دیر کے لئے چھوڑی جاتی ہیں۔ یہ نبیذ آنحضرتؐ نے استعمال فرمائی ہے۔ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں مثلاً احادیث ذیل ہیں۔ یا شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ سے بدیں مضمون روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس پیالہ سے آنحضرتؐ کو تمام پینے کی اشیاء پلائی ہیں۔ مثلاً پانی۔ نبیذ۔ شہد۔ دودھ۔ مسلم میں حضرت عائشہؓ سے بدیں مضمون روایت ہے کہ آپ کہتی ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کے لئے نبیذ تیار کرتے۔ ایک مشک لیتیں جو اوپر کی جانب سے بند کی جاتی اور اس کے نیچے بھی ایک دہانہ ہوتا تھا۔ صبح کو اس میں کھجور وغیرہ ڈال کر نبیذ تیار کرتے جس کو آپ نوش جان فرماتے رات کو یا رات کو تو اس کو نوش جان فرماتے صبح کے وقت چنانچہ تمام علماء کے نزدیک یہ نبیذ جائز ہے اور حلال۔ البتہ اس کو اگر خفیف سا جوش دے لیں کہ یہ نشہ کی حد تک نہ پہنچے تو اس کے استعمال میں ائمہ مختلف القول ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں مگر اس شرط سے کہ وہ ہاضمہ کی درستی کے لئے استعمال کی جائے نہ لہو ولعب کے لئے۔ امام محمدؒ احناف میں سے اور امام شافعیؒ و مالکؒ اس کو ناجائز مانتے ہیں۔ مگر احناف کے نزدیک بھی فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے اور فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے۔ نبیذ جس طرح انگور و کھجور سے تیار ہوتی ہے اسی طرح اور اشیاء خوردنی سے بھی بنتی ہے۔ مثلاً گیہوں۔ جو۔ انجیر۔ شہد وغیرہ ؎

ابو حنیفة ومسعر عن عطاء عن جابر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نبیذ الزبیب والتمر والبسر والتمر ؎

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور اور کھجور کی ملا کر ساتھ تیار کی ہوئی نبیذ سے اور گدر اور پکی کھجور کی (ایک جا بنائی ہوئی) نبیذ سے ؎

ف:- صحاح ستہ میں یہ حدیث اسی مضمون سے متعدد طرق سے وارد ہے۔ صحیحین میں ابی قتادہ بن ربعی سے یوں روایت ہے کہ گدر اور پکی کھجور ساتھ۔ اور انگور اور کھجور ساتھ ساتھ نبیذ تیار نہ کرو البتہ تیار کرو ان سے علیحدہ علیحدہ۔ گو ان سے علیحدہ علیحدہ نبیذ بنانا تو جائز ہے۔ مگر یکجا بنانی جائز نہیں۔ یہ حکم احتیاطی اس نظر خیال سے دیا گیا ہے کہ یکجائی صورت میں امکان ہے کہ ایک چیز جلد تغیر حاصل کر کے سکر کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لے اور دوسری چیز میں سرایت کر جائے۔ مگر معلوم اس کو نہ ہو اور لاعلمی میں حرام چیز کا استعمال عمل میں آ جائے۔ اس لئے یہ صورت ناجائز قرار دی گئی۔ مگر واضح رہے کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس مخلوط نبیذ میں اگر نشہ پیدا نہ ہوا ہو

ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اور امام شافعی مالک واحمد کے نزدیک خواہ نشہ پیدا ہو یا نہ ہو ظاہری الفاظ حدیث کے رو سے حرام ہے۔ امام محمد احناف میں سے ہر سہ ائمہ کے ساتھ ہیں یعنی اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ حرمت کے قائلین کی دلیل حدیث ذیل ہے یا اسی مضمون کی دیگر احادیث۔ احناف کے نزدیک یہاں بھی فتوے امام محمد کے قول پر ہے۔ امام ابو حنیفہ رح ممانعت کی احادیث کو ابتدائے اسلام پر محمول کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں پر تنگ دستی اور محتاجگی کا دور دورہ تھا کہ اس وقت امیروں پر دو چیزوں کا بیک وقت استعمال بند ہوا کہ ان کے غریب ساتھی دوسری چیز کا استعمال کر سکیں یہ نہیں کہ وہ تو دو دو چیزیں اڑائیں اور دوسرے ایک سے بھی محروم ہوں۔ الیاعمل ابتدائے اسلام میں کئی چیزوں کے بارہ میں ہوا ہے اور حلت کے لئے وہ اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں جو امام محمد کتاب الآثار میں لائے ہیں مدین مضمون کہ ابن زیاد کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کے پاس گیا۔ تو آپ نے مجھ کو شربت پلایا جس کے اثر سے میں اپنے گھر والوں تک نہ پہنچ سکا کہتے ہیں کہ دوسرے روز جب میں صبح ان سے ملا تو میں نے اس کا ذکر کیا۔ ابن عمر رض نے فرمایا کہ ہم نے تو تم کو صرف کھجور اور انگور کی نبیذ پلائی تھی۔ لہذا اگر یہ مخلوط حرام ہوتی تو ابن عمر جو اتباع سنت رسول میں شہرہ آفاق تھے کس طرح حرام چیز پیتے یا دوسرے کو پلاتے۔ شیخ الاسلام کی مبسوط میں ابراہیم نخعی سے بھی اسی قسم کی روایت ہے ؂

٤٢٥/٣ ابو حنیفۃ عن علقمۃ بن مرثد وحماد بن ابی سلیمان عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تشربوا مسکرا

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مت پیو نشہ آور چیز ؂

ف: کتب صحاح وسنن ایسی احادیث سے پر ہیں جو نشہ آور چیز کی حرمت کو ثابت کرتی ہیں ؂

٤٢٦/٤ ابو حنیفۃ عن ابی عون محمد الثقفی عن عبد اللہ ابن شداد عن ابن عباس انہ قال حرمت الخمر قلیلھا وکثیرھا والسکر من کل شراب ؂

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا شراب حرام کی گئی تھوڑی ہو یا بہت۔ اور نشہ ہر شراب میں سے ؂

ف: یہ حدیث امام مالک، شافعی، احمد اور امام ابو حنیفہ رح کے مابین ایک زبردست اختلافی مسئلہ کی طرف مشیر ہے۔ صورت اختلاف کی یہ ہے کہ ہر سہ ائمہ کے نزدیک ہر نشہ آور چیز کو خمر (شراب) کہتے ہیں اور وہ تھوڑی اور بہت حرام ہے اور اس کا پینے والا خواہ کسی مقدار میں پیئے سزاوار حد ہے وہ کہتے ہیں۔ خمر در اصل مخامرت سے مشتق ہے گویا عقل کو چھپانے والی۔ اب جو شراب بھی بسبب نشہ کے عقل کو چھپائے وہ خمر کے حکم میں ہے اور تھوڑی ہو یا بہت حرام ہے۔ روایت کی رو سے یہ مسلم کی اس حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کل مسکر خمر کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ یا اس حدیث سے کہ آپ نے فرمایا الخمر من ھاتین الشجرتین الکرمۃ والنخلۃ کہ خمران دو درختوں سے ہے انگور کی بیل اور کھجور انگور کے ساتھ کھجور کو بھی شامل کیا۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ خمر تخمر سے ہے یعنی تشدد اور قوت جو

کسی چیز کو حاصل نہیں اسی لئے اس کو ام الخبائث کہتے ہیں اور باعتبار لغت اور برو ئے عام استعمال اہل عرب خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں۔ جبکہ وہ نشہ آور ہو جائے۔ اس معنی میں اس کی حرمت قطعی ہے۔ قرآن پاک سے بھی اس کی حرمت بآیت یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب الآیۃ ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی۔ باقی دوسری چیزوں کی شرابوں کی حرمت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے اور اجتہادی۔ مثلاً گیہوں جو۔ جوار۔ کی شراب۔ اور ان میں خمر کے علاوہ دوسرے الفاظ مستعمل ہیں مثلاً نبیذ۔ نقیع۔ سکر۔ وغیرہ۔ چنانچہ ان کا وہ حکم نہیں جو انگور کی شراب کا ہے کہ وہ تھوڑی بھی حرام ہے اور زائد بھی۔ تھوڑی پینے پر بھی حد ہے اور زائد پر بھی۔ بلکہ یہ دیگر شرابیں اگر قلیل مقدار میں استعمال کی جائیں کہ نشہ پیدا نہ ہو تو حرام نہیں۔ ہاں اگر نشہ لانے کی مقدار میں پی جائیں تو یہ حرام ہیں اور ان کے پینے والے پر حد جاری ہوگی۔ اسی طرح یہ فرق بھی ہے کہ انگور کی شراب کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور دیگر شرابوں کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر نہیں۔ کیونکہ ان کا ثبوت ظنی ہے قطعی نہیں۔ امام صاحب کے مذہب پر دلیل ابن عباس کی حدیث ذیل سے دی جاتی ہے۔ جو صاف گویا ہے کہ خمر (انگوری شراب) تھوڑی اور بہت ہر مقدار میں قطعی حرام ہے اور اور شراب نشہ کی حد پر حرام ہے اس سے کم مقدار میں نہیں۔ گویا دیگر شرابوں میں حرمت و حلت کے لئے نشہ کو حد فاصل یا خط امتیازی قرار دیا ہے اور انگور کی شراب میں ایسا نہیں۔ وہاں ایک قطرہ بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ پوری بوتل یا اس سے بھی زائد۔ ائمہ ثلاثہ کی حجت لائی ہوئی حدیث کل مسکر خمر کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے اس پر طعن کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ تین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ایک لا نکاح الا بولی وشاہدی عدل دوسری من مس ذکرہ فلیتوضا تیسری کل مسکر خمر۔ اور یحییٰ بن معین کی وہ شخصیت ہے کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانیں وہ حدیث حدیث نہیں۔ دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت خمر کی حقیقت واضح نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اس کے حکم کا بیان ہے اور رسول کا یہ کام بھی نہیں کہ وہ الفاظ کی لغوی یا عرفی تحقیق کرتا پھرے۔ اور یہاں بحث لفظی تحقیق میں ہے۔ اب مخالفین حدیث ذیل کے والسکر کی صحت کو نہایت شدومد سے باطل کرتے ہیں۔ جس پر پورے مذہب کی بنیاد ہے۔ کہتے ہیں کہ والمسکر صحیح ہے۔ حالانکہ متعدد طرق سے والسکر کا ہی لفظ منقول ہے۔ طبرانی یوں لاتے ہیں حرم اللہ الخمر والسکر من کل شراب کہ اللہ نے عین خمر کو حرام فرمایا اور ہر شراب سے نشہ کو۔ اور بزار اور دار قطنی بھی یوں ہی لائے ہیں۔ مرفوع بھی لائے ہیں اور موقوف بھی۔ نسائی بھی ثقہ راویوں سے اس حدیث کو اسی لفظ سے لاتے ہیں لہٰذا یہ لفظ اپنی جگہ صحیح ہے۔ پھر مخالفین کہتے ہیں کہ حدیث کے وصل وانقطاع اور رفع ووقف میں اختلاف ہے۔ جو اس حدیث کے ضعف کی دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اختلاف حدیث کی صحت میں حارج نہیں کیونکہ مثلاً رفع زیادتی ہے اور راوی کے ثقہ ہونے پر اس کی زیادتی مقبول ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ جس مسئلہ میں اجتہاد کو دخل نہ ہو اس کا وقف رفع ہی کے حکم میں ہے۔ ہاں مثلاً انقطاع حدیث کی صحت میں فرق نہیں لاتا۔ جب کہ راوی ثقہ ہو۔ بلکہ ایسی حدیث حکم میں مرسل کے ہی ہوتی ہے۔ ھذا اما ظہر

Marfat.com

لی الآن واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ؂

باب حرمۃ اکل ثمن الخمر ! ۲۰۹

ابو حنیفۃ عن محمد ابن قیس الھمدانی عن ابی عامر الثقفی انہ کان یھدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کل عام راویۃ من خمر وفی روایۃ ان رجلا من ثقیف یکنی ابا عامر کان یھدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کل عام راویۃ من خمر فاھدی فی العام الذی حرمت فیہ الخمر راویۃ کما کان یھدی لہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا عامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم الخمر فلا حاجۃ لنا فی خمرک قال خذھا فبعھا فاستعن بثمنھا علی حاجتک فقال یا ابا عامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم شربھا وبیعھا واکل ثمنھا ؂ ۲۲۷/۱

باب اس بیان میں کہ خمر کی قیمت کا کھانا حرام ہے !

محمد بن قیس الہمدانی سے روایت ہے کہ ابی عامر الثقفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال شراب انگوری کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ثقیف کا ایک شخص جس کی کنیت ابو عامر تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال شراب انگوری کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا۔ لہٰذا جس سال کہ شراب حرام ہوئی اس نے حسب معمول شراب کی مشک ہدیہ بھیجی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابی عامر چونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے اس لئے اب ہم تیری شراب کے حاجتمند نہیں۔ وہ بولا۔ کوئی پرواہ نہیں اس کو آپ لے لیجئے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت اپنی ضروریات میں صرف کیجئے۔ آپ نے فرمایا اے ابی عامر البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پینا بیچنا اور اس کی قیمت کا کھانا سب حرام کیا ہے ؂

ف :۔ راویہ مشک کو کہتے ہیں اور پانی لانے والے اونٹ کو بھی۔ یہاں ہر دو مراد ہو سکتے ہیں ؂

کتاب اللباس والزینۃ

کتاب لباس اور زینت کے بیان میں !

باب ذکر قلنسوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۱۰

ابو حنیفۃ عن عطاء عن ابی ھریرۃ قال کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنسوۃ ۲۲۸/۱

باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی کے ذکر میں !

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی شامی تھی۔ اور ایک۔۔۔

شامية وفي رواية عن عطاء عن ابي هريرة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنسوة بيضاء شامية ۔

روایت ہیں حضرت ابی ہریرہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی سفید شامی تھی ۔

ف: بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ آپ کی ٹوپی سفید لاطینی تھی۔ بعض میں اس طرح ہے کہ آپ بغیر عمامہ کے بھی ٹوپیاں پہنتے۔ اور عمامہ کے ساتھ بھی۔ اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھتے۔ اور لڑائی میں آپ کانوں والی ٹوپی پہنا کرتے ۔

باب ۲۱۱ السدل !

باب سدل کے بیان میں !

ابوحنيفة عن علي بن الاقمر عن ابي جحيفة ان النبي صلى الله عليه وسلم مرّ برجل سادل ثوبه فعطفه عليه وفي رواية عن علي بن الاقمر عن النبي صلى الله عليه وسلم منقطعاً ۔ ۴۲۹

حضرت ابی جحیفہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گذرے ایک شخص کے پاس سے جو کپڑا لٹکائے ہوئے تھا۔ تو آپ نے اس کپڑے کو اس کے شانے پر الٹ دیا۔ اور ایک روایت ہے کہ ابن اقمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع۔

ف: یعنی کپڑے کو بغیر لپیٹے ہوئے لٹکائے رکھنا اور چھوڑ دینے لٹکتا منع ہے اسی لئے آنجناب نے اس کو اس کے شانے پر ڈال کر اس کو لپیٹ دیا ۔

باب ۲۱۲ النهي عن لبس الحرير والديباج !

باب اس بیان میں کہ ریشم اور دیباج کا پہننا منع ہے !

ابوحنيفة عن الحكم عن ابن ابي ليلى عن حذيفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس الحرير والديباج وقال انما يفعل ذلك من لا خلاق له ۔ ۴۳۰

حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ریشم اور دیباج کے پہننے سے اور فرمایا کہ یہ وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔

ف: یہ حرمت مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض سے بدیں مضمون حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم کا پارچہ تھا اور دوسرے میں سونا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور ان کی عورتوں کے لئے حلال۔ البتہ تین چار انگل کی مقدار میں ریشم مردوں کے لئے بھی جائز ہے جیسا کہ دوسری روایتوں میں آنحضرت سے اس مقدار کی رخصت ثابت ہے ۔

باب ۲۱۳ بيان التماثيل !

باب تصاویر کے بیان میں !

ابوحنيفة عن ابي اسحق عن عاصم ۴۳۱

عاصم سے روایت ہے کہ علی کرم اللہ

Marfat.com

بن حمزة عن علی کرم الله وجهه انه کان علق فی بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم سترا فیه تماثیل فابطأ جبرئیل ثم اتاه فقال له ما ابطأك عنی قال انا لا ندخل بیتا فیه کلب ولا تماثیل فابسط الستر ولا تعلقه واقطع رءوس التماثیل واخرج هذا الجرو ؛

وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر ایک پردہ لٹکا دیا جس پر تصاویر تھیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے میں تاخیر کی اور پھر آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا کہ تم نے میرے پاس آنے میں دیر کیوں کی انہوں نے کہا کہ ہم فرشتے نہیں جاتے اس گھر میں جس میں کتا ہو یا تصویریں ہوں۔ لہذا آپ پردہ کھول کر بچھا لیں اور اس کو نہ لٹکائیں اور تصویروں کے سروں کو کاٹ ڈالیں اور اس کتے کے پلے کو بھی نکال باہر کریں ؛

ف: یہ حدیث اور کتب صحاح میں بھی بدیں مضمون وارد ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رحمت کے فرشتے ایسے گھروں میں نہیں گھستے جس میں تصویر ہو یا کتا۔ البتہ اس حکم سے محافظ فرشتے اور کراماً کاتبین مستثنی ہیں۔ کہ وہ ہر دم و ہر گھڑی انسان کے ساتھ ہیں۔ خواہ انسان گھر میں ہو یا باہر ؛

۲۱۴ بَابُ الْخِضَابِ بِالْحِنَّاءِ!

باب مہندی سے بالوں کو خضاب کرنے کے بیان میں!

۲۲۲/۱ ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اخضبوا شعرکم بالحناء وخالفوا اهل الکتاب ؛

حضرت ابن عمر رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کرو اپنے بالوں کو مہندی سے اور مخالفت کرو اہل کتاب کی ؛

ف: اہل کتاب خضاب نہیں لگایا کرتے تھے۔ لہذا ان کی مخالفت میں خضاب کا حکم ہوا کیونکہ ان کی مخالفت مستحب ہے۔ پھر مہندی کی دوسری احادیث میں بہت تعریف آئی ہے۔ لیکن یوں آیا ہے کہ وہ خوشبو دار چیز ہے اور نیز اس طرح کہ وہ تمہارے جمال و خوبصورتی کو بڑھاتی ہے غرض خضاب لگانا یقیناً جائز ہے جس سے بال سرخ ہو جائیں یا سرخ مائل بہ سیاہی ہوں۔ البتہ بالکل سیاہ کرنا جائز نہیں ؛

۲۱۵ بَابُ الْخِضَابِ بِالْكَتَمِ!

باب کتم کے ساتھ خضاب کرنے کے بیان میں!

۲۲۳/۱ ابو حنیفة عن یحیی بن عبد الله الکندی عن ابی الاسود عن ابی ذر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان احسن ما غیرتم به الشیب الحناء والکتم وفی روایة قال احسن

حضرت ابی ذر رض سے روایت ہے۔ کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین چیز جس سے تم بدلا اپنے بڑھاپے کو مہندی ہے اور نیل۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بالوں

ماغيرتم به الشعر الحناء والكتم وفي رواية من احسن ماغيرتم به الشيب الحناء والكتم ۔

کو بدلو مہندی ہے اور نیل ہے ۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بڑھاپے کو بدلو مہندی ہے اور نیل ۔

ف :- اس میں مہندی و نیل کے خضاب کی تعریف و توصیف ہے ۔

باب الاخذ بنواحي اللحية !

باب داڑھی کے اطراف و جوانب کے کٹوانے اور چھوڑنے کے بیان میں !

ابوحنيفة عن الهيثم عن رجل ان اباقحافة اتى النبي صلى الله عليه وسلم ولحيته قد انتشرت قال فقال لو اخذتم واشار الى نواحي لحيته ۔

ایک شخص سے روایت ہے کہ ابی قحافہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور ان کی داڑھی دبالوں کی کثرت و درازی کے سبب بکھری پڑی تھی تو آپ نے ان کی داڑھی کے اطراف کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کاش تم اس کو کترتے اور چھانٹتے ۔

ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کو عرض و طول سے کتروا لیتے ۔

ف :- یہ حضرت ابوبکر صدیق کے والد تھے اور فتح مکہ کے دن آنحضرت کے سامنے آئے تھے ۔

ابوحنيفة عن الهيثم عن ابي ثور عن ابن عباس انه قال لا بأس ان تصل المرأة شعرها بالصوف انما نهى بالشعر وفي رواية لا بأس بالوصل اذا لم يكن شعر بالرأس ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ کوئی پروا نہیں اگر عورت اپنے بالوں سے صوف ملائے البتہ ممانعت بالوں میں بال ملانے کی ہے ۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اگر سر پر بال نہ ہوں تو وصل جائز ہے ۔

ف :- یعنی عورت کے لیے وصل کی صورت جو ممنوع ہے وہ بالوں کے ساتھ بالوں کو ملانے کی شکل ہے وہ بھی یوں کہ جزو آدمی سے انتفاع حرام ہے ۔

كتاب الطب وفضل المرض والرقى والدعوات

کتاب طب۔ مرض کی فضیلت منتر۔ اور دعاؤں کے بیان میں!

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الله ليكتب للانسان الدرجة العليا في الجنة ولا يكون له من العمل ما يبلغها فلا يزال يبتليه الله حتى يبلغها۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ لکھ دیتا ہے ایک بندہ کے لئے بلند درجہ جنت میں۔ مگر اس کا عمل ایسا نہیں ہوتا۔ کہ اس کو اس درجہ تک پہنچا دے۔ تو اس لئے اللہ تعالےٰ اس کو ہمیشہ بیماری میں مبتلا رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

ف:۔ ابو داؤد و امام احمد محمد بن خالد السلمی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ کے لئے جنت میں درجہ کوئی پہلے سے لکھ چھوڑتا ہے۔ جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کی جان اس کے مال اور اس کی اولاد کی طرف سے اس کی آزمائش کرتا ہے۔ پھر اس کو اس آزمائش میں صبر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ اس لکھے ہوئے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ترمذی حضرت ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ مومن مرد و عورت اپنی جان۔ مال۔ اور اولاد کی طرف سے مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالےٰ سے ایسی حالت میں ملتے ہیں کہ ان پر ایک گناہ نہیں ہوتا۔

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مرض العبد وهو على طائفة من الخير قال الله تبارك وتعالى للملائكة اكتبوا لعبدي مثل اجر ما كان يعمل وهو صحيح۔

زاد في رواية مع اجر البلاء۔

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی ایسا بندہ بیمار پڑتا ہے۔ جو تندرستی میں بھلے کام کیا کرتا تھا تو اللہ تعالےٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ لکھو میرے بندہ کے لئے اجر ان اعمال کا جو وہ کیا کرتا تھا صحت میں۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اجر بیماری کا بھی۔ (یعنی اس پر صبر شکر کرنے کا)

Marfat.com

وَفِي رِوَايَةٍ اكْتُبُوا لِعَبْدِي مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيحٌ ؞

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ لکھو میرے بندہ کے لئے وہ ہی عمل جو صحت و تندرستی میں کیا کرتا تھا ؞

وَفِي رِوَايَةٍ اذا مرض العبد وعلى عمل من الطاعة فإن الله تبارك وتعالى يقول لحفظته اكتبوا لعبدي أجر ما كان يعمل وهو صحيح ؞

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بیمار پڑتا ہے بندہ اور طاعت پر کاربند ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کرام کاتبین سے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ لکھو میرے بندہ کے لئے اجر اس عمل کا جو وہ کیا کرتا تھا۔ جبکہ وہ صحیح سالم تھا ؞

ف:۔ امام احمد و بخاری حضرت ابی موسیٰ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کوئی بندہ بیمار پڑتا ہے۔ یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی عمل کا اجر لکھ دیتا ہے جو وہ صحت میں یا وطن کے قیام میں کیا کرتا تھا۔ طبرانی اوسط میں حضرت انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ جب بندہ تین دن بیمار پڑا رہتا ہے۔ تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو اس کی ماں نے جنا ہے۔ لہٰذا ان احادیث سے پتہ چلا کہ مسلمان کی بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور سبب بخشش یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بندہ نوازی و بندہ پروری کی بہت ہی اونچی اور بلند مثال ہے ؞

۴۳۸/۲ **ابو حنیفة** ومقاتل بن سليمان عن ابي الزبير عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لكل داء جعل الله تعالىٰ دواء فاذا اصاب الداء دواؤه برئ باذن الله

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہے۔ لہٰذا جب بیماری کو اس کی مناسب دوا مل جاتی ہے تو بحکم خدا انسان اچھا ہو جاتا ہے ؞

ف:۔ امام احمد اور مسلم بھی حضرت جابر سے بعینہٖ یہ حدیث لائے ہیں ؞

۴۳۵/۲ **حماد** عن ابيه عن قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الله لم يضع داء الا وضع له دواء الا السام والهرم فعليكم بألبان البقر فانها تخلط من كل شجرة

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ اس کے لئے کوئی دوا نہ رکھی ہو بجز موت اور بڑھاپا کہ ان کی کوئی دوا نہیں گائے کا دودھ ضرور پیا کرو کیونکہ اس میں سب نباتی اجزا موجود ہیں ؞

ف:۔ بخاری نے حضرت ابی ہریرہ سے یوں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انزل الله داء الا انزل له شفاء کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی کہ اس کی شفا نہ رکھی ہو۔ حاکم ابی سعید سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کی شفا نہ رکھی ہو۔ جس کو چاہا اس کا علم دیا۔ اور جس کو چاہا اس سے جاہل رکھا۔ یہ اللہ تعالےٰ کے بے پایاں اور بے پناہ الطاف کا کھلا ثبوت ہے کہ اس نے کوئی بیماری بندوں کو ایسی نہ دی جس کے شفا کے سامان اور اس کی مناسب دوا نہ رکھی ہو

پیدا نہ کردی ہو۔ اب جس کو چاہا اس کے علم اور اس کی معرفت سے نوازا اور جس کو چاہا اس سے بے بہرہ و ناواقف رکھا۔ یہ اس کی مصلحت عامہ ہے جو سارے عالم میں کارفرما ہے۔

۳۴۲

ابو حنیفة عن قیس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لم ينزل الله داء الا وانزل معه الدواء الا الهرم فعليكم بالبان البقر فانها ترم من الشجر۔

وفی روایة ان الله تعالىٰ لم يجعل فی الارض داء الا جعل له دواء الا الهرم والسام فعليكم بالبان البقر فانها تخلط من كل الشجر۔

وفی روایة ما انزل الله من داء الا انزل معه دواء الا السام و الهرم فعليكم بالبان البقر فانها تخلط من كل الشجر۔

وفی روایة ان الله تعالىٰ لم يضع فی الارض داء الا وضع له شفاء او دواء فعليكم بالبان البقر فانها تخلط من كل الشجر عليكم بالبان البقر فانها ترم من كل شجرة وفيها شفاء من كل داء۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری مگر کہ اتاری اس کے لئے دوا۔ سوائے بڑھاپے کے (کہ اس کی کوئی دوا نہیں) تو تم گائے کا دودھ پیا کرو۔ کیونکہ وہ ہر درخت کو چرتی ہے۔ (یعنی اس کے دودھ میں سب اجزاء نباتی شامل ہیں۔ جو انسان کے بدن کے لئے صالح غذا بناتے ہیں) اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کی زمین میں کوئی بیماری مگر کہ پیدا کی اس کی دوا مگر پیری اور موت تو تم اپنے لئے گائے کا دودھ لازم کرو کیونکہ اس کا دودھ مخلوط ہوتا ہے تمام نباتات سے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی جس کی کوئی دوا نہ اتاری ہو مگر موت اور بڑھاپا۔ لہٰذا تم گائے کا دودھ پینے کے پابند ہو جاؤ۔ اس لئے کہ وہ اپنے اندر تمام نباتات کے اجزاء رکھتا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی زمین میں کوئی بیماری ایسی جس کی ساتھ ساتھ شفا یا دوا بھی نہ رکھ دی ہو۔ لہٰذا التزام کرو گائے کے دودھ پینے کا۔ کیونکہ وہ شامل ہے تمام درختوں کے اجزاء کو اور مکرر ارشاد فرمایا لازم پکڑلو گائے کے دودھ کو کیونکہ وہ چرتی ہے ہر درخت کو اور اس میں شفاء ہے ہر بیماری کی۔

ف:۔ مختلف کتب صحاح میں گائے کے دودھ کی تعریف و توصیف میں یہی الفاظ مروی ہیں۔ ابن سنی اور حاکم ابو نعیم نے بدیں معنی روایت لائے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لازم کرلو گائے کا دودھ پینا۔ کیونکہ دودھ دوا ہے اور اس کا گھی شفا ہے۔ اور بچو اس کے گوشت سے۔ کیونکہ اس کا گوشت بیماری ہے۔ غرض گائے کا دودھ جسمانی منافع سے مالا مال ہے۔ اور انسانی صحت و تندرستی کے لئے نہایت

موزوں و مناسب غذا ہے

ابو حنیفة عن عبد الله عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جَعَلَ الشفاء فى الحبّة السوداء والحجامة والعسل وماء السماء ٭

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے اللہ نے شفا کلونجی ہیں ۔ پچھنوں میں شہد ہیں ۔ اور آسمان کے پانی ہیں ٭

ف: کلونجی کے بارہ میں حضرت عائشہ رض سے یوں مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ان ھذہ الحبة السوداء شفاء من کل داء ۔ کہ یہ سیاہ دانہ (کلونجی) ہر بیماری کے لئے شفا ہے ۔ پچھنوں کی تعریف کتب صحاح میں بہت آئی ہے ۔ اور شہد تو کچھ شہد ہی ہے کہ خود رب العزت نے فرمایا فیه شفاء للناس کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے ۔ اور آسمان کا پانی کیا کہنے پاک صاف زمین کی آلائشوں اور گندگیوں سے مبرا ۔ منزہ مجسم آبحیات ٭

ابو حنیفة عن عبد الملك عن عمرو الحرثى عن سعيد بن زيد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان من المنّ الكماة وماؤها شفاءٌ للعين ٭

حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھنبی (سانپ کی چھتری) من سے ہے ۔ اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے ٭

ف: یہ حدیث بالفاظہ صحیحین اور ترمذی میں بھی مروی ہے اور امام احمد بھی اپنی مسند میں لائے ہیں من سے اس کو بدیں وجہ تشبیہ دی کہ جس طرح بنی اسرائیل کو بغیر کسی محنت و مشقت کے وہ جد سے دستیاب ہوتی تھی اسی طرح یہ بھی مفت ملتی ہے ۔ خودرو چیز ہے ۔ جو بکثرت پیدا ہوتی ہے ۔ بارش کے موسم میں بے شمار دستیاب ہوتی ہے ۔ بوسیدہ لکڑی اور کوڑے کرکٹ پر اکثر اگ آتی ہے ۔ آنکھ کے لئے یہ مفید ہے تنہا بھی اور سرمے یا توتیا کے ساتھ ملا کر بھی ۔ لکھا ہے کہ علامہ نووی نے اس کے نفع کا تجربہ کیا ہے اور اس کو مفید پایا ہے ٭

ابو حنیفة عن الهيثم عن ابى صالح عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من قال حين يصبح اعوذ بكلمات الله التامة ثلاث مرات لم يضره عقرب حتى يمسى ومن قال حين يمسى لم يضره عقرب حتى يصبح ٭

وفى رواية من قال اعوذ بكلمات الله التامات حين يصبح قبل طلوع الشمس ثلث مرات لم يضره عقرب

حضرت ابی ہریرہ رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کلمات ادا کئے اعوذ بکلمات اللہ التامۃ (کہ میں پناہ لیتا ہوں اللہ کے پورے کلمات سے) اس کو شام تک بچھو نہ ڈسے گا ۔ اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات ادا کئے اس کو صبح تک بچھو کاٹنے سے محفوظ رہے گا

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس نے اعوذ بکلمات اللہ التامات کے کلمات صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے تین بار ادا کئے

يومئذٍ - تو اس کو آج کے دن بچھو ہرگز نہیں پہنچائے گا۔

واذا قالها حين يمسى لم يضرّه عقرب ليلته ۔ اور جس نے شام ہوتے یہ کلمات ادا کیے۔ تو آج رات بچھو اس کو ہرگز نہیں پہنچائے گا۔

ف: - دیگر کتب صحاح میں بھی یہ حدیث اسی طرح وارد ہے۔ ابن عبدالبر تمہید میں سعید ابن المسیب سے نقل کرتے ہیں۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ جس نے شام کے وقت یہ پڑھا سلام علی نوح فی العالمین تو اس کو بچھو نے نہیں ڈسا۔

۲۲۴/۹ **ابو حنيفة** عن مسلم عن ابراهيم عن مسروق عن عائشة قالت لقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتى بمريض يدعو له يقول اذهب البأس رب الناس اشف انت الشافى لا شفاء الا شفاؤك شفاءً لا يغادر سقماً ۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو اس کے حق میں یوں دعا فرماتے اذهب البأس - رب الناس اشف انت الشافى لا شفاء الا شفاؤك لا يغادر سقما یعنی اے لوگوں کے پروردگار۔ دور کر بیماری کو اور شفا بخش۔ بے شک تو ہی ہے شفا بخشنے والا۔ تیری ہی شفا دراصل شفا ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی ۔

ف: - کیا پُر اثر اور دل دوز رقت بھرے الفاظ ہیں اور کیا مبارک کلمات ہیں۔ کہ اگر انسان خلوص نیت سے ادا کرے تو شفا یابی بیماری سے کچھ دور نہیں ۔

۲۲۵/۱۰ **ابو حنيفة** عن عبد الله عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس للمؤمن ان يذل نفسه قيل يا رسول الله و كيف يذل نفسه قال يتعرض من البلاء ما لا يطيق ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ذلیل کرے اپنے نفس کو۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اپنے نفس کو مومن کس طرح ذلیل کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ یوں کہ خود کو ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی برداشت کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو ۔

ف: یعنی اگر انسان خود کو دین کے لیے مشقت طلب مشکل العمل اعمال وافعال میں لگا دے جن کو وہ ہرگز نباہ سکتا ہو اور پھر آخر اس کو چھوڑ تھم ہی بنے اور تھک کر پھر ہلکی عبادت کے قابل بھی نہ رہے تو یہ اپنے کو ذلیل و رسوا کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بھی اس کو بری نظر سے دیکھے اور ہر عقلمند اس کو ملامت کا نشانہ بنائے۔ شیخین حضرت عائشہ سے یوں روایت لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اپنی طاقت کے دائرہ میں دینی اعمال اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں

Marfat.com

اکتا تا ہے جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وصال سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ تم مجھ جیسے نہیں ہو۔ میں اس طرح شب گذارتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ اس لئے تم ایسے عمل اختیار کرو جن کو تم نبھا سکو۔ حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ اللہ کو سب سے زائد وہ نیک عمل پسند ہے جو زیادہ دیر پا ہو۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اگر انسان نا سمجھی سے اپنے کو ناقابل برداشت عبادت میں لگا دے تو اکثر و بیشتر سخت بیمار پڑ جاتا ہے۔ جس سے جان ہی کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اور حسب معمول عبادت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اسی لئے شریعت میں اس کی ممانعت وارد ہے کہ ایسا عمل جسمانی آزار کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ اور یہیں سے اس کی وجہ بھی کھلتی ہے۔ کہ امراض واسقام کے باب میں اس حدیث کو کس ربط و تعلق سے لایا گیا۔

۴۴۶/۱۱ **ابوحنیفة** عن جابر بن عبد الله قال جاء رجل من الانصار الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ما رزقت ولدا قط ولا ولد لى قال النبى صلى الله عليه وسلم فاين انت من كثرة الاستغفار وكثرة الصدقة ترزق بهما فكان الرجل يكثر الصدقة ويكثر الاستغفار قال جابر فولد له تسعة ذكور۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رض سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ مجھے کبھی اولاد نصیب نہیں ہوئی۔ اور نہیں پیدا ہوئی۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے کہ زیادہ استغفار نہیں کرتا اور نہ زیادہ خیرات نہیں کرتا۔ کہ انکی برکت سے تجھے اولاد نصیب ہو۔ تو پھر وہ شخص زیادہ خیرات بھی کرنے لگا اور زیادہ استغفار بھی حضرت جابر کہتے ہیں کہ پھر اس کے نو لڑکے پیدا ہوئے۔

ف: اس حکم میں دراصل اس آیت سے لطیف استنباط کیا گیا ہے۔ نوح علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی امت سے خطاب کر کے کہتے ہیں استغفروا ربكم انه كان غفارا ۔ يرسل السماء عليكم مدرارا ويمددكم باموال وبنين۔ بخشش مانگو اپنے پروردگار سے کیونکہ وہ بخشنے والا ہے۔ بھیجے گا بادل کو آسمان سے تمہارے اوپر لگاتار برسنے والا اور مدد دے گا تم کو مالوں اور بیٹوں کے ساتھ۔ یہ تو استغفار کی کرشمہ سازی ہے۔ اور صدقہ کے بارے میں دوسری جگہ یوں آیا ہے کہ الصدقة تطفئ غضب الرب کہ صدقہ خیرات اللہ کے غیظ و غضب کو بجھاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا غصہ بجھ جائے گا اور وہ بندہ پر رحمت و شفقت کی نظر ڈالے گا تو اس کو دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال کر دے گا۔ اس حدیث کا ربط باب سے اسی جہت سے ہے۔ کہ اولاد کا پیدا نہ ہونا اور انسان کا بے اولاد ہونا آدمی کے لئے ایک بیماری ہے۔ بلکہ سب سے بڑی کلفت دہ بیماری۔ اور اس بیماری کی شفایابی اسی میں ہے کہ انسان بارگاہ الٰہی میں اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہو۔ اور بندگان خدا پر خدا کی دی ہوئی دولت کو لٹائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دے۔

۴۴۷/۱۲ **ابوحنیفة** عن اسمعیل عن ابی صالح

حضرت ام ہانی رض فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول

Marfat.com

عن ام ھانیٔ قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من علم ان اللہ یغفر لہ فھو مغفور لہ ✦

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ جانتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کردے گا تو دو سمجھو کہ وہ بخشا بخشایا ہے ✦

ف: اس مضمون کی مفصل حدیث صحیحین میں مروی ہے۔ طبرانی صغیر میں حضرت ابی مسعود رض سے مرفوع حدیث بدیں الفاظ آئے ہیں من اذنب ذنبا فعلم ان اللہ قد اطلع علیہ غفر لہ وان لم یستغفر کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا۔ اور پھر یہ جان لیا کہ اللہ اس پر مطلع ہوگیا تو اس کا گناہ بخش دیا گیا۔ اگرچہ وہ بخشش نہ مانگے۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کی معافی کے لئے بہانہ ٹٹولتا ہے۔ اور بندہ کے ذرا سے جھکاؤ جانے کو اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے آڑ پکڑ لیتا ہے۔ حقیقت میں وہ بہت بڑا غفور رحیم ہے ✦

۴۴۸ / ۱۲ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابی وائل عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ ھو السلام ومنہ السلام

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے البتہ اللہ تعالےٰ سلام ہے۔ اور اسی سے ہے سلام ✦

ف: اللہ تعالےٰ کے سلام ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر تغیر و تبدیلی ذاتی و صفاتی نقص و عیب سے پاک و بری ہے اور سالم و محفوظ ہے۔ اور اس کے سلام ہونے کا یہ مطلب کہ آفات و بلیات سے حفاظت و سلامتی صرف اسی سے طلب کی جاتی ہے اور کسی سے نہیں۔ چنانچہ بیماری سے شفا یابی بھی اسی سے مانگی جاتی ہے۔ اور اسی جہت سے یہ حدیث باب سے مربوط ہے ✦

کتاب الادب!　　　کتاب ادب کے بیان میں!

باب الادب!　　　باب ادب کے بیان میں!

۲۱۸

۴۴۹ / ۱ ابو حنیفۃ عن محمد بن المنکدر عن جابر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انت ومالک لابیک ✦

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے ✦

ف: اس کا ابو داؤد۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ وغیرہ میں یوں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میرے پاس مال ہے اور میرا ایک باپ بھی ہے جو مال کا حاجتمند ہے تو آپ نے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اور البتہ تمہاری اولادیں تمہاری پاک کمائی ہے لہٰذا تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ پیو۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ معرض ظہور میں آیا کہ اگر باپ اپنے نفس کی

Marfat.com

حفاظت میں اپنے بیٹے کا مال اس کی غیر موجودگی میں بغیر اس کی رضامندی کے لے کر صرف کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ابو حنیفة عن عطاء عن ابیه عن ابن عمر و قال اتی النبیؐ صلی الله علیه وسلم رجلٌ یرید الجهاد فقال أحیٌّ والداك قال نعم قال ففیهما فجاهِدْ۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارادہ جہاد آیا۔ اس سے آں جناب نے پوچھا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو ان میں جہاد کر یعنی انہیں کی خدمت و غور پرداخت ہیں جدوجہد کر یہی تیرے لئے جہاد ہے۔

ف:- اس حدیث سے والدین کی انتہائی عظمت و حرمت کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کی خدمت اور ان کے حقوق کی ادائیگی جہاد کا بدل ہے۔ بلکہ اس سے بھی افضل۔ چنانچہ جمہور علماء کا اس پر فیصلہ ہے کہ اگر والدین مسلمان ہوں اور وہ جہاد سے روکیں تو جہاد میں شرکت حرام ہے۔ اور یہ اس وجہ پر مبنی ہے کہ ان کے ساتھ بر فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ۔ اور واضح مذہب یہ ہے کہ دادا دادی بھی ماں باپ کے حکم میں ہیں۔

ابو حنیفة عن زیاد یرفعهٗ الی النبیؐ صلی الله علیه وسلم انّه أمر بالنصح لکل مسلمٍ۔

زیاد سے مرفوعًا مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا خیرخواہی کرنے کا۔ ہر مسلمان کے حق میں۔

ف:- نصح کے معنی خلوص کے ہیں اور یہاں مراد بھلائی کرنا ہے اور دوسرے کے ساتھ خیر رسانی سے پیش آنا۔ گویا یہی نیت۔ پر خلوص جذبہ۔ بے لوث محبت اور محض عام خیرسگالی کے ارادہ سے ہر مسلمان کی طرف بھلائی اور نفع رسانی کا ہاتھ بڑھانا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو پورا دین اسی معنی میں منحصر ہے۔ چنانچہ مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ دین پورا کا پورا النصیحت ہے۔ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا کس کے لئے۔ ارشاد فرمایا اللہ کے لئے اس کی کتاب کے لئے اس کے رسول کے لئے۔ ائمہ مسلمین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔

حماد عن ابیه عن عطاء بن السائب عن ابی مسلم الاغر صاحب ابی هریرة عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال قال الله تعالیٰ الکبریاءُ ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدا منهما القیته فی جهنم

حضرت ابی ہریرہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہیں تو جو مجھ سے ان میں سے کسی میں بھی جھگڑے گا۔ اس کو میں دوزخ میں ڈالوں گا۔

ف:- چادر و تہ بند ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ ہر دو صفتیں صرف اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کوئی دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ کبریائی کا تعلق اس کی ذات سے اور عظمت کا

Marfat.com

صفات سے۔

۴۵۲ / ۵ **حماد** عن ابیه عن ابراھیم عن محمد بن المنکدر انه بلغه ان المتکبر راسه بین رجلیه حیث کان یرتفع براسه فی تابوت من نار مقفل علیه ولا یخرج ابداً من النار۔

محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ متکبر چونکہ اپنے سر سے تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کا سر روز قیامت اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ہوگا آگ کے ایک تابوت میں مقفل بند پڑا ہوگا۔ اور ہمیشہ آگ سے نہ نکل سکے گا۔

ف: سر سے وہ چونکہ تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کی سزا یہ دی گئی۔ کہ اس کو اس کے پیر دل میں ڈال دیا گیا۔ اور یوں اس کی رفعت وبلندی کو خاک میں ملایا گیا۔ تابوت میں ایسا بند کیا جائے گا کہ وہ مخلوق کو دیکھنے کے لئے ترس جائے گا۔ اور پھر یہ مصیبت اس پر ہمیشہ مسلط ہوگی۔ اس سے اس کو چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ تکبر کی برائی وعظمت سے احادیث صحیحہ پر ہیں اور اس پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔ اور کیوں نہ ہو تکبر اللہ ہی کو زیبا ہے۔ بندہ کے لئے عاجزی وفروتنی سزاوار ہے۔ ابن عساکر ابن مسعود سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ بچو تکبر سے کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر آمادہ کیا۔ اور بچو حرص سے کیونکہ آدم علیہ السلام کو گیہوں کا درخت کھانے پر حرص ہی نے اکسایا۔ اور بچو حسد سے کیونکہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں ایک کو دوسرے کے قتل پر حسد ہی نے بھڑکایا۔ تو گویا یہ ہر سہ معائب ہر برائی کی جڑ ہیں۔

ترمذی حضرت عبداللہ سے روایت لائے ہیں کہ بروز قیامت جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہیں رہ سکے گا۔ اور یوں بھی آیا ہے کہ دوزخ سخت مزاج تند خو۔ متکبرین سے بھری ہوگی۔ اور جنت ضعیف کمزور اور مغلوب لوگوں سے آباد ہوگی۔ ترمذی میں حضرت سلمہ بن اکوع رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ہمیشہ اپنے آپ کو بزرگ وبرتر سمجھتا ہے اور لوگوں سے دور رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام متکبروں اور سرکشوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا وآخرت میں جو مصیبت سرکشوں پر پڑتی ہے وہ ہی اس پر گرتی ہے۔

۲۱۹ باب الرفق والخلق!

باب نرمی اور خوش اخلاقی کے بیان میں!

۴۵۳ / ۱ **ابوحنیفة** عن زیاد عن اسامة بن شریک قال شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم والاعراب یسألونه قالوا یا رسول الله ما خیر ما اعطی

حضرت اسامہ بن شریک رض کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دیہاتی لوگ آپ سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ بندہ کو

Marfat.com

العبد ... جو کچھ دیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر چیز کیا ہے۔
قال خلق حسن ۔ آپ نے فرمایا پاکیزہ خصلت۔

ف:- عادت وخصلت کی پاکیزگی وعمدگی دین میں چوٹی کا مرتبہ رکھتی ہے۔ بہت سی احادیث صحیحہ اس کی تعریف وتوصیف میں وارد ہیں۔ چنانچہ حدیث ذیل سے بھی اس کا انکشاف ہوا کہ انسان کو قدرت کی طرف سے جو کچھ بہتر صفات وحسنات عطا ہوتے ہیں۔ ان میں حسن خلق کو سب پر برتری وفضیلت حاصل ہے۔ مسلم اور ترمذی اور بخاری ادب المفرد میں نواس بن سمعان سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ نیکی حسن خلق کا نام ہے۔ اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تو اس کو برا سمجھے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ ترمذی حضرت ابی الدرداء سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ روز قیامت مومن کی ترازو میں سب سے بھاری چیز جو رکھی جائے گی۔ وہ حسن خلق ہے۔ اور خدا تعالیٰ فحش بکنے والے بیہودہ گو کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہ رض سے مرفوعاً یوں مروی ہے کہ مومن اپنی حسن اخلاقی کی بدولت شب بیدار اور ہمیشہ روزہ دار کا سا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور بھی اسی قسم کے مضمون کی بہت سی احادیث کتب صحاح میں مروی ہیں۔ جن سے حسن خلق کی بہت وقعت ومنزلت دل میں قائم ہوجاتی ہے۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو ان الرفق وحسن الخلق يرى لما رئي من خلق الله تعالى خلق احسن منه ولو ان الخرق خلق يرى لما رئي من خلق الله تعالى اقبح منه ۔

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نرمی وخوش خلقی جسمانی قالب میں دکھائی دیتی تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے حسین کوئی شے نہ دکھتی اور اگر بد خلقی مجسم شکل میں نظر آتی تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے بدشکل چیز کوئی نہ دکھتی۔

ف:- خرائطی مکارم اخلاق کے ذیل میں اس کو ان الفاظ سے لائے ہیں کہ اگر [illegible] انسان کی شکل میں نمودار ہوتا تو نہایت نیک بخت انسان ہوتا اور اگر بد خلقی انسانی قالب میں دکھائی دیتی تو بہت برا آدمی ہوتی۔ طبرانی اوسط میں ابن مسعود [illegible] سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ نرمی برکت ہے اور درشتی نحوست۔ بخاری عبداللہ بن عمر سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ تم میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ حسن [illegible] ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سے دریافت کیا کہ لوگوں کو جنت میں زیادہ لے جانے والی چیز کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق۔

ابو حنيفة عن ابراهيم عن انس قال ما اخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

Marfat.com

ركبتيه بين يدي جليس له قط بل
يفعل مساويًا لهم ولا تناول احد
يده فيتركها قط حتى يكون هو
يدعها وما جلس الى رسول الله صلى
الله عليه وسلم احد قط فقام
حتى يقوم قبله۔

وما وجدت شيئًا قط اطيب من
ريح رسول الله صلى الله عليه
وسلم۔

وفي رواية قال ما قام الى
رسول الله صلى الله عليه وسلم
رجل في حاجة فانصرف عنه
قبله حتى يكون هو
المنصرف۔

وفي رواية كان رسول الله صلى
الله عليه وسلم اذا صافح احدًا
لا يترك يده الا ان يكون هو
الذي يتركه۔

آگے بڑھ کر نہیں بیٹھتے بلکہ برابر میں بیٹھتے۔ اور نہیں پکڑا کسی نے کبھی آپ کا ہاتھ کہ آپ نے چھوڑ لیا ہو اس کو اس کے ہاتھ میں سے، جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ اور کوئی کبھی نہیں بیٹھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ آپ کھڑے ہو گئے ہوں جب تک وہ آپ سے پہلے کھڑا نہ ہو جاتا۔ (حضرت انس رض کہتے ہیں)۔ اور میں نے نہیں پایا کسی چیز کو زیادہ خوشبودار آپ کے جسم کی ذاتی خوشبو سے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ حضرت انس رض نے کہا کہ نہیں کھڑا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شخص کسی ضرورت سے کہ آپ اس سے پہلے منہ پھیر کر ہٹ گئے ہوں جب تک کہ وہ شخص خود منہ پھیر کر علیحدہ نہ ہو جاتا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے مگر کہ وہ خود آپ کا ہاتھ چھوڑ دیتا۔

ف: یہ آنحضرت کے اخلاق کریمانہ کی بہت بلند مثال ہے کہ آپ کسی کا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے گو اس مروت و وضعداری میں ذات اقدس کو دربردہ کوفت ہی ہوتی۔ مگر کسی کا دل میلا کرنا کسی صورت سے آنجناب کو گوارا نہ تھا۔ بعض اشخاص ایسے لیچڑ ہوتے ہیں کہ اگر بیٹھ گئے تو جم ہی گئے۔ اب خدا ہی اٹھائے تو اٹھیں۔ اگر مصافحہ میں ہاتھ ملا لیا تو بس ہاتھ پکڑے ہی کھڑے ہیں۔ یا اگر ملاقات کے لئے کھڑے ہو گئے تو بس لوہے کی لاٹھ کی طرح گڑ گئے۔ کہ خدا ہی ہلائے تو ہلیں تو ایسے ناسمجھوں کی بیہودگی کو مروت و اخلاق سے برداشت فرماتے۔ اور یہ ثابت نہ ہونے دیتے کہ آپ ساتھی سے اکتا چکے ہیں۔ اور اب کس سے جان چھڑا رہے جاتے ہیں۔ نیز برابر بیٹھنے میں اس امر کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ گو رب العزت نے آنجناب کو ساری مخلوقات پر عزت و شرف بزرگی و برتری عظمت و بڑائی بخشی تھی۔ مگر پھر بھی کبھی مجلس میں نشست و برخاست میں امتیاز و خصوصیت پسند نہ تھی۔ آج اگر کسی کو کسی امر میں ذرا سا بھی تفوق نصیب ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے سروں پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کی ہر حرکت و سکنت سے صداقت پر چلتا ہے کہ یہ سب سے افضل ہے اور سب اس سے کمتر اور گھٹیا ہیں۔ حالانکہ یہ ...

نبوی کے سراسر خلاف ہے ؛

۴۵۷ **ابوحنیفۃ** عن عبداللہ عن ابن عمران رجلا نادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منزلہ فقال لبیک قد اجبتک فخرج الیہ ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ کو پکارا جبکہ آپ کاشانہ نبوت میں تھے آپ نے فرمایا لبیک حاضر ہوں اور پھر نکل کر ان کے پاس آئے ؛

ف:۔ اللہ اکبر! یہ تواضع و انکساری یہ کسر نفس اور فروتنی کہ کیا انکساری کے بیچھے ہیں فوراً اندر سے جواب دیتے اور پھر متصل ہی باہر تشریف لاکر ملاقات فرماتے ہیں آج عمر میں ... ہم سے ... کی ملاقات کو لوگ ترسیں جن کے دیدار کا لوگ اشتیاق رکھیں جن سے ملنے کے ... دنوں ... ہم جیسے دل کو وسط ذرائع ... اور پھر بھی بروقت ملاقات نصیب نہ ہو بلکہ ... وقت لینا پڑے ... افسوس ہم ان زریں اخلاق ... نہ ... ورسم و رواج کو ... گئے کہ ہماری پوری زندگی کا بالکل رخ بدل گیا ۔ خدا تعالیٰ ہمارے ... ۔

۴۵۸ **ابوحنیفۃ** عن محمد بن المنکدر عن امیمۃ بنت رقیقۃ قالت اتیتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاُبایعَہ فقال انی لست اصافح النسآء ۔

حضرت امیمہ بنت رقیقہ ... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت ... حاضر ہوئی ۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں عورتوں سے ... نہیں ملاتا ہوں ؟

ف:۔ صحیحین میں حضرت عائشہ سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت عورتوں سے ... نہیں کیا کرتے ۔ ابونعیم معرفت میں بطریق عبداللہ ... سے روایت لائے ہیں کہ وہ کہتی ہیں ... نکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ۔ تو آپ نے مردوں سے بیعت لی ... مصافحہ کیا اور عورتوں سے بھی بیعت لی مگر ان سے مصافحہ نہیں کیا ۔ ... چنانچہ طبرانی حضرت معقل بن یسارؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ ... سے مصافحہ کیا کپڑے کی آڑ میں گویا ہاتھ کو ہاتھ سے نہ چھوا ۔ اللہ اکبر یہ عفت ... قدر بلند مثال ہے امت کے ... درس ہے ۔ مگر افسوس ... بھلا دیا ۔ سنا ہے کہ بعض لوگ ... کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھتے ہیں ۔ اور عورتوں سے ... نعوذ باللہ من ذالک ... عمل اور ہماری یہ رفتار آنجناب کی ... اور ... حقیقت ... کوتاہ کرتا ہے اور اسلام کے نام پر بٹہ لگاتا ہے ؛

۴۵۹ **ابوحنیفۃ** عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یقبل عذر متعذر ...

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ... کسی مسلمان کا جو ... سامنے ...

Marfat.com

الیه فوزرة کوزر صاحب مکس فقیل یارسول الله وما صاحب مکس قال عشّار ؛

تو اس کا گناہ صاحب مکس کے گناہ کے برابر ہے آپ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ صاحب مکس کون ہے آپ نے فرمایا عشار (یعنی عشر لینے میں ظلم وتشدد اور بے جازیادتی برتنے والا) ؛

ف:۔ اس حدیث سے اس امر کا انکشاف ہوا کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی مسلمان اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے تو اس عذر کو مان لینا چاہیئے اس کو رد کرنا اور عذر خواہ کو جھٹلانا اللہ کے نزدیک سخت گناہ ہے۔ یہاں تک کہ اس کو گناہ میں ظالم سخت گیر عُشر کے محصّل کے برابر ٹھیرایا گیا۔ جو اپنی جگہ بہت بڑا قصوروار اور مجرم ہے کہ حکومت کی آڑ میں غریب رعایا پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے۔ ان سے رشوتیں لیتا ہے اور طرح طرح سے ان کو تنگ کرتا ہے ؛

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اعتذر الیه اخوه المسلم فلم یقبل عذره فوزره کوزر صاحب مکس یعنی عشارًا ؛ ح ۲۶۰/۷

حضرت ابن عمر رض کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسلمان کے سامنے اس کے مسلمان بھائی نے (کسی اذیت دہ قول و فعل کی بنا پر) عذر پیش کیا۔ مگر اس نے اس کا عذر نہ مانا۔ تو اس کا گناہ صاحب مکس یعنی عشار کے گناہ کے برابر ہے ؛

ف:۔ یہ حدیث پیشتر حدیث کی تائید کرتی ہے ؛

ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا اُتی احدکم بطیب فلیصب منه ؛ ح ۲۶۱/۸

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دی جائے تم کو خوشبو تو اس کو ضرور لے لو ؛

ف:۔ یعنی خوشبو کو رد کرنا اچھا نہیں۔ ترمذی اپنی جامع اور شمائل میں ثمامہ بن عبد اللہ سے روایت لائے ہیں کہ حضرت انس خوشبو کو رد نہیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کو نہیں پھیرا کرتے تھے ؛

۲۲ بَابُ النَّهی عَنِ النَّظَرِ فی النُّجُوْمِ !

باب اس بیان میں کہ علم نجوم میں نظر کرنا منع ہے !

ابو حنیفة عن عطاء عن ابی هریرة قال نهٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن النظر فی النجوم ؛ ح ۲۶۲/۱

حضرت ابی ہریرہ رض کہتے ہیں کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نجوم میں نظر کرنے سے ؛

ف:۔ یعنی علم نجوم میں زیادہ غور و خوض اور اس کی باریکیوں میں الجھنا شرعًا مذموم ہے۔ دیلمی حضرت ابی ہریرہ سے یوں روایت لائے ہیں کہ علم نجوم کو دیکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ سورج کی ٹکیہ کو دیکھنے والا کہ

Marfat.com

اس کو جس قدر دیکھے اسی قدر نظر کمزور ہوتی ہے۔ دار قطنی ابن عمر سے یوں مرفوع روایت لائے ہیں کہ سیکھو علم نجوم کو جہاں تک تم کو خشکی وتری کی اندھیریوں میں اس سے ہدایت مل سکے۔ پھر اس سے باز رہو۔ یعنی ایک حد تک دنیوی کاروبار میں اس سے مدد لے سکتے ہیں۔ اس میں بالکل کھو جانا روا نہیں۔ مسلم ابوداؤد میں یوں ہے کہ جس نے علم نجوم سیکھا اس نے گویا جادو سیکھا۔

۴۶۳/۲ **ابوحنیفة** عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل لرجل یؤمن بالله والیوم الآخر ان یدخل الحمام الا بمیزر ولم یستر عورته من الناس کان فی لعنة الله والملائکة والخلق اجمعین۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں جائز ہے اللہ اور دن قیامت پر ایمان لانے والے کے لئے کہ حمام میں داخل ہو بغیر تہبند کے، اور جس نے اپنے ستر (ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو) کو نہ چھپایا اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور ساری مخلوقات کی طرف سے لعنت وپھٹکار ہے۔

ف: یعنی اپنے ستر کو لوگوں کو بے باکی سے دکھانا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ تو پھر فرشتوں اور اللہ کی مخلوق کی پھٹکار کیوں نہ ہو۔

۴۶۴/۲ **ابوحنیفة** عن نافع عن ابن عمرؓ قال کان احب الاسماء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم عبدالله وعبدالرحمن۔

حضرت ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمن تھے۔

ف: یہ ہر دو نام آنجناب کو اس لئے محبوب و پسند تھے کہ ان ناموں کے مردوں کو اچھے اور پسندیدہ معنی دیتے ہیں۔ کیونکہ بندہ کے لئے عبد بہت نہایت موزوں ہے اور زیبا اور ان کی ذات کا نام تو ہے ہی بابرکت وباعزت پھر اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ بندہ کی نسبت اپنے خالق ومعبود کی طرف ہو اس سے عبدالرحمن میں عبد کی نسبت رحمٰن کی طرف ہوئی اور چونکہ رحم وکرم کی صفت اللہ کی بہت ہی ہے اس لئے یہ ترکیب بھی باعظمت ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ملتے جلتے نام سب نہایت پسند ہیں جیسا عبدالرحیم، عبدالقادر وغیرہ۔ بہت سے لوگ اپنی اولاد کے نام ایسے رکھ دیتے ہیں جو الٹے سیدھے ہوتے ہیں بعض تو مہمل ہی ہوتے ہیں اور بعض برے معنی پیدا کرتے ہیں۔ آنحضرت ناموں کی اچھائی برائی کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ برے نام سنتے تو ان کو بدل ڈالتے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ایک آدمی کا نام عاصیہ سنا گویا گنہگار عورت قرار تو آپ نے اس کا نام جمیلہ سے بدل دیا۔ اسی طرح موطا امام مالک میں ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا دودھ کون دوہے گا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا میں۔ آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا مرہ (یعنی کڑوا) آپ نے فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا ایک دوسرا آدمی اٹھا اور کہا میں۔ آپ نے اس سے بھی دریافت کیا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا حرب (یعنی لڑائی) آپ نے اس سے بھی فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا اس کا دودھ کون دوہے گا ایک تیسرا آدمی اٹھا اور کہا میں۔ آپ نے اس سے

Marfat.com

یعنی پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا یعیش گویا عایش سے ہے آپ نے اس کو فرمایا کہ اچھا تو دودھ دوہ۔

۴۶۵ **ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمرؓ** قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم البر لا يبلى والاثم لا ينسى ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نیکی و بھلائی فنا نہیں ہوتی۔ اور گناہ بھلایا نہیں جاتا۔

ف: مدعا حدیث کا منشا کلام یہ ہے کہ نیکی و بھلائی اچھائی اور خوبی دنیا و آخرت میں اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی اور کبھی فنا نہیں ہوتی بلکہ اچھے خوشگوار و خوش کن نتائج پیدا کرتی ہے اور مستقبل کو خوشتر بناتی ہے۔ اسی طرح بدی و برائی دنیا و آخرت میں وبال و مصیبت عذاب و تباہی کا سبب بنتی ہے۔ برے نتائج سامنے لاتی ہے اور گنہگار کو برائی کی سزا و پاداش دیے بغیر نہیں چھوڑتی۔

۴۶۶ **ابو حنیفة عن سماک عن جابر بن سمرةؓ** قال کنا اذا اتینا النبی صلى الله عليه وسلم جلسنا حیث انتهى المجلس ۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جاتے۔

ف: شمائل ترمذی میں مروی ہے کہ آنحضرت جب کسی قوم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں تشریف فرما ہوتے۔ اور اسی عمل کا حکم بھی دیتے۔ طبرانی اور بیہقی حضرت شیبہ بن عثمان سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں شرکت کرے اور اس کو کوئی جگہ خالی مل جائے تو وہاں بیٹھ جائے ورنہ پھر جہاں کہیں جگہ پائے بیٹھ جائے۔

۴۶۷ **ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعید الخدری** قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا یشکر الله من لا یشکر الناس ۔

حضرت ابی سعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

ف: ملا علی قاری اس کی وجہ بیان کرتے ہیں یوں رقمطراز ہیں کہ ظاہر ہے جس نے بندہ کا تھوڑا سا احسان مانا اور اس کا شکریہ ادا نہ کیا۔ وہ کس طرح اللہ کے زبردست احسانات کا شکر ادا کرے گا۔ یا کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بندوں کے احسانات بھی چونکہ دراصل اللہ ہی کے احسانات ہیں اس لئے جس نے بندوں کے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اس نے گویا اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

۴۶۸ **ابو حنیفة عن عطاء عن محارب بن دثار عن ابن عمرؓ** قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ایاکم والظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچو ظلم سے کیونکہ روز قیامت ظلم ظلمات اندھیریوں کی شکل میں ہوگا۔

ف: یعنی جو دنیا میں ظلم و تعدی کرے گا اور کسی پر مظالم ڈھائے گا اس کو آخرت میں طرح طرح کی اندھیریوں میں رکھ کر شدت سے عذاب کیا جائے گا۔ اور یوں اس سے پورا پورا بدلہ لیا جائے گا۔

Marfat.com

أبو حنيفة عن عاصم عن أبي بردة أن النبي صلى الله عليه وسلم زار قوما من الأنصار في ديارهم فذبحوا له شاة وصنعوا له منها طعاما فأخذ من اللحم شيئا فلاكه فمضغه ساعة لا يسيغه فقال ما شأن هذا اللحم۔

فقالوا شاة لفلان ذبحناها حتى يجيء فنرضيه من ثمنها۔

قال فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أطعموها الأسراء۔

حضرت ابی بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی کسی جماعت سے ان کے گھروں میں ملاقات کی۔ انہوں نے آپ کی ضیافت میں ایک بکری ذبح کی اور اس سے کھانا پکایا تو آپ نے کھانا تناول فرماتے وقت [illegible] کی بوٹی منہ میں لے کر چبائی۔ تھوڑی دیر چبائی مگر نگلنا چاہا تو نگل نہ سکے [illegible] آپ نے فرمایا یہ گوشت کس طرح کا ہے [illegible]۔ لوگوں نے کہا یہ فلاں شخص کی بکری تھی اس کی اجازت کے بغیر ہم نے اس کو ذبح کیا [illegible] تو اس کی قیمت اس کو دے کر اس کو راضی کر لیں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔

وفي رواية عن عاصم ابن كليب عن أبيه أن رجلا من أصحاب النبي صنع طعاما فدعاه فقام إليه النبي صلى الله عليه وسلم وقمنا معه فلما وضع الطعام تناول النبي صلى الله عليه وسلم بضعة من ذلك اللحم فلاكها في فيه طويلا فجعل لا يستطيع أن يأكلها فألقاه من فيه وأمسك عن الطعام فقال أخبرني عن لحمك هذا من أين هو قال يا رسول الله شاة كانت لصاحب لنا فلم يكن عندنا فنشتريها منه وعجلنا بها وذبحناها وصنعناها لك حتى يجيء فنعطي ثمنها فأمر النبي صلى الله عليه وسلم برفع هذا الطعام وأمر أن يطعمه الأسراء قال عبد الواحد قلت لأبي حنيفة من

ایک روایت میں کلیب سے [illegible] ہے کہ اصحاب محمد میں سے ایک شخص نے کھانا پکایا اور آپ کو بلایا آپ بھی تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ ہم بھی۔ جب کھانا کھایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا اور اس کو دیر تک چبایا لیکن اس کو نگل نہ سکے تو [illegible] سے نکال کر پھینک دیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا [illegible] مجھ کو اس گوشت کے بارے میں [illegible] تو اس صاحب نے جواب دیا یا رسول اللہ ہمارے ایک ساتھی کی بکری تھی وہ موجود نہیں کہ اس سے خرید لیتے لہذا ہم نے جلدی کی اور اس کو ذبح کر ڈالا اور اس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا [illegible] وہ آ جائے گا تو اس کو اس بکری کی قیمت ادا کر دیں گے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس [illegible] لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلا دو [illegible] کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا [illegible]

اين اخذت هذا الرجل يعمل فى مال الرجل بغير اذنه يتصدق بالربح قال اخذته من حديث عاصم ۔

مسئلہ کہاں سے نکالا کہ اگر کوئی کسی کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرے تو وہ اس کے نفع کو صدقہ کر دے۔ انہوں نے کہا کہ عاصم کی حدیث سے ۔

ف:- اس حدیث سے اس مسئلہ پر روشنی پڑی کہ ایک شخص جب دوسرے شخص کی بکری کو بلا اجازت ذبح کرے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس پر اس کا صدقہ واجب ہوگا۔ اور تاوقتیکہ وہ اس کی قیمت ادا کر دے۔ اس بکری سے نفع اندوزی کا حق نہیں رکھتا۔ اور یہ کہ ایسی صورت میں بکری اپنے مالک کی ملک سے نکل جاتی ہے اگر اس کی ملک سے نہ نکلتی تو آنحضرت اس کو صدقہ کرنے کا حکم نہ دیتے بلکہ مالک کو واپس کرا دیتے یا اس کو اس کے ہاتھ فروخت کرا دیتے۔ یا اس کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ اور اس کی قیمت مالک کے لئے محفوظ رکھنے کا حکم دیتے۔ کیونکہ امام کو ضرورت کے وقت کسی انسان کی چیز کے فروخت کرنے کا حق حاصل ہے ۔

ابوحنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدال على الخير كفاعله ۔ ۲۷۰/۷۹

حضرت بریدہ رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بھلے کام کا بتانے والا (ثواب میں) اس کے کرنے والے کے برابر ہے ۔

ف:- اور دارقطنی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رض سے مرفوع روایت ہے کل معروف صدقة والدال على الخير كفاعله والله يحب اغاثة اللهفان - کہ ہر بھلائی صدقہ ہے۔ اور بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالی ہر مصیبت زدہ کی مدد کرنے کو پسند فرماتا ہے ۔

ابوحنيفة عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدال على الخير كفاعله ۔ ۲۷۱/۱۶۰

حضرت انس کہتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کے برابر ہے ۔

ف:- یہ سابق حدیث کا اعادہ ہے ۔

ابوحنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال جاء رجل فاستحمله فقال ما عندى ما احملك عليه ولكن سادلك على من يحملك انطلق الى مقبرة بنى فلان فان فيها شابا من الانصار ۲۷۲/۱۱

حضرت بریدہ رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر آپ سے سواری طلب کی آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں کہ میں تجھ کو دوں البتہ میں تجھ کو وہ شخص بتلاتا ہوں جو تجھ کو سواری دے گا۔ بنی فلاں کے قبرستان میں جا اس میں ایک انصاری جوان ہے جو اپنے ساتھیوں

يترامى مع اصحاب له ومعه بعير له فاستحمله فانه سيحملك. فانطلق الرجل فاذا به يترامى مع اصحاب له فقص عليه الرجل قول النبي صلى الله عليه وسلم فاستحلفه بالله لقد قال لهذا رسول الله صلى الله عليه وسلم فحلف له مرتين او ثلثا ثم حمله فمر به على النبي صلى الله عليه وسلم.

فقال فاخبره الخبر۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم انطلق فان الدال على الخير كفاعله۔

وفي رواية ان رجلا جاءه يستحمل فقال والله ما عندي من شئ احملك عليه ولكن انطلق في مقبرة بني فلان فانك تجد ثمه شابا من الانصار يترامى مع اصحاب له فاستحمله فانه سيحملك۔

فانطلق الرجل حتى اتى المقبرة قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم فقص عليه القصة فاستحلفه۔

فقال الله الذي لا اله الا هو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ارسلني اليك فاعطاه بعيرا له فانطلق به الرجل فاتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال له صلے الله عليه وسلم

کے ساتھ تیر اندازی کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کا ایک اونٹ ہے لہٰذا تو اس سے وہ مانگ۔ وہ تجھ کو دے دیگا۔ چنانچہ وہ شخص چل دیا۔ اور وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ وہ بنی جوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی میں مصروف ہے۔ اس شخص نے اس جوان انصاری سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کیا۔ انصاری نے قسم دے کر اس سے پوچھا کہ کیا واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا ہے۔ اس نے دو یا تین مرتبہ قسم کھائی۔ تو انصاری نے اس کو اونٹ دیا۔ اس کے بعد وہ اونٹ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو اس واقعہ کی خبر سنائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا چلا جا۔ بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والے کے لئے بھی بھلائی کرنے والے کی طرح اجر ملتا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس آ کر سواری مانگی تو آپ نے فرمایا کہ قسم بخدا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر میں تجھ کو سوار کروں۔ لیکن تو جا فلاں کے قبرستان میں تو وہاں پائے گا ایک انصاری جوان کو جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی کر رہا ہوگا تو اس سے سواری مانگ وہ تجھ کو سواری دے دے گا۔ تو وہ آدمی چل دیا۔ اور اس قبرستان میں پہنچا جس کا پتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور اس انصاری سے واقعہ کہا۔ انصاری نے اس شخص سے قسم لی۔ اس نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس پر انصاری نے اس کو اونٹ دیا اور وہ اس کو لے کر چل دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نے اس سے کہا جا چلا

انطلق فان الدال علی الخیر کفاعلہ ۔

جا البتہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے ۔

ف ۔ یعنی آنحضرت نے اپنی ذات اقدس کی طرف اشارہ فرمایا کہ چونکہ آپ نے اس کارِ خیر کی طرف راہنمائی کی اور اس شخص سائل کو ایسے شخص کا پتہ دیا جہاں سے اس کی مطلب براری ہو سکے ۔ لہٰذا آپ کو بھی اسی اجر و ثواب کا استحقاق ہوا جس کا انصاری حق دار تھا ۔

۴۷۳/۱۴ **ابوحنیفۃ عن علقمۃ عن ابن بریدۃ** عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر ۔

حضرت بریدہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے ۔

ف ۔ اس کو افضل جہاد اس بنا پر کہا گیا کہ معروف جہاد میں کم از کم مسلمان اپنی ایک جماعتی و فوجی طاقت رکھتے ہیں اور ایک شان و شوکت کے مالک ہوتے ہیں ۔ دشمن یا تو شکست کے ہر دو رخ ان کے سامنے ہوتے ہیں ۔ بخلاف اس صورت کے کہ بادشاہ ظالم و جابر کے بالمقابل حق گو نہایت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہوتا ہے نفس پرست وقت کا نقشہ اس کے سامنے ہوتا ہے مگر یہ غریب صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنی جان پر کھیلتا ہے اور حق کے کہنے کی جرات و جسارت کرتا ہے لہٰذا یہ جہاد افضل ہوا ۔

۴۷۴/۱۴ **ابوحنیفۃ عن شیبان عن عبدالملک** عن حذیفۃ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استشارک فاشر علیہ بالرشد فان لم تفعل فقد خنتہ ۔

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تجھ سے مشورہ لے اس کو نیک مشورہ دے ۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو البتہ تو نے خیانت کی اس کے حق میں ۔

ف ۔ یہ حقیقت ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے ۔ تو وہ گویا امانت دار تصور کیا جاتا ہے ۔ اور اس پر پورا پورا بھروسہ و اعتماد ہوتا ہے ۔ اب اگر یہ بے اعتمادی کا ثبوت دے اور صحیح نیک اور مفید مشورہ دینے میں بخل کرے یا غلط راہنمائی کرے تو یہ خائن ٹھہرا اور بددیانت اسی لیے آنحضرت نے فرمایا کہ وہ خائن ہے ۔

۴۷۵/۱۴ **ابوحنیفۃ عن الحسن عن الشعبی** قال سمعت النعمان یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم کمثل جسد واحد اذا اشتکی الرأس تداعی لہ سائرہ بالسھر والحمی ۔

حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ۔ کہ مومنین کی مثال آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے پر رحم دکھانے میں ایک جسم کی سی ہے کہ مثلاً جب سر دکھتا ہے تو سارا بدن جاگنے میں اور بخار میں اس کا ساتھ نبھاتا ہے ۔

ف:۔ واقعی صادق الایمان مومنین آپس میں ایسی ہی محبت و الفت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی و دلسوزی برتتے ہیں کہ ایک دکھی ہوتا ہے تو سب بے چین اور بے کل ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ایک خوش ہوتا ہے تو سب ہی خوشی و مسرت کے شادیانے بجاتے ہیں۔

حماد عن ابیه عن عبد الرحمن بن حزم عن انسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه یورثه وما زال جبرئیل یوصینی بقیام اللیل حتی ظننت ان خیار امتی لا ینامون الا قلیلا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھ کو ہمیشہ پڑوسی کے حق میں حسن اخلاق و خوش معاملگی کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھ کو گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھ کو مسلسل شب بیداری (تہجد گزاری) کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ میری امت کے بہترین لوگ بہت کم سویا کریں گے۔

ف:۔ اس حدیث سے دو چیزوں کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے ایک پڑوسی کا حق کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے حقوق کی حفاظت اس کے ساتھ حسن اخلاق اور خوش معاملگی اور حسن برتاؤ کے بارے پے در پے اس قدر زور دیا کہ آنحضرت کو شبہ پیدا ہوا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں بھی [illegible] حصہ ملے گا۔ طبرانی معاویہ بن حیدہ اور [illegible] سے مرفوع حدیث لائے ہیں جو پڑوسی کے حقوق کو بالتفصیل بڑے پر اثر الفاظ سے معرض بیان میں لاتی ہے کہ آنجناب نے فرمایا اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔ مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو۔ اگر قرض کا خواہاں ہو تو اس کو قرض دو اگر بدحال ہو تو اس کی ستر پوشی کرو۔ اگر اس کو کوئی خوشی پہنچے تو اس کو مبارکباد دو۔ اگر مصیبت پہنچے تو غم کا اظہار کرو۔ اپنی عمارت اس کی عمارت سے اونچی نہ بناؤ کہ اس کی ہوا رک جائے۔ حضرت [illegible] کی روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ اگر میوہ خرید کر لاؤ تو اس کو ہدیہ بھیجو۔ اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس کو اس سے پوشیدہ رکھو۔ اور نہ تمہارا لڑکا اس کو لے کر باہر نکلے کہ [illegible] دوسری چیز شب بیداری ہے اور تہجد گزاری کہ اللہ تعالیٰ کو فرض کے بعد عبادت بہت محبوب ہے۔ قرآن [illegible] اس کی تعریف سے پر ہے۔ رات کی خاموش گھڑیوں میں جب کہ ساری دنیا [illegible] یہ عبادت دل کی صفائی اور تقرب الی اللہ [illegible] بار بار تاکید [illegible] ہے۔

ابو حنیفة عن انس قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله یحب اغاثة اللهفان۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ [illegible] کی فریاد رسی کو محبوب رکھتا ہے

ف: یعنی جو شخص کسی دکھی غم زدہ کے ساتھ غمخواری کرے اور اس کی دست گیری کرکے مصیبت سے اس کو خلاصی دے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بہت پسند فرماتا ہے کیونکہ وہ خود بھی مصیبت زدہ کا حامی و مددگار ہے۔

باب النہی عن سب الدھر! ۲۲۱

باب اس بیان میں ہے کہ زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت ہے!

۴۷۸ ابو حنیفۃ عن عبد العزیز عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر۔

حضرت ابی قتادہ کہتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانہ ہی ہے!

ف: یہ اس بدعادت کی مذمت ہے جس کے بعض ناسمجھ لوگ عادی ہوتے ہیں کہ دنیا کی تلخیوں پر زمانہ کو لعنت و ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ ناشائستہ عمل عقل سے کوسوں دور ہے۔ کیونکہ اگر زمانہ دنیا کے واقعات و حادثات پر سر مو بھی اثر انداز ہوتا تو اس کو برا کہنے کے کچھ معنی ہوتے۔ حالانکہ واقعہ تو یہ ہے کہ دنیا کے انقلابات میں زمانہ بالکل بے اثر ہے جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے سب کچھ اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے اور اس کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ جس کو وہی خوب جانتا ہے اور سمجھتا ہے۔ انسان کا کیا یارا کہ اس کے بھیدوں کا سراغ لگا سکے۔ بندہ کو کیا تاب کہ ان کی حکمتوں تک رسائی پیدا کر سکے۔ اس لئے زمانہ کو برا بھلا کہنا عقل کے سراسر خلاف ہے۔ لہذا سب سے بھی ممنوع ہے۔

۴۷۹ ابو حنیفۃ ولدت سنۃ ثمانین وقدم عبد اللہ بن انیس صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکوفۃ سنۃ اربع وتسعین ورأیتہ وسمعت منہ وانا ابن اربع عشرۃ سنۃ سمعتہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حبک الشئ یعمی ویصم۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور حضرت عبد اللہ بن انیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کوفہ میں ۹۴ھ میں تشریف لائے۔ میں نے ان کو دیکھا۔ اور چودہ برس کی عمر میں میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک چیز کی محبت تجھ کو اندھا بھی کر دیتی ہے اور بہرہ بھی۔

ف: یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان جب کسی چیز کو دل و جان سے پسند کرتا ہے۔ تو نہ کان اس کے عیبوں کو سننا گوارا کرتے ہیں۔ نہ آنکھیں اس کے معائب کو بیکھنا روا رکھتی ہیں لہذا آنحضرت نے واقعہ کی نہایت صحیح ترجمانی فرمائی۔ کہ جب تو کسی چیز کو پسند کرے تو تو بہرا بھی ہو جاتا ہے اور اندھا بھی۔

Marfat.com

۲۲۲

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّمَاتَةِ!

باب اس بیان میں کہ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا منع ہے!

ابو حنیفة قال سمعتُ واثلة بن الاسقع قال سمعتُ رسول الله صلے الله علیه وسلم یقول لا تُظهرنَّ شماتةً لاخیك فیعافیه الله ویبتلیك الله ۔

۲۸۰/۱ حضرت واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تو اپنے بھائی (کی مصیبت) پر خوشی و مسرت ظاہر نہ کر (ورنہ) خدا تعالےٰ اس کو اس سے چھٹکارا دے گا اور تجھ کو اس میں مبتلا کرے گا ۔

ف:۔ واقعی یہ انسانیت وشرافت عقل وسنجیدگی سے بھی گری ہوئی بات ہے اور مذہب کے سخت خلاف کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کے دکھ ومصیبت پر ہنسے اور خوشی اور مسرت ظاہر کرے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس خلاف مروت عمل کی پاداش میں دکھی کو دکھ سے رہائی بخشے اور ہنسنے والے کو اس میں مبتلا کرے ۔

۲۲۳

كِتَابُ الرِّقَاقِ!

کتاب دل گداز باتوں کے بیان میں!

ابو حنیفة عن الحسن عن الشعبی عن النعمان بن بشیر عن النبی صلے الله علیه وسلم قال ان فی الانسان مضغةً اذا صلحت صلح بها سائر الجسد واذا سقمت سقم بها سائر الجسد الا وهی القلب ۔

۲۸۱/۱ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اصلاح پذیر ہو تو اس کی وجہ سے سارا بدن اصلاح پذیر ہو جاتا ہے اور اگر وہ بیمار ہو تو اس کے سبب سارا بدن بیمار ہو جاتا ہے اور خبردار ہو وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے ۔

ف:۔ واقعی انسان کے جسم میں دل ایک چیز ہے کہ سارے بدن پر اس کی فرمانروائی چلتی ہے سارے جسمانی اعمال وافعال کا دارومدار اسی پر ہے۔ کیونکہ اعمال کی اچھائی وبرائی نیات وعقائد پر مدار رکھتی ہے۔ اور نیتوں کا مخزن ومادی دل ہے۔ اس لئے سارے جسم میں یہی سب کچھ ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہوگیا تو سب ٹھیک ہے اور اگر یہ بگڑا تو سب کچھ بگڑا ۔

ابو حنیفة عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت ما شبعنا ثلثة ایام ولیالیها من خبز متتابعًا حتی فارق محمد

۲۸۲/۲ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے کبھی تین دن تین رات برابر روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحلت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم وما زالت الدنیا علینا کدرة عسرة حتی فارق محمد صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا فلما فارق محمد صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا صُبّت علینا صبًّا وفی روایة صبّت الدنیا علینا صبًّا وفی روایة ما شبع آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثة ایام متوالیة من خبز البُرّ ۔

تشریف لے گئے اور تنگ حالی اور تنگ دستی ہم پر چھائی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے مفارقت فرمائی۔ پھر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو دنیا ہم پر ٹوٹ کر گری۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دنیا ہم پر برس پڑی۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ گیہوں کی روٹی سے برابر تین دن کبھی نہیں بھرا ۔

ف: یہ آنحضرت کی عسرت کی زندگی کی پر درد و دلفگار کہانی ہے کہ کاشانۂ نبوت میں بسنے والوں کو تین دن مسلسل پیٹ بھر کر روٹی میسر نہ ہوتی تھی۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں کہ کئی راتیں پے در پے ایسی گذرتیں کہ رسالت مآب کے گھر والے رات کو بھوکے پیٹ رہتے۔ یہ زندگی چونکہ آں حضرت کو پسند تھی اس لئے حیات طیبہ اسی طرح گذر گئی۔ بعد وفات اہل خانہ پر دنیا سمٹ پڑی جیسا کہ خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد دنیا ہم پر برسنے لگی ۔

۳۸۳ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود ان عمر بن الخطاب دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شکاة شکاها فاذا هو مضطجع علی عباءة قطوانیة ومرفقة من صوف حشوها اذخر فقال بابی انت وامی یا رسول اللہ کسری وقیصر علی الدیباج فقال یا عمر اما ترضی ان تکون لهم الدنیا ولکم الآخرة ۔

ثم ان عمر مسّه فاذا هو فی شدة الحمّی فقال ثم هکذا وانت رسول اللہ ۔

فقال ان اشد هذه الامة بلاء نبیها ثم الخیر ثم الخیر وکذلک کانت الانبیاء و

حضرت اسود رض سے روایت ہے کہ عمر رض بن الخطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ آپ کو بیماری کی تکلیف تھی تو آپ کو ایک قطوانی کھردری چادر پر لیٹا ہوا پایا اون کا تکیہ لگائے ہوئے جس کا بھرت اذخر گھاس کا تھا۔ حضرت عمر رض بولے آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یا رسول اللہ کسریٰ اور قیصر تو دیباج پر آرام کرتے ہیں (اور آپ کی یہ حالت ہے) اس پر آپ نے فرمایا۔ اے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان (کافروں) کے لئے دنیا ہو۔ اور تمہارے لئے آخرت۔ پھر حضرت عمر رض نے آپ کو چھوا تو آپ کو سخت بخار تھا۔ تو بولے آپ کو ایسا سخت بخار حالانکہ آپ اللہ کے رسول ٹھیرے۔ آپ نے فرمایا اس امت میں سخت مبتلائے بلا اس کے نبی ہیں۔ پھر ان سے کمتر نیک۔ پھر ان سے کم تر نیک اور یہی حال تم سے

قبلکم و الامم ۔　　پہلے انبیاء علیہم السلام اور امتوں کا تھا ۔

ف: اس حدیث سے اس امر کا انکشاف ہوا کہ دنیا میں مومن کی جانچ اور اس کی آزمائش اس کے ایمانی طاقت و قوت کے مطابق ہوتی ہے ۔ قوی الایمان سخت تر آزمائشوں میں کسا جاتا ہے اور اس سے اس کے گناہ و قصور معاف ہوتے ہیں ۔ یہاں تک کہ شدائد کی بھٹیوں میں سے گزر کر وہ گناہوں کی گندگی و آلودگی سے پاک صاف ہو جاتا ہے ۔ اور نکھر کر کندن ہو جاتا ہے ۔ جیسا کہ ترمذی کی حدیث کے چند الفاظ میں فما یبرح البلاء بالعبد حتی یترکہ یمشی علی الارض وما علیہ خطیئۃ کہ بندہ پر بلا و مصیبت مسلط رہتی ہے ۔ یہاں تک کہ وہ ایسی حالت میں ہو جاتا ہے کہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور گناہ سے بالکل سبکدوش ہوتا ہے ۔

كتاب الجنايات !

کتاب جنایات کے بیان میں !

۳۲۴

۳۸۲ ۱ **ابو حنیفة** عن عطاء عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عفا عن دم لم یکن لہ ثواب الا الجنة

حضرت ابن عباس سے روایت ہے ۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے خون معاف کیا اس کی جزا جنت ہی ہے ۔

ف: یہ حدیث درحقیقت اس آیت کریمہ کی ترجمانی ہے ۔ وجزاء سیئة سیئة مثلہا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ کہ برائی کا بدلہ اس جیسی برائی سے ہے ۔ پس جس شخص نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے ۔

۳۸۲ ۲ **ابو حنیفة** عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دیة الیهودی والنصرانی مثل دیة المسلم ۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودی اور نصرانی کا خون بہا مثل خون بہا مسلمان کے ہے ۔

ف: یہ حدیث دیت کے مسئلہ اختلافی کو چھیڑتی ہے ۔ اس بارہ میں ائمہ کا اختلاف ہے ۔ حضرت امام مالک کے نزدیک یہودی و نصرانی کی دیت مسلم کی دیت سے آدھی ہے یعنی چھ ہزار درہم کیونکہ ان کے نزدیک پوری دیت بارہ ہزار درہم کی ہے ۔ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک یہودی و نصرانی کی دیت ثلث یا تہائی یعنی چار ہزار درہم ہے ۔ اور حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہودی و نصرانی کی دیت و مسلم آزاد کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہر ایک کی ایک ہی ولیسی ہے یعنی دس ہزار درہم کیونکہ ان کی رائے میں پوری دیت اسی قدر ہے ۔ یہ تو دیت کا اختلاف ہے ۔ اب دلائل کے مبانی بین مذہب امام مالک کے مذہب پر سنن اربعہ کی اس حدیث سے دلیل لائی جاتی ہے ۔ جو بطریق عمرو بن شعیب

نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دیۃ المعاھد نصف دیۃ الحر کہ معاہد کی دیت آزاد کی دیت سے نصف ہے۔ ترمذی کے الفاظ یوں ہیں عقل الکافر نصف عقل المومن کہ کافر کی دیت مسلم کی دیت سے آدھی ہے۔ حضرت امام شافعی کے مذہب پر یا تو اس حدیث سے حجت لائی جاتی ہے جو وہ خود اپنی مسند میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فیصلہ دیا یہودی و نصرانی کی دیت میں چار ہزار درم کا اور مجوسی کی دیت میں آٹھ سو درم کا۔ یا اس حدیث مرفوع سے جو مصنف عبدالرزاق میں عمرو بن شعیب کے طریق سے بدیں الفاظ مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض علی کل مسلم قتل رجلا من اھل الکتاب اربعۃ آلاف۔ کہ آنحضرت نے ہر اس مسلمان پر جو کسی اہل کتاب کے آدمی کو مار ڈالے چار ہزار درم واجب فرمائے۔ حضرت امام اعظم کے مذہب کی زبردست حجت و سنگین دلیل یہ حدیث ذیل ہی ہے کہ نہ جس کی سند میں کوئی خلش ہے نہ اس کے معنی میں کوئی خفا کہ اہل کتاب کی دیت اور مسلم کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ حدیث مرفوع ہے اور سلسلہ سند بے کھوٹ۔ حضرت امام میں کس کو تاب کوئی کھوٹ نکالے حضرت زہری ہیں کس کو مجال گفتگو حضرت سعید بن مسیب ہیں کس کو طاقت مقال اور حضرت ابی ہریرہ تو ہیں اپنی جگہ سب کچھ۔ جب یہ اصح الاسناد حدیث دستیاب ہوئی تو امام صاحب کے مذہب کی بنا دراصل اسی پر قرار پائی۔ مزید برآں ابوداؤد مراسیل میں سعید بن مسیب سے روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار۔ کہ ہر صاحب عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران میں ہزار دینار ہیں۔ پھر بعینہ اسی کو حضرت شافعی انہیں سعید سے موقوف لائے ہیں۔ اور ترمذی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودی العامریین بدیۃ المسلمین وکان لھما عھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عامریین کی دیت دی مسلمین کی سی دیت اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد تھا۔ اور روایات سے بطریق صحیح اس کا ثبوت ہے کہ آنحضرت کے دور مبارک میں اور خلفاء کی خلافت راشدہ میں اسی پر عمل درآمد تھا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ کے دور حکومت میں یہ عمل ہونے لگا کہ آدھی دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی اور آدھی بیت المال میں داخل کی جاتی چنانچہ ابوداؤد اپنی مراسیل میں ربیعۃ الرای کے طریق سے یوں روایت لائے ہیں کان عقل الذمی مثل عقل المسلم فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزمن ابی بکر وزمن عمر وزمن عثمان حتی کان صدرا من خلافۃ معاویۃ الحدایث کہ ذمی کی دیت مسلم کی دیت جیسی تھی۔ آنحضرت۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان کے مبارک عہدوں میں۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ کی ابتدائی حکومت کا زمانہ آیا۔ عبدالرزاق بھی زہری سے یہی روایت لائے ہیں۔ امام محمد کتاب الآثار میں بیان کرتے ہیں کہ حضرات ابوبکر و عمر یہی فیصلہ دیا کرتے تھے۔ حضرت علی سے اس طرح روایت وارد ہے انما بذلوا الجزیۃ لیکون دماءھم کدماءنا واموالھم کاموالنا۔ کہ انہوں نے جزیہ اس لئے صرف کیا کہ ان کے خون ہمارے خون ہوں۔ اور ان کے مال ہمارے مال۔ یہ حدیث تو گویا سارے جھگڑے کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور اس کا کھلا ثبوت بہم پہنچاتی

Marfat.com

ہے کہ ذمیوں کی دیت اور مسلمین کی دیت میں کوئی فرق و تمیز نہیں۔ ابتداء آنحضرت و خلفائے کرام کے عمل سے اور صحیح السند احادیث مرفوعہ، مرسل و موقوف کی رو سے مذہب حنفیہ ہی کی صداقت کا پلہ جھکتا ہے۔ کیونکہ ہر دو ائمہ کی احادیث شہرت و صحت و کثرت طرق میں یہ درجہ نہیں رکھتیں۔ اگر مخالفین مراسیل میں ارسال کا عیب و سقم نکالیں اور موقوف میں موقوف ہونے کا تو واضح رہے کہ مراسیل احناف، مالکیہ، جمہور علماء کے نزدیک قابل حجت ہیں اور سعید بن مسیب کی مراسیل تو بالاتفاق مقبول ہیں اور وہ حدیث موقوف جس میں قیاس کو گنجائش نہ ہو مرفوع کے حکم میں ہے۔ اور قیاس کو اس میں اس لئے دخل نہیں کہ ہر دو میں مماثلت ظاہر نہیں کہ قیاس کیا جاسکے۔ پھر قیاس بھی مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے کیونکہ نفوس عند اللہ کے وقت احتیاط کا لحاظ زیادہ قرین عقل و درایت ہے اور احتیاط مذہب حنفی میں ہے۔ نہ دوسرے مذاہب میں۔

٤٦١ **ابوحنیفة** عن الشعبی عن جابر رضی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یستقاد من الجراح حتی تبرأ۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصاص نہ لیا جائے زخم رساں سے جب تک کہ زخم خوردہ کا زخم اچھا نہ ہوئے۔

ف: یعنی جب ایک شخص کسی کے زخم لگائے تو تا وقتیکہ زخم خوردہ کا زخم اچھا نہ ہو زخم رساں سے قصاص نہ لیا جائے۔ اس میں بھی امام ابوحنیفہ و مالک و احمد اور امام شافعی کے مابین اختلاف ہے۔ صورت اختلاف کی یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک زخم لگانے کے بعد ہی زخم رساں سے بدلہ لیا جائے گا۔ کیونکہ سبب قصاص پایا گیا۔ خواہ بعد تاخیر وہ زخم اچھا ہو جائے اور وہ اس کو نفس کے قصاص پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں ایسا ہی حکم ہے۔ دوسرے مذکورین اس خیال کے حامی ہیں کہ زخم کی صورت میں فوراً قصاص نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ زخم کے اچھا ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ ان ائمہ کا خیال وجہ معقول پر مبنی ہے۔ جو بالکل قرین قیاس ہے اور ذوق عقل سلیم کو دو گنتے ہیں کہ زخم لگنے کے شدید خفیف ہونے میں نتائج سے [illegible] موجودہ [illegible] وقت ہلکا اور معمولی نظر آتا ہے تو آگے چل کر زخم خوردہ کی موت [illegible] تو یہ تو گویا زخم رساں کے قتل کا باعث ہوا۔ اور ممکن ہے کہ زخم زخم کی حد تک [illegible] اچھا ہو جائے [illegible] اور اس کی روایت بھی یہ [illegible] تائید کرتی ہے [illegible] دارقطنی اور بیہقی حضرت جابر سے حدیث [illegible] روایت کرتے ہیں کہ زخموں کا [illegible] کیا جائے [illegible] ایک سال تک تاخیر کی [illegible] اس کے موافق فیصلہ دیا جائے۔ دارقطنی کے سلسلہ روایت میں [illegible] حدیث کو مجروح کرتا ہے اور بیہقی [illegible] ابن ابی [illegible] شعبی کے واسطہ سے [illegible] لہذا ماننا پڑتا ہے کہ امام صاحب کا ہی مذہب [illegible] ہے۔

Marfat.com

۲۲۵

كتاب الاحكام

ابو حنيفة عن الهيثم عن الحسن عن ابي ذرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا اباذرؓ الامارة امانة وهي يوم القيامة خزيٌ و ندامة الّا من اخذها من حقها وادّى الذي عليه و انّٰى ذلك۔

وفي رواية عن ابي حنيفة عن ابي عسّال عن الحسن عن ابي ذرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الامارة امانة وهي يوم القيامة خزي وندامة الا من اخذها من حقها وادى الذي عليه وانّٰى ذلك يا اباذرؓ۔

کتاب احکام کے بیان میں!

حضرت ابی ذرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابوذر امارت (حکومت) ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے دن رسوائی ہے اور شرمندگی۔ مگر (اس شخص کے لئے رسوائی وشرمندگی نہیں) جس نے امارت (حکومت) کا حق ادا کیا۔ اور جو ذمہ داری اس پر تھی۔ اس سے سبکدوشی حاصل کی۔ اور یہ (ادائیگی حقوق حکومت اور پوری ذمہ داری سے سبکدوشی) ہونا ہی کہاں ہے۔

اور ایک روایت میں حضرت ابی ذرؓ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امارت قیامت کے دن ذلت ہے اور شرمساری۔ مگر جس نے کہ اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس کو ادا کیا۔ (پھر فرمایا) اے اباذر ایسا ہونا ہی کہاں ہے۔

فـ: طبرانی اور بزار سند صحیح سے حضرت عوف بن مالک سے بایں الفاظ روایت لائے ہیں اولہا ملامۃ وثانیہا ندامۃ وثالثہا عذاب یوم القیامۃ الا من عدل۔ کہ امارت کا پہلا حصہ ملامت ہے دوسرا شرمندگی ہے اور تیسرے میں قیامت کا عذاب ہے۔ مگر وہ شخص جو عدل وانصاف سے کام لے۔ مسلم میں بھی یہ حدیث بایں الفاظ ہے مگر اس کے شروع میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ حضرت ابی ذر نے آنحضرت سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے آپ عامل مقرر نہیں فرماتے۔ آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ اے اباذر تم کمزور ہو اور پھر یہی نصیحت کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ غرض یہ حدیث حکومت وولایت کی اہمیت وذمہ داری کی صحیح صحیح ترجمانی کرتی ہے اور جو حکومت کو ایک کھیل سمجھتے ہیں اور اس کو دنیوی عیش وعشرت اور نفسانی لذات وشہوات کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کے حق میں ایک سنگین تازیانہ ہے۔ کہ حکومت جب امانت ٹھہری اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے والا خائن تو قیامت کے دن اس کو ندامت وشرمساری وعذاب الٰہی کا منہ کیوں نہ دیکھنا پڑے۔ پھر یہ امانت بھی معمولی نہیں۔ حاکم کے کندھوں پر حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی بوجھ ہوتا ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں

کے حقوق رسی کا بھی بار۔ تو اب کونسا ایسا خوش قسمت انسان ہے کہ جو ان تمام حقوق کو پورا پورا ادا کرے۔ اور اس سخت آزمائش و امتحان میں پورا اترے۔ اسی لئے آنحضرتؐ فرماتے ہیں و ذالک و ذالک اور ایسا ہوتا ہی کب ہے۔ جو ہزاروں میں ایک نکلا اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ فرمان خداوندی انا عرضنا الامانۃ سے یہی سنگین امانت حکومت مراد ہے اور اس میں بھی اسی امانت کی اہمیت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ حقیقت میں اگر انسان کے دل و دماغ میں حکومت کی یہ ہیبت بیٹھ جائے تو انسان حکومت کی ذمہ داری سے ایسا ڈرے جیساکہ ہر شخص موت سے ڈرتا ہے۔

۲۸۸/۲ **ابوحنیفۃ** عن عطیۃ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ارفع الناس یوم القیٰمۃ امام عادل۔

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن سب لوگوں میں بلند تر امام عادل ہوگا۔

ف: ظالم جابر و بے رحم بادشاہ کی برائی اور عادل مشفق رحم دل بادشاہ کی تعریف سے احادیث صحیحہ پر ہیں۔ طبرانی کبیر میں اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابی بکرہ سے بدیں مضمون حدیث لاتے ہیں کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے زمین میں جس نے اس کی عزت کی اس نے گویا اللہ کی عزت کی اور جس نے اس کی توہین کی اس نے گویا اللہ کی توہین کی۔ اور بزار اپنی مسند میں بیہقی اپنی شعب الایمان میں بدیں معنی حضرت ابن عمر سے روایت لاتے ہیں کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے جس کے پاس اللہ کے مظلوم بندے پناہ لیتے ہیں پس اگر اس نے انصاف کیا تو اس کے لئے اجر و ثواب ہے اور رعایا کے لئے شکر گذاری واجب اور اگر ظلم کیا اور جبر و تشدد و استبداد سے کام لیا تو اس پر اس کا بار ہے۔ اور رعایا کے لئے صبر ضروری۔ اور جب حکام ظلم ڈھاتے ہیں تو آسمان قحط سالی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور جب زکوٰۃ روک لیتے ہیں تو مویشی ہلاکت کی نذر ہوتے ہیں۔ بیہقی شعب الایمان میں حضرت انس سے بدیں مطلب حدیث لائے ہیں کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے زمین میں جو اس کو دھوکا دے وہ گمراہ ہوا جس نے اس کو نصیحت کی اس نے ہدایت پائی۔ ابو نعیم حلیہ میں حضرت انس سے حدیث مرفوع بدیں معنی لائے ہیں۔ کہ چار اشخاص کی دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے۔ ایک امام عادل دوسرا وہ جو اپنے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے۔ تیسرا مظلوم۔ چوتھا اولاد جو اپنے والدین کے لئے دست بدعا ہے۔ نسائی حضرت ابی ہریرہ سے بایں مطلب حدیث نقل لائے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ چار اشخاص کو نہایت مبغوض رکھتا ہے۔ ایک قسم خور تاجر۔ دوسرا متکبر فقیر۔ تیسرا زناکار بوڑھا۔ چوتھا ظالم بادشاہ۔ باقی انہیں احادیث کے ہم معنی و مطلب بہت سی احادیث کتب صحاح میں وارد ہیں۔

۲۸۹/۲ **ابوحنیفۃ** عن الحسن بن عبید اللہ عن حبیب بن ابی ثابت عن ابن بریدۃ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں سے

Marfat.com

عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم القضاۃ ثلثۃ۔ قاضیان فی النار و قاض یقضی فی الناس بغیر علم و یوکل بعضھم مال بعض۔ و قاض یترک علمہ و یقضی بغیر الحق فھذان فی النار۔ و قاض یقضی بکتاب اللہ فھو فی الجنۃ ۔

ہیں۔ دو ان میں دوزخی ہیں (یعنی) وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے لوگوں میں بغیر علم کتاب و سنت کے اور ایک کو دوسرے کا مال (ناحق) کھلاتا ہے۔ اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈالتا ہے۔ اور ناحق فیصلے دیتا ہے۔ تو یہ ہر دو قسم قاضی دوزخی ہیں۔ اور (تیسرا) وہ قاضی جو فیصلہ دیتا ہے کتاب اللہ کی رو سے تو وہ جنتی ہے ۔

ف:۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ وغیرہ میں قدرے اختصار کے ساتھ یوں وارد ہے۔ القضاۃ ثلثۃ اثنان فی النار و واحد فی الجنۃ رجل علم الحق فقضی بہ فھو فی الجنۃ و رجل قضی للناس علی جھل فھو فی النار و رجل عرف الحق فجار فی الحق فھو فی النار۔ کہ قاضی تین قسم کے ہیں دو دوزخی اور ایک جنتی۔ وہ شخص جس نے حق پہچانا اور اس کے ماتحت فیصلہ دیا تو وہ جنتی ہے اور وہ شخص جس نے لوگوں میں جہالت پر فیصلہ دیا۔ وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق کو تو پہچانا۔ مگر حق رسی میں ظلم کیا تو وہ بھی دوزخی ہے۔ اور واقعی ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ حق و انصاف کا سرچشمہ کتاب اللہ و سنت رسول ہے۔ جس نے اس سے ہٹ کر اور اس سے جاہل بنکر فیصلہ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ اور ایسا گمراہ و گمراہ کن سزاوار عذاب دوزخ ہی ہے۔ اور جو جان بوجھ کر عالم بدعمل بنکر لوگوں کو گمراہ کرے۔ اور غلط فیصلے دے تو یہ تو پہلے سے بڑھ کر بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ علم کو چھپانے کا ایک علیحدہ سنگین جرم ہے جو اس کی طرف بالاستقلال عائد ہوتا ہے اور جس کی پاداش میں یہ بالاولی مستحق عذاب دوزخ ہے۔ اب رہا تیسرا تو کیا کہنے یہ اللہ کی کتاب کی رو سے فیصلے دیتا ہے۔ اور لوگوں میں اللہ کا سچا فرمان جاری کرتا ہے۔ اور یوں زمین میں اللہ کی سچی خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے تو ایسا قاضی جنت کا حقدار کیوں نہ ہو ۔

ابوحنیفۃ عن عبد الملک عن ابی بکرۃ ان اباہ کتب الیہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یقضی الحاکم وھو غضبان ۔ ۴۹۰/۴

حضرت ابی بکرہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کو لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حاکم بحالت غضب فیصلہ نہ دے ۔

ف:۔ یہ حدیث تقریباً انہیں الفاظ سے صحیحین و دیگر صحاح میں وارد ہے اور واقعی قاضی کے لئے ضروری ہے اور لازمی ہے کہ کسی معاملہ میں فیصلہ دیتے وقت اس کے دل و دماغ اعتدالی حالت پر ہوں۔ کیونکہ اگر وہ اعتدالی کیفیت چھوڑ بیٹھیں گے تو یقیناً اس کی رائے اور اس کا فیصلہ حق سے ہٹ جائے گا۔ اور بحالت غضب میں طبیعت و مزاج میں اعتدال معدوم ہوتا ہے۔ حرارت و گرمی کا جوش ہوتا ہے۔ لہذا فیصلہ میں بھی تشدد و سختی۔ تند مزاجی و درشتی کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔ اسی لئے ایسی حالت میں فیصلہ دینا ممنوع ہے۔ چنانچہ فقہا نے اسی فطری اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اسی حدیث کے ماتحت ہر اس حالت

Marfat.com

میں فیصلہ صادر کرنا ناجائز قرار دیا ہے جس کی وجہ سے انسان کے دل و دماغ ٹھکانے نہ ہوں۔ مثلاً بے تابی کی بھوک لگی ہو۔ ناک تک کھانے سے پیٹ کو تان رکھا ہو۔ بے چین کرنے والا مرض لاحق ہو۔ وحشت میں ڈالنے والا خوف دامنگیر ہو۔ بے انتہا خوشی لاحق ہو۔ نیند کا بہت غلبہ ہو۔ دل و دماغ پر غم و فکر کا غلبہ ہو۔ پیشاب پاخانے کی حاجت بے چین کر رہی ہو۔ بے کل کرنے والی نہ لگنے کی گرمی پڑ رہی ہو۔ ہاکڑ کے کا جاڑا پڑ رہا ہو۔ تو ایسے حالات میں بھی فیصلہ صادر کرنا روا نہیں ؞

٢٥١/٥ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال رفع القلم عن ثلثة عن الصبی حتی یکبر وعن المجنون حتی یفیق۔ وعن النائم حتی یستیقظ ؞

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اشخاص سے قلم اٹھا لیا گیا اور گویا یہ دین کی ذمہ داری سے سبکدوش ہیں (۱) ایک بچہ جب تک وہ بالغ ہو۔ (۲) دوسرا مجنون جب تک وہ صحت یاب ہو۔ (۳) تیسرا سونے والا جب تک وہ نیند سے جاگے ؞

وفی روایة عن حماد عن سعید بن جبیر عن حذیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رفع القلم عن ثلثة۔ عن النائم حتی یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق وعن الصبی حتی یحتلم ؞

اور ایک روایت میں حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پر سے قلم اٹھا لیا گیا (یہ تکلیف شرعی کے بوجھ سے بچے ہیں) سونے والا جب تک نہ جاگے۔ مجنون جب تک صحت یاب ہو۔ بچہ جب تک بالغ ہو ؞

ف: یہ حدیث کتب صحاح میں اسی طرح وارد ہے۔ اور یہ واقعہ اس بنا پر ہے کہ تکلیف شرعی کا مدار دراصل عقل و شعور پر ہے اور اس سے یہ تینوں اشخاص محروم ہیں۔ اس لئے یہ ان حالات میں دینی فرائض سے سبکدوش ہوئے اور اس سے بری۔ اگر ایسی حالت میں ان پر تکلیف شرعی کا بوجھ ڈالا جائے تو تکلیف مالا یطاق ہوگی جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نہیں دیتا ؞

٢٥٢/٦ **ابوحنیفة** عن الشعبی عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المدعی علیه اولی بالیمین اذا لم یکن بینة

حضرت ابن عباس رضہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لینا اولیٰ ہے ؞

ف: بیہقی نے حضرت ابن عمر رضہ سے مرفوع روایت کی ہے۔ المدعی علیه اولی بالیمین الا ان تقوم علیه البینة۔ کہ مدعی علیہ پر قسم ہے مگر یہ کہ مدعی اس پر گواہ پیش کر دے۔ گویا مدعی نے گواہ پیش کر دئے تو مدعی علیہ سے قسم لینے کی کوئی حاجت نہیں۔ بیہقی حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت لائے ہیں ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لو یعطی الناس بدعواهم لادعی رجال اموال قوم ودماءهم لکن البینة علی المدعی والیمین علی من انکر کہ آنحضرت نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ محض لوگوں کے دعوی پر فیصلہ دے دیا کرتا تو البتہ لوگ دعوی کر کے لوگوں کے مال اینٹھ لیا کرتے اور ان کے خون بہا

ڈالتے لیکن انہی کی طرف سے گواہ مدعی کے ذمہ رکھے گئے اور قسم منکر (مدعی علیہ) کے ذمہ لگائی گئی۔

حدیث ذیل دراصل دو اختلافی مسئلوں میں شافعیہ کے خلاف حنفیہ کی سنگین حجت ہے۔ اور حجۃ ذیل بصورت اختلاف نقل کی یہ ہے کہ دعویٰ پیش ہونے پر سب ہی کے نزدیک مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اگر اس نے پیش کر دیے تو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ اگر نہ پیش کر سکا تو مدعا علیہ پر قسم آئے گی۔ اگر اس نے قسم کھائی تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ اگر وہ قسم سے منکر ہوا تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھر بھی فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا۔ اور اب مدعی سے قسم لینے کی ہرگز ضرورت نہیں گویا تحقیقات مقدمہ کا آخری پہلو تھا جو ختم ہوا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قسم مدعی کی طرف لوٹے گی۔ اگر اس نے قسم کھا لی تو دعویٰ جیتا ورنہ نہیں۔ امام مالک و احمد بھی امام شافعی کے ہم خیال ہیں۔ اور ان کے ساتھ متفق القول۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مدعی علیہ جب قسم سے انکار کر گیا تو ظاہر مدعی کا موافق ہوا اور اس میں مدعی علیہ کی سی کیفیت پیدا ہوئی تو اس سے قسم لی جائے گی۔ امام صاحب کے مذہب پر مندرجہ ذیل اور مذکورہ احادیث ناقابل تردید حجتیں ہیں جو صاف گویا ہیں کہ مدعی کے ذمہ محض گواہوں کا پیش کرنا ہے۔ قسم سے اس کو نہ کوئی واسطہ نہ سروکار۔ اور مدعی علیہ کے ذمہ صرف قسم ہے اور یہی اس کی ذمہ داری کا آخری فیصلہ اس کو گواہوں سے نہ کوئی واسطہ نہ تعلق۔ گویا آنحضرت نے مدعی و مدعی علیہ ہر ایک کی ذمہ داری کو مفرد و مشخص کی طرح تقسیم فرما دیا تو اب ان میں باہمی شرکت کیسی۔ اور اس ذمہ داری میں ثنویہ کیسا۔ یہ حدیث کی صریح مخالفت نہیں تو کیا ہے۔ کجا یہ حدیث دانی کا یہ دعویٰ اور کہیں حدیث فہمی سے اتنی دوری۔ ذرا بتائیے یہاں احناف اہل الرائے ہیں یا دوسرے۔ یہاں حنفیہ تارک الحدیث ہیں یا اغیار۔ پھر آئیے ایک اور پہلو سے صداقت و حق کو جانچئے اور ذرا فیصلہ کیجئے۔ کہ حقیقت کیا ہے۔ ترمذی میں حضرت وائل سے روایت وارد ہے۔

قال جاء رجل من حضرموت ورجل من كندة الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال الحضرمي يا رسول الله ان هذا غلبني على ارض لي فقال الكندي هي ارضي وفي يدي ليس له فيها حق فقال النبي صلى الله عليه وسلم للحضرمي الك بينة قال لا قال فلك يمينه قال يا رسول الله ان الرجل فاجر لا يبالي على ما حلف عليه وليس يتورع من شيء قال ليس لك منه الا ذلك قال انطلق الرجل ليحلف له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ادبر لئن ادبر على ماله ياكل ليلقين الله وهو عنه معرض۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرموت کا رہنے والا اور ایک کندہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے حضرمی نے کہا یا رسول اللہ یہ میری زمین چھین بیٹھا ہے۔ کندی نے کہا یہ تو میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ اس کا اس میں کیا حق۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے کہا تیرے پاس گواہ ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ اب تو تیرے لئے اس سے قسم ہی لینا ہے۔ تو وہ بولا یا رسول اللہ یہ بدکار ہے نہیں پرواہ کرتا کہ اس نے کس چیز پر قسم کھائی اور کسی چیز سے نہیں بچتا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے اب اس کی طرف سے یہی ہے اور بس کچھ نہیں۔ حضرت وائل کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا قسم کھانے اور جب واپس پھرا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے اس کے مال پر قسم کھائی کہ اس کا مال ہضم کر جائے تو یہ خدا

Marfat.com

تعالیٰ سے بروز قیامت ایسے ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیرے ہوگا۔ صحیحین میں بھی یہ حدیث کچھ
ردوبدل سے یونہی وارد ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں حضور اکرم کے الفاظ لیس لک منہ الا ذالک سے
صاف آشکارا ہے کہ مدعی علیہ کی قسم آخری [illegible] ہے۔ اور کارروائی دعویٰ کی آخری کڑی۔ اور مدعی کی طرف
سے بینہ نہ ملنے پر اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اب اس سے زیادہ صاف اور کیا حجت چاہئے۔
پھر یوں بھی نحوی اصول سے حدیث کو جانچئے تو بھی صداقت مذہب حنفیت آشکارا ہے۔ کہ حدیث
ابن عباس میں بینہ اور یمین ہر دو پر الف لام لائے ہیں اور یہاں کوئی خاص بینہ اور یمین تو مراد ہے نہیں
تو گویا جنس بینہ اور جنس یمین مراد ہوگی اور جنس بینہ کے سارے افراد مدعی کے لئے مخصوص ہو گئے اور
یمین کے سارے افراد مدعی علیہ کے لئے۔ لہٰذا بعض افراد یمین کو مدعی کے لئے حجت بنانا گویا حدیث کی
صریح مخالفت کرنا ہے۔ یہ بحث کا ایک رخ تھا جو آپ کے سامنے آیا۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ صورت اختلاف
یہ ہے کہ بروقت مطالبہ گواہاں اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو اور ایک ہی گواہ اس کو مل سکے۔ تو
امام شافعی کے نزدیک اس سے قسم بھی لی جائے گی اور ایک گواہ اور قسم کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ دیا
جائے گا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مدعی کے لئے محض دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ دو گواہ لائے یا ایک
مرد اور دو عورتیں۔ اگر ان مردوں اور عورتوں پر وہ قادر نہیں تو پھر مدعی علیہ کے ذمہ قسم ہے۔ مدعی کو قسم سے کوئی
واسطہ نہیں۔ شافعیہ کے مذہب کی حجت مسلم کی وہ حدیث ہے جو ابن عباس سے مروی ہے [illegible]
ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بیمین وشاہد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مدعی کی طرف سے قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ دیا۔ احناف کے مذہب پر یہی احادیث مذکورہ بالا حجت
دلائل ہیں۔ پھر قرآن کی آیت واستشہدوا شہیدین من رجالکم اس کی مزید مؤید ہے۔
احادیث بالاتفاق ہے کہ مدعی کو کسی صورت میں قسم سے کوئی واسطہ نہیں گواہ پیش کرے یا نہیں مدعی
علیہ گواہ پیش کرنے سے کوئی علاقہ خواہ قسم کھائے یا نہ کھائے چنانچہ بخاری میں یہودی کے [illegible]
میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے اس کے یہ کھلے اور صاف الفاظ میں شاہداک او یمینہ
کہا تو اے مدعی تیرے گواہ ہی بنائے فیصلہ ہیں یا یہ مدعی علیہ کی قسم۔ گویا یہ دو امر ایک جا جمع نہیں ہو
سکتے۔ بحر مسلم و ترمذی کی حدیث بالا میں لیس لک الا ذالک اسی کی تائید ہے۔ پھر وہ احادیث ہیں
جن کو سب ہی احناف اور شافعیہ نے صحیح مانا ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ بخلاف حدیث
قسم اور ایک گواہ کے کہ اس کو غریب مانا گیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے اس کو معلول بتایا ہے اس حدیث میں
دو جگہ انقطاع مانا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک قیس والی کی سند میں ہے عمرو بن دینار سے ملا نہیں
اور بعض کے نزدیک عمرو بن دینار کو ابن عباس سے سماع نہیں۔ چنانچہ دارقطنی عمرو اور ابن عباس کے
درمیان طاؤس کو لاتے ہیں۔ لہٰذا ان وجوہ [illegible] اور یہاں احناف کی احادیث کے بالمقابل [illegible]
انہیں ان کو مانیں [illegible] مذہب حنفی ہی کی صداقت کھلی ہے
اب لیجئے آیت کریمہ [illegible] فرمایا واستشہدوا

Marfat.com

شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشہداء ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخری۔ کہ دو گواہ بنا لو اپنے مردوں میں سے پس اگر دو مرد میسر نہ آ سکیں تو ایک مرد ہو اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں سے کوئی ایک بھی بھول جائے۔ تو ان میں ایک دوسرے کو یاد دلا دے۔ عجیب کون عقلمند اس کلام الٰہی میں سے ایک گواہ اور قسم کی صورت کھود کر نکال لے گا۔ حالانکہ یہ گواہی کے بارہ میں پورا تفصیلی بیان ہے اس میں تو انہیں دو صورتوں کا حصر کیا گیا ہے کہ یا مدعی دو مرد گواہ لائے یا اگر دو مرد نہ لا سکے تو ایک مرد اور دو عورتیں لے آئے اس کے علاوہ نہ تیسری صورت کا اشارۃً ذکر ہے نہ کنایۃً۔ لہذا ایسی صورت کا جائز قرار دینا قرآن کا نسخ ہے اور اس میں صریح زیادتی۔ پھر یہ آیت کے سرسری معنی تھے اب ذرا الفاظ پر نظر غائر ڈالئے تو حقیقت سے پورا پردہ اٹھ جائے گا۔ مثلاً اگر تیسری صورت کا ذرا سا بھی احتمال ہوتا۔ تو فان لم یکونا کی دوسری شق مسلم کرنا تمام ہو جاتی۔ بلکہ یوں عبارت کا انداز ہوتا فان لم یکونا فرجل ویمین المدعی یعنی اور اگر ایک مرد اور دو عورتیں بھی دستیاب نہ ہو سکیں تو پھر ایک مرد اور مدعی کی قسم ہو۔ پھر یہاں ہر دو صورتوں کو پیش فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا ممن ترضون من الشہداء یعنی ان گواہوں کو تم پسند کر لیتے ہو۔ حالانکہ ان کی اضافہ کی ہوئی تیسری صورت میں گواہ محض ایک ہے۔ کیونکہ مدعی تو بہر حال گواہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بخاری میں نقل ہے کہ ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ ابو الزناد سے قسم اور ایک شاہد کے مسئلہ پر میری ان کی گفتگو ہوئی۔ تو میں نے یہ آیت پڑھی اور کہا کہ جب ایک گواہ اور قسم سے کام چل جاتا ہے تو مطابق فتذکر احداھما الاخری ایک عورت کا دوسری کو یاد دلانے کی کیا ضرورت پیش آتی۔ غرض آیت کے اعتبار سے بھی مذہب احناف سراسر حق ہے اور قابل قبول۔ پھر یہ مقامات حقیقت میں عبرت کے قابل ہیں کہ امام صاحب جس مسئلہ سے جدا ہو کر اپنے خیال و اپنی رائے میں جہاں تن تنہا ہوتے ہیں وہاں بھی ان کی رائے کا پلہ کس قدر وزنی اور بھاری ہوتا ہے اور حدیث و قرآن کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ وہ کس قدر اپنے پیش نظر رکھتے ہیں کہ پھر روایۃ و درایۃ ان کے خیال کو جنبش نہیں ہو سکتی ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۔

ابو حنیفۃ عن حماد ان رجلا حدثہ ان الاشعث بن قیس اشتری من عبد اللہ بن مسعود رقیقا فتقاضاہ عبد اللہ فقال الاشعث ابتعت منک بعشرۃ الاف وقال عبد اللہ بن مسعود بعت منک بعشرین الفا۔

فقال اجعل بینی و بینک من شئت فقال الاشعث۔ انت بینی و

کسی شخص نے حماد سے بیان کیا کہ اشعث بن قیس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ایک غلام خریدا۔ ابن مسعود نے اس سے اس کے داموں کا تقاضا کیا۔ اس پر اشعث نے کہا کہ میں نے تم سے دس ہزار درہم میں خریدا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود بولے واہ! میں نے اس کو تیرے ہاتھ بیس ہزار درہم میں بیچا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا اچھا تو میرے اور اپنے درمیان کسی کو حکم مقرر کر لے۔ اس

Marfat.com

بَيْنِك -

فقال عبد الله أخبرك بقضاء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم -

يقول اذا اختلف البيّعان في الثمن ولم يكن لهما بينة والسلعة قائمة فالقول ما قال البائع او يترادان ۔

سے ہمارا جھگڑا چک جائے۔ اشعث نے کہا۔ تو تم میرے اور تمہارے درمیان حکم ہو۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بولے کہ اچھا تو میں تجھ کو وہ فیصلہ سناتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب بائع اور مشتری تعداد قیمت میں جھگڑ پڑیں اور ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں اور چیز فروخت شدہ بھی موجود ہو تو قول بائع کا معتبر ہوگا یا دونا لیں واپس بیع کو ۔

ف: یہ حدیث کتب حدیث میں اسی طرح وارد ہے اور اپنے معنی و مطلب میں واضح ہے ۔

ابو حنيفة عن القاسم عن ابيه عن جده ان الاشعث بن قيس اشترى من ابن مسعود رقيقاً من رقيق الامارة فتقاضاه عبد الله فاختلفا فيه فقال الاشعث اشتريت منك بعشرة الاف درهم وقال عبد الله بعت منك بعشرين الفاً فقال عبد الله اجعل بيني وبينك رجلاً۔

فقال الاشعث فاني اجعلك بيني وبين نفسك ۔

قال عبد الله فاني سأقضي بيني وبينك بقضاء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا اختلف البائعان فالقول ما قال البائع فاما ان يرضى المشترى به او يترادان البيع ۔

وفي رواية عن القاسم عن ابيه عن

قاسم کے دادا سے روایت ہے کہ اشعث بن قیس نے حضرت عبد اللہ [illegible] ایک غلام [illegible] نے جب اس سے [illegible] قیمت [illegible] میں ہر دو کے درمیان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور اپنے درمیان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سے کہ جب خریدار اور فروخت کنندہ [illegible] آپس میں جھگڑ پڑیں تو بائع کی بات مانی جائے گی پس یا تو خریدار فروخت کنندہ کی بات پر راضی ہو جائے۔ یا پھر وہ دونوں بیع کو واپس کر دیں ۔

ایک روایت میں قاسم کے دادا سے یوں ہے

جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اختلف البائعان والسلعة قائمة فالقول قول البائع او يترادان زاد فى رواية البيع.

وفى رواية اذا اختلف المتبايعان فالقول قول البائع او يترادان.

وفى رواية عن عبد الله ان الاشعث اشترى منه رقيقا فتقاضاه فاختلفا.

فقال عبد الله بعشرين الفا وقال الاشعث بعشرة الاف.

فقال عبد الله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا اختلف البائعان فالقول قول البائع او يترادان۔

ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بائع اور مشتری آپس میں جھگڑیں اور فروخت شدہ سامان بدستور موجود ہوں تو بائع کا قول معتبر ہوگا۔ یا وہ ہر دو بیع کو لوٹالیں۔ ایک روائیت میں یترادان کے ساتھ لفظ بیع بھی زائد ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مختلف القول ہوں۔ بائع و مشتری تو قول بائع کا معتبر ہے یا وہ بیع کو پھیر لیں۔ اور ایک روایت میں حضرت عبد اللہ سے یوں مروی ہے کہ اشعث نے خریدا ان سے ایک غلام انہوں نے اس سے اس کی قیمت کا تقاضا کیا۔ اور پھر آپس میں ان کے اختلاف ہوگیا۔ عبد اللہ نے کہا بیس ہزار درہم (میں میں نے اس کو بیچا ہے۔ اشعث نے کہا دس ہزار درہم (میں میں نے اس کو خریدا ہے)۔ حضرت عبد اللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ کہ جب بائع و مشتری تنازع کریں تو قول بائع کا معتبر ہوگا یا وہ دونوں بیع کو لوٹالیں۔

ف:- یہ پہلی حدیث کی مختلف روایات سے تفصیل ہے۔

۲۹۵/۹ **ابوحنیفة** عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم ان رجلین اختصما الیه فی ناقة وقد اقام کل واحد منهما انها نتجت عنده فقضی بها للذی فی یده۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ دو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ایک اونٹنی کے بارہ میں جھگڑتے ہوئے اور ہر ایک نے ان میں سے گواہ پیش کئے کہ وہ اسی کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹنی اسی کو دلا دی جس کے قبضہ میں تھی۔

ف:- گویا قبضہ کے باعث قابض ہی حقدار ٹھہرا۔

۲۹۶/۱۰ **ابوحنیفة** عن الهیثم عن رجل عن جابر بن عبد الله قال اختصم رجلان فی ناقة کل واحد منهما یقیم البینة انها ناقته نتجها

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا دو شخص ایک اونٹنی کے بارہ میں جھگڑ پڑے۔ ان میں سے ہر ایک نے گواہ پیش کیے کہ وہ اونٹنی اسی کے ہاں پیدا ہوئی ہے

Marfat.com

فقضٰی بھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم للذی ھی فی یدہٖ ۔

وفی روایۃٍ ان رجلین اتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ناقۃ فاقام ھٰذا البیّنۃ انہ نتجھا واقام ھٰذا البیّنۃ انہ نتجھا فجعلھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للذی ھی فی یدہٖ ۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اس کو دلائی جس کے وہ قبضہ میں تھی ۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ دو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ۔ اونٹنی میں جھگڑتے ہوئے ۔ ایک نے اس پر گواہ پیش کئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے ۔ دوسرا اس پر گواہ لایا کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے ۔ اندا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اس کو دلا دی جس کے وہ قبضہ میں تھی ۔

فائدہ: اس میں سابق حدیث کے مضمون کی تکرار ہے ۔

٤٦٦

کتاب الفتن

کتاب فتنوں کے بیان میں !

٤٦٧ **ابوحنیفۃ** عن یحیی عن حمید عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلّ السیف علی امتی فان لجھنم سبعۃ ابواب بابٌ منھا لمن سلّ السیف ۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے تلوار کھینچی میری امت پر تو جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ خاص اس کے لئے ہے جس نے میری امت پر تلوار کھینچی ۔

ف: بخاری حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث لاتے ہیں من حمل علینا السلاح فلیس منا کہ جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں کے یعنی سخت دھمکی ہے کہ مسلمان آپس میں لڑیں ۔ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار استعمال کریں اور بھائی کا خون بہائے اور اپنی طاقت کو اپنے ہی لئے نقصان بنائے ۔

٤٦٨ **ابوحنیفۃ** عن الحارث عن ابی المجلاس قال کنت ممن سمع من عبداللہ السبائی کلاما عظیما فاتینا بہ ما اتیناہ ونحن نمرّ عنقہ فی طریقہ فوجدناہ فی الرحبۃ مستلقیا علی ظھرہ واضعا

ابی المجلاس کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے عبداللہ بن سبا سے ایک سخت بات [illegible] ہم اس کو حضرت علیؓ کے پاس [illegible] [illegible] ان کی گردن [illegible] [illegible]

احدى رجليه على الاخرى فسألاه عن الكلام فتكلم به فقال اترويه عن الله تعالى او عن كتابه او عن رسوله فقال لا.

قال فعما تروى.

قال عن نفسي

قال اما انك لو رويت عن الله تبارك وتعالى او عن كتابه او عن رسوله ضربت عنقك ولو رويته عني اوجعتك عقوبة نكنت كاذبا ولكني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول بين يدي الساعة ثلاثون كذابا وانت منهم.

وفي رواية عن ابي الجلاس قال كنت فيمن سمع من عبد الله السبائي كلاما عظيما فاتينا به عليا فوجدناه في الرحبة مستلقيا ظهره واضعا احدى رجليه على الاخرى فسألناه عن الكلام فتكلم.

فقال اترويه عن الله تبارك وتعالى او عن كتابه او عن رسوله.

قال لا.

قال فعمن ترويه.

قال عن نفسي

قال اما انك لو رويت عن الله او عن كتابه او رسوله ضربت عنقك ولو رويت عني اوجعتك عقوبة نكنت كاذبا ولكني سمعت

اس سے اس بات کے بارہ میں پوچھا اس نے اپنا کلام پھر دوہرایا۔ آپ نے کہا تو اللہ سے روایت کرتا ہے (یعنی وحی سے تجھ کو ایسا پتہ چلا گویا تو نبی ہے)۔ یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول سے۔ اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے کہا کہ پھر کس سے یہ نقل کرتا ہے اس نے کہا اپنے دل سے۔ آپ نے فرمایا اگر تو اس کی روایت ظاہر کرتا اللہ تبارک وتعالیٰ سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول سے تو میں (اس کی سزا میں) تیری گردن مارتا۔ اور اگر میری طرف اس کی نسبت کرتا تو میں تجھ کو دردناک سزا دیتا۔ پس تو ہوتا جھوٹا (یعنی مردود الشہادۃ) لیکن میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہوئے کہ قیامت سے پہلے تیس جھوٹے ہوں گے اور تو انہیں میں سے ہے۔

اور ایک روایت میں ابی الجلاس سے یوں نقل ہے کہ اس نے کہا میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے سنا عبداللہ سبائی سے بڑا بول تو ہم اس کو حضرت علی کے پاس پکڑ کر لائے اور ہم نے ان کو صحن مسجد میں چت لیٹے ہوئے پاؤں پر پاؤں رکھے ہوئے پایا۔ آپ نے اس سے اس بات کے بارہ میں پوچھا۔ تو وہ وہی بات بولا۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتا ہے (یعنی وحی سے تجھ کو اس کا پتہ چلا)۔ یا اس کی کتاب سے (یعنی قرآن پر زیادتی کرتا ہے) یا اس کے رسول سے (یعنی آنحضرت پر اتہام لگاتا ہے) اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے کہا کہ پھر کس سے اس بات کو نقل کرتا ہے۔ اس نے کہا اپنے دل سے۔ آپ نے فرمایا اگر تو روایت کرنے کا دعویٰ کرتا اللہ سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول سے تو میں تیری گردن اڑاتا۔ اور اگر تو اس بات کی میری طرف نسبت کرتا۔ تو میں تجھ کو دردناک سزا دیتا اور تو جھوٹا ہوتا۔ (گویا قائل

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بین یدی الساعة ثلاثون کذابا فانت منہم ۔

شہادت دیتا) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت سے پہلے تیس جھوٹے ہوں گے۔ اور تو ان میں سے ہے ۔

ف :- زیادہ تر حدیثوں میں جھوٹوں کی تعداد تیس تک آئی ہے۔ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ سے بدیں مضمون روایت ہے کہ قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ جھوٹے دجال اٹھیں گے جو قریب تیس کے ہوں گے۔ ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ رسول اللہ ہے۔ حضرت ثوبان کی روایت میں پورے تیس ہی کی تعداد آئی ہے۔ بعض روایات میں مثلاً امام احمد کی روایت میں ستائیس کی تعداد بھی مذکور ہے۔ طبرانی کی روایت میں ستر کی تعداد بھی آئی ہے۔ اس سے محض کثرت مراد ہے نہ خاص تعداد ۔

ابو حنیفة عن عبد الرحمٰن عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان یختلفون الی القبور فیضعون بطونہم علیہ ویقولون وددنا لوکنا حاجب ھذا القبر قیل یارسول اللہ وکیف یکون قال لشدة الزمان وکثرة البلایا والفتن ۔ ۴۰۹/۲

حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قبروں پر بکثرت لیٹے ہوئے جائیں گے اور ان پر اپنا پیٹ رکھیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو ارمان ہے کہ ہم اس صاحب قبر کی جگہ ہوتے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوگا آپ نے فرمایا زمانہ کی سختی اور بلاؤں اور فتنوں کی کثرت کے سبب ۔

ف :- ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع روایت بدیں مضمون وارد ہے کہ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص قبر پر گذرے گا اور اس پر لوٹے گا اور کہے گا کاش میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا۔ اور دین پر آزمائش سے نہ ہوگا۔ غرض کہ دین پر ایسا صبر آزما زمانہ ہوگا۔ اور ایسی جانچ و آزمائش کا دور ہوگا کہ انسان خود بخود مرے سے اپنی موت طلب کرے گا اور مُردوں پر رشک کرے گا۔ اور اول اپنی موت کو اپنی زندگی پر ترجیح دے گا۔ گو دنیا کی الفت و محبت ہر شخص کی طبیعت و سرشت میں پیوست ہے اور کسی وقت بھی اور کسی قیمت پر بھی انسان دنیا کو ہاتھ سے چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ مگر یہ اسی حد تک کہ دنیوی زندگی آسائشوں مسرتوں اور دلچسپیوں سے پُر ہو۔ اور پوری دنیا اس کے لئے گہوارہ راحت بنی ہو ورنہ اگر یہی دنیا بجائے راحت کدہ کے مصیبت کدہ بن جائے اور آرزو آلام کا مرکز ہو جب کہ دل بے چینی کا مسکن ہو تو انسان کو موت زندگی سے بدرجہا خوشتر لگتی ہے اور بجائے زندگی کے موت میں راحت نظر آتی ہے ۔

كتاب التفسير! ۲۲۷ کتاب تفسیر قرآن میں!

حماد عن ابیہ عن ابی فروة عن عطاء

حضرت ابن عباس سے قرآن عزوجل کے قول

بن السائب عن ابی الضحیٰ عن ابن عباسؓ فی قولہ عزوجل الٓمّٓ قال انا اللہ واللہ اعلم واری ﴿

الٓمّٓ کی تفسیر میں فرماتے ہیں انا اللہ (میں اللہ ہوں) واللہ اعلم وادی (اور اللہ اعلم ہے اور دیکھنے والا) ﴿

ف: یعنی الٓمّٓ مخفف ہے اَنَا اللّٰہُ اور اللّٰہُ اَعْلَمُ کا۔ تفسیر سراج المنیر میں ابن عباسؓ سے یوں روایت ہے کہ الٓمّٓ کے معنی انا اللہ اعلم کے ہیں کہ میں اللہ ہوں اور جانتا ہوں اور الٓرٰ کے معنی انا اللہ اریٰ کے کہ میں اللہ ہوں اور دیکھتا ہوں اور الٓمّٓرٰ کے معنی انا اللہ اعلم وادی کے کہ میں اللہ ہوں اور جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں گویا ہر جگہ ہمزہ سے (انا) کی طرف اشارہ ہوا۔ لام سے (اللہ) کی طرف۔ میم سے (اعلم) کی جانب۔ اور راء سے (ادی) کی جانب ﴿

لہٰذا اس روایت کے پیش نظر الٓمّٓ کی تفسیر میں لفظ ادی کی زیادتی مسند میں بے موقع و بے محل نظر آتی ہے یہ غالباً قلم کاتب کی لغزش ہو گی کہ اعلم کے ساتھ ساتھ ادی بھی لکھ مارا۔ یا پھر ممکن ہے یہ ہو کہ لفظ الٓمّٓرٰ کے لکھنے میں راء کی کشش میں کوتاہی برتی ہو اور بجائے الٓمّٓرٰ کے الٓمّٓ لکھ دیا ہو۔ تو اس صورت میں لفظ ادی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھے گا ﴿

حروف مقطعات کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال وارد ہیں کہ ان کے معانی کیا ہیں اور یہ کہ یہ کن اسرار کی طرف مشیر ہیں۔ جمہور علماء کا اور خصوصاً خلفاء اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ ہم محض ان کے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں ان کے معانی و مطالب سے اللہ ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے ﴿

٥١/٢ **حماد** عن ابیہ عن سلمۃ بن نبیط قال کنت عند الضحاک ابن مزاحم فیسألہ رجل عن ھٰذہ الاٰیۃ انا نراک من المحسنین ما کان احسانہ

قال کان اذا رأی رجلاً ضیقًا عابہ وسّع علیہ واذا رأی مریضًا قام علیہ واذا رأی محتاجًا سأل لقضاء حاجتہ ﴿

سلمہ بن نبیط کہتے ہیں کہ میں ضحاک بن مزاحم کے پاس تھا کہ ان سے ایک شخص نے انا نراک من المحسنین (کہ آپ ہم کو نیک و محسن آدمی معلوم ہوتے ہیں) کے بارہ میں پوچھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا احسان کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ کسی تنگدست کو دیکھتے تو اس کی مالی مدد فرماتے جب کسی بیمار کو دیکھتے تو اس کی تیمارداری کے لئے کمربستہ ہو جاتے اور جب کسی حاجتمند کو دیکھتے تو اس کی حاجت کو پوچھتے کہ اس کی حاجت روائی کریں ﴿

ف: حقیقت میں یہ ہر سہ امور نیکی کی چوٹی کی چیزیں ہیں کہ تنگدستی محتاجگی اور ناداری کے ایام انسانی زندگی میں نہایت تاریک اور مصیبت بھرے شمار ہوتے ہیں۔ ایسے دکھ اور تکلیف کی گھڑیوں میں جو اللہ کا بندہ مدد و معاونت کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ وہ فرشتہ رحمت معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جو انسان کسی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی جسمانی دکھ کا شکار ہو تو اس کے کرب و بے چینی کا کیا ٹھکانہ۔ اور اس کی بے کلی اور بے آرامی کا کیا اندازہ پھر ایسی تکلیف کی گھڑیوں میں جو اللہ کا بندہ اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لئے کمربستہ ہوتا ہے اس کی

Marfat.com

راحت جسمانی کے اسباب مہیا کرتا ہے وہ انسانیت و شرافت نیکی و بزرگی کی بلند ترین مثال پیش کرتا ہے۔ یا اور کسی معاملہ میں کسی حاجتمند کی حاجت روائی۔ ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا تقویٰ و نیکی کا بلند ترین درجہ ہے جو اللہ کے خاص خاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔

٥٠٢/٣ حماد عن ابیه عن عطیة عن ابی سعید عن النبی صلے الله علیه وسلم قال اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله تعالیٰ۔ ثم قرأ ان فی ذٰلک لاٰیٰت للمتوسمین۔ المتفرسین۔

حضرت ابی سعید روایت کرتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کی فراست سے۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے نور سے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی ذٰلک لاٰیٰت للمتوسمین کہ البتہ اس میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لئے گویا متوسمین سے متفرسین مراد لیا۔

ف:۔ اللہ کے نور سے دیکھنے کے ہر دو معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ مومن ایمان کی بدولت و مجاہدہ وریاضت کے طفیل سے درجہ ولایت کو پہنچتا ہے اور کرامت کے طور پر بعض بعض واقعات و حالات اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح دلائل کی روشنی میں اور تجربوں کے ماتحت اس کو ہر چیز کے بارہ میں صحیح علم بخشتے ہیں۔ اور عاقبت اندیشی اور دوراندیشی اس میں بلند درجہ کی پیدا ہو جاتی ہے اور نقل میں ہر بات میں وہ اپنے لئے صحیح راستہ دریافت کر لیتا ہے۔

٥٠٢/٤ حماد عن ابیه عن عبد الملك عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قوله تعالیٰ فوربك لنسئلنهم اجمعین عما کانوا یعملون۔ قال لا اله الا الله۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں فوربك لنسئلنهم اجمعین عما کانوا یعملون [illegible] قسم ہے تمہارے رب کی البتہ ہم سوال کریں گے ان سب سے اس چیز کے متعلق [illegible] لا اله الا الله یعنی اس سے یہ کلمہ مراد [illegible] [illegible]۔

ف:۔ یہاں سوال کا ایجاب ہے اور اثبات کہ روز قیامت بندوں سے سوال ہوگا۔ اور سورہ رحمٰن میں اس سے انکار ہے اور نفی [illegible] لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان [illegible] انس و جن سے اس کے گناہ کے بارہ میں نہ پوچھا جائے گا۔ اس الجھن کا حل یہ ہے کہ آیت [illegible] سے مراد سوال تنبیہ و ڈانٹ اور زجر و توبیخ ہے اور آیت نفی میں اس سوال سے [illegible] معلومات حاصل کی جائیں اور نادانفیت دور کی جائے۔ تو ایسا سوال نعوذ باللہ اللہ عزاسمہ کی طرف سے کیسے ہو سکتا ہے۔

٥٠٢/٥ حماد عن ابیه عن زیاد عن سعید

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ فرمایا رسول

Marfat.com

بن جبیر عن ابن عباس رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لجبرئیل ؑ ما لك تزورنا اکثر مما تزورنا قال فانزلت بعد لیال وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا ؞

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے کہ آپ ہماری ملاقات کے لئے زیادہ کیوں نہیں آتے (گویا موجودہ حالت سے زیادہ ملاقات کا موقع کیوں نہیں دیتے) تو اس کے چند روز ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ وما نتنزل الا بامر ربك له ما بین ایدینا وما خلفنا کہ ہم نہیں اترتے مگر تمہارے رب کے حکم سے اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے ؞

ف: بخاری میں بھی حضرت ابن عباس سے ایسی ہی روایت ہے۔ ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ آیت اس وقت اتری کہ وحی کا سلسلہ چالیس روز تک بند رہ چکا تھا۔ اور آنحضرت کو ملاقات کا اشتیاق شدید تھا۔

۵۰۵ ح ابو حنیفۃ عن سماك عن ابی صالح عن ام ھانیؓ قال قلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان المنکر الذی کانوا یأتون فی نادیھم قال کانوا یخذفون الناس بالنواۃ والحصاۃ ویسخرون من اھل الطریق ؞

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا بری بات تھی جو (قوم لوطؑ) اپنی مجلسوں میں کیا کرتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگوں پر گٹھلیاں اور کنکریاں پھینکا کرتے اور راہ گیروں سے مسخری کرتے تھے ؞

ف: یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول وتاتون فی نادیکم المنکر میں لفظ "منکر" کی تفسیر حضرت ام ہانی نے آنحضرت سے دریافت کی۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں گوز خارج کیا کرتے تھے۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جماع کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام سے یوں مروی ہے کہ ایک دوسرے پر تھو کا کرتے تھے۔ غرض ان کی مجلسیں اس قسم کی لغوتیوں اور فحش باتوں کا اڈا ہوتی تھیں۔ اور جب آپس میں مل بیٹھتے تو جامہ انسانیت اتار دیتے اور نرے حیوان اور چوپائے بن جاتے ؞

۵۰۶ ح ابو حنیفۃ عن عطیۃ عن ابن عمرؓ انہ قرأ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَیْبَةً فردّ علیہ وقال قُل من ضُعْفٍ ؞

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبۃ پڑھی تو آپ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا کہ لفظ ضعف کو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو ؞

ف: یعنی حضرت ابن عمرؓ نے ضعف کو ضاد کے زبر کے ساتھ پڑھا تو آپ نے ٹوکا اور فرمایا کہ اس کو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو کیونکہ قریش کے لغت میں یہ لفظ یوں ہی ہے۔ اور پڑھنے والے کی

چونکہ قریش سے تھے - اس لئے تو کہنا ہی مناسب تھا - یا آنجناب کو یہ فصیح تر معلوم ہوا ہو اور یوں لقمہ دیا ہو -
بخاری میں ہے کہ لفظ ضعف میں ہر دو لغات ہیں - ارشاد ساری میں ہے کہ ضعف زیر کے ساتھ عاصم اور
حمزہ کی قرات ہے اور تمیم کا لغت - اور پیش کے ساتھ قریش کا لغت - بعض نے کہا ہے کہ ضعف کو
ضاد کے پیش کے ساتھ جب پڑھیں تو بدنی کمزوری کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جب زیر کے ساتھ پڑھیں
تو عقل کی کمزوری کی طرف -

۵۰۸ **ابو حنیفۃ** عن الھیثم عن الشعبی عن مسروق عن عبد اللہ قال قد مضی الدخان والبطشۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ آیت قرآن پاک فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (کہ آپ منتظر رہئے اس دن کے لئے کہ لاوے گا آسمان ظاہر ظہور دھواں) میں دخان (دھواں) اور آیت یوم نبطش البطشۃ الکبری (جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے) میں بطشہ (پکڑ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گذر چکی -

ف: - دخان اور بطشہ کے بارہ میں دو شبہ ہائے خیال ہیں ایک کی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے ہے کہ ان کے نزدیک یہ ہر دو عذاب عہد نبوی میں گذر چکے جس کی تائید حدیث ذیل کرتی ہے بخاری میں پورا واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت نے قریش کی پے در پے نافرمانیوں کے باعث ان کے حق میں بددعا فرمائی - تو اللہ تعالے نے ان پر سخت قحط ڈالا - یہاں تک کہ بہت سے مر گئے - اور لوگوں نے مردار اور مردار تک کھائیں - اور مارے ضعف و نقاہت کے ہر ایک کو آسمان کی طرف دھواں دکھائی [illegible] اسی حالت کی ترجمانی آیت یوم تاتی السماء کرتی ہے - پھر حضرت عبد اللہ نے خیال کیا اس کے [illegible] انا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون (کہ ہم چند سے اس عذاب کو ہٹا دیں گے - [illegible] پھر آ جاؤ گے) سے پختہ کرتے ہیں کہ اگر یہ عذاب آخرت میں آنے والا ہوتا تو [illegible] کو اٹھے گا - اور وہ کب اپنی حالت پر لوٹیں گے - چنانچہ ایک جماعت حضرت [illegible] کے ساتھ [illegible] ہے - مثلاً مجاہد - ابی العالیہ - ابراہیم نخعی - ضحاک - عطیہ العوفی - وغیرہ - ابن جریر نے [illegible] ہے - اور ملا علی قاری نے بھی اپنی مسند کی شرح میں اسی مذہب کو ترجیح دی ہے

دوسرے خیال کی نسبت حضرت ابن عباس رض کی طرف ہے - اور ان سے [illegible] کہ یہ دو عذاب بروز قیامت رونما ہوں گے - ابن کثیر اسی خیال کی طرف جھکے ہیں - اور ان [illegible] لفظ مبین سے بھی دلیل لائی جاتی ہے - کہ فرمایا ظہور دھواں ہو گا - حالانکہ حضرت [illegible] بھوک میں وہ ایک خیالی اور ذہنی چیز ہے - [illegible] سے صحت الفاظ [illegible] چلتا ہے کہ یہ عذاب سب کا دن کو عام ہو گا [illegible]

عبداللہ علی کے مذہب کی پختہ حجت پیش کرتا ہے۔ اس لئے وہی حق معلوم ہوتا ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اولادكم من كسبكم وهبة الله لكم يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے البتہ تمہاری اولاد تمہاری کمائی سے ہے اور تمہارے لئے اللہ کی بخشش جس کو چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے عطا فرماتا ہے۔

ف: بہ حاکم نے بھی بعینہ یہ حدیث لائے ہیں جو حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ بیہقی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

ابو حنیفة عن مکی بن ابراهیم عن ابی لهیعة عن ابی قبیل قال سمعت ابا عبد الرحمن المزنی یقول سمعت ثوبان مولی رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما احب ان لی الدنیا بما فیها بهذه الآية قل يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا۔ فقال رجل ومن اشرك فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ومن اشرك فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ومن اشرك فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال الا ومن اشرك

حضرت ثوبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پسند نہیں کرتا پوری دنیا و ما فیہا کو اس آیت کے بدلے اور وہ یہ ہے (ترجمہ آیت) فرما دیجئے آپ کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی مت نا امید ہو اللہ کی رحمت سے البتہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دے گا۔ اس پر ایک شخص بولا۔ تو جس نے شرک کیا یا رسول اللہ اس کا کیا حکم ہے آپ خاموش رہے پھر اس نے کہا اور جس نے شرک کیا پھر آپ ساکت رہے۔ پھر تیسری بار اس نے کہا اور جس نے شرک کیا آپ چپ رہے۔ پھر آپ نے فرمایا خبردار ہو جس نے شرک کیا۔ (اس کو بھی بخشش دے گا)

ف: بعض نسخوں میں الا کے بعد واو ہے جس طرح نسخہ میں موجود ہے اور بعض میں نہیں۔ قاری نے نسخہ پر شرح لکھی ہے اس میں واو نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہاں الا تنبیہ کے لئے ہو اور واو ساقط ہو گیا ہو۔ اور معنی یہ ہی ہوں کہ خبردار ہو جس نے شرک کیا وہ بھی بخشا جائے گا۔ یعنی جب وہ شرک سے تائب ہو کر مشرف با سلام ہو گا تو اس کے شرک کے سارے گناہ یک قلم مٹا دیئے جائیں اور یوں اس کی بخشش ہو گی۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ الا استثناء کے لئے ہو تو پھر تو معنی بالکل ظاہر ہیں۔ مگر اکثر نسخوں میں واو ہے چنانچہ امام احمد کی روایت میں بھی واو مذکور ہے۔ اور یہی معنی وہی ہوں گے جو بیان ہوئے۔

ابو حنیفة عن محمد بن السائب الکلبی ۵۱۰

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے

عن ابی صالح عن ابن عباس ان وحشیًا لما قتل حمزۃ مکث زمانًا ثم وقع فی قلبه الاسلام فارسل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قد وقع فی قلبه الاسلام وقد سمعتك تقول عن الله تعالیٰ۔

والذین لا یدعون مع الله الٰهًا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالك یلق اثامًا یضاعف له العذاب یوم القیٰمة ویخلد فیه مهانًا۔

فانی قد فعلتهن جمیعًا فهل لی رخصة۔

قال فنزل جبرئیل فقال یا محمدؐ قل له۔

الا من تاب واٰمن وعمل عملا صالحًا فاولٰئك یبدل الله سیاٰتهم حسنات وکان الله غفورًا رحیمًا۔

قال فارسل رسول الله صلی الله علیه وسلم بهذه فلما قرأت علیه قال وحشی ان فی هذه الاٰیة شروطًا واخشی ان لا اتی بها ولا احقق ان اعمل عملا صالحًا ام لا فهل عندك شئ الین من هذا یا محمدؐ۔

قال فنزل جبرئیل بهذه الاٰیة ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذالك لمن

وحشی بن حرب نے حضرت امیر حمزہ رضؓ کو شہید کیا۔ تو اس کے بعد ایک زمانہ تک کفر پر رہا۔ پھر اس کے دل میں خیال اسلام کا آیا تو ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیغام لے کر بھیجا کہ میرے دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں (ترجمہ آیت) اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا۔ دن قیامت کے اس کا عذاب بڑھایا جائے گا۔ اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گا۔ اب وحشی کہتا ہے اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو کیا میرے لئے کوئی چھٹکارے کی شکل ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت جبرئیلؑ اترے اور انہوں نے کہا اے محمد اس سے کہئے (ترجمہ آیت) مگر جو شرک سے توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی (گذشتہ) بدیوں کو (آئندہ) نیکیوں سے بدل ڈالے گا اور اللہ غفور رحیم ہے راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت وحشی کے پاس بھیج دی جب یہ آیت وحشی کے پاس پڑھی گئی تو اس نے کہا کہ اس آیت میں چند شرطیں ہیں جن کے بارہ میں مجھے خوف ہے کہ میں ان کو انجام دے سکوں گا اور میں یہ نہیں جان سکتا کہ میں نیک عمل کر سکوں گا یا نہیں تو اے محمد آپ کے پاس اس سے بھی کوئی آسان تر چیز ہے۔ راوی نے کہا کہ پھر جبرئیل یہ آیت لے کر اترے (ترجمہ آیت) بیشک اللہ اس کو نہیں بخشے

يَشَآءُ ۔

قال فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم بهذه الاية وبعث الى وحشي. قال فلما قرأت له قال انه يقول ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذالك لمن يشآء وانا لا ادري لعلي ان لا اكون في مشيته ان شاء في المغفرة ولو كانت الاية ويغفر ما دون ذالك ولم يقل لمن شاء كان ذالك فهل عندك شئ اوسع من ذالك يا محمد فنزل جبرئيل بهذه الاية قل يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم. قال فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعث بها الى وحشي فلما قرأت عليه قال اما هذه الاية فنعم ثم اسلم فارسل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اني قد اسلمت فاذن لي في لقائك فارسل اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ولد عني وجهك فاني لا استطيع ان املأ عيني من قاتل حمزة عمي قال فسكت وحشي حتى كتب مسيلمة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من مسيلمة رسول الله الى محمد رسول الله اما بعد فقد اشركت في الارض فلي نصف الارض ولقريش نصفها غير ان قريشا قوم يعتدون قال فقدم بكتابه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان فلما قرئ

گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ (یہ آیت سن کر بھی وحشی نے کہا) اور میں نہیں جانتا شاید میں نزول اللہ کی مشیت میں۔ اگر وہ مغفرت چاہے۔ اگر آیت یوں ہوتی ویغفر ما دون ذلک کہ بخش دے گا اس کے علاوہ گناہوں کو اور لمن یشاء کا اضافہ اللہ تعالیٰ نہ کرتا تو بات ٹھیک تھی اور قابل قبول تو اے محمد آپ کے پاس اس سے بھی کشادہ تر کوئی حکم الٰہی ہے تو حضرت جبریل یہ آیت لے کر اترے قل یا عبادی الذین الخ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ آیت بھی لکھ کر وحشی کے پاس بھیجدی جب یہ آیت اس کے سامنے پڑھی گئی تو کہنے لگا البتہ یہ آیت ٹھیک موافق مطلب ہے پھر اسلام لے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کو یہ پیغام لے کر بھیجا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلام لے آیا ہوں تو مجھ کو اپنی ملاقات کی اجازت بخشئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ کہلوا دیا کہ مجھے اپنا منہ مت دکھا میں اس کی تاب نہیں لاسکتا کہ میرے پیارے چچا حمزہ کے قاتل کو آنکھ بھر کر دیکھ لوں۔ چنانچہ وحشی نے خاموشی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ مسیلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا کہ مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف۔ اما بعد (پس) البتہ میں نے شریک کیا زمین میں آدھی زمین میرے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے۔ مگر قریش ایسی قوم ہے کہ دھاندلی کرتی ہے (سب ہتیانا چاہتی ہے) اور اس کے اس خط کو دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے جب اس کا خط آنحضرت

علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب قال للرسولین لولا انکما رسولان لقتلتکما ثم دعا بعلی بن ابی طالب فقال اکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الیٰ مسیلمۃ الکذاب السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد۔

قال فلما بلغ وحشیًا ما کتب مسیلمۃ الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرج المدراع فصقلہ وھم بقتل مسیلمۃ فلم یزل علیٰ عزم ذالک حتی قتلہ یوم الیمامۃ۔

کے روبرو پڑھا گیا۔ آپ نے ہر دو قاصدوں سے فرمایا اگر تم قاصدوں کی حیثیت سے نہ آئے ہوتے۔ تو میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اما بعد۔ پس البتہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو اس کا وارث بنا تا ہے۔ اور عاقبت کی بہتری پرہیزگاروں کے لئے ہے اور رحمت بھیجے اللہ ہمارے سردار محمد پر۔ راوی نے کہا کہ جب وحشی کو خبر ملی۔ اس تحریر کی جو مسیلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھی تھی تو اس نے اپنے حربہ کو نکالا اس کو تیز کیا اور مسیلمہ کے قتل کا ارادہ ٹھان لیا۔ اور اسی ارادہ میں رہا۔ یہاں تک کہ یمامہ کے دن اس کو قتل کر ڈالا۔

ف:۔ ارشاد الساری میں بھی ہے اور تفسیر سراج منیر میں بھی کہ جب وحشی کا یہ واقعہ پیش آیا تو لوگوں نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ یہ حکم محض وحشی کے لئے مخصوص ہے یا سب کے لئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حکم سب مسلمانوں کو شامل ہے حقیقت میں یہ حیرت کا مقام ہے کہ اسلام کا دامن رحمت و شفقت کس قدر وسیع ہے کہ جب خلوص دل سے انسان اسلام قبول کرے تو سارے گناہ یک قلم معاف ہو جاتے ہیں خواہ چھوٹے گناہ ہوں خواہ بڑے۔ چنانچہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا کا کھلا پیام خوشخبری سنایا گیا۔ اور ایمان لانے والے کا تو اور مومنین کا دل شاد کیا گیا۔ مگر بالاجماع مغفرت گناہ کے لئے مشیت شرط ہے۔ مشیت لاحق ہونے کے بعد مومن کے گناہ بلا توبہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۱۱/۱۲ **ابو حنیفۃ** عن سلمۃ عن ابی الزعراء من اصحاب ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیخرجن بشفاعتی من اھل الایمان من النار حتی لا یبقی فیھا احد الا اھل ھذہ الآیۃ ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین وکنا

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شفاعت سے اہل ایمان دوزخ سے نکلیں گے یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا سوائے اس آیت کے خاطبین کے ترجمہ آیت کونسی چیز تم کو دوزخ میں لے گئی وہ کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور شغل کرنے والوں کے ساتھ

Marfat.com

نخوض مع الخائضین وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتانا الیقین فما تنفعهم شفاعة الشافعین

بحث میں گھسے رہتے تھے اور جھٹلاتے تھے دن قیامت کو یہاں تک کہ ہم کو موت نے آگھیرا۔ بس نہیں نفع دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔

وفی روایة عن ابن مسعود رضؓ قال یعذب اللہ تعالیٰ اقوامًا من اهل الایمان ثم یخرجهم بشفاعة محمد صلی اللہ علیه وسلم حتی لا یبقی الا من ذکر اللہ سبحانه وتعالیٰ ما سلککم فی سقر قالوا لم نك من المصلین ولم نك نطعم المسکین وکنا نخوض مع الخائضین الی الشافعین۔

اور ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ سے یوں روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ عذاب دے گا اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے بہت سی قوموں کو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ان کو دوزخ سے نکالے گا۔ یہاں تک کہ نہیں رہیں گے اس میں مگر وہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے ماسلککم فی سقر۔ الشافعین تک۔

ف: یہ حدیث عقیدہ اہل سنت والجماعت کو واضح کرتی ہے اور ساتھ ساتھ حضرت امام اعظمؒ کی ذات کو بھی بے اصل وبے بنیاد الزامات واتہامات سے بری کرتی ہے اور منزہ۔ بعض نے ان کو معتزلی ہونے کے اتہام سے متہم کیا ہے۔ اور بعض نے مرجیہ ہونے کا الزام ان پر لگایا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث معتزلہ اور مرجیہ ہر دو کے عقائد باطلہ کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔ معتزلہ اس خیال کے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی ان کو ہوا تک نہیں لگے گی اور مرجیہ ان کی ضد ہیں۔ وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ جنہوں نے صرف کلمہ پڑھ لیا انہوں نے گویا دوزخ سے بالکل برأت کا پٹہ لکھوا لیا یہ محض جنتی ہیں۔ دوزخ سے نہ کوئی ان کو واسطہ نہ علاقہ۔ اس حدیث سے صاف آشکارا ہے کہ امت مسلمہ کے فاسق وفاجر دوزخ کا عذاب بھگتیں گے پھر آنحضرت کی سفارش سے ایک ایک کر کے دوزخ سے نکلیں گے۔ یہاں تک کہ اس میں چھٹے کافر ومشرک ہی رہ جائیں گے۔ جن کا ذکر آیت کریمہ محولہ بالا میں ہے۔

۵۱۲ ح ۱۳ حماد عن ابیه عن سلمة بن کهیل عن ابن مسعود قال لا یبقی فی النار الا من ذکرہ اللہ فی هذہ الآیة ما سلککم فی سقر۔ الی الشافعین۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی۔ مگر وہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے ماسلککم فی سقر۔ الشافعین تک۔

ف: یہ پچھلی حدیث کا اختصار ہے۔

۵۱۳ ح ۱۴ حماد عن ابیه عن عاصم عن ابی صالح قال الحُقب ثمانون سنةً منها ستة ایام عدد ایام الدنیا۔

ابی صالح سے مروی ہے کہ آیت لٰبثین فیہا احقابا کہ رہیں گے اس میں قرنوں (حقب) اسی سال سے عبارت ہے جس کے چھ دن تمام دنیا کے برابر ہیں۔

Marfat.com

ف: ملا علی قاری اس کی شرح میں کہتے ہیں کہ یا تو ان چھ ایام سے خلق آسمان وزمین کے دن مراد ہیں کہ وہ بھی بروئے آیت کریمہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام چھ ہی دن میں یا پوری عمر دنیا کے چھ دن کی طرف اشارہ ہو کیونکہ پوری عمر دنیا کی بروئے روایات سات دن کی مانی گئی ہے۔ ہر دن ایک ہزار برس کا۔ یوں وارد ہے کہ سب سے آخر میں وہ نافرمان مسلمان جو دوزخ میں سے نکالا جائے گا۔ وہ سات ہزار برس کے بعد نکالا جائے گا۔ گو وہ عمر دنیا کے برابر عذاب کاٹ چکے گا۔ اور اس کا بھی حساب کیا ہے کہ یہ ہماری امت کے جو ہزار سال ختم ہوئے ہیں یہ گویا عمر دنیا کا ساتواں دن تھا تو اس حساب سے ساتویں دن پر کچھ کسرانی پڑے گی جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ غالباً پانچسو سے زیادہ کسر نہیں پڑے گی۔ مگر یہ حساب کتاب اخبار ظنیہ کی رو سے ہے۔ جس پر جزم و یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ رہتی بستی دنیا کب چل بسے گی۔ اور کب دم توڑے گی۔

۴۲۴ **ابوحنیفۃ** عن ابی الزبیر قال قرأ علیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وصدق بالحسنیٰ قال لا الٰہ الا اللہ ۔

حضرت ابی الزبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی وصدق بالحسنیٰ تو آپ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ مراد ہے۔

ف: یعنی یہ جو فرمان باری ہے فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ کہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سچ مانا اچھی بات کو تو اس میں اچھی بات سے مراد کلمہ توحید ہے۔ کیونکہ تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ و بنیاد کلمہ توحید ہی ہے اس کے بغیر کوئی نیکی کار آمد نہیں خواہ داد و دہش ہو خواہ اور کوئی نیکی۔ حسنیٰ کی اور تفسیریں بھی کتب تفسیر میں وارد ہیں۔ مثلاً فرض عبادات۔ ثواب جنت وغیرہ۔

۲۲۸

کتاب الوصایا والفرائض!

کتاب وصایا اور فرائض میں!

۴۲۵ **ابوحنیفۃ** عن عطاء عن ابیہ عن سعد بن ابی وقاص قال دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی مرض فقلت یا رسول اوصی بمالی کلہ قال لا۔ قلت فنصفہ۔ قال لا۔ قلت فثلثہ۔ قال والثلث کثیر لا تدع اھلک

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس عیادت مرض کے لئے تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے پورے مال کی اللہ کے واسطے وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اس سے آدھے کی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اس سے تہائی کی۔ آپ نے فرمایا کہ تہائی بہت ہے۔ تم اپنے گھر والوں کو

یتکففون الناس ؎

تیاں کو اس حال میں کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں ؎

وفی روایۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علی سعد یعود

قال اوصیت قال نعم اوصیت بمالی کلہ فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یناقصہ حتی قال الثلث والثلث کثیر ؎

ایک روایت میں اس طرح وارد ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم نے وصیت کی انہوں نے کہا جی ہاں میں نے اپنے پورے مال کی وصیت کی۔ تو پھر آپ اس کو گھٹاتے رہے یہاں تک کہ حضرت سعدؓ نے ایک تہائی کے لئے کہا۔ تو آپ نے کہا کہ ایک تہائی بھی بہت ہے ؎

وفی روایۃ عن عطاء عن ابیہ عن جدہ عن سعد قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی فقلت یا رسول اللہ اوصی بمالی کلہ قال لا قلت فبالنصف قال لا قلت فبالثلث

قال فبالثلث والثلث کثیر ان تدع اھلک بخیر خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس ؎

ایک اور روایت میں یوں ہے۔ کہ حضرت سعد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ بیمار پرسی کی غرض سے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے پورے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اچھا آدھے کی۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے کہا (اچھا تو) ایک تہائی کی۔ آپ نے فرمایا ایک تہائی۔ اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ کیونکہ تمہارا اپنے گھر والوں کو مالدار چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو فقیر چھوڑو۔ کہ لوگوں کے سامنے سوال کے لئے ہاتھ پھیلاتے پھریں ؎

ف: یہیں سے یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ وصیت ایک تہائی مال تک جائز ہے۔ نہ اس سے زائد۔ پھر حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے بھی کم کرنا چاہئے۔ اور آنحضرت کے الفاظ مذکورہ سے دلیل لاتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا والثلث کثیر کہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ چنانچہ ایک جماعت اسی خیال کی پیرو ہے۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ثلث سے کم نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر وصیت کو ایک تہائی سے بھی کم کرانا کچھ بھی جائز ہوتا۔ تو آپ حضرت سعد سے ایک تہائی سے بھی کم کراتے۔ پھر بیہقی اپنی سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت بدیں معنی لائے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا وصیت میں ایک تہائی مال کا درمیانی حصہ ہے۔ نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ۔ یہ روایت بھی پچھلے خیال کی تاکید کرتی ہے ؎

Marfat.com

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یرث المسلم النصرانی الا ان یکون عبدہ او امتہ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان نصرانی کا وارث نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ نصرانی اس کا غلام ہو یا نصرانیہ اس کی باندی ۔

ف: مسلمان اور کافر کے درمیان مسئلہ توارث کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ البتہ اس میں ضرور اختلاف ہے کہ آیا مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں۔ جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ ان کی حجت یہی حدیث ہے یا اس جیسی احادیث جو کتب صحاح میں وارد ہیں کہ ان میں توریث سے صاف انکار ہے سوا اس صورت کے کہ نصرانی مرد غلام ہو یا نصرانی عورت چھوکری۔ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ اور سعید بن مسیب اور مسروق توریث کے قائل ہیں۔ اور وہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ الاسلام یعلو ولا یُعلیٰ کہ اسلام غالب رہتا ہے نہ مغلوب۔ مگر یہ دلیل قوی نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں محض فضیلت اسلام کا ذکر ہے۔ نہ وارث کا۔ بخلاف ان احادیث مذکورہ بالا کے کہ ان میں ارث سے صاف انکار ہے۔ پھر ارشاد سامی میں ہے کہ اگر نصرانی مسلمان کا غلام ہو تو مسلمان نصرانی کے مرنے کے بعد اس کے مال کا حقدار اس لئے بنتا ہے کہ غلام کا مال اس کی ملک نہیں۔ وہ در اصل اس کا آقا ہے تو گویا مسلمان آقا ہونے کے سبب اس کے مال کا مستحق بنا۔ نہ وارث ہونے کی حیثیت سے ۔

ابوحنیفة عن طاؤس عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو فرض حصے ان کے مستحقین کو۔ اور جو بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دو وہ بالغ ہو یا بچہ (حق عصبیت) ۔

ف: اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض وہ قرابت والے ہیں جن کے حصے مقرر ہیں اور جن کا ذکر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں آچکا ہے۔ یہ حصے کل چھ ہیں آدھا۔ تہائی۔ چوتھائی۔ آٹھواں۔ دو تہائی۔ ایک تہائی اور چھٹا۔ اور ان کے حقدار یہ ہیں ماں۔ باپ۔ میاں۔ بیوی۔ بیٹے۔ بیٹیاں۔ بھائی۔ بہنیں۔ یہ کل تعداد میں بارہ ہیں۔ چار مرد ہیں اور آٹھ عورتیں۔ ان سے بچا ہوا حصہ عصبہ لیتے ہیں۔ مزید تفصیل کتب فرائض میں مل سکتی ہے ۔

ابوحنیفة عن الحکم عن عبداللہ بن شداد ان ابنة لحمزة اعتقت مملوکا فمات فترک ابنة فاعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الابنة النصف

عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ کی بیٹی نے آزاد کیا ایک غلام کو پس وہ غلام مر گیا اور چھوڑ گیا ایک بیٹی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کو آدھا حصہ دیا۔ اور حضرت حمزہ کی بیٹی کو

واعطی ابنة حمزة النصف ؁ بقیہ آدھا ؁

ف:۔ یہ غلام آزاد کرنے والی بیٹی حضرت عبداللہ بن شداد کی بیٹی کے رشتہ میں سے بہن تھیں بعض کے نزدیک آزاد کرنے والے خود حمزہ تھے۔ چنانچہ دارقطنی کی روایت سے ایسا ہی پتہ چلتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہی ہے کہ ان کی لڑکی آزاد کرنے والی تھیں۔ نہ وہ خود۔ اس سے اس مسئلہ کا ثبوت ملتا ہے کہ مولی العتاقہ جس کو عصبہ سببیہ بھی کہتے ہیں بنا بر عصبیت میراث کا حقدار بنتا ہے۔ یہ ذوی الارحام پر مقدم مانا جاتا ہے۔ البتہ عصبہ نسبیہ سے اس کا مرتبہ بعد تر کا ہے۔ پھر حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مولی العتاقہ میں مرد ہونے کی شرط نہیں۔ وہ خواہ مرد ہو خواہ عورت اسے حق ولا حاصل ہے ؁

۵۱۶ ج ۵ **ابوحنیفة** عن الهیثم عن الشعبی عن مسروق عن عائشة رضی الله عنها قالت لما نزلت إِنَّ الَّذِيْنَ يَأكلون اموال الیتامٰی ظلمًا انما یاکلون فی بطونهم نارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا عدل مَنْ کَانَ یعول اموال الیتامٰی فلم یقربوها وشق علیهم حفظها وخافوا الاثم علٰی انفسهم فنزلت الاٰیة فخفف علیهم

وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ وان تخالطوهم الاٰیة ؁

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت اتری ان الذین یاکلون اموال الیتامی الخ (ترجمہ آیت) کہ البتہ جو لوگ ناحق یتیموں کے مال کھاتے ہیں تو وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ تو جو یتیموں کے مال کی دیکھ بھال و غور و پرداخت رکھا کرتے تھے وہ ان کے مالوں سے بچے اور ان کو انہوں نے چھوا تک نہیں اور ان پر ان اموال کی حفاظت دوبھر ہوگئی کیونکہ وہ اپنے بارہ میں ڈرے کہ کہیں گنہگار نہ ہو جائیں تو اللہ تعالے نے آیت ویسئلونك عن الیتامی قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم الاٰیة اتاری اور یوں ان کی تکلیف کو ہلکا کیا۔ (ترجمہ آیت) اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم تو آپ کہئے کہ ان کے لئے مصلحت کی رعایت بہتر ہے۔ اور اگر خرچ وغیرہ میں ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں ؁

ف:۔ ابوداؤد میں حضرت ابن عباس کی روایت میں اس کی مزید تفصیل یوں وارد ہے کہ جب اللہ تعالے نے ولا تقربوا مال الیتامی الا بالتی هی احسن۔ وان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما الخ کی آیات اتاری۔ تو جس جس کی سرپرستی میں کوئی یتیم تھا وہ گیا اور یتیم کا کھانا اور پینا اپنے سے جدا کر دیا۔ تو جب یتیم کا کھانا اس سے بچ جاتا تو ایسا ہی رکھا رہنے دیتے۔ یہاں تک کہ وہ یتیم خود اس کو کھا لیتا یا سڑ بس کر پھینک جاتا۔ تو یہ احتیاط سرپرستوں پر دوبھر ہوگئی۔ چنانچہ اس کا ذکر آنحضرت کے روبرو ہوا۔ اور اللہ تعالے نے ویسألونك عن الیتامی الخ کی آیت اتاری۔ لہذا سرپرستوں نے پھر یتیموں کو کھانے پینے میں

اپنے ساتھ شریک کر لیا۔

ابوحنیفة عن محمد بن المنکدر عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم لا یُتمَ بعد الحلم۔

حضرت انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ بالغ ہونے کے بعد تیمی نہیں۔

ف: یعنی یتیم وہ ہی بچہ کہلائے گا جس کا باپ مرگیا ہو۔ اور ابھی وہ بالغ نہ ہوا ہو اور اگر وہ بالغ ہو گیا تو وہ باصطلاح شرع یتیم نہیں۔

۲۲۹ كِتَابُ الْقِيَامَةِ وَصِفَةِ الْجَنَّةِ!

کتاب قیامت کے بیان اور جنّت کی صفت میں!

ابوحنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانیٔ عن رسول الله صلعم قال ان یوم القیٰمة ذو حسرة وندامة۔

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت حسرت و ندامت کا دن ہے۔

ف: کتب صحاح میں اس حدیث کے ہم معنی و ہم مطلب بہت سی احادیث وارد ہیں [illegible] اس ارشاد خداوندی کی ترجمانی کرتا ہے۔ کہ فرمایا۔ وانذرھم یوم الحسرة اذ قضی الامر [illegible] کے دن (یوم قیامت) سے ڈرایئے۔ جب کہ فیصلہ صادر کر دیا جائے گا۔ اور حقیقت [illegible] قیامت کا [illegible] اور نیز امت محمدیہ کے فاسق و بدکار اپنے پچھلے گناہوں اور گذشتہ بدکاریوں پر حسرت [illegible] پشیمان و شرمندہ ہوں گے رنج و صدمہ سے ہاتھ ملیں گے اور [illegible] یوں حسرت تو اہل جنت کو بھی ہوگی مگر وہ دوسری شکل کی اور [illegible] میں بدیں الفاظ روایت ہے لیس یتحسر اھل الجنة یوم القیٰمة [illegible] کہ روز قیامت اہل جنت کسی چیز پر حسرت نہیں کریں گے مگر اس ساعت پر جو دنیا میں [illegible] میں اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ دراصل حسرت ندامت نہیں بلکہ زیادتی اجر و ثواب [illegible] ہے اور اشتیاق نہ پشیمانی و ندامت یا شرمندگی۔

ابوحنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانیٔ عن رسول الله صلعم قال ان القیٰمة ذو حسرة وندامة۔

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت حسرت و ندامت والی ہے۔

ف: یہ حدیث حدیث بالا کا [illegible] کے ہم معنی۔

۵۲۳/۴

ابو حنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانئ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ خلق من الجنة مدینة من مسك اذفر ماؤھا السلسبیل وشجرھا خلقت من نور فیھا حور حسان علی کل واحدة سبعون ذؤابة لوان واحدة منھا اشرقت فی الارض لاضاءت ما بین المشرق والمغرب لملأت من طیب ریحھا ما بین السماء والارض فقالوا یا رسول اللہ لمن ھذا قال لمن کان سمحا فی التقاضی ۔

حضرت ام ہانی رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالے نے جنت میں ایک شہر مشک اذخر کا پیدا فرمایا ہے۔ جس کا پانی سلسبیل ہے اور اس کے درخت نور سے بنے ہوئے جس میں حوریں ہیں خوش جمال کہ ان میں سے ہر ایک کی ستر لٹیں ہیں (مینڈھیں)۔ اگر ان میں سے ایک بھی زمین میں نور افگن ہو تو زمین کو مشرق سے لے کر مغرب تک روشنی سے چمکا دے اور آسمان و زمین کے درمیان پوری فضا کو بنی مست خوشبو سے مہکا دے اور معطر کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس کے لئے ہے آپ نے فرمایا اس کے لئے جو قرض کے تقاضے میں نرم دل ہو۔ (سختی و درشتی نہ برتے) ۔

وفی روایة قال لوان واحدة من الحور العین اشرقت لاضاءت ما بین المشرق والمغرب ولملأت ما بین السماء والارض من طیبھا ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان حور عین میں سے اگر ایک بھی عالم ظہور میں آجائے تو زمین کے مشرق و مغرب کا درمیانی حصہ پورا کا پورا جگمگا اٹھے اور آسمان و زمین کا درمیانی خلا پورا اس کی مہک سے بھر جائے اور معطر ہو جائے ۔

وفی روایة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ مدینة خلقت من مسك اذفر معلقة تحت العرش وشجر من النور وماؤھا السلسبیل وحور عینھا خلقت من نبات الجنان علی کل واحدة منھن سبعون ذؤابة لوان واحدة منھن علقت فی المشرق لاضاءت اھل المغرب ۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ایک شہر ہے جس کی خلقت مشک اذخر سے ہوئی ہے لٹکا ہوا ہے عرش کے نیچے۔ اس کا درخت نور سے ہے اور اس کا پانی سلسبیل اس کے حور عین کی پیدائش جنت کی گھاس سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک پر ستر لٹیں ہیں (مینڈھیں) کہ اگر ایک بھی ان میں سے مشرق میں لٹکا دی جائے تو البتہ اہل مغرب تک کو منور و روشن کر دے ۔

ف : جنت و مافیہا کی تعریف و توصیف سے احادیث صحیحہ پر ہیں۔ خطیب اپنی تاریخ میں حضرت انس رض سے یا ہیں معنی حدیث مرفوع لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت زعفران سے ہے۔ طبرانی بھی کبیر میں اسی

مضمون کی حدیث لائے ہیں۔ ابن مردویہ حضرت عائشہ سے حدیث لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت تسبیح ملائکہ سے ہے۔ طبرانی حضرت سعید بن عامر رض سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ اگر اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین پر اپنی روشنی ڈالے تو زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج و چاند اپنی روشنی چھوڑ بیٹھیں حضرت علامہ غزالی رح منہاج العابدین میں یہ قصہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رح کے بعض شاگردوں نے آپ سے کہا کہ حضرت آپ مسائل دینی کی تحقیقات اور اجتہادی کاوشوں میں اس قدر سخت منہمک و مصروف ہیں کہ آپ کی ظاہری حالت زار ہے اور قابل افسوس۔ اگر قدرے اپنی محنت کم کریں اور دینی مصروفیتوں کو گھٹائیں تو بھی ہمارے خیال میں کام چل سکتا ہے۔ اس پر سفیان ثوری فرمانے لگے کہ میں اپنی جان کو علمی تحقیقات میں کیوں نہ کھپاؤں جب کہ مجھے یہ روایت پہنچ چکی ہے کہ اہل جنت جنت میں اپنے اپنے کاشانوں میں ہوں گے کہ یکایک ایک زبردست نور تجلی فگن ہوگا جس سے آٹھوں جنتیں چمکا اٹھیں گی۔ لامحالہ اہل جنت یہی خیال کریں گے کہ ذات باری کے نور کی تجلی ہے۔ چنانچہ سب اس کے سامنے سربسجود ہوں گے۔ تو غیب سے آواز آئے گی کہ اپنے اپنے سر اٹھاؤ۔ دھوکہ نہ کھاؤ۔ یہ نور رب نہیں یہ تو جنت کی ایک حور کا نور تھا۔ جو اپنے زوج کے سامنے ہنس پڑی تھی۔

اللہ اکبر۔ بندہ کے خیال و گمان میں نہ آنے والی مذکورہ نعمتیں اور اس کی عقل و فہم سے بالاتر بخششیں جو بہشت میں مومن بندوں کو عطا ہوں گی۔ ان کا استحقاق کن خوش قسمت مومنین کو ہوگا۔ اور ان کے حقدار کون صاحب نصیب مسلمان ہوں گے۔ ان کا پتہ ان کی خوشخبری سنانے والے خود آنحضرت دیتے ہیں کہ وہ وہ لوگ ہوں گے جو قرض خواہی اور حق طلبی کے وقت قرضدارت نرمی، خوش خوئی خوش مزاجی سے پیش آئیں گے حسن برتاؤ و حسن اخلاق، ہمدردی و دلسوزی اور خدا ترسی کا ثبوت دیں گے۔ نرم، نرم، بہتر سے بہتر الفاظ میں تقاضا کریں گے۔ اس کے نازک و پیچیدہ حالات کے ماتحت اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے۔ اگر فی الوقت ادائیگی سے قاصر ہوگا اور قرض کی سبکدوشی سے عاجز تو اس کو مہلت اور مہلت و ڈھیل دیں گے اور یوں اس کے دکھے اور ٹوٹے ہوئے دل کو ادراو ڈھارس دیں گے۔ اور اگر پوری مقدار کی ادائیگی پر قادر نہ ہوگا تو بقیہ معاف کریں گے یا اس کی ادائیگی بعد کی کسی تاریخ پر موقوف رکھیں گے تو یا اس کے حالات جس قسم کے برتاؤ کا تقاضا کریں گے وہ وہ ہی عمل میں لائیں گے۔ لہذا ایسے شرافت و انسانیت کے علمبرداروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں نعمتوں سے نوازیگا اور خوش دل و شاد کریگا۔ برخلاف ان کے وہ سنگدل [illegible] کہ جب کسی کو [illegible] کچھ قرض دے گذریں گے۔ تو گویا قرضدار کی جان کے مالک بن بیٹھیں گے۔ خدا ان کو [illegible] سے بچائے۔ قرض لیا مانگتے ہیں۔ جان لینے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ آنکھیں لال پیلی کرتے ہیں۔ کلام [illegible] دھمکی [illegible] بیچارہ قرضدار عذرات و مجبوریوں کے نرم الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ تو [illegible] کے تیر اس پر برساتے ہیں۔ بلکہ بعض وقت زبان کا جواب ہاتھ سے دینا پسند کرتے ہیں [illegible] معافی یا کمی تو ان کے مذہب میں روا ہی نہیں۔ خدا کی [illegible] بھی ہیں۔ اور سزاوار عتاب ہیں ۔

قال جامعہ الشیخ المحقق العلامۃ الفہامۃ مولانا الشیخ محمد عابد السندی الانصاری هذا اٰخر ما وجدتہ من روایۃ الحصکفی فی مسند الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رح والحمد للہ الذی عم نوالہ علی العباد والصلوٰۃ علی رسولہ محمد المصطفٰی وعلٰی اٰلہ و اصحابہ الامجاد۔ فقط

کہا اس مسند کے جمع و مرتب کرنے والے شیخ محقق علامہ فہامہ مولانا شیخ محمد عابد سندھی انصاری نے کہ یہ آخری روایت ہے جو میں نے حضرت امام اعظم ابی حنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں بروایت حصکفی پائی۔ اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کے انعامات سب کو شامل ہیں اور درود ہو اس کے برگزیدہ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی برگزیدہ اولاد و اصحاب پر۔

تمت بالخیر

محمد سعید اینڈ سنز تاجرانِ کتب و مالکان مطبع سعیدی، قرآن محل
بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی!

Marfat.com

کُتب احادیث نبوی کے دو انمول تحفے!

مشکوٰۃ شریف

مترجم اُردو

چھ ہزار سے زائد احادیث نبوی کا انمول ذخیرہ

ایک کالم میں عربی عبارت مع اعراب (زیر و زبر) اس کے مقابل دوسرے کالم میں بامحاورہ سلیس اُردو ترجمہ،

درحقیقت یہ کتاب حدیث شریف کی ۱۱ کتابوں یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، مسند امام احمد، امام مالک، امام شافعی، بیہقی اور دارمی کا

بے نظیر انتخاب ہے!

سچ تو یہ ہے کہ آج تک اس کتاب کا حق پوری طرح ادا نہ ہوا تھا، مگر خدا کے فضل و کرم سے ہم پہلی مرتبہ اہل علم اور اُردو دان طبقہ کے سامنے ایک نئی شان و شوکت اور طرز جدید پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، تاکہ ہر دو حضرات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی برکت سے مستفیض ہو سکیں،

تین جلدوں میں کامل ہے

قیمت مجلد فی جلد آٹھ روپے۔ محصولڈاک ایک روپیہ

علیحدہ علیحدہ جلدیں بھی طلب فرما سکتے ہیں ؛

۸۰۰ احادیثِ نبوی کا گراں قدر مجموعہ .

جو بلا اختلاف دنیائے اسلام میں یکساں مقبول ہیں

انتخاب صحاح ستّہ

مترجم اُردو

یعنی

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا

بے نظیر خلاصہ

صحاح ستّہ کے نام سے مندرجہ بالا چھ کتابوں کو اپنی صحت و عظمت کے لحاظ سے قرآن پاک کے بعد اولیت حاصل رہی ہے لیکن یہ کتابیں اس قدر ضخیم اور قیمتی ہیں کہ ہر شخص ان سے فیض حاصل کرنے کی ہمت نہیں رکھ سکتا .

اس لئے ہم نے نہایت محنت و کوشش کے بعد ان کتابوں کا انتخاب تیار کرایا ہے جس کو بجا طور پر احادیثِ نبوی کی روح کہا جا سکتا ہے .

ایک کالم میں عربی مع زیر و زبر اور اس کے مقابل دوسرے کالم میں سلیس اردو ترجمہ اور ضروری فوائد و تشریحات درج ہیں .

قیمت مجلد پانچ روپے محصولڈاک بارہ آنہ

محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب و مالکان مطبع سعیدی، قرآن محل

مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی!

احادیث نبویؐ کے دو بیش بہا گوہر!

مؤطا امام محمدؒ مترجم اُردو!

مع ضروری فوائد و تشریحات

ایک ہزار سے زائد احادیث نبوی کا بے نظیر مجموعہ

فقہ و احکام کی کتابوں میں جو اہمیت مؤطا امام محمدؒ کو حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں،

دراصل "مؤطا" امام مالکؒ کی لکھی ہوئی ہے جس کو آپ نے دس ہزار احادیث نبوی کے ذخیرہ سے منتخب کیا تھا، اور آج کل اس کے کم و بیش پندرہ نسخے دیارِ عرب میں پائے جاتے ہیں یعنی امام مالکؒ کے پندرہ شاگردوں کے نام سے یہ نسخے مشہور ہیں جنھوں نے آپ سے روایت کر کے ترتیب دی تھی۔ ان میں یحییٰ اندلسیؒ اور امام محمدؒ کی مؤطا کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ کسی دوسری مؤطا کو حاصل نہ ہو سکی، مؤطا امام مالکؒ یحییٰ اندلسی نے مرتب کی اور اس کتاب کا نام اپنے استاد کے نام پر رکھا مگر امام محمدؒ نے مؤطا ترتیب دیکر اپنے نام سے رکھی، اور چونکہ امام محمدؒ حنفی مسلک پر تھے اس لئے جہاں کہیں انہیں اپنے استاد سے اختلاف یا اتفاق ہے اس کا حدیث کے بعد اظہار کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ مؤطا امام محمدؒ کو اکثر اصحاب علم نے یحییٰ اندلسی کی مؤطا امام مالکؒ پر ترجیح دی ہے اور برتری ثابت کی ہے

اس اہم بالشان کتاب کا حق تھا کہ اُردو دان حضرات بھی اس سے مستفید ہوتے چنانچہ ہم نے ایک کالم میں متن عربی عبارت مع زیر و زبر اور اس کے مقابل دوسرے کالم میں اُردو ترجمہ باشحاورہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں صحیح و ضروری فوائد کے ساتھ شائع کی ہے،

قیمت مجلد آٹھ روپے، محصول ڈاک ایک روپیہ،

کتابُ الآثار مترجم اُردو

مع فوائد و ضروری تشریحات

۹۰۰ آثار (احادیث نبوی) کا گرانقدر و بیش بہا ذخیرہ

جس کو امام اعظم ابو حنیفہؒ نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے منتخب فرمایا تھا اور آپ کے امام محمدؒ نے روایت کر کے کتابی شکل میں مرتب فرمایا ہے۔ کتاب الآثار کے سوا آج ہمارے پاس سنن کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں کہ جس کے مصنف کو تابعیت کا شرف حاصل ہو اور یہ ایسی فضیلت ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ اس عہد کے تمام نامور ائمہ میں ممتاز ہیں، امام ممدوح کی جلالت قدر کے لئے اس سے زیادہ اور کیا درکار ہے کہ وہ اُمت میں امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کے اجتہادی مسائل پر اسلامی دنیا کی دو تہائی آبادی بارہ سو برس سے برابر عمل کرتی چلی آرہی ہے، اور تمام اکابر ائمہ آپ کے فضل و کمال کے معترف ہیں،

امام ابو حنیفہؒ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے ۹۰۰ احادیث منتخب کیں، اور علم شریعت کو باقاعدہ ابواب پر مرتب فرمایا، اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد کتاب الآثار کی احادیث و روایات پر مبنی ہے،

ایک کالم میں عربی اور دوسرے کالم میں اُردو ترجمہ مع ضروری فوائد و تشریحات شائع کی گئی تاکہ اُردو دان حضرات بھی احادیث نبویؐ کے فیض سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

قیمت مجلد مع رنگین گردپوش آٹھ روپے

محصول ڈاک ایک روپیہ،

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی!

Marfat.com

مَاشَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں، اُس کو لے لو، اور جس سے منع کریں، اُس سے باز آ جاؤ!

مسند

امامِ اعظم رح مترجم اُردو

۵۲۳ احادیث نبوی کا ایمان افروز خزانہ

جسے فقہ حنفی کے بانی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے مرتب فرما کر مسلمانانِ عالم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے!

ترجمہ و فوائد

مولانا سعد حسن صاحب!

ناشر: سعید محمد اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی